هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ

الفرقان (بریلی)

مرتبہ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

مکتبہ الفرقان بریلی

[illegible]

قیمت سالانہ
چار روپے للعہ پیشگی

ممالک غیر سے
دس شلنگ پیشگی

تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعلمین نذیرا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ الفرقان بریلی

جلد ۱۴ — بابت ماہ محرم الحرام سنہ ۱۳۶۶ ہجری — عدد (۱)

ضروری گزارش

زیر نظر رسالے الفرقان کا سالانہ چندہ مبلغ چار (۴) روپیہ ہو گیا ہے جس کا مفصل اعلان سنہ ۱۳۶۵ھ کے آخری پرچے کے ذریعہ کیا جا چکا ہے۔ لہٰذا آیندہ خریداری کیلئے مبلغ چار (۴) روپیہ بھیجے جائیں۔

نیز جن حضرات کی خریداری سال رواں کے درمیانی کسی ماہ پر ختم ہوتی ہے۔ ان کی خریداری بھی محرم سنہ ۱۳۶۶ھ سے جس ماہ پر بحساب چار (۴) روپیہ ختم ہوگی اسی ماہ پر ختم کیجاویگی۔ ناظرین کرام نوٹ فرمالیں۔

(ناظم الفرقان بریلی)

(مولوی محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے بریلی الکٹرک پریس بریلی میں چھپوا کر دفتر الفرقان بریلی سے شائع کیا)

افتتاح جلد چہاردہم ۱۴

بسم اللہ، توکلت علی اللہ، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ

اللھم لک الحمد حمداً دائماً مع دوامک، لک الحمد حمداً خالداً مع خلودک، ولک الحمد حمداً لا منتہیٰ لہ دون مشیتک، ولک الحمد حمداً لا یرید قائلہ الا رضاک، ولک الحمد حمداً عند کل طرفۃ عین وتنفس کل نفس۔ اللھم اقبل بقلوبنا الیٰ دینک، واحفظنا من ورائنا برحمتک، اللھم ثبتنا ان نزل واھدنا ان نضل۔ اللھم ان قلوبنا ونواصینا وجوارحنا بیدک لم تملکنا منھا شیئاً فاذا فعلت ذالک بنا فکن انت ولینا واھدنا الیٰ سواء السبیل ہ اللھم وفقنا لما تحب وترضیٰ واجعل آخرتنا خیراً من الاولیٰ

اس رب کریم کا شکر کس زبان سے ادا ہو جس نے محض اپنے فضل و کرم سے انسان بنایا، ایمان و اسلام عطا فرمایا اور پھر خدمت دین ہی کے ایک سلسلہ کو مشغلہ حیات بنا دیا۔

اے اللہ! جس طرح بغیر کسی استدعا اور استحقاق کے محض اپنے فضل و کرم ہی سے یہ انعامات و احسانات تو نے اپنے عاجز و عاصی بندہ پر فرمائے ہیں اسی طرح ان کے شکر اور ادائے حق کی توفیق بھی عطا فرما۔ اپنی بخشی ہوئی قوتوں سے اپنی مرضی ہی کے کام لے اور ضائع ہونے اور غلط استعمال ہونے سے ان کی حفاظت فرما۔

اے اللہ! اس سلسلہ (الفرقان) کے ذریعہ تیرے دین کی نصرت و خدمت اور احیاء اسلام کے لیے جد و جہد کی جو دعوت دی جارہی ہے اس کا عملی حق ادا کرنے کی بھی پوری پوری توفیق دے، اور دین و ایمان والے اپنے سب بندوں کے سینے اس کیلئے کھول دے اور سب کے دلوں میں اس کی لگن لگا دے۔ اور اس راہ کی مشکلات کو آسان فرما دے!

اللھم لا سھل الا ما جعلتہ سھلاً وانت تجعل الحزن سھلاً اذا شئت لا الہ الا اللہ الحلیم الکریم ہ

باسمہٖ سبحانہٗ   حامداً و مصلیاً

نگاہِ اوّلیں!

اسوۂ نبوی کی روشنی میں ہمارے لیے صحیح طریق کار

تھوڑی دیر کے لیے اپنی ظاہری آنکھوں کو بند کر کے، تصور کی باطنی نظر، اب سے پونے چودہ سو برس پہلے کی دنیا پر ڈالیے اور خاص کر ملک عرب کے شہر مکہ اور اس کے قرب و جوار کی آبادیوں کو اپنے نگاہ تصور کے سامنے لے آیئے! آپ کو نظر آئے گا کہ یہاں کی بسنے والی قوم میں جہالت بھی ہے، افلاس اور فلاکت بھی ہے سخت خانہ جنگی اور اس کی وجہ سے تباہی و بربادی بھی ہے، تہذیبی اور تمدنی ترقیوں میں بھی وہ اپنی ہمعصر قوموں سے بہت پیچھے ہے، سیاسی طاقت سے بھی اس کا ہاتھ خالی ہے، بلکہ اس پورے علاقہ میں کوئی سیاسی نظام اور کوئی باقاعدہ یا بے قاعدہ حکومتی ادارہ سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ پھر ان سب کمزوریوں اور خرابیوں کے ساتھ مشرکانہ اوہام و خرافات میں بھی وہ بری طرح الجھی ہوئی ہے اور اپنی عملی زندگی میں خدا اور یوم جزا کو بالکل بھلائے ہوئے ہے۔ اپنے جداعلیٰ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل کی عظمت و بلند مقامی کی اگرچہ وہ پوری طرح قائل ہے، اور ان کی تعظیم بلکہ تقدیس، اس کا دین و ایمان ہے اور اپنے کو وہ ان کی طرف منسوب بھی کرتی ہے، لیکن ان کی مقدس تعلیم سے وہ بالکل بیگانہ ہے، بلکہ اپنے چال چلن اور مذہبی رسوم میں ابراہیمی و اسماعیلی تعلیم و ہدایت سے وہ یکسر منحرف ہے۔

اسی حالت میں، خدا اپنے سب سے آخری برگزیدہ رسول کو اسی قوم میں کھڑا کرتا ہے، قوم کی پوری زندگی کا ایک ایک گوشہ اور حیات قومی کا ایک ایک رخنہ اس رسول اعظم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی چشم بینا کے سامنے ہے، وہ قوم کی جہالت اور ناتعلیم یافتگی کو بھی کھلی آنکھوں دیکھ رہا ہے، افلاس و فلاکت اور وسائل معاش کی کمی بھی اس کی نظر میں ہے، تباہ کن خانہ جنگی اور قتل و غارت کی گرم بازاری بھی اس سے مخفی نہیں ہے، تہذیب و تمدن میں پسماندگی اور سیاسی نظام نہ ہونے کی وجہ سے پوری قوم میں افراتفری اور فتنہ و فساد کی تباہ کاری بھی اس کی نگاہ میں ہے۔ لیکن وہ ان مسائل میں سے کسی ایک مسئلہ کو بھی اوّلی درجہ نہیں دیتا، بلکہ اپنے بھیجنے والے احکم الحاکمین کے حکم سے تمام پیشرو

نبیوں کی طرح وہ بھی سب سے پہلے، انسانیت کے صرف ایک بنیادی اصول اور انسانی زندگی کے متعلق صرف ایک اصولی اور اساسی اصلاحی مطالبہ کو لے کر کھڑا ہوتا ہے۔ اس کی اولین دعوت و پکار بس یہ ہوتی ہے۔

"اے انسانو! اللہ کو اپنا واحد رب اور لاشریک الٰہ مان لو، اور صرف اسی کی عبادت و بندگی کرو آخرت پر ایمان لاؤ اور اس دن کے مواخذہ اور عذاب سے ڈرو، اور مجھے اللہ کا رسول یقین کرو اور جو احکام رب میری طرف وحی کرتا ہے، میری طرح تم بھی ان کی اطاعت و پیروی کرو"۔

بس یہی اس کی سب سے پہلی دعوت اور اولین تعلیم و تلقین ہوتی ہے، یعنی وہ ایمان اور عمل صالح کے اصول کو سب سے پہلے اپنی قوم کو منوانے اور ان کے دلوں میں اتارنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اس کے بعد بھی اس کی تمام تر پیغمبرانہ جد و جہد کا مرکزی نقطہ یہی ایمان اور عمل صالح کا مسئلہ رہتا ہے، چنانچہ وہ جب جب بھی انسانی زندگی کے کسی شعبہ کی اصلاح و درستی کے لیے احکام و ہدایات دیتا ہے، یا فلاح و ترقی کے کسی پروگرام پر اپنے ماننے والوں کو چلاتا ہے تو ہر شعبۂ زندگی کے متعلق اس کی ہر جزئی ہدایت میں اور اصلاح و ترقی کے لیے اس کے بتلائے ہوئے ہر اقدام اور ہر حرکت میں ایمان اور اطاعت الٰہی کی روح اس طرح جاری وساری ہوتی ہے جس طرح جاندار مخلوق کے تمام اعضا میں، یا جو ہر جیات، اور درختوں کی شاخوں اور پتیوں میں تری اور شادابی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیس سالہ پیغمبرانہ جد و جہد۔ اور آپ کے طرز کار کو اگر احادیث و سیر کی کتابوں میں بغور دیکھا جائے تو اول سے آخر تک یہی نظر آئے گا کہ آپ کے نزدیک انسانیت کا سب سے اہم بنیادی اور مرکزی مسئلہ ایمان اور اطاعت الٰہی ہی کا مسئلہ تھا اور دوسرے تمام مسائل و معاملات، نبوت کی نگاہ میں بعد کے درجہ کے اور اسی کے ماتحت اور اسی کے اقتضاآت کے مطابق حل کرنے کے تھے ——— نیز قرآن مجید میں جن انبیاء سابقین (علیہم السلام) کی دعوت کا تذکرہ اجمال یا تفصیل سے کیا گیا ہے، ان سب کا طریق کار بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور ہونا بھی یہی چاہیئے، کیونکہ اختلاف زمان و مکان کے باوجود ان تمام مقدسین کے علم و ہدایت کا سرچشمہ اور احکام کا ماخذ ایک ہی تھا، یعنی وحی ربانی اور تعلیم الٰہی

ہماری اس گذارش کا یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ انسانوں کی مادی اور دنیوی ضرورتوں کی نفی پر مبنی ہے، یا وہ حضرات انسانوں کے معاشی اور سیاسی مسائل و معاملات سے بے تعلق رہنا چاہتے ہیں ——— یہ تو سراسر غلط اور باطل ہے ——— بلکہ ہمارا مقصد تو صرف یہ ہے کہ اُن کی دعوت و تعلیم اور ان کی جد و جہد میں اوّلی اور بنیادی درجہ کی اہمیت اور مرکزی حیثیت ایمان اور عمل صالح کو حاصل ہوتی ہے، وہ سب سے پہلے اور سب سے زیادہ زور، انسانیت کے اسی پہلو کی اصلاح پر دیتے ہیں اور اس کے علاوہ انسانیت کے جو اور مسائل اور انسانوں کی جو دوسری ضرورتیں ہیں وہ ان سب کو اس کے ذیل میں لاکر اور اوسی مرکز سے وابستہ کرتے ہوئے ان کو انجام دینے کی تعلیم دیتے ہیں اور یہی اُن کے طریقہ کا امتیاز ہے۔

پس انبیاء علیہم السلام کی پیروی کرنے والوں اور ان کے طریقہ کار کو حق جاننے والوں کا لائحہ عمل بھی یہی ہونا چاہیے کہ ایمان اور عمل صالح ہی کو وہ انسانیت کا سب سے اہم مسئلہ سمجھیں اور سب سے زیادہ توجہ اسی پر دیں اور اس کے سوا باقی تمام مسائل و معاملات کو وہ اس کے بعد کے درجہ پر رکھیں اور اسی مرکزی اور بنیادی مسئلہ سے اُن کو وابستہ کرتے ہوئے اور اسی کے اقتضاآت کے مطابق ان کو حل کرنے کی کوشش کریں۔

مگر آج یہ دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا ہے کہ یوروپین اقوام کے خالص مادّی نظریہ حیات کا، ہمارے بہت سے دینی حلقوں پر بھی (خصوصاً عربی مدرسوں سے نکلنے والے بعض نئے نئے فضلاء پر) اس قدر اثر پڑ چکا ہے کہ اس طریقہ پر کام کرنا تو درکنار وہ اس اصول پر کئے جانے والے کاموں کو معمولی اور ادنےٰ درجہ کے کام سمجھتے ہیں اور کسی ایسی جد و جہد میں ان کے لیے کوئی کشش نہیں رہی ہے جس کا رخ براہ راست مادی مسائل ہی کی طرف نہ ہو اور ایمان و عمل صالح کی دعوت اور عوام کی دینی اصلاح و تربیت کو جس میں اوّلی اور اساسی حیثیت دی گئی ہو اور دوسرے مسائل و معاملات کو اس کے زیر سایہ رکھنا اس کا اصول ہو، بلکہ بعض اوقات تو طنز و تحقیر اور استہزاء کا بھی تجربہ ہوا ہے ——— اور عجیب بات ہے کہ ان میں سے بہت سے جو اپنی زندگیوں کا سب سے نمایاں اور قابل فخر پہلو یورپ کے تسلط و اقتدار کے خلاف نفرت و جنگ ہی کو سمجھتے ہیں اُن کے ذہن و دماغ بھی اس بارہ میں مادہ پرست

یورپ کے پورے پورے غلام ہیں — دھم کالینشمعرون ہ

اس بارہ میں ایک بڑی سنگین غلط فہمی بہت سے حضرات کو یہ بھی ہے کہ جب تک قوم کے مادی مسائل مناسب طریقہ سے حل نہ ہو جائیں اور قوت و طاقت ہاتھ میں نہ آجائے، اس وقت تک کوئی اصلاحی جدوجہد، اور ایمان و عمل صالح کی کوئی دعوت نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی ——— اگرچہ ایمانی نقطۂ نظر سے اس خیال کی تغلیط و تردید کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ نبوت و رسالت اور سلسلہ تجدید و اصلاح کی پوری تاریخ اس کے خلاف شہادت دے رہی ہے، لیکن خالص عقلی اور نظری طور پر بھی غور کیا جائے اور ماضی قریب ہی کے تجربات کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو باسانی سمجھ میں آسکتا ہے اور صاف نظر آسکتا ہے کہ ایمان اور عمل صالح کی دعوت اور اقامت دین کو اپنی جدوجہد کا مرکزی نقطہ بنائے بغیر اور وسیع پیمانہ پر قوم کی اصلاح و تربیت کی پوری کوشش کئے بغیر جس قدر بھی مادی ترقی کی جائے گی اور جتنی بھی سیاسی طاقت حاصل ہوگی، وہ قوم کے اندر بے دینی، خدا فراموشی اور دنیا پرستی ہی کے فروغ کا باعث بنے گی۔

اتاترک، رضا شاہ اور امان اللہ خاں کی کوششوں کا نتیجہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے، بیشک ان کے زیر قیادت، ترکی، ایران اور افغانستان کو مادی اور سیاسی ترقی ضرور حاصل ہوئی، لیکن اس مادی اور سیاسی ترقی سے بدرجہا زیادہ دین کو زوال ہوا، بلکہ بعض شعبوں میں تو دینی احکام کو علی الاعلان اور باضابطہ طور پر ترک کیا گیا اور جن علماء اور اہل دین نے ان "ترقیات" سے اختلاف کیا اور رکاوٹ پیدا کرنی چاہی، ان کو بے دریغ گولیوں کا نشانہ بنایا گیا (حالانکہ ان میں سے اکثر وہ تھے جنھوں نے سیاسی استقلال اور ترقی کی جدوجہد میں بھی پورا پورا ساتھ دیا تھا) ——— یہ سب اسی کا نتیجہ تھا کہ ان "مسلمان نو مولوں" کی ترقی کی جدوجہد، خالص مادی اور سیاسی ترقی کے لیے تھی جس میں ایمان و عمل صالح کی دعوت اور دینی اصلاح و تربیت کا کوئی ذکر اور کوئی حصہ نہ تھا، اس کا فطری اور طبعی انجام وہی ہونا چاہیے تھا جو ہوا۔

•

خرما نتواں یافت ازاں خار کہ کشتیم
دیبا نتواں بافت ازاں پشم کہ رشتیم

اس کے بالمقابل گزشتہ صدی (تیرھویں صدی ہجری اور بیسویں صدی عیسوی) میں حضرت سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید کی تحریک تجدید و جہاد کے انجام اور اس کے نتائج پر غور کیجئے، چونکہ دینی دعوت اور اقامت دین، اس تحریک کا نصب العین اور مرکزی نقطہ تھا اور مسلمانوں کی دینی اصلاح و تربیت کا کام اس میں مقدم رکھا گیا تھا، بلکہ ابتداءً کئی برس تک ساری کوشش اسی مرحلہ پر صرف کی گئی تھی۔ اس لیے شروع شروع میں جب اس تحریک کو کامیابی ہوئی اور بعض سرحدی علاقوں میں نظام حکومت قائم کرنے کا موقع ملا، تو تمام شعبوں کی تنظیم بالکل "خلافت علیٰ منہاج النبوت" کے اصول پر کی گئی — پھر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد، (سرحدی علاقہ کے ناتربیت یافتہ دنیا پرست "مسلمانوں" کی غداری اور بعض دوسرے اسباب سے) اگرچہ یہ تحریک بالاکوٹ کے محاذ پر شکست کھا کر اپنی اصلی حیثیت سے ختم ہو گئی لیکن پھر بھی ان بندگان خدا کی صحیح طریقہ پر اسی چند روزہ جد و جہد نے، دینی تجدید و اصلاح کا اتنا بڑا کام کر دیا کہ سیکڑوں مدرسوں، ہزاروں عالموں اور لاکھوں کتابوں سے نہ ہو سکتا — جاننے والے جانتے ہیں کہ پچھلے دور میں صحیح الخیال ہندی مسلمانوں کے مختلف حلقوں میں، اقامت دین اور احیاء شریعت کے لیے جو بالواسطہ یا بلاواسطہ کوششیں ہوتی رہیں اور جن سرگرمیوں کا ظہور ہوتا رہا اور آج بھی اس سلسلہ میں جو کچھ سعی و حرکت کسی شکل میں کہیں دکھائی دیتی ہے وہ بڑی حد تک ان شہداء بالاکوٹ ہی کی میراث ہے

بہر حال شکست اور ناکامی کے باوجود اس تحریک کی یہ دینی برکات صرف اسی طرز عمل کا نتیجہ ہیں کہ اس کی ساری جد و جہد اور اس کا تمام تر کاروبار انبیاء علیہم السلام کے طریق پر تھا یعنی دینی دعوت اور احیاء شریعت اس کا نصب العین تھا اور عوام مسلمین کی دینی اصلاح و تربیت اس کے عملی پروگرام کی پہلی دفعہ تھی[1]

---

[1] دنیا کے عجائبات میں سے بڑی قابل تعجب یہ بوالعجبی بھی ہے کہ زمانہ حال کی قومی و ملکی اُن خالص مادی تحریکات سے شغف و انہماک رکھنے والے بہت سے حضرات بھی، جن کا دینی دعوت اور احیاء شریعت سے کوئی دور کا تعلق بھی نہیں ہے اور عوام کی دینی اصلاح و تربیت جن کے پروگرام کی آخری دفعہ بھی نہیں ہے، وہ بھی گزشتہ صدی کی اس تحریک تجدید و جہاد سے اپنا رشتہ قائم کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ ۱۲۔

آخر میں پھر یہ واضح کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس گزارش کا مقصد یہ نہیں ہے کہ وقت کے عام مسائل زندگی سے بالکل صرف نظر کر لیا جائے ——— اور مسلمانوں کے قومی و ملکی معاملات سے اپنے کو بالکل بے تعلق بنا لیا جائے، بلکہ مدعا صرف یہ ہے کہ دین کی اہمیت اور نبوت کے مقام کو سمجھنے والے مسلمان اللہ کی دی ہوئی عقل و بصیرت اور صحیح معلومات سے کام لیتے ہوئے مقدس اسلام کے اقتضا اور اسوۂ نبوی کی روشنی میں اپنے طرز عمل پر غور کریں، اور ایمان و عمل صالح کی دعوت مسلمانوں کی اصلاح و تربیت اور احیاء شریعت کے لیے جد و جہد کے بارہ میں جو سخت غفلت اب تک ان سے ہوئی ہے اور ہو رہی ہے اس کی سنگینی، اور عند اللہ اس کی مبغوضیت اور ملعونیت کو محسوس کرتے ہوئے اس نقطۂ نظر سے اپنے اجتماعی کاموں کے رخ میں جو اصلاح و ترمیم ضروری معلوم ہو اس میں دریغ اور تاخیر نہ کریں ——— کسی راستہ پر صرف اس لیے چلے چلنا کہ آج کل یورپ و ایشیا کی ساری قومیں اسی پر چل رہی ہیں نہ مقتضائے ایمان ہے اور نہ قرین عقل۔

اللہ نے عمل کے لیے صرف ایک ہی زندگی عطا فرمائی ہے اگر بے نظری اور بے غوری سے یہ بھی غلط کاموں ہی میں ختم ہو گئی تو آخرت میں بڑی حسرت ہو گی۔ قل ھل ننبئکم بالاخسرین اعمالاً، الذین ضل سعیھم فی الحیوٰۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعاً۔

معارف الاحادیث

گزشتہ سے پیوستہ

(۲۹) عن عمرو بن العاص قال لما جعل اللہ الاسلام فی قلبی اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقلت ابسط یمینک فلا بایعک فبسط یمینہ فقبضت یدی فقال مالک یا عمرو قلت اردت ان اشترط قال تشترط ماذا؟ قلت ان یغفر لی قال اما علمت یا عمرو ان الاسلام یھدم ماکان قبلہ وان الھجرۃ تھدم ماکان قبلھا وان الحج یھدم ماکان قبلہ (رواہ مسلم)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام لانے کا خیال میرے دل میں ڈالا تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا اپنا ہاتھ بڑھایئے تاکہ میں آپ سے بیعت کروں، پس آپ نے اپنا داہنا ہاتھ آگے کر دیا، پس میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، تو آپ نے فرمایا، عمرو! تھیں کیا ہوا؟ (یعنی تم نے اپنا ہاتھ کیوں کھینچ لیا؟) میں نے عرض کیا میں ایک شرط لگانا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا تم کیا شرط لگانا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا یہ کہ میری خطائیں بخشدی جائیں، آپ نے ارشاد فرمایا اے عمرو! کیا تمھیں یہ معلوم نہیں ہے کہ اسلام قبول کرنا پہلے سب گناہوں کو ڈھا دیتا ہے اور ہجرت بھی پہلے گناہوں کو ختم کر دیتی ہے اور اور حج بھی پہلے گناہوں کو زائل کر دیتا ہے۔

تشریح:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہوں کی مغفرت کے بارہ میں اسلام کے علاوہ ہجرۃ اور حج کی تاثیر کا ذکر اس موقع پر یہ ظاہر کرنے کے لئے فرمایا کہ اسلام تو اسلام، اُس کے بعض اعمال میں بھی گناہوں سے پاک صاف کر دینے کی خاصیت ہے ـــــــ لیکن دو باتیں یہاں خاص طور پر قابل لحاظ ہیں، ایک یہ کہ اسلام لانے اور ہجرت یا حج کرنے کی یہ تاثیر اس صورت میں ہے جبکہ یہ کام صدق نیت اور اخلاص و احتساب کے ساتھ کئے جائیں ـــــ دوسرے یہ کہ دلائل شرعیہ سے یہ بات اپنی جگہ ثابت شدہ ہے کہ اگر کسی کے ذمہ اللہ کے بندوں کے

حقوق ہیں، خصوصاً حقوق مالیہ تو اسلام یا ہجرت یا حج سے وہ معاف نہیں ہوتے ان کا معاملہ حقداروں ہی سے صاف کرنا ضروری ہے۔

کفر و شرک کی زندگی سے تائب ہو کر اسلام قبول کرنے والوں کے پچھلے گناہوں کی معافی کا وعدہ قرآن مجید میں بھی کیا گیا ہے ارشاد ہے "قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ" (اے رسول اُن لوگوں سے کہدیجئے جنھوں نے کفر کا ارتکاب کیا ہے کہ اگر وہ باز آجائیں تو اُن کے پچھلے گناہ بخشدیئے جائیں گے)

(۳۰) عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یخرج من النار من قال لا الٰہ الا اللہ وکان فی قلبہ من الخیر مایزن شعیرۃ ثم یخرج من النار من قال لا الٰہ الا اللہ وکان فی قلبہ من الخیر مایزن برۃ ثم یخرج من النار من قال لا الٰہ الا اللہ وکان فی قلبہ من الخیر مایزن ذرۃ

(رواہ البخاری ومسلم واللفظلہ)

حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دوزخ میں سے وہ سب لوگ نکال لئے جائیں گے جنھوں نے لا الٰہ الا اللہ کہا اور ان کے دل میں جو کے دانہ کے برابر بھی بھلائی تھی، پھر وہ لوگ بھی نکال لئے جائیں گے جنھوں نے لا الٰہ الا اللہ کہا اور ان کے دل میں گیہوں کے دانہ برابر بھی بھلائی تھی اور اس کے بعد وہ لوگ بھی نکال لئے جائیں گے جنھوں نے لا الٰہ الا اللہ کہا اور اُن کے دل میں ذرہ برابر بھی بھلائی تھی۔

تشریح:۔ جیسا کہ بعض احادیث سابقہ کی تشریح میں مفصل اور مدلل طور پر لکھا جاچکا ہے اسی طرح اس حدیث میں بھی "لا الٰہ الا اللہ" کہنے سے مراد "دین اسلام" قبول کرنا اور اس کا اقرار کرنا ہے، اور اس بنا پر حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اسلام کا کلمہ پڑھتے ہوں اور اپنے کو اسلام سے وابستہ کرتے ہوں اور اُن کے دل میں ذرہ برابر خیر (یعنی نور ایمان) ہو تو وہ بالآخر دوزخ سے نکال ہی لئے جائیں گے۔ اس روایت میں تین جگہ خیر کا لفظ آیا ہے جس کا ترجمہ ہم نے بھلائی کیا ہے۔ لیکن حضرت انس کی اسی حدیث کی ایک دوسری روایت میں (جس کو امام بخاری نے بھی ذکر کیا ہے) بجائے خیر کے ایمان کا لفظ بھی آیا ہے جو اس بات کا صاف قرینہ ہے کہ یہاں خیر سے مراد نور ایمان ہی ہے۔

اس حدیث سے دو نہایت اہم باتیں جو اہل حق کے خاص اجماعی عقائد میں سے ہیں پوری صراحت اور صفائی کے ساتھ معلوم ہو جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ بہت سے لوگ کلمۂ اسلام پڑھنے کے باوجود اپنی بداعمالیوں کے سبب دوزخ میں بھی ڈالے جائیں گے۔ اور دوسرے یہ کہ اگر ان کے دلوں میں خفیف سے خفیف اور ضعیف سے ضعیف حتیٰ کہ (حدیث کی تصریح کے مطابق) ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا تو بالآخر وہ دوزخ سے نکال لئے جائینگے یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کا مومن بھی کافروں مشرکوں کی طرح ہمیشہ دوزخ میں رہے اگرچہ وہ اعمال کے لحاظ سے کیسا ہی فاسق وفاجر کیوں نہ ہو۔

اس مضمون کی حدیثیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہی میں حضرت انس کے علاوہ حضرت ابوسعید خدری حضرت جابر اور حضرت ابوہریرہ سے بھی مروی ہیں اور حدیث کی دوسری کتابوں میں یہ مضمون ان حضرات کے علاوہ حضرت ابوبکر اور حضرت ابوموسیٰ وغیرہ متعدد صحابہ کرام سے روایت کیا گیا ہے بہرحال فن حدیث کی معرفت اور علوم حدیث میں بصیرت رکھنے والوں کے نزدیک یہ مضمون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ بلکہ صحیحین میں حضرت ابوسعید خدری کی جو مفصل روایت ہے اس میں صراحت کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے کہ جو گنہگار مسلمان دوزخ میں ڈالے جائینگے انکے حق میں نجات یافتہ مومنین اللہ تعالیٰ سے بڑے الحاح کے ساتھ عفو و درگزر اور بخشش و کرم کی استدعا کرینگے اور اللہ تعالیٰ انکی اس استدعا و التجا کو قبول فرما کر انہی کو اجازت دیدینگے کہ جاؤ جس میں ایک دینار برابر خیر بھی تمہیں نظر آئے اسکو نکال لو چنانچہ ایک کثیر تعداد ایسے لوگوں کی نکال لیجائیگی پھر انکو اجازت دیجائیگی کہ جاؤ ایسے لوگوں کو بھی نکال لو جن میں نصف دینار کے برابر خیر بھی تمہیں نظر آئے۔ چنانچہ ایک بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی نکال لیجائیگی۔ پھر حکم ہوگا کہ جاؤ ایسے لوگوں کو بھی نکال لو جن کے اندر ذرہ برابر خیر بھی تمہیں نظر آئے، چنانچہ پھر بہت بڑی تعداد اس درجہ کے لوگوں کی بھی نکال لیجائیگی اور اس کے بعد یہ سفارش کرنیوالے خود عرض کرینگے ربنا لم نذر فیہا خیراً (خداوندا! اب دوزخ میں ہم نے کچھ بھی خیر رکھنے والا کوئی آدمی نہیں چھوڑا ہے)

اس کے بعد حق تعالیٰ کا ارشاد ہوگا۔

شفعت الملئکۃ وشفع النبیون و شفع المومنون ولم یبق الا ارحم الرحمین فیقبض قبضۃ فیخرج منہا قوماً لم یعملوا خیراً قط

فرشتوں کی بھی سفارش ہو چکی، اور نبیوں کی بھی سفارش ہو چکی اور مومنین کی بھی سفارش ہو چکی اور انکی سفارشیں قبول بھی کیجا چکیں اور اب بس ارحم الرحمین ہی کی باری رہ گئی ہے، پھر اللہ تعالیٰ خود اپنے مغفرت و رحمت کے ہاتھ سے ایسے لوگوں کو بھی دوزخ سے نکال لینگے جنھوں نے کبھی کوئی نیک عمل کیا ہی نہ ہوگا۔

آگے حضرت ابوسعید کی اسی حدیث کے آخر میں ان لوگوں کے متعلق یہ بھی ہے کہ

ھٰؤلاء عتقاء اللہ الذین ادخلھم اللہ　　یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے چھوڑے ہوئے ہونگے بغیر عمل کے جو انھوں نے

الجنۃ بغیر عمل عملوہ ولا خیر قدموہ کیا ہو اور بغیر خیر کے جو انھوں نے پیش کیا ہو۔

گویا یہ وہ لوگ ہونگے جن کے پاس بہت ہی ضعیف اور نہایت ہی خفی ایمان کے سوا عمل صالح اور خیر کا کوئی سرمایہ بالکل نہ ہوگا۔ مگر اللہ تعالیٰ بالآخر ان کو بھی اپنے رحم و کرم سے دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کردیں گے

اس مسئلہ میں اسلام کی ابتدائی صدیوں میں مرجیہ اور خوارج نے افراط اور تفریط کی راہ اختیار کی تھی۔ اور آج کل بھی بعض حلقوں کا رجحان افراط کی طرف اور بعض کا تفریط کی طرف ہو رہا ہے اس لئے ہم نے حدیث کی نفس تشریح سے زیادہ یہ چند سطریں لکھنی ضروری سمجھیں۔ واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم ٥

(۳۱) عن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ فمن قالھا فقد عصم منی مالہ ونفسہ الا بحقہ وحسابہ علی اللہ

(رواہ البخاری ومسلم)

حضرت عمرؓ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے حکم ہے کہ میں لوگوں سے اُس وقت تک جنگ جاری رکھوں جبتک کہ وہ لا الہ الا اللہ کے قائل ہو جائیں پس جو شخص لا الہ الا اللہ کا قائل ہو گیا اُس نے اپنے مال اور اپنی جان کو مجھ سے محفوظ کر لیا سوائے اسکے حق کے اور اُس کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔

تشریح:- حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی روایت اُس مکالمہ کے ضمن میں آتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ادائیگی زکوٰۃ سے انکار کرنے والے بعض قبائل کے خلاف جنگ کرنے کے بارہ میں اُن کے اور حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہما) کے درمیان ہوا تھا اس حدیث میں بھی "لا الہ الا اللہ" کہنے سے مراد دعوت اسلام کا قبول کرنا ہے اور جسطرح مذکورہ بالا احادیث میں اسلام قبول کرنے کا اُخروی نتیجہ عذاب دوزخ سے نجات اور حصول جنت تبایا گیا ہے۔ اسی طرح اس حدیث میں قبول اسلام کا ایک دنیوی اور قانونی نتیجہ جان و مال کا محفوظ و مامون ہو جانا تبلایا گیا ہے۔ نیز اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی جنگ کے متعلق ایک نہایت اہم اور اصولی اعلان بھی فرمایا ہے اور وہ یہ کہ ہماری جنگ لوگوں کو صرف

اللہ کی بندگی کے راستہ پر ڈالنے اور عذاب ابدی سے ان کو نجات دلانے کے لئے ہے لہذا جو کوئی اللہ کے دین کو قبول کرلے اور اللہ ہی کی بندگی کا اقرار کر کے اُس کے مقرر کئے ہوئے طریقہ زندگی (دین اسلام) کو اپنا دین بنالے اس کے جان و مال کو ہماری طرف سے بالکل امن ہے۔

"الا بحقہ" کا مطلب یہ ہے کہ البتہ اگر اُس نے اسلام اختیار کرنے کے بعد کوئی ایسا جرم کیا کہ خود اللہ کے قانون کا تقاضا اس کو جانی یا مالی سزا دینے کا ہوا. تو خداوندی حکم کے مطابق اس کو سزا دی جائیگی۔

"وحسابہ علی اللہ" کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص کلمۂ اسلام پڑھ کے اپنا ایمان لانا ہمارے سامنے ظاہر کریگا ہم اُس کو مومن اور مسلم تسلیم کر کے اُس کے خلاف جنگ بند کر دیں گے اور اُس کے ساتھ ایمان و اسلام ہی کا معاملہ کریں گے۔ لیکن اگر فی الواقع اُس کی نیت میں کوئی برائی اور اُس کے دل میں کوئی کھوٹ ہوگی تو اُس کا حساب آخرت میں اللہ تعالیٰ پر ہے جو عالم الغیب اور علیم بذات الصدور ہے وہ اس سے حساب کرلے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث قریب قریب انہی الفاظ میں صحیح مسلم میں حضرت جابر رضؓ اور طارق اشجعی رضؓ سے بھی روایت کی گئی ہے اور بعض دوسرے صحابہ کرام نے اس مضمون کو کسی قدر تفصیل سے بھی روایت کیا ہے۔ جس سے اس حدیث کے مضمون کی بھی اور زیادہ وضاحت ہو جاتی ہے۔ ہم اُن میں سے بعض روایات ذیل میں درج بھی کرتے ہیں۔

(۳۲) عن ابی ھریرۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اُمرت ان اقاتل الناس حتی یشھدوا ان لا الہ الا اللہ ویومنوا بی وبما جئت بہ فاذا فعلوا ذالک عصموا منی دماءھم واموالھم الا بحقھا وحسابھم علی اللہ (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم ہے کہ میں لوگوں سے اُس وقت تک جنگ جاری رکھوں جبتک کہ وہ "لا الہ الا اللہ" کی شہادت دیں اور مجھ پر اور جو ہدایت میں لیکر آیا ہوں اُس پر ایمان لے آئیں، سو جب وہ ایسا کرلیں تو انھوں نے اپنے جان و مال کو مجھ سے محفوظ کرلیا، سوائے اُس کے حق کے اور ان کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔"

(ف) اس حدیث میں " لا الہ الا اللہ " کی شہادت کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پر اور آپ کے لائے ہوئے دین پر ایمان لانے کا بھی ذکر ہے۔ یہ بھی اس بات کا واضح قرینہ ہے کہ اس سے پہلی حدیث میں لا الہ الا اللہ کے قائل ہونے کا جو ذکر ہے اُس سے بھی دعوت اسلام کا قبول کرنا ہی مراد ہے

(۳۳) عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال امرت ان اقاتل الناس حتی یشھدوا ان لا الہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ ویقیموا الصلوٰۃ ویؤتوا الزکوٰۃ فاذا فعلوا ذالک عصموا منی دماءھم واموالھم الا بحق الاسلام وحسابھم علی اللہ (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے حکم ہے کہ میں لوگوں سے اُس وقت تک جنگ جاری رکھوں کہ وہ اس بات کی شہادت ادا کریں (یعنی اس کا اقرار و اعلان کریں) کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد اللہ کے پیغمبر ہیں، اور نماز قائم کرنے لگیں اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں۔ پس جب وہ یہ سب کچھ کرنے لگیں تو انھوں نے اپنے جان و مال کو مجھ سے محفوظ کر لیا سوائے حق اسلام کے اور ان کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔"

(ف) اس حدیث میں توحید و رسالت کی شہادت کے علاوہ نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا بھی ذکر ہے اور در حقیقت ان دو رکنوں کا ذکر بھی صرف تمثیل اور نشان کے طور پر کیا گیا ہے۔ ورنہ یہاں بھی مراد در حقیقت اللہ کے پورے دین پر ایمان لانا اور دعوت اسلام کا قبول کرنا ہی ہے۔ جس کو حضرت ابو ہریرہ کی مندرجہ بالا حدیث میں " وبی منوابی وبما جئت بہ " (اور مجھ پر ایمان لاویں اور جو ہدایت میں لایا ہوں اُس پر ایمان لاویں) کے مختصر مگر جامع الفاظ میں ادا کیا گیا ہے۔

(۳۴) عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ فاذا قالوھا وصلوا صلوتنا واستقبلوا قبلتنا واکلوا ذبیحتنا فقد حرمت علینا دماءھم واموالھم الا بحقھا وحسابھم علی اللہ۔ (رواہ البخاری)

حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ جاری رکھوں یہاں تک کہ وہ " لا الہ الا اللہ " کے قائل ہو جائیں، پس جب وہ لا الہ الا اللہ کے قائل ہو جائیں اور ہماری نمازیں پڑھنے لگیں، اور (اپنی نمازوں میں) ہمارے

قبلہ کی طرف رخ کرنے لگیں اور ہمارا ذبیحہ کھانے لگیں تو اُن کے خون اور اُن کے مال ہم پر حرام ہو گئے سوائے اس کے حق کے اور ان کا حساب اللہ کے سپرد ہے

(ف) اس حدیث میں شہادت توحید کے ساتھ نماز پڑھنے اور نماز میں قبلۂ اسلام کی طرف رخ کرنے اور اہل اسلام کا ذبیحہ کھانے کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ درحقیقت ان تمام چیزوں کا ذکر بھی بطور علامات اور نشانیوں ہی کے کیا گیا ہے اور اصل مقصد اس حدیث کا بھی احادیث مندرجہ بالا کی طرح صرف اتنا ہی ہے کہ ہماری جنگ جس کسی سے بھی ہے صرف دین کی خاطر اور لوگوں کو کفر و شرک کی گمراہی سے نکال کر راہ حق پر لانے کے لئے ہے، پس جو لوگ بے راہ روی چھوڑ کر اللہ کی بتلائی ہوئی سیدھی راہ اختیار کر لیں اور دین حق کی دعوت کو قبول کر لیں، اُن کے جان و مال سے تعرض کرنا ہمارے لئے حرام ہے۔

اور اسی حدیث کی سنن ابی داؤد کی روایت میں "وحسابھم علی اللہ" کی جگہ آخری الفاظ یہ ہیں "لھم ما للمسلمین وعلیھم ما علی المسلمین" جس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ دعوت اسلام کو قبول کر لیں، نہ صرف یہ کہ ہماری جنگ ان کے خلاف ختم ہو جائے گی اور اُن کے جان و مال کو امان حاصل ہو جائے گی، بلکہ پھر وہ تمام حقوق اور ذمہ داریوں میں بالکل ہمارے برابر ہوں گے۔

ان احادیث پر سرسری نظر میں ایک شبہہ ہوتا ہے، بعض شارحین حدیث نے خود ہی اُس کو ذکر کر کے جوابات بھی دیئے ہیں۔ وہ شبہہ یہ ہے کہ اسلام میں جزیہ اور مناسب شرائط کے ساتھ مصالحت کا اصول بھی مسلّم ہے اور ان دونوں صورتوں پر بھی جنگ ختم ہو جاتی ہے، لیکن ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ صرف اس وقت روکی جائے گی جبکہ لوگ دعوت اسلام کو قبول کر لیں۔

—— راقم سطور کے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ ان احادیث کا مقصد اور موضوع جنگ روک دینے اور اُس کو ختم کر دینے کی تمام صورتیں بتلانا نہیں ہے، بلکہ ان ارشادات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مطمح نظر صرف دو چیزوں کو واضح کرنا ہے۔ ایک یہ کہ ہماری جنگ کی غایت اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ لوگ اللہ ہی کی عبادت کرنے لگیں اور اُس کی متعین کی ہوئی سیدھی راہ پر چلنے لگیں یعنی دعوت اسلام کو قبول کر لیں، اور دوسرے یہ کہ جو لوگ اس دعوت کو قبول کر لیں گے، اُن کے جان و مال کو ہماری طرف سے قطعی امن ہو گا، بلکہ حقوق اور ذمہ داریوں میں

وہ دوسرے مسلمانوں کے بالکل مساوی ہوں گے۔

رہا جزیہ یا خاص حالات میں خاص شرائط کے ساتھ مصالحت، سو اگرچہ یہ بھی جنگ ختم کر دینے کی صورتیں ہیں، لیکن یہ واقعہ ہے کہ یہ اسلامی جنگ کی اصل غایت نہیں ہیں بلکہ چونکہ ان کے ذریعے اصل مقصد یعنی دعوت اسلام کے لئے امن کی ایک راہ کھل جاتی ہے اس لئے ان پر جنگ روک دی جاتی ہے۔

(۳۵) عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی صلاتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذالک المسلم الذی لہ ذمۃ اللہ وذمۃ رسولہ فلا تخفروا اللہ فی ذمتہ　(رواہ البخاری)

حضرت انس بن مالک سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی ہماری نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے پس یہ وہ مسلم ہے جس کے لئے اللہ کی امان ہے اور اللہ کے رسول کی امان ہے سو تم اللہ کے عہد کو نہ توڑو اس کی امان کے بارہ میں

تشریح:- اس حدیث کا مقصد سمجھنے کیلئے یہ حقیقت پیش نظر رکھنی چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مسعود میں جب دعوت اسلام طاقت اور قوت کے ساتھ بڑی تیزی سے بڑھتی جا رہی تھی تو بکثرت ایسے واقعات پیش آتے تھے کہ بعض لوگ اسلام قبول کر لیتے تھے، لیکن خاص حالات میں ان کے متعلق اس شبہ کی گنجائش رہتی تھی کہ شاید انھوں نے حقیقی طور پر اور دل سے اسلام کو اختیار نہیں کیا ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا خاص تعلق ایسے ہی لوگوں سے ہے اور آپ کا مقصد صحابہ کرام کو یہ جتلانا ہے کہ جس شخص میں تم اسلام قبول کرنے کی یہ ظاہری اور موٹی موٹی علامتیں دیکھو کہ وہ اسلامی طریقہ پر نماز پڑھتا ہے، اور نماز میں قبلۂ مسلمین کی طرف ہی رخ کرتا ہے اور اہل اسلام کا ذبیحہ کھاتا ہے تو اس کو مسلمان ہی سمجھو اور اس کے جان و مال کو اللہ اور اس کے رسول کی امان میں سمجھو، یعنی خواہ مخواہ اس قسم کی کسی بدگمانی کی بنا پر کہ اس کے دل میں اسلام نہیں ہے بلکہ اس نے صرف منافقانہ طور پر ان اسلامی شعائر کو اختیار کر لیا ہے۔ اس کے خلاف کوئی اقدام نہ کرو۔ بہرحال اس حدیث کا مقصد اسی بارہ میں مسلمانوں کو تنبیہ کرنا ہے۔

پس بعض لوگوں کا اس حدیث سے یہ نتیجہ نکالنا مقصد حدیث سے ناواقفی اور سخت جاہلانہ گمراہی ہے (بقیہ برصفحہ ۴۴)

"صبح سمرقند"

از

جناب جیلانی صاحب، بی، اے

(۲)

انور پاشا کی موت کے بعد سب نگاہیں کسی ایسے شخص کی تلاش میں اُٹھنے لگیں جو مسلمانوں کی رہنمائی صحیح طور پر کر سکے بالاخر امیر عالم خاں نے سلیم پاشا کو یہ عہدہ پیش کیا، لیکن وہ شخص نہایت حساس طبع اور درد دل رکھنے والا تھا وہ اچھی طرح سے جانتا تھا کہ اب پانی سر کے اوپر سے گذر چکا ہے دریائے (Pianj) کے کنارے مسلمانوں کے ایک بہت بڑے مجمع کے سامنے اس نے ایک زبردست تقریر کی۔

"اے میرے بہادر اور نیک بھائیو! انور پاشا اور میں خدا اور رسول کے کام کے لئے کھڑے ہوئے تھے، تم جانتے ہو تم سے غلبہ و حکومت کیوں چھینی گئی؟ تم کو معلوم ہے تم پہلے فاتح کیوں تھے اور اب مفتوح کیوں ہو؟ اس کی وجہ صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ تمھارے جسموں کے اندر بدروحیں پیدا ہو گئی ہیں۔ ایسے انسان پیدا ہو گئے ہیں جو کسی قانون کی اطاعت نہیں کرتے جو خدا کے مقدس قانون کی بنیاد ہی کو نگاہ شک سے دیکھتے ہیں۔ خدا تم سے ناراض ہے اور اسی لئے اس نے تم سے تمھارا اقتدار و تسلط چھین لیا ہے اور تم پر ملحد غالب کر دیئے ہیں ہم غالب تھے جب ہم جادۂ اسلام پر گامزن تھے، لیکن ہم مقہور ہیں جب سے ہم نے اپنے قلوب ان لوگوں کی گرفت میں دیدیئے ہیں جو ہماری شریعت حقہ اور قوانین الٰہی کا استہزاء و مذاق اڑاتے ہیں میں اپنے پیشرو انور پاشا کے پیچھے جا رہا ہوں جو اس وقت خلد بریں میں بیٹھا اپنے حسن عمل کا اجر پا رہا ہوگا، اگر تم بھی میرا ساتھ دینا چاہتے ہو تو اٹھو اور اپنے محبوب بچوں کے محبوب جسموں پر اپنے ہاتھوں سے زرہ بکتر لگاؤ، خدا کے مقدس قوانین کی پیروی کرو اور شریعت اسلامیہ کیلئے کٹ مرو۔"

اتنا کہہ کر اُس نے اپنا گھوڑا دریا کی پرغضب لہروں میں ڈال دیا ایک بار اس کا سر کف بر لب لہروں کے اوپر ابھرا لیکن پھر ہمیشہ کے لئے اسکے سیاہ کھولتے ہوئے پانی میں گم ہو گیا۔

اب میدان قیادت ابراہیم بک کے لیے خالی تھا اس نے نئے سرے سے افواج کی تنظیم شروع کردی اور بڑے وسیع پیمانہ پر بالشویکوں کے خلاف پروپیگنڈے کو پھیلا دیا۔ اس نے سختی کے ساتھ اپنی افواج کا محاسبہ کیا اور اس امر کی خوب احتیاط کی کہ کہیں بالشویکی مسلمانوں کو بددل نہ کرنے پائیں۔ اس نے خفیہ پولیس کا ایسا زبردست انتظام کیا کہ خود بالشویک بھی خوف زدہ ہو گئے کسی انتہائی خفیہ مجلس میں بھی وہ ایک دوسرے کی طرف ایسی شک کی نگاہوں سے دیکھتے گویا ان کے درمیان کوئی ابراہیم کا مخبر بیٹھا ہوا ہو۔

اب میدان جنگ تاجکستان کی طرف منتقل ہو گیا تھا۔ گوریلا حملوں اور سرخ فوج کے جھپٹوں کی وجہ سے تمام علاقہ تباہ ہو گیا تھا۔ لوگ آبادیوں کو چھوڑ کر جنگل میں جا بسے تھے۔ فصلیں برباد ہو گئیں اور دور دور تک ایسا ہو کا عالم تھا کہ ایک متنفس بھی نظر نہ آتا تھا۔ سرخ فوجیوں نے مسلمانوں سے تین مضبوط قلعے چھین لیے اس کے باوجود مسلمان اسی دم خم سے لڑ رہے تھے۔ خود بالشویکوں کا یہ حال تھا کہ ان کی تمام قوت اور سرمایہ ان جنگوں کی نذر ہو چکا تھا۔ آخر انھوں نے ایک کمیٹی مقرر کی جس کا مقصد وحید ہر ممکن ذریعہ سے گوریلا گروہوں کا استیصال تھا۔ اس کا صدر ایک مسلمان بالشویک فیض اللہ خدیو مامور ہوا مثل مشہور ہے گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے اس کمیٹی نے ایسے طریقے ایجاد کیے کہ خود مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمان کٹے۔

ان کے پیکان فریب کا پہلا ہدف علما ہی بنے۔ بالشویکوں نے نہایت معصوم انداز میں ظاہر کیا کہ وہ تو مذہب کے محافظ ہیں اور ان کا مقصد در اصل ملک کی عمومی و معاشی حالت کو درست کرنا ہے انھیں بھلا مذہب سے کیا عداوت! علمائ اٹھے اور انھوں نے بالشوزم کے مخالف مسلمانوں کی مذمت کی اور بالشوزم کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے۔

> "حکومت نے تہیہ کر لیا کہ کسی نہ کسی صورت میں گوریلا گروہوں کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اس کے لئے انھوں نے امرا کو یقین دلایا کہ ان کی دولت محفوظ ہے اور مذہبی طبقہ کو جتا دیا کہ وہ مذہبی مراسم بجالانے میں بالکل آزاد ہیں مساجد بالکل مامون تھیں۔ ان دنوں علما پر کوئی تنقید نہ کی جاتی، حکومت نے اپنا رویہ ایسا بنا لیا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ مذہب سے بالکل بے تعلق ہے۔ بالشویکوں کا یہ سلوک اور رویہ آخر کار ایسا کارگر ثابت ہوا کہ مسلمان بزرگ اور علما بالشوزم کی تعریف میں رطب اللسان ہو گئے اور گوریلا گروہوں کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے۔" (ص ۱۴۷)

علماء کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے حکومت کو بڑے صبر وتحمل سے کام لینا پڑا۔ انھوں نے ایسی نرمی اور رواداری سے جڑیں کھوکھلی کرنی شروع کیں کہ سانپ بھی مر گیا اور لاٹھی بھی بچ گئی۔

"مساجد پر بغیر کسی براہ راست حملہ کے انھوں نے عوام کے سامنے باغی علماء کی حرص آز اور خود غرضی کی قلعی کھولنی شروع کی"

بلکہ بولشویکوں نے اپنے نظریے کو ثابت کرنے کے لیے جہاں طبقے موجود بھی نہ تھے وہاں بھی پیدا کر دیئے انھوں نے سب سے پہلے ہتھیار خود علماء کے اندر سے مہیا کیا۔ انھوں نے غریب علما کو امیر علماء کے خلاف اکسانا شروع کر دیا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ علمائے سو اسلام کے نمائندے بنکر بالشویکوں کے ساتھ مل گئے اور ان کے حق میں بیانات دینے شروع کر دیئے۔ انھوں نے قرآن اور حدیث سے حوالے دے دے کر بالشوزم کو ثابت کرنے کی کوشش کی۔ ایک مشہور عالم فخر الدین خدیا ایک بیان میں کہتا ہے۔

"میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ حکومت نے ہمارے ملک میں امن وآشتی قائم کر کے اپنے آپ کو مفلسوں اور فاقہ زدوں کا دستگیر اور کفیل ثابت کر دیا ہے حکومت نے یہ چیز لازم سمجھی ہے کہ غریب طبقہ میں تمام زمین کو بانٹ دیا جائے، حکومت کے اس مبارک فعل پر میں اسے دعا دیتا ہوں۔ یہ فعل عین نبی کی سنت ہے جو یہودیوں کا محض اس لئے قرض دار ہو گیا تھا کہ مفلسوں اور فاقہ کشوں کا پیٹ پالا کرتا تھا۔ اور رسولؐ کے چار خلفاء نے واقعی اپنے آپ کو غلاموں کی حیثیت سے بیچ دیا تھا۔ تا کہ غریبوں کا قرضہ ادا کریں۔ (ص ۱۸۰)

ایک نہیں، اس طرح کے بیسیوں بیانات اشتراکی پریس میں سے نکل رہے تھے۔ ایک عالم نے تو اشتراکیت کی خوبیاں دیکھ کر اپنے مسلمان ہونے پر صد حیف کیا اس نے کہا،

"علماء اور جاگیرداروں کے دھوکے میں پھنس کر میں کئی سال تک غازی آباد کی جامع مسجد کے منبر پر کھڑا ہو کر غریب لوگوں کے دماغوں میں طرح طرح کی خرخرافات ٹھونستا رہا۔ اب مجھ پر یہ آشکارہ ہوا ہے۔ امیر علماء کے بیانات پڑھ کر اب میری آنکھیں کھل گئی ہیں اور مجھے معلوم ہو گیا کہ قرآن اور حدیث تو ان لوگوں کا معاشی آلہ کار تھا۔ میں تمام لوگوں اور سوویٹ حکومت کے سامنے حلفیہ بیان دیتا ہوں کہ اب میں اس اسلام کا خادم نہیں رہا جس پر نہ تو اب میرا ایمان ہے نہ یقین وہ تو محض انسانوں کو دھوکے میں ڈالنے کے لئے کھڑا کیا گیا تھا۔

ایک اور دستاویز بھی دیکھ لیجئے۔ یہ ایک دیہات کے عوام کی طرف سے ہے۔

"ہم اور ہمارے اجداد مدتوں سے طفیلی امرا اور علما کا جوا اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے تھے علما، مذہبی خدع وفریب سے ہمارے اندر عداوت کا بیج بوتے رہے اور ہم ایک دوسرے سے ہمیشہ برسر پیکار رہے۔ علما، ہماری نا اتفاقی سے ہمیشہ فرحاں رہے۔ اب ہم دیکھ رہے ہیں کہ علما قرآن اور حدیث سے اقتباسات طرح طرح کر نکال رہے ہیں اور تمام ازبکستان میں ایک اودھم سا مچا رکھا ہے، ہم تمام اہل وہ ان کے فتاویٰ کا دنداں شکن جواب دیں گے۔ اے علماء اس شور وغوغا مچانے سے پہلے تم کہاں تھے؟ اور تم جو ہمارے روحانی پیشوا بننے کا دعویٰ رکھتے تھے ہمیں تمام عمر بیوقوف بناتے رہے تاکہ ہماری آنکھیں کبھی نہ کھلنے پائیں۔ ہم تمام اہل وہ تمھارے جعل وفریب کو دیکھ رہے ہیں۔ اب ہم تمھارے دھوکے میں آنے کے نہیں۔ ہم صرف مزدوروں کی حکومت پر اعتماد رکھتے ہیں"

اب اس صورت میں جبکہ کعبہ کے محافظ خود ہی تخریب کعبہ پر آمادہ ہوں تو ابرہہ کو لشکر کشی کی کیا پڑی! اسی کتاب میں آگے چل کر ذکر آتا ہے:-

"جب علما نے مسلمانوں کو زرعی تقسیم کی مخالفت کے لیے ابھارا تو علما تائبین (Periferts) (یہ لفظ خود مصنف نے استعمال کیا ہے اور ان معنوں میں کہ اب بالشوزم کی حقانیت ان پر روشن ہو چکی تھی) نے جن کی پشت پر حکومت کی مدد تھی، اس کے حق میں فتوے جاری کر دیے۔ بس بجائے اس کے کہ بالشویکی لوگ مذہب کی مخالفت کرتے یا قرآن کے خلاف جنگ لڑتے اور اس طرح عوام کی دشمنی مول لیتے۔ انھوں نے اس موقع کو غنیمت جان کر اس سے خوب خوب فائدہ اٹھایا اور علماء کے خلاف علما ہی کے فتوؤں کو بطور ہتھیار کے استعمال کیا" ص ۱۷۹

جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ:-

"چند ہی مہینوں کے اندر اندر مذہبی محاذ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ حتیٰ کہ متشدد قسم کے مجنوں ہائی علما بھی اس بات پر مجبور ہو گئے کہ غیر جانب دار رہیں" ص ۱۸۱

مصنف کتاب اس پر مسرور ہوتا ہے۔

"اس سے زیادہ اور کیا ہوتا۔ اسلام کی تاریخ میں پہلی بار احکام الہٰی کو ترک کر کے الحاد و بالشوزم قبول کر لیا گیا" ص ۱۸۱

دشمن کے منہ سے نکلی ہوئی ایک بات بعض اوقات حقیقت کو روشن کر دیتی ہے غریب علما کی حالت زار پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

"بالشویکیوں کا کوئی زبردست سے زبردست خلاف مذہب پروپیگنڈا بھی اتنا غارت گر ثابت نہ ہوتا جتنا کہ خود ان خادمان دین کی حماقت وخود غرضی کا بے وقار رویہ تباہ کن ثابت ہوا"

دوسری طرف کمیونسٹوں نے جاہل اور دیہاتی طبقہ میں اپنا اثر و نفوذ شروع کر دیا. کیونکہ دیہات کو ہاتھ میں لئے بغیر اشتراکیت آگے بڑھ ہی نہیں سکتی. بقول مصنف۔

"ایک مضبوط آلہ کار بہم پہنچانے کے لئے حکومت کے لئے ناگزیر ہے کہ وہ دیہات میں انجمنیں قائم کرے جن کی سرپرستی براہ راست اپنے ذمہ لے اور ان میں چن چن کر ایسے آدمی رکھے جو دیہاتی آبادی کو مختلف طبقوں میں پھاڑ دے" ۱۷۰ص

گاؤں میں انھوں نے یہی کام شروع کیا. طبقہ وار انتزاع و تشتت کے بغیر اشتراکیت کا کام چل نہیں سکتا. یہ جو تمام عالم کو ایک جھنڈے تلے جمع کرنے کا دعویٰ رکھتے ہیں ان کے اجتماع کی بنیاد افتراق پر قائم ہے، جہاں طبقے قائم نہ ہوں گے اپنی ریشہ دوانیوں سے وہاں طبقے قائم کرینگے تاکہ تمام دنیا پر ان کا صادق القول ہونا ثابت ہو جائے۔

"طبقاتی کشمکش کو ہوا دینا اور بے دھڑک انقلابی سرگرمیاں دیہاتی انجمنوں سے مخالفوں اور دشمنوں کو خود بخود ختم کر دیں گی" ۱۷۰ص

ان انجمنوں کا مقصد جیسا کہ معلوم ہو گیا ہے گوریلا گروہوں میں شامل ہونیوالے مسلمانوں اور علماء اور ان کے پردے میں اسلام کے خلاف عوام میں ایک نفرت اور بیزاری برپا کرنا تھا۔

"۱۹۲۳ء تک متوسط طبقے اور نچلے طبقے کی کئی انجمنیں قائم ہو گئیں ان میں سے ایک Peasants Union کسانوں کی انجمن تھی جو کسانوں کے اندر علماء اور ان کے سابقہ ائمہ کے خلاف ایک نفرت کا مادہ مشتعل کرنے کا کام بڑی تندہی سے کر رہی تھی" ۱۴۴ص

تیسری اصلاح جو حکومت بخارا نے کی وہ نئی خاطر خواہ تعلیم کا پھیلانا تھا۔

"حکومت دینی مدرسوں کی تعلیم سے خائف تھی نئی تعلیم پھیلانے کے لیے حکومت نے ہر طرح کے

انعام اور مراعات جاری کر دیں، جو والدین اپنے بچے کو سویٹ اسکول میں بھیجنے پر راضی ہوتے حکومت ان کی مالی مدد کرتی" ۱۴۳ص

جدید تمدن کا سنگ بنیاد رکھا جا رہا ہے۔ خواص اور ذہنی رہنماؤں کی ایک مجلس بیٹھتی ہے جس میں ثقافتی انقلاب کے ذرائع پر غور وخوض کیا جاتا ہے۔

"اس کے فوراً بعد ہی کوکند میں سیکڑوں ترقی پسند لیڈروں کی مجلس بلائی گئی تاکہ ازبکستان کی معاشی اور ثقافتی زندگی کے ہر پہلو پر بحث وتمحیص کی جائے" ۱۰۲ص

طرح طرح کی اقتصادی اسکیمیں بالشویکی سانچوں میں ڈھل ڈھل کر نکل رہی تھیں، پختہ سڑکوں کا جال بچھ رہا تھا۔ روس کے قابل ڈاکٹر اور حسین نرسیں درآمد کی جا رہی تھیں۔ کارخانے اس سرعت سے کھولے گئے کہ چند ہی سالوں میں بخارا وسطی ایشیا کا جدید مرکز بن گیا کارخانے کھولنے کا مقصد یہ تھا کہ مفلس طبقہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں سویٹ نظام کی طرف کھنچا چلا آئے۔

"روسی بالشویکیوں کے نزدیک پہلا مرحلہ صنعتی اداروں کا اجرا تھا تاکہ نچلا طبقہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں اس کی طرف راغب ہو" ۱۵۰ص

اگرچہ ہر تجویز آسمان ماسکو سے نازل ہو رہی تھی بایں ہمہ پکارنے والے پکار رہے تھے۔

"یہ عدالتیں کس کی ہیں؟ یہ مدرسے کس کے ہیں؟ یہ فوج اور پولیس کس کی ہے؟ اور جواب دینے والے بیک آواز بول رہے تھے" جمہور کے"۔ (۱۵۰ص)

شریعت کو اس لئے توڑا گیا کہ یہ مذہب کی زنجیریں ہیں جس سے وہ انسانوں کی آزادی کو جکڑتی ہے اور اس کے بجائے جو قانون رائج کیا گیا وہ مارکس اور لینن کی تحریروں سے ماخوذ تھا۔

"یہ بالکل عیاں تھا کہ بخارا کی سویٹ اور دوسری سوویٹ ری پبلکوں کے پرولتاریہ کی مدد سے اور مارکس اور لینن کے نظریات کی رہنمائی میں اشتراکی جادہ پر گامزن تھی"

لیکن طرفہ تماشا یہ کہ قانون پاس کرنے والے سمجھ رہے تھے کہ یہ تو سب کچھ انھیں کے ہاتھوں بنائے ہوئے تھے ۲۰ ستمبر ۱۹۲۴ء کو کل بخارا کانگریس میں یہ فیصلہ ہوتا ہے۔

"مزدور طبقہ کی رائے عامہ سوویٹ حکومت کا قانون ہوتا ہے" ۱۴۵ص

ترقی کی یہ شاہراہیں، بالشویکوں کا نظم ونسق اور گوریلا گروہوں کی داخلی بدنظمی رنگ لائے بغیر کس طرح

رہ سکتی تھی۔ ابراہیم بک کی قوت روبہ تنزل تھی۔ مسلمان فاقوں سے بد دل ہو رہے تھے جب کہ ایک طرف لکڑی کے صدیوں پرانے ہل چل رہے تھے تو دوسری طرف جدید ٹریکٹر زمین کا سینہ تہ و بالا کر رہے تھے ایک طرف یہ منظر کہ کچی سڑکیں ہر جگہ بل کھاتی ہوئی جا رہی تھیں جن پر امریکہ اور جرمنی کی لموٹروں کے نئے نمونے فرفر رواں تھے۔ لیکن اس طرف یہ حال تھا کہ :-

"بعض پہاڑی علاقوں میں پہیے کا اصول تک نا معلوم تھا۔ کسان زمین کی سطح کو ایک لکڑی سے کریدتے تھے جس کو ایک بیل کھینچتا تھا۔ دیہاتوں میں لوگوں نے مٹی کے تیل کا نام تک نہ سنا تھا۔ وہ روئی کی بتی سی بنا کر اسے مچھلی کے تیل میں ڈبو کر جلاتے تھے" ۱۹۵ اص

پھر ایسی مادی دنیا میں مادی وسائل کے بغیر کب جیت ہو سکتی تھی نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۹۲۵ء تک یہ تحریک پورے گرہن میں آگئی۔ اگرچہ گوریلا گروہوں کی شورش ۱۹۳۱ء تک باقی رہی لیکن وہ قوت اور زور باقی نہ رہا تھا۔ سرخ فوجوں کا دباؤ ابراہیم بک کو دھکیلتا ہوا افغانستان کی سرحدوں تک لے گیا۔ جہاں اسے کچھ وقت کے لیے امان اللہ خاں سے پناہ مل گئی۔ لیکن افغانستان کی خانہ جنگی نے انھیں پھر نکال باہر کیا۔ اب وہ دریا اور گھاٹی کے درمیان گھر گئے تھے جائے پناہ کے تمام دروازے بند ہو چکے تھے۔ اور سامنے سے سرخ فوجیں عقاب کی مانند اڑتی چلی آ رہی تھیں۔ ابراہیم اپنی ناتوانی کے باوجود بالشویکوں کے لئے ایک ہوّا بنا ہوا تھا۔ لیکن جب ترکستان کے مسلمان بھی گوریلا گروہوں کی مخالفت میں حصہ لینے لگے تو اس کا رہا سہا اقتدار بھی زائل ہو گیا۔

۱۹۳۵ میں ابراہیم بک کو گرفتار کر لیا گیا اور سرگرمی ہمیشہ کے لئے سرد ہو گئی۔ ایمان کی آخری کرنیں سمٹتی سمٹتی چند دلوں میں باقی رہ گئیں تھیں، وہ اپنے ایمان کے چیتھڑوں کو سینوں سے چمٹائے افغانستان اور ہندوستان کی طرف ہجرت کر آئے جو باقی رہ گئے وہ روسی کرگسوں کا شکار بن گئے۔

۱۹۲۶ تک زرعی تقسیم بہت حد تک ہو چکی تھی۔ اور علما کا اثر و رسوخ بھی قریب قریب زائل ہو چکا تھا۔ اب اشتراکیوں کے حوصلے بڑھ گئے تھے۔ میدان بالکل صاف تھا اسلئے انھوں نے اشتراکیت کے مکمل نفوذ کیلئے جد و جہد شروع کر دی۔ ۱۹۳۰ء کے لگ بھگ مجموعی زراعت (Collective Farming) کی اسکیم نافذ کر دی گئی یہ طرز

زراعت بالکل انوکھا اور اجنبی تھا اس لئے کسانوں کا بدکنا ایک لازمی امر تھا انھوں نے اسکے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ ان میں مختلف قسم کی افواہیں پھیل گئیں جس سے خائف ہوکر انھوں نے اس اسکیم کی اعانت کرنے سے انکار کردیا لیکن طاقت کے نشہ سے چور اشتراکی یہ کب گوارہ کرسکتے تھے۔ انھوں نے وہ وہ ظلم ڈھانے شروع کئے کہ کسان لوٹ اٹھے۔ کتاب کا مصنف لکھتا ہے کہ ایک کسان نے مجموعی زراعت کی تنظیم کے زمانہ کا ایک واقعہ اسے سنایا۔

"ایک غریب کسان نے مجھے سنایا کہ کسطرح عبداللہ نامی ایک مقامی کمیونسٹ نے مجموعی زراعت کی تنظیم کی۔ ایک اجتماع میں جسکو عبداللہ نے خطاب کیا آٹھ کسان موجود تھے، جب عبداللہ نے ان کو مجموعی زراعت میں شامل ہونے کیلئے کہا تو انھوں نے کچھ پس و پیش کیا۔ یہ دیکھ کر عبداللہ آپے سے باہر ہوگیا۔ اس نے اپنا مکا دکھاتے ہوئے گالیاں اور دھمکیاں دینی شروع کردیں۔ اس نے اعلان کردیا کہ جو کسان مجموعی زراعت میں شامل نہ ہوگا اُسے نہ روٹی ملیگی نہ قرضہ۔ یہ سنکر وہ غریب کسان بولے تو ہم شامل ہونے کو تیار ہیں لیکن عبداللہ کا پارہ چڑھ گیا اس نے انھیں پوری طرح سے مایوس کردیا۔ اب کوئی ضرورت نہیں۔ اب تم اپنی ناک بھی رگڑو گے تو بھی ہم تمھارے اخلاص کے قائل نہ ہونگے اور وہ لوگ جو شامل ہونے کے بعد چھوڑ جائیں گے ان کی زمین گھوڑے گاڑیاں سب چیز ضبط ہوجائے گی۔" عبداللہ کی رپورٹ پر ان کسانوں کو زمین نہ ملی۔ اور انھیں "دشمن مجموعی زراعت" کا خطاب دیکر ذلیل کیا گیا۔ ۱۹۱ص

ان کی ترغیب کے طریقے اس سے زیادہ انوکھے تھے بعض پرجوش زرعی مہتمموں نے اعلان کردیا کہ جو شخص مجموعی زراعت میں شامل ہوگا ہم اسے ایک بیوی عطا کرینگے اور بعض مہتمم تو جنون کی آخری حدود بھی پھلانگ گئے۔ ایک کمیونسٹ شراب پیکر بدمست ہوجاتا اور کسانوں کے سامنے کھڑا ہوکر تقریر کرتا:۔

"اللہ کی مدد سے ہم نے تم سے مویشی تو چھیا لیے ہیں۔ اب تیار رہو جاؤ ہم تمھاری بہو بیٹیوں کا بھی ایک مجموعہ بنانے والے ہیں ہم انھیں اپنے ساتھ سلائیں گے۔ اس صورت میں ہم ایک دوسرے کے ساتھ اچھی طرح گھل مل جائیں گے" ۱۹۲ص

اگر لکھنے والا کوئی غیر اشتراکی ہوتا تو ہمیں باور کرنے میں شاید تامل ہوتا مصنف نہ صرف کمیونسٹ ہے بلکہ بالشویک بھی ہے وہ واقعات کو خود اسطرح سے پرکھ پرکھ کر درج کررہا ہے کہ اسکی تحریر اور بھی زیادہ مستند اور وقیع ہوجاتی ہے۔ یہ یاد رہے یہ ان لوگوں کے کارنامے ہیں جنھوں نے آغاز عہد میں ان مسلمانوں کو اپنی پناہ بخشی تھی جنکی مساجد زار روس کی دست ظلم کی بھینٹ چڑھ چکی تھیں اور جن کے اسلام کی حرمت عظمت ان لوگوں کی چشمون کے

پاؤں تلے لتاڑی گئی۔ ذرا ملاحظہ کیجیے سزاؤں کی انتہا کہاں تک پہنچتی ہے۔

"کرکنڈ کے ایک دیہات میں دس کسان مجموعی زراعت کی رکنیت سے اس وجہ سے برطرف کیے گئے کہ وہ مسجد میں نماز ادا کرتے دیکھے گئے۔ Kodja Yaksabo گاؤں کی مجموعی زراعت محض اس لیے توڑ دی گئی کہ اس کے ارکان مسجد میں جانے پر مصر ہوئے تھے۔ بخارا کے اضلاع میں بعض سرگرم افسروں نے لاش کا جلانا ضروری قرار دے دیا۔ اور ضلع کاشکادریا میں ایک عالم کمیونسٹ نے بعض کسانوں کو مجموعی زراعت سے اس لیے نکال دیا کہ وہ ان سوالوں کا جواب نہ دے سکے "اشتراکیت کیا ہے؟ ڈارون کا عہد زندگی کونسا تھا؟" --- ایک گاؤں مانڈ میں ایک کمیونسٹ نے ان کسانوں کے پیچھے فوج لگا دی جنھوں نے مجموعی زراعت میں حصہ لینے سے انکار کر دیا۔ فوج انھیں پورے بیس میل تک بھگاتی لے گئی" ۱۹۲ص

اسلام اور اشتراکیت کی ٹکر ایک انتظامی صورت تدبیر اور مذہب کی ٹکر نہ تھی بلکہ دو ادیان کی ٹکر تھی جو پوری کی پوری انسانی زندگی کو اپنے احاطہ میں لینے کی کوشش کر رہے تھے۔ علماء اپنی نالائقی اور نااہلی کے لیے کتنے ہی مطعون قرار کیوں نہ دیئے جائیں۔ لیکن یہ انہی کی قوت شامہ ہے جو ہر غیر اسلامی رو کو دور ہی سے سونگھ لیتی ہے۔ خود ہندستان میں جب پہلے پہل مغربی تہذیب کے مسموم تخیلات ابھرے تو یہ علماء ہی تھے جنھوں نے سب سے اول اس خطرہ کا احساس کیا۔ اور ترکستان میں بھی یہی لوگ تھے جنھوں نے اشتراکیت کی ہلاکت سامانیوں کا سب سے پہلے اندازہ کیا۔ یہ خیال رہے کہ ان علماء کی مخالفت کا زاویہ ملا کی مخالفت کے نقطہ نظر سے بالکل جدا اور الگ تھا ملا کی مخالفت تو محض حکومت کے زیر و زبر ہو جانے کے ڈر سے تھی لیکن ان کی عداوت ایک طرز زندگی کے منقلب ہو جانے کے خوف کا نتیجہ تھی۔ اور اشتراکیت کو اگر کسی نے صحیح طور پر سمجھا تھا تو یہ علماء ہی تھے۔ بالشویک اپنی زندگی کی یوں تعبیر کرتے ہیں۔ ایک شخص ایک مشہور بالشویک افسر سے باتوں باتوں میں پوچھتا ہے

"آپ کی طرز گفتگو سے میں نے سمجھا آپ تاجک ہیں"

"تاجک نہیں، بالشویک" سلوچاک (بالشویک افسر کا نام) نے تصحیح کرتے ہوئے جواب دیا۔ ۲۰۸ص

ایک بالشویک کی صحیح شخصیت کیا ہے؟ اس کی تشریح سن لیجیے:-

"سلوچاک، نہ تو یہودی ہونے کی حیثیت سے گفتگو کر رہا تھا اور نہ روسی ہونے کی حیثیت سے۔ اسے اپنے تاجک ہونے پر بھی ناز نہ تھا۔ وہ ایک بالشویک کی حیثیت سے بول رہا تھا --- ایک بالشویک کی حیثیت سے

جو سوویٹ ذہن کے ہر محاذ کی فتح کو بالشوزم کی فتح تصور کرتا تھا" ۱۰۸ ص

ایک دین کی حیثیت سے وہ لوگ اول آخر بالشویک تھے۔ اور اسی نظام اور فلسفے کے تقاضے تھے جن کے ایفا کے لیے وہ انسانوں کی زندگی کے ہر شعبہ پر چھا رہے تھے۔ نمازیں انھیں اسی لیے گوارا نہ تھیں کہ ان کے فلسفۂ حیات کی رو سے وہ بغاوت تھی۔ ۱۹۲۲ء کی روسی کمیونسٹ پارٹی کی روداد میں طریقہ کار کے بیان میں یہ الفاظ آتے ہیں۔

"اسی رو سے ہماری جماعت کا دوسرا اہم اور سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ ہم قوموں کے درمیان پیدا شدہ غیر مساوی درجات کو اڑا دینے اور پسماندہ قوموں کا ثقافتی Cultural اور معاشی معیار بلند کرنے کے لیے جان توڑ کوشش کریں"

ثقافت کا تعلق سراسر انسانی دل سے ہے۔ یہ تہذیب و تمدن دراصل انسان کی مادی زندگی کے نفسیاتی پہلو ہیں اس لیے بالشویکوں نے جب ثقافتی انقلاب کا بیڑا اٹھایا تو دوسری ثقافتیں اور تمدن کا ڈھے جانا ایک قدرتی امر تھا، پھر جب ایک بار خاطر خواہ ثقافت پھیل گئی تو ان کے معاشی نظریات کے لیے وہ یقیناً ایک مستقل حفاظتی قلعہ ہے اپنی منزل کار کی طرف بڑھنے میں بالشویکوں نے بڑی احتیاط اور ہنرمندی سے کام لینا شروع کیا۔

انھوں نے سب سے پہلے مسلمانوں کے قومی وجود، ان کی پرانی ثقافت اور ان کی زبان اور رسم و رواج کو تسلیم کر لیا اور بظاہر کیا کہ ان کا مطلب ان سے کسی قسم کا تعارض پیدا کرنا نہیں لیکن دراصل وہ یہ دروازہ تھا عوام کے اندر گھسنے اور اثر و رسوخ پیدا کرنے کا۔ بخارا سوویٹ کا وائس پریذیڈنٹ یوں اس فعل کی تعبیر کرتا ہے۔

"ہمیں مقامی عوام، کسانوں اور مزدوروں کے اندر گھسنا تھا، اس کے لئے واحد طریقہ یہ تھا کہ ہم ان کے پاس انہی کی زبان اور انہی کی ثقافت جس سے کہ وہ محبت رکھتے تھے لئے ہوئے جاتے" ۲۱۴ ص

بعض اوقات وہ مسلمانوں کے ساتھ مسجدوں میں جاتے اور ان کے ساتھ نمازوں میں شریک ہوتے۔ ان کے ہر کام میں ایک گونہ دلچسپی کا اظہار کرتے اور ان کی ہر مشکل میں ہاتھ بٹاتے اور اسی طرح آہستہ آہستہ ان کے ایمان کی جڑ کو کھوکھلا کئے جاتے۔ جب ایک اشتراکی سیاح نے بخارا کے وائس پریذیڈنٹ کے سامنے اس بات پر تعجب ظاہر کیا کہ کیوں بعض کمیونسٹ ابھی تک اسلامی مراسم بجا لاتے ہیں تو اس نے جواب دیا۔

"یہ امر ہمارے لیے کسی تشویش کا باعث نہیں سب سے پہلی چیز جو ہم ایک شخص میں دیکھنا چاہتے ہیں، وہ یہ ہے کہ کیا وہ زرداروں سے زمین چھیننے میں ہمارے ساتھ ہے؟ کیا وہ مجموعی زراعت اور صنعت میں ہمارے نقطۂ خیال کا مؤید ہے؟ اور کیا ہمارے لائحہ عمل کے مطابق کام کرے گا؟ اگر وہ ایسا کرے گا تو ہم اسے اپنی جماعت میں شامل

کرلیں گے۔ آپ کو یہ بات ضرور پیش نظر رکھنی چاہیے کہ عوام کو اپنے ساتھ ملانے کے لیے ہمیں اپنے اندر کچھ نہ کچھ لچک اور گنجائش ضرور رکھنی چاہیے۔ ہم پر ایک عظیم الشان سوسائٹی کا بوجھ ڈالا گیا ہے ہم محض کاغذ قلم اور تخیل سے نہیں کھیل سکتے یہاں مارکس اور لینن کے خیالات کی قبولیت شرط رکنیت نہیں، جو شخص ہم سے متاثر ہو کر ہمارے قریب آتا ہے تو چند ماہ کے میل جول کے بعد وہ بغیر کسی کد و کاوش کے ہمارے کل خیالات کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے قدرتی بات ہے کہ جب ایک شخص ہمارے قریب آ گیا ہے تو وہ ہماری تعلیم و تہذیب کے بھی قریب آئے گا ہم اس وقت انقلابی دور میں سے گزر رہے ہیں اس لیے ایسے عجیب طوار ارکان کا داخل ہو جانا کوئی بعید امر نہیں۔" ۲۱۲ ص

تبلیغ کو وسیع پیمانے پر پھیلانے کے لیے کمیونسٹوں نے ہر ممکن ذرائع اختیار کیے۔ انھوں نے جا بجا سنیما ہال کھول دیے جن میں ایسی فلمیں دکھائی جاتیں جن کی کہانیوں کے پس پردہ اشتراکی تعلیم اپنا کام کر رہی تھی قہوہ خانوں، ہوٹلوں، میلوں اور ہر ہجوم کے سامنے کھڑے ہو کر تقریریں شروع کر دیتے۔ مسجدوں کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر وہ اپنے دین کی تبلیغ کرتے۔

"ملک کو مجوزہ اصلاح کی بابت تشریحی رسالوں، کتابوں اور اشتہاروں سے بھر دیا۔ اس سے زیادہ موثر زبان کے الفاظ تھے۔ انھوں نے سینکڑوں تربیت یافتہ مقرر ہر ہر گاؤں میں بھیج دیے۔ یونیورسٹیوں کے طلبا بھی بڑے شوق سے اس کام میں شریک ہو گئے۔ بیسیوں لاریاں ملک میں چھوڑ دیں جن کے اوپر ہر طرف بڑے بڑے پوسٹر اور نعرے مرقوم تھے۔ جو ہر میلے، ہجوم، چائے خانے اور مسجد کے سامنے کھڑی ہو جاتیں اور ایک اسٹیج بچھا دیتیں جس پر گویے، اداکار اور باجے بجانے والے راگ، ناچ، گانا شروع کر دیتے۔ پھر وہ لوگوں کے سامنے مجوزہ اصلاح کی تشریح کرتے ان کے شکوک کو رفع کرتے اور ان کو اس کام میں معاونت پر اکساتے۔ تفریحی پارٹیاں دہ بہ دہ چکر لگاتیں اور ایک ناٹک دکھاتیں جس کا نام تھا "مسلمان نواب کا مقدمہ"۔"

اشتراکی ثقافت اپنے لیے ایک قالب کی تلاش کر رہی تھی سو اسے وہ بھی مل گیا۔ ۱۹۲۶ء میں دوشنبے کے قریب ایک شہر سٹالن آباد تعمیر کیا گیا جو اپنے طرز عمارت میں جدید ترین قسم کا تھا۔ اس کی خوبصورت پختہ سڑکوں، سینماؤں، ناچ گھروں اور تفریحی پارکوں کے علاوہ سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ شہر عبادت گاہوں سے پاک تھا۔

"اور اسٹالن آباد کی ایک خصوصیت جو ایک تاجک کمیونسٹ بیان کرنے سے کبھی نہ چوکتا۔ وہ یہ ہے کہ اسٹالن آباد دنیا میں سب سے پہلا شہر تھا جس میں کوئی عبادت خانہ نہ تھا، کوئی مسجد نہ تھی، کوئی گرجا نہ تھا، کوئی صومعہ نہ تھا اور طرفہ یہ کہ یہ سب کچھ ایشیا کی تاریک گہرائیوں میں ہویدا ہوا۔" ۲۲۲ ص۔

تاجکستان جو ایک عرصہ قبل اسلام کے فدائی پروانوں سے رونق افروز تھا اب نئی تعلیم کے ہنگاموں میں ڈوب چکا تھا۔ قرآن خوانی کی آواز پیانوؤں کے سروں میں دب چکی تھی۔ اسلامی طرز تعلیم کو یک قلم اڑا دیا گیا اور اس کی بجائے نیا

نصاب تعلیم رائج ہوگیا۔

"اور وہ چند ایک مدرسے جن میں قرآنی تعلیم کے سوا اور کوئی تعلیم نہ دی جاتی تھی، اب سراب بنتے چلے جا رہے تھے اور وہ پرانی قسم کے علما، مدرس اور مذہبی طلبا بھی غائب ہوگئے" ص ۲۳۷

علما کی بجائے مدرسوں میں اشتراکی مدرس نظر آرہے تھے۔ آمیدہ کی آخری کڑیں بھی غائب ہوتی جا رہی تھیں مسلمان ماؤں کی گودوں میں پلنے والے بچے اب اسلام کش بنائے جا رہے تھے۔ اسی خطرہ کا احساس تھا کہ گوریلا گروہ جب کسی مقام پر حملہ آور ہوتے تو سکول کے مدرسوں کو سب سے پہلے تہہ تیغ کرتے۔

"اور ایک خاص بات یہ ہے کہ گوریلا گروہ جب کسی گاؤں میں پہنچتے تو گاؤں کے مدرس سب سے پہلے ہدف تیغ بنتے۔ معلم دراصل نئے عالم مسلمان عورت کی اٹھان، مجموعی زراعت اور ہر اس چیز کا جو قدماء کے لیے وجہ نفرت ہے، علمبردار ہے، وسطی ایشیا کا دیہاتی معلم رد عمل اور فساد کا بدترین دشمن اور کمیونسٹ مقاصد کا گہرا دوست اور مؤید ہے۔ دیہاتی معلم جدید تاجکستان کی نشانی ہے" ص ۲۲۹

مصنف کے قول کے مطابق "تاجکستان دین اسلام اور دین مارکس و لینن کی جنگ کا اکھاڑہ بنا ہوا تھا" دنیا میں کوئی نظام اس لیے غالب ہوتا ہے کہ اس کے علمبردار غالب ہوتے ہیں۔ دین مارکس کے پیرو غالب و زبردست تھے وہ اپنے دین کے لیے ہر قربانی کے لیے تیار تھے اس لیے مسلمانوں کو اپنے دین کے آخری کھنڈ سینوں میں چھپائے منہدم ہونا پڑا۔ اشتراکیوں نے مسجدوں پر اپنے پھریرے نصب کرائے اور خدا کے گھر شیطان کی تعلیم گاہ بن گئے۔

"مسجد مجلس گاہ بن گئی، اور اس پر سرخ جھنڈے نصب کر دیئے گئے۔ یوں قصہ ختم ہوا" ص ۲۴۹

"ہر گاؤں میں ایک سرخ چائے خانہ بن گیا۔ اور اکثر گاؤں میں ہم نے مسجدوں کو جدید تعلیم کے مکتب بنا ہوا پایا" ص ۲۵۰

اب کیا آپ عورتوں کی اٹھان کی داستان بھی سنیں گے؟ — وہ جو امت کی مائیں بننے والی تھیں۔

مصنف تاشقند کی وومن ڈیپارٹمنٹ کی ایک سربرآوردہ روسی عورت سے ملاقات کرتا ہے۔ اور اس سے عورتوں میں اصلاحی کام کی داستان سنتا ہے۔ یہ ڈیپارٹمنٹ ۱۹۱۹ء میں قائم ہوئی۔ اس کا مقصد عورتوں میں تعلیم و تنظیم پھیلانا اور قدیم روایات کے خلاف جذبہ نفرت ابھارنا تھا۔ روسی کمیونسٹ عورتوں نے گاؤں گاؤں تبلیغی دورے کیے۔ اسی دوران میں سب سے بڑی مشکل جو انہیں پیش آئی یہ تھی:۔

"کہ ایک تو ہم ان کی زبان نہ جانتی تھیں اور دوسری بڑی مشکل یہ تھی کہ ہماری جماعت میں کوئی مسلمان عورت

نہ تھی" ۲۷۵ ص

بڑی تلاش اور جد و جہد کے بعد ایک تاتار عورت میسر آئی جس نے انھیں مسلمان گھروں کے تمام رسم و رواج سے آگاہ کیا۔ انھوں نے اسی عورت کے ذریعہ مسلمان گھروں میں راہ و رسم بڑھانی شروع کی جب وہ کافی حد تک شناسائی پیدا کر چکیں تو انھوں نے سب سے پہلے عورتوں کے ذہین طبقہ پر چھاپہ مارنے کی ٹھانی۔

"ہم نے سب سے پہلے مسلمان عورتوں کے ذہین طبقہ کو اپنی طرف مبذول کرنے کی سعی کی" ۲۷۶ ص

لیکن جب ذہین طبقہ اس طرف متوجہ نہ ہوا تو انھوں نے مفلس طبقہ کی طرف رخ کیا، ان کو اپنی طرف مبذول کرنا یقیناً سہل تھا۔ وہ ان کے پاس جاتیں اور انھیں روئی کاتنے کو دیتیں۔ انھیں اکثر کسی نہ کسی کام پر لگا کر زیادہ سے زیادہ اجرت دینی شروع کر دی۔ پیسے میں واقعی بڑی کشش ہوتی ہے، پھر جہاں افلاس و جہالت کا جوڑ میل ہو وہاں تو اس کا پورا پورا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ محکمہ اناث کی لیڈر بیان کرتی ہے:۔

"پھر جب ہم نے مقامی عورتوں میں زر نقد لے کر نفوذ کرنا شروع کیا تو انھوں نے خندہ پیشانی کے ساتھ ہمارا استقبال کیا" ۲۷۷ ص

مسلمان عورتیں مذہبی قیود کو توڑنا گوارا نہ کرتی تھیں اس لیے ان میں بہت آہستہ آہستہ اور قدم پھونک پھونک کر کام کرنا پڑا۔ کمیونسٹ عورتوں نے اول امور خانہ داری میں اصلاح و ترمیم کرنے اور مشورے دینے تک ہی اکتفا کیا جب یہ دیکھا کہ وہ عورتیں ان سے مانوس ہو چکی ہیں تو انھیں باہر کی دنیا کے سبز باغ دکھانا شروع کر دیے۔ اور انھیں آمادہ کیا کہ گھر کی تنگ چار دیواری سے باہر نکل کر تو دیکھیں۔

"ہم نے اب ثقافتی تربیت بھی دینی شروع کر دی مجلسوں کے بعد کھیل تماشے اور گانے ہو جانے پھر ہم انھیں جدید شہروں کی سیر کرانے لے گئے" ۲۷۷ ص

اب قدم اور بڑھا، کمیونسٹ عورتوں نے زنانہ کلبوں کی بنیاد ڈال دی۔ اور مسلمان عورتوں کو ترغیب دے کر اپنے ساتھ لاتیں۔ ایک کمیونسٹ عورت کا مشاہدہ ہے کہ۔

"اگرچہ کلب گھر میں جانے کے لیے کسی پردہ کے اتارنے کی ضرورت نہیں لیکن وہاں جانے کا لازمی نتیجہ بے پردگی ضرور ہے" ۲۸۰ ص

کامیابی کمیونسٹوں کے قدم چومنے لگی۔ عورتیں بڑھ بڑھ کر راگ ودیاؤں (Concerts) میں حصہ لینے لگیں ایک راگ ودیا میں صرف عورتوں نے حصہ لیا اور جب مردوں نے اس منظر کو دیکھا تو حیرت سے ان کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں۔ اب عورتیں مطلوبہ شاہراہ پر خود بخود گامزن تھیں اور سر بازار "برقع جلا دو" کے نعرے لگاتی پھرتیں کمیونسٹ

حلقوں میں برقعہ کو "سیاہ ڈھکنے والا کفن" کہا جاتا تھا۔ مسلمان عورتوں کے ایک گروہ کو ماسکو کی سیر کرائی گئی اور اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے عدالتوں کے دروازے ان پر کھول دیئے گئے۔ اور پھر ــــــ

"ترکستان کی وسطی مجلس عاملہ نے محسوس کیا کہ اب ٹھیک وقت ہے کہ ہم تعدد ازدواج، نکاح بالجبر اور شادی بیاہ کی دوسری مکروہات کو ممنوع قرار دیں۔" ص ۲۷۹

ایک بڑی سرگرم مسلمان عورت خدیجہ نامی (Khoziat) سے مصنف کتاب کی ملاقات ہوتی ہے۔ وہ اپنے سوانح زندگی سناتے ہوئے بتاتی ہے کہ کس طرح وہ ایک ٹھیٹھ مسلمان گھر میں جنم لیتی ہے جہاں دس برس کی عمر میں اسے پردہ کے اندر بٹھا دیا جاتا ہے۔ پھر اس کی شادی ہوتی ہے۔ لیکن شومیٔ قسمت اس کا پیارا شوہر چھ ماہ کے بعد اسے تنہا چھوڑ کر ملک عدم کی راہ لیتا ہے۔ مصیبت کے دنوں میں اسے ایک صوفی منش شخص کے ہاں پناہ ملتی ہے یہاں وہ رسوئی کا کام کرنے پر مامور ہو جاتی ہے۔ ایک دن وہ گھر سے باہر نکلی تو کیا دیکھتی ہے کہ۔

"عورتوں کا ایک جم غفیر جا رہا ہے جس میں جوان سال اور سن رسیدہ ہر طرح کی عورتیں شریک تھیں۔ وہ کھلے بندوں بے پردہ پھر رہی تھیں۔ ان کے آگے ایک اجنبی قسم کا باجہ بج رہا تھا اور نوجوان لڑکے عجیب غریب گیت گا رہے تھے۔ گاہ گاہ کوئی جوشیلا شخص ایک پرزور نعرہ لگا دیتا۔ "برقعہ اتار دو"۔ "وسطی ایشیا کی آزاد عورت زندہ باد"۔ "ملا اور نواب مردہ باد"۔ "سوویٹ حکومت زندہ باد"۔ لڑکیاں لڑکے آنچل کو دور رہے تھے۔ اس عجیب نظارے نے اسے اپنی طرف کھینچ لیا اور وہ ان کے پیچھے ہولی ایک کھلے صحن میں پہنچکر تمام لوگ چائے پینے لگے اور ایک عورت تقریر کرنے لگی۔ وہ ایک گوشے میں سمٹی کھڑی اس حیرت انگیز تماشے کو دیکھ رہی تھی کہ ایک ملائم آواز نے بڑے پیار سے اسے پکارا "میری رفیقہ" اس آواز نے گویا اسے مسحور ہی کر لیا۔ وہ اس کے ساتھ گفتگو کرنے لگی اور باتوں باتوں میں خدیجہ نے بتا دیا کہ وہ ایک غریب بیوہ ہے۔ "تم ہمارے ساتھ رہو، ہم تمہیں کھانے کو روٹی اور رہنے کے لیے جگہ دیں گے۔" اس کمیونسٹ عورت نے جواب دیا۔ خدیجہ کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا اور وہ اس کے ساتھ ہولی۔ وہ اسے ایک عمدہ مکان کے اندر لے گئی جہاں خدیجہ کو ایک جدید قسم کے غسلخانے میں نہلایا گیا اور یورپی لباس پہننے کو دیا گیا۔ (ص ۲۷۲)

"دوسرے دن خدیجہ کو اسکول میں داخل کر دیا گیا جہاں سے کمیونزم کی تعلیم ملنے لگی خوش قسمتی سے اسے ایک ایسی استانی میسر آگئی جو بڑی قابل اور ذہین تھی۔ اور یہ صرف اسی استانی کی بدولت تھا کہ تمام لڑکیاں لینن سے واقف ہو گئیں۔ اور اس کی ذات سے محبت کرنے لگیں (ص ۲۷۳)

اسی اسکول میں ایک معلم فیض اللہ نامی تھا۔ وہ ابھی جوان تھا وہ خدیجہ کے ہر کام میں دلچسپی لینے لگا یہاں تک کہ اسے اس سے

محبت ہوگئی اور آخر کار دونوں نے شادی کرلی۔ خدیجہ اپنی پچھلی زندگی پر ایک نظر ڈالتے ہوئے کہتی ہے کہ۔

"ہم عورتوں میں ایک نئے ضبط نفس اور سیرت کی ضرورت ہے۔ بچپن ہی سے ہمیں سکھایا گیا ہے کہ ہم مردوں سے دور ہٹ کر رہیں تو جب ہم مردوں سے ملتی ہیں تو ایک عجیب قسم کی جھجک اور خوف باقی رہتا ہے"۔

خدیجہ بیان کرتی ہے۔

"خود میری زندگی میں یہ جھجک ایک بڑا المیہ (Tragedy) کا باعث بنی۔ مردوں کے ساتھ ملنا میرے لیے ایک بڑا تھرتھری پیدا کردینے والا تجربہ تھا۔ اور کوئی تعریفی جملہ یا معانقہ تو میرے لیے ایک پہاڑ تھا"۔

"یہ ہے اس لڑکی کی داستان جس کو جب اس کی عمر رسیدہ ماں نے اس حالت میں دیکھا تو وہ سے پکار اٹھی حیف خدیجہ حیف تو نے یہ کیا کیا؟ تو نے مجھے ہر مسلمان کی آنکھ میں ذلیل کردیا ہے۔ کاش میں اس سے قبل مرچکی ہوتی"۔ ۲۷ ص

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر تہذیب اپنا جال کسی خاص شخصیت یا تعلیم کے گرد بنتی ہے۔ یونان کی قدیم تہذیب فلسفیوں کی تعلیم کے گرد پھیلی جس تعلیم کا مرکزی نقطہ یہ تھا کہ یونانی آسمانی دیوتاؤں کی اولاد ہیں اور آپ کو سن کر تعجب ہوگا کہ وہ تہذیب جو آج کی دنیا اور قرون وسطی کے مسلمان علماء کے لیے ایک مقدس صحیفہ بنی ہوئی تھی، غلاموں کی ناتوان گردنوں کے اوپر استوار کی گئی تھی۔ یونانی گھریلو زندگی کی بنیاد طوائفوں کے اوپر چنی گئی تھی۔ اٹھارویں صدی میں عقلیت کا جو طوفان اٹھا تو وہ اپنا بھنور والٹیئر کے گرد بنا رہا تھا۔ یہی اس صدی کا پیغمبر تھا۔ اس طرح جب اشتراکیت پھیلی تو یہ قدرتی امر تھا کہ اس کے خداؤں کی شخصیتیں اجاگر ہوتیں اور لوگوں کے دلوں میں ان کے مندر تعمیر کیے جاتے وہ انسان جن کی زبانیں ہادی برحق کی ثنا خوانی میں مصروف تھیں اب گا رہی تھیں:۔

"وہ آنے والے حسین ایام کے گیت گا رہے تھے۔

لیکن سب سے زیادہ گیت وہ جو ہستی کے متعلق بناتے تھے وہ لینن تھا۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اس کے بغیر کوئی بنا گیت جنم لے ہی نہیں لے سکتا۔ لینن نے ہمارے زمزمہ خوانوں کو حق دیدیا کہ وہ جو چاہیں گائیں۔ اور وہ بیک زبان لینن کی حمد و ثنا کرنے لگے" (ناچ اور لوک گیت)

بقول مصنف لینن کی شخصیت ایک روایاتی حیثیت اختیار کرتی جارہی تھی۔ ان کے نزدیک لینن ایک فلسفی مفکر یا انقلابی لیڈر نہ تھا۔ ان کے نزدیک لینن ایک مقدس ناجی تھا ایک ہادی برحق اور علم و حکمت کا مہبط تھا" (۲۲۶ ص)

لینن کا نام اور اس کی شخصیت ان کے قلوب پر ہر وقت مسلط تھی۔ مصیبت کی ہر گھڑی میں لینن کی یاد ان کیلئے

صبر سکون کا پیام لاتی تھی" (۳۲۲ ص)

اور وہ جو مذہب کے وجود کو بیخ و بن سے اکھاڑنے آئے تھے خود ایک دیوتا انسانوں کے اندر نصب کر رہے تھے۔

"ایک ایشیائی گیت میں لینن چاند اور ایک ستارے کا زائیدہ بنایا جاتا ہے۔ اپنی وراثتی قوتوں سے اس اژدہا کو ہلاک کرتا ہے جو امن و راحت کی راہ کو روک بیٹھا ہے۔"

ایک اور روایت میں ہے:۔

"اور چھٹے سال میں جب زمین غلاموں اور نوابوں سے پاک ہو گئی تو لینن مر گیا۔ اور جب لوگوں نے دیکھا کہ لینن ان کے درمیان موجود نہیں تو انھوں نے کہا کہ وہ واقعی مر گیا ہے۔ لینن مرا نہیں تھا۔ وہ اپنے معلم خاطہ بیش کے صحیفے کو بھولا نہیں تھا۔ وہ پہاڑوں میں اپنی خوشی کو تلاش کر رہا ہے۔ لوگ دیکھتے ہیں کہ زمین لرز رہی ہے۔ نہیں، یہ زلزلہ نہیں۔ لینن پہاڑوں کو الٹ پلٹ کر اس چھڑی کو ڈھونڈ رہا ہے جس کی جنبش سے مسرت حاضر ہو جائے گی۔ اور جب وہ اس چھڑی کو پالے گا تو کالے گورے زرد اور بھورے سب انسان مسرور ہو جائیں گے اور امن و سکون کی زندگی بسر کریں گے۔" (۳۲۸ ص)

انسان اپنے الفاظ میں اور اپنے گیتوں کی سانسوں میں اپنے قلب کی کیفیات عیاں کرتے ہیں محض ایک زمانے کے ادب کو دیکھ کر اس زمانے کے خیالات کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ خود دیکھئے عرب کا جاہلیت کا ادب انقلاب اسلام کے بعد کے ادب سے کتنا متضاد اور الگ تھا لینن کی شخصیت ان کے قلوب میں رچ چکی تھی۔ بقول مصنف لینن کی ہستی اب ایک داخلی جذبہ بن چکی تھی۔ پھر بقول قرآن ایک پیٹ میں دو دل نہیں ہو سکتے۔ لینن کی محبت رکھتے ہوئے خدا اور رسول کی محبت کب رہ سکتی تھی۔ ایک مسلمان شاعر ایک مشہور نظم میں لکھتا ہے:۔

"آج ہماری تعطیل ہے۔

ہم اسے روزے کے نام سے پکارتے ہیں

اور ماضی بعید میں یہ کیسی عجیب تعطیل تھی!

گھر بار تج کے، کھیتوں سے دور

تمام دن مسجدوں میں گھٹنے جھکائے کھڑے رہتے تھے۔

اب کس کے پاس روزے کی بابت سوچنے کا وقت ہے؟

محکوم ماضی کی اس واہیات رسم کے لیے اب کس کے پاس وقت ہے؟

روزہ ؟! (۲۴۳ص)

دین کے ساتھ یہ تمسخر و استہزا ایک منطقی نتیجہ تھا اس ترقی کا جس کی طرف ترکستان کے مسلمان بڑھ رہے تھے.
ایک مسلمان ادیب صدرالدین عینی اپنے بھائی کی وفات پر ایک نظم میں لکھتا ہے جس کے آخر میں وہ چلاتا ہے.

"اے آسمانوں کے حاکم تم ہی ہاں صرف تم ہی اس جرم کے مرتکب ہو" اور جب آسمانوں سے کوئی جواب نہیں ملتا تو وہ پکار اٹھتا ہے "ہاں یہ خالی خولی آسمان گونگا ہے" (۲۴۲ص)

عینی جدید خیالات کا علمبردار ہے. اپنی تحریریں میں جابجا وہ مذہب پر حملے کرتا ہے اور جوں جوں بالشوزم کی تحریک پھیلتی ہے اس کی بے باکی زیادہ تند ہوتی جاتی ہے. پہلے پہل وہ خدا کو مانتا تھا پھر اس کے وجود ہی کا منکر ہوگیا. انقلاب کے اولین سالوں میں وہ خدا کو پکارتا ہے:-

"اے خدا محلوں کی چھتیں توڑ ڈال

بدمعاش نوابوں کے تاج زمین پر اتار پھینک

اے خدا ہمیں ہولناک قید سے نجات دلا

اور ان بدانجام نوابوں کو اپنے غلاموں کے سامنے سرنگوں کردے.

دو سال بعد جب اس کی دعا مستجاب ہوئی. زبردست زبردست ہوگئے اور محلوں کی چھتیں واقعی چرچراتی ہوئی نیچے آرہیں تو وہ کہنے لگا.

"یہ اللہ کا کام نہیں. اللہ کو اس کاروبار سے کیا سروکار"

"اپنی تازہ تحریروں میں عینی لکھتا ہے کہ یہ معجزہ اللہ اور اس کے رسولوں کا نہیں بلکہ مزدوروں کے زور بازو کا نتیجہ ہے. (۲۴۳ص)

جو حضرات ادب پر ایک نگاہ رکھنے والے ہیں وہ خوب جان گئے ہوں گے کہ وسطی ایشیا کا یہ ذکر ہندستان کی موجودہ حالت کو کس قدر بے نقاب کر رہا ہے.

منور شو ایک مشہور شاعر اپنی مشہور نظم "خطاب بہ رسول" میں کہتا ہے:-

"تم کہتے تھے. تاج نہیں گریں گے

وہ گر گئے

تم کہتے تھے. تخت نہیں ہلیں گے

وہ ہل گئے

تم کہتے تھے۔ "قرآن کے الفاظ ابدی ہیں

ہماری عورتیں بے پردہ نہ ہوں گی"

وہ بے پردہ ہو گئیں

تم کہتے تھے۔ "مسجدیں کبھی خالی نہ ہوں گی

اسلام ہمیشہ حکمران رہے گا"

بمشکل　　(۷۰ص)

ایک شاعر منظوم مکالمے میں ایک فرد کی زبان سے کہلواتا ہے

"یہاں کسی ملا امیر یا نواب کے لیے کوئی جگہ نہیں۔

ہمیں کوئی خداوند نہیں چاہیئے اور نہ اس کے کسی گماشتہ کی زمین کے کسی حصہ میں ضرورت ہے" ۵۳ص

دیکھ لیا آپنے وہ لوگ کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ ان کی زخمی روحیں اب چلا رہی تھیں۔

"ملا اب مت آؤ، تم ہماری پہاڑیوں کی بعید آواز سن رہے ہو؟ وہ کیا کہہ رہی ہیں؟ صدیوں ہم خدا اور اس کے رسول کی شریعت کی رہنمائی میں زندگی بسر کرتے رہے ہیں۔ لیکن کوئی تغیر نہیں، کوئی انقلاب نہیں، دیکھو ہماری چوٹیاں کانپ رہی ہیں۔ ان کے بیچ لبنہ وزنی ٹکڑے تمھیں کچلنے کیلئے لڑھکتے آرہے ہیں ہم تم کو نہیں چاہتے، جاؤ، چلے جاؤ! ہم اپنے بھولے بھالے انسانوں کو تمھاری تعلیمات سے بچانا چاہتے ہیں۔"

—— یہ تھی صبح سمرقند!

(بقیہ مضمون صفحہ ۱۶) کہ جس شخص میں اسلام کی یہ ظاہری علامتیں موجود ہوں (یعنی نماز پڑھنا قبلہ کی طرف رخ کرنا اور مسلمانوں کا ذبیحہ کھانا) پھر خواہ وہ کیسے ہی خلاف اسلام عقائد و خیالات رکھے اور خواہ کیسے ہی کافرانہ و مشرکانہ اعمال کرے بہرحال وہ مسلمان ہی رہتا ہے اور اس قسم کے لوگوں سے اس حدیث کا کوئی تعلق نہیں ہے اور ایسے لوگوں کو مسلمان قرار دینے کا مطلب تو یہ ہوگا کہ اسلام صرف ان ظاہری اعمال اور علامات ہی کا نام ہے۔ اور ایمان و اعتقاد کی اس میں کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اسلام کے بارہ میں اس سے زیادہ جہالت اور گمراہی کی بات اور کوئی نہیں ہوسکتی۔

(باقی)

آداب معاشرت

(از جناب مولانا محمد ایوب صاحب اصلاحی جامعۃ البیانات کانپور)

اچھے انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ تمام لوگوں کے ساتھ اپنے تعلقات خوشگوار رکھے، ہر شخص سے ملنے میں تواضع اور فروتنی کو اپنا شعار بنائے، ہر ایک کے ساتھ شگفتگی سے اور محبت آمیز انداز میں گفتگو کرے، اپنی بڑائی نہ جتائے اور نہ جھگڑتا پھرے، بلکہ لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق اور اچھے برتاؤ ہی سے پیش آئے اور ایسا طرز معاشرت اختیار کرے کہ خلق اللہ کے لیے اذیت اور منافرت کا باعث نہ ہو، ہر شخص سے سلام کرنے میں پیش قدمی کرے اور اگر اس کو سلام کیا جائے تو اس سے بہتر طور پر، یا کم سے کم ویسا ہی جواب دے، ملاقات کرنے میں کشادہ دلی اور خندہ پیشانی کا اظہار کرے اور گفتگو میں خوش کلامی اور ادب و متانت کا خیال رکھے اور جہالت کی باتیں نہ کرے جو دوسروں کے لیے باعث تکلیف ہوں، مخاطب کی گفتگو ایسی خاموشی اور توجہ سے سنے کہ اس کی وقعت میں کوئی ادنیٰ سی کمی بھی محسوس نہ ہونے پائے۔ وعدہ ہمیشہ ایسا کرے جس کو پورا کر سکے، معاہدہ اور قول و قرار کی خلاف ورزی نہ کرے، اپنے بزرگوں کے لیے کھڑا ہو جائے (بشرطیکہ انھیں اس سے تکلیف نہ ہوتی ہو) اور ان کے بیٹھنے کے لیے بہتر اور کشادہ جگہ خالی کر دے اور خود ان کے سامنے پورے سکون و ادب کے ساتھ بیٹھے، اور فضل و کمال یا سن و سال، کسی اعتبار سے بھی جو اس سے بڑا ہو، اس کے درجہ کے مطابق اس کا ادب و احترام کرے اور ان کے سامنے کوئی خلاف ادب بات نہ کرے، مثلاً تھوکنا جمائی لینا پاؤں کو پاؤں پر رکھنا وغیرہ ذلک غرض اس طرح ان تمام اخلاق و عادات کا خوگر بنے اور ان طریقوں کو اختیار کرے جو اجتماعی نظام کو استوار اور رشتۂ اخوت کو مضبوط بنائیں جس ملت کے افراد ان صفات کے حامل ہوں گے وہ دنیا کے اندر امن و سلامتی اور فلاح و سعادت کے لحاظ سے ایک مثال ہوگی۔

نرم خوئی و خوش گفتاری قرآن مجید نے معاشرتی اخلاق کے ان تمام اصولوں کو مکمل طور پر پیش کر دیا ہے جن پر عمل کرنے سے آپس میں ہمدردی پیدا ہو، ملت کا شیرازہ متحد ہو اور بغض و عناد، افتراق و انتشار اور شر و فساد کے فتنوں سے قوم محفوظ ہو کر ترقی اور خوش حالی کی نعمتوں سے بہرہ ور ہو سکے۔ اس سلسلہ میں اس کی پہلی اور بنیادی تعلیم یہ ہے کہ۔

ولا تستوی الحسنۃ ولا السیئۃ ادفع بالتی — نیکی اور برائی برابر نہیں ہو سکتی، برائی کو ایسے طریقے سے دفع کرو جو سب سے

ھی احسن فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم وما یلقاھا الا الذین صبروا وما یلقاھا الا ذو حظ عظیم۔ (سورہ فصلت)

زیادہ بہتر ہو (ایسا کروگے) تو تمھارے اور جس شخص کے درمیان کوئی عداوت ہو وہ بھی گویا تمھارا ہمدرد دوست ہو جائیگا اور اس (حسن مدارات) کی توفیق انھیں لوگوں کو ہوتی ہے جو صبر کرتے ہیں اور ان لوگوں کو ہوتی ہے جو بڑے نصیب والے ہیں۔

اس آیت میں جس اصول اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے وہ اپنے مفہوم میں عام اور اپنے دائرہ اثر و عمل میں غیر محدود ہے، اس میں رسول اور پیروان رسول کو نہ صرف اپنے ہم مذہبوں ہی کے ساتھ بلکہ نوع انسانی کے ہر فرد کے ساتھ خوش خلقی اور حسن مدارات سے پیش آنے کی تاکید کی گئی ہے اور انھیں حکم دیا گیا ہے کہ اگر ان کے ساتھ کوئی اشتعال انگیز رویہ اختیار کرے تو ان کا اخلاقی فرض یہ ہے کہ اس پر صبر کریں، اگر کوئی جہالت کر بیٹھے تو حلم و بردباری سے کام کریں، بدسلوکی سے پیش آئے تو درگذر کریں اور اس کی خطاؤں کو بخش دیں۔ اس خوش اخلاقی کا انجام یہ ہوگا کہ دشمن بھی دوست ہو جائے گا اور کینہ پرور مددگار بن جائے گا۔ " ولا تستوی الحسنۃ ولا السیئۃ ادفع بالتی ھی احسن الایہ" کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ برائی اور بھلائی دو مختلف حقیقتوں کا نام ہے، ایک مسلم کی حیثیت سے تمھیں چاہیئے کہ برائی کے جواب میں بھی نیکی ہی اختیار کرو اور نیکی بھی وہ جو ہر جہت سے اکمل و احسن ہو، پھر ایسا کر کے اپنے دشمن کے اندیشہ سے بے خوف ہو جاؤ، یعنی اگر کوئی شخص تمھارے ساتھ بدسلوکی سے پیش آئے تو بہتر یہ ہے کہ تم اسے معاف کر دو اور اس سے بہتر تو یہ ہے کہ اس کی بدسلوکی کو نہ صرف معاف کر دو بلکہ اس کے ساتھ احسان کرو۔ اس اصول پر عمل پیرا ہو کر دیکھ لو کہ آخر تمھارا یہی احسان و حسن مدارات کس طرح اس کو تمھارا مخلص اور ہمدرد، رفیق اور دلسوز اور فدائی دوست بنا دیتا ہے۔

لیکن اس اعلیٰ اور عزیمت طلب اصول اخلاق کی پابندی کچھ آسان بات نہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے اس اصول کی تعلیم اور اس کے نتائج کی توضیح کے ساتھ ہی فرما دیا ہے کہ " وما یلقاھا الا الذین صبروا وما یلقاھا الا ذو حظ عظیم" یعنی اس اصول پر عملاً حقیقی تعلق انھیں لوگوں کو پیدا ہو سکتا ہے جو صبر و تحمل کے عادی ہوں اور سنجیدہ، مضبوط اور پر عزیمت دل و دماغ رکھتے ہوں ورنہ اخلاق کا یہ اصول کچھ اس قدر سخت اور صبر آزما ہے کہ اس پر عمل کرنا ہر شخص کا کام نہیں، اس کی پابندی اہل عزیمت ہی کر سکتے ہیں، اس لیے اس اعلیٰ اخلاقی معیار پر پورا اترنے کے لیے پہلے اپنے اندر کافی صبر و ضبط اور عزم و

استقلال پیدا کرنے کی ضرورت ہے

اسی نرم خوئی اور حسن مدارات کی تاکید خود حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کی گئی ہے:۔

واخفض جناحک لمن اتبعک من المومنین فان عصوک فقل انی بریٔ مما تعملون (سورہ شعراء)

اور جو مسلمان تمہارے پیچھے ہو لیے ہیں ان سے تواضع اور نرمی کے ساتھ پیش آؤ، پس اگر لوگ تمہاری نافرمانی کریں تو (ان سے صاف صاف) کہہ دو کہ میں تمہارے مشرکانہ افعال سے بری ہوں

اس آیت میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مسلمانوں کے ساتھ نہایت نرمی اور تواضع سے پیش آنے کا حکم دیا گیا ہے، کیونکہ آپ کی رسالت کا مقصد عظیم بظاہر اسباب اس کے بغیر پورا نہ ہو سکتا تھا اور تمام مسلمانوں کو آپ کا ہم آہنگ بنانے، آپ سے محبت کرنے، آپ کے ارشادات کی انجام دہی پر آمادہ کرنے، آپ کے مقصد رسالت کی راہ میں جان و مال کی قربانی دینے اور آپ کی دعوت کو فروغ دینے کی خاطر ہمہ تن مستعد اور سرگرم عمل بنا دینے کے لیے سب سے زیادہ موثر اور کارگر یہی طریقہ تھا۔

اسلامی تحریک و سیاست کا یہ ضروری اصول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص نہیں ہے، بلکہ ہر اس شخص کا جو کسی اسلامی تحریک یا ادارہ کا ذمہ دار ہو، اصول زندگی یہی ہونا چاہیے کہ موافقین اور مخالفین سبھی کے ساتھ اپنے حسن اخلاق کا ثبوت دے تاکہ اس اخلاق کی کشش سے موافقین کو موثر طریقہ پر دینی اور دنیوی ترقی کی راہ پر لگا سکے اور ان کی اخلاقی کمزوریوں کی آسانی سے اصلاح کر سکے، اور مخالفین کا جذبۂ نفرت محبت و ہمدردی کے جذبہ میں تبدیل کر دے، چنانچہ اسی حکمت کو ملحوظ رکھ کر شارع حقیقی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حسن سلوک کا حکم دیا تاکہ آپ کے مخالفین آپ کے حسن اخلاق سے متاثر ہو کر نفرت و عداوت کے بجائے آپ سے محبت و ہمدردی کرنے لگیں اور پھر بتدریج آپ کے اتباع اور تعمیل ارشاد پر مجبور ہو جائیں۔

ایک دانا اور حقیقت پسند انسان کو اس امر کا سمجھ لینا ذرا بھی دشوار نہیں کہ اخلاق نبوی کا یہ وہ بلند ترین اصول ہے جس کی رہنمائی اور ضرورت سے کوئی انسان بھی، جو اپنی زندگی کو کامیاب بنانا چاہتا ہے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ ہر چند کہ آیت مذکورہ بالا میں روئے سخن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف ہے لیکن اس کا مقصد دراصل پوری امت کو تعلیم دینا ہے، کیونکہ قرآن مجید میں آپ کو جو حکم بھی دیا گیا ہے اس کا مقصد امت ہی کی تعلیم ہے الا آنکہ کسی حکم کے متعلق اس بات کا قطعی ثبوت ہو کہ وہ آپ ہی کے ساتھ

مخصوص ہے۔ اس لیے ہادیٔ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر پیرو کا فرض ہے کہ وہ ہر شخص کے ساتھ خواہ موذی دشمن ہو یا مہربان دوست، خوش خلقی سے پیش آئے اور اپنے اخلاق اور تواضع سے ان کے دلوں پر اپنی محبت کا گہرا نقش جمالے کہ ضرورت کے وقت وہ اس کی ہر طرح کی امداد اور ہمدردی کے لیے فطرتاً مجبور ہو جایا کریں۔

اللہ تعالیٰ نے جب حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام کو اپنے اور ان کے سب سے بڑے دشمن کو پیغام حق دینے کے لیے بھیجا تو اس وقت انھیں بھی یہی تاکید فرمائی کہ:۔

اذھب انت واخوک بآیاتی ولا تنیا	تم اور تمھارے بھائی دونوں ہماری آیات لیکر جاؤ اور ہماری یاد
فی ذکری اذھبا الی فرعون انہ	میں سستی نہ کرنا۔ دونوں فرعون کے پاس جاؤ اس نے بہت سر
طغیٰ فقولا لہ قولا لینا لعلہ یتذکر	اٹھا رکھا ہے پس اس سے نرمی سے بات کرنا شاید وہ چیتے یا
او یخشیٰ (سورۂ طٰہٰ)	ہمارے قہر سے ڈرے

یعنی تم دونوں ہمارے معجزے اور دلائل توحید لیکر فرعون کے پاس جاؤ اور اس کو توحید کا پیغام ربانی سنا دو اور یاد رہے کہ اس کے پاس پہنچکر برابر ہمیں اپنے سامنے رکھنا اور اس اعتقاد و یقین سے اپنے دل کو کبھی خالی نہ ہونے دینا کہ ہم تمھاری اس مہم میں معین و مددگار ہیں کیونکہ ہمارا ذکر اور پشت پناہی کا یقین تمھارے لیے تقویت کا اور فرعون کے لیے زوال قوت کا باعث ہوگا۔ ایک حدیث قدسی میں بھی اس بات کی شہادت موجود ہے کہ ذکر الٰہی مومن کے لیے باعث تقویت اور دشمن کے لیے زوال قوت کا سبب ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ربہ ان عبدی	اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا حقیقی بندہ وہ ہے جو اپنے دشمن سے
کل عبدی الذی یذکرنی وھو مناجز قرنہ	مصروف پیکار ہوتے وقت بھی مجھے یاد کرتا رہتا ہے (اور یقین
	رکھتا ہے کہ میں اس کا آقا اور دستگیر ہوں)

ان احکام و ہدایات کے بعد ان پیغمبران عظام کو اللہ تعالیٰ یہ ہدایت کرتا ہے کہ پیغام رسانی میں فرعون سے نہایت درجہ نرمی کے ساتھ بات کریں اور انداز گفتگو میں ذرا بھی ترش روئی اور تلخ بیانی اختیار نہ کریں۔ فطرت انسانی کا خاصہ ہے کہ سخت کلامی سے اس میں ضد اور نفرت اور نافرمانی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف نرم گفتاری لوگوں کو اپنی طرف کھینچتی، دشمن کی آتش بغض و عداوت کو ٹھنڈا کرتی اور سنگدل سرکشوں کے دلوں کو بھی پگھلا دیتی ہے اور کہنے والے کی باتوں کو مقبولیت بخشتی ہے۔ چنانچہ اسی مصلحت کے پیش نظر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کو اللہ تعالیٰ نے نہایت نرم انداز گفتگو اختیار کرنے کا حکم دیا اور اسی کے بموجب انھوں نے فرعون کو مخاطب بھی

ان نرم لفظوں میں کیا کہ انا رسولا ربک فارسل معنا بنی اسرائیل ولا تعذبھم (ہم دونوں تمہارے رب کے فرستادہ ہیں پس بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دو اور ان کو عذاب نہ دو) پھر جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو توحید کی دعوت دی تو اس میں بھی اس حکم الٰہی کا انتہائی حد تک لحاظ کیا اور فرمایا:-

ھل لک الی ان تزکی واھدیک الی	کیا تم پسند کرتے ہو کہ شرک وکفر کی گندگی سے پاک ہو جاؤ اور میں
ربک فتخشیٰ	تمہارے پروردگار کا راستہ بتادوں اور تم اس سے ڈرو!

غور فرمائیے یہ انداز مخاطبت حسن بیان اور نرمی کلام کی کتنی بہترین اور معجزانہ مثال ہے اور فرعون کو پیغام توحید پر آمادۂ غور وفکر اور مائل بہ ایمان کرنے کی کتنی مؤثر تدبیر! جس کے بعد اسکے لیے ایمان کی راہ نجات ہونی چاہیے یا تباہی کا نار یک گڑھا۔

اب ذرا حضرت موسیٰ کے اس اسوہ پر عام معاشرتی اور اخلاقی نقطۂ نظر سے غور کیجیے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کو جو تمام انسانوں سے اعلیٰ وارفع اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے اور عظیم المرتبہ رسول ہیں۔ فرعون جیسے آدمی کے ساتھ خوش کلامی اور نرمی سے پیش آنے کی تاکید کیجارہی ہے جو دشمن حق ہونے کی وجہ سے اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ ذلیل اور بے وقعت انسان ہے۔ جب ایک ذلیل دشمن کے ساتھ ایسے اخلاق کے مظاہرہ کا حکم ہے تو اس سے بآسانی یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ایک مومن کو دوسرے مومن کے ساتھ کتنی نرمی، خوش خلقی اور شیریں کلامی کا اظہار کرنا چاہیے

حضرت موسیٰ کی طرح پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پیغام رسانی کا منصب تفویض کرکے اللہ تعالیٰ نے کفار ومشرکین کی تفہیم وتذکیر کے لیے یہی نصیحت فرمائی:-

ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ	(اے نبی! لوگوں کو) حکمت وموعظت حسنہ کے ذریعہ اپنے رب کے
الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن	راستہ کی طرف بلاؤ، اور ان سے (اگر بحث کی نوبت آئے تو) ایسے
ان ربک ھو اعلم بمن ضل عن سبیلہ	طریقہ پر بحث کرو جو بہت زیادہ پسندیدہ ہو تمہارا رب اسکو خوب
وھو اعلم بالمھتدین	جانتا ہے جو اس کے راستے سے بھٹک گیا اور ان سے (بھی)
(سورہ نحل)	خوب واقف ہے جو صحیح راستہ پر ہیں۔

اس آیت میں آپ کو تبلیغ کے لیے دو ایسے اخلاقی اصول بتائے گئے ہیں جو دعوت حق کا بہترین طریقہ اور اصلاح وتربیت اخلاق کا کامیاب ذریعہ ہیں، ایک تو یہ کہ تبلیغ میں "حکمت اور موعظۂ حسنہ" سے کام لیجئے، دوسرا یہ کہ بحث وجدال احسن طریقہ پر کیجیے۔

"حکمت اور موعظت حسنہ" کا یہ مطلب ہے کہ آپ ہدایت کا پیغام پہنچانے کے لیے معقول اور مسکت

دلائل سے کام لیں اور خدا پرستی، راستبازی اور حق شناسی کے اچھے اور دلپذیر وعظ کہیں جو عقل سے لگتے ہوئے اور فطرت کے مطابق ہونے کی وجہ سے آپ کے پیغام کی صداقت اور آپ کی اخلاص مندی، نیک نیتی اور بے غرضی کا یقین لوگوں کے دلوں میں اتار دیں۔

تبلیغ حق کا یہ طریقہ ایسے لوگوں کے ساتھ اختیار کرنے کی ہدایت کی گئی جو مباحثہ و مجادلہ پر نہ اتر آئیں لیکن جو لوگ اپنی ہٹ دھرمی اور شقاق و عناد کی بنا پر بحث و مجادلہ پر مجبور کر دیں تو ان سے دوسرے اصول اخلاق کے مطابق عمل کرنے کا حکم دیا گیا اور نہایت خوش خلقی اور نرم کلامی سے بحث و جدال اور افہام و تفہیم کرنے کی ہدایت کی گئی اس لیے کہ ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کو روکنے اور عناد و شقاق کی تیزی کو فرو کرنے اور حق و صداقت سے انھیں مانوس کرنے میں یہی تدبیر سب سے زیادہ موثر ثابت ہو سکتی ہے " وجادلھم بالتی ھی احسن " اور " فقولا لہ قولا لینا " دونوں جملوں کو سامنے رکھیے تو آپ کو دونوں میں ایک ہی مشترک حکمت اور مقصد اور ایک ہی حکیمانہ طرز تبلیغ نظر آئے گا۔ پہلی آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کفار سے نرمی کے ساتھ پیش آنے اور نرم و متین انداز میں بات کرنے کی تاکید کی گئی ہے جس طرح دوسری آیت میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو خدائی کے مدعی فرعون سے نرمی کے ساتھ گفتگو کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو تبلیغ حق کا یہ طریقہ بتا کر یہ بھی واضح فرما دیا ہے کہ راہ حق سمجھا دینا آپ کا کام ہے، اس پر لوگوں کو چلا دینا آپ کا فریضہ نہیں، بلکہ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے، وہی فطرت انسانی کا حقیقی نباض اور غیب کا جاننے والا ہے اس کے یہاں منکر حق کے رکھے جانے کے ٹھکانے بھی ہیں، اور حق کے سامنے سر اطاعت جھکا دینے والے کے مستقر بھی، وہ ہر بدبخت اور خوش بخت سے واقف ہے اور ہر ایک کی پوری کیفیت اس نے اپنے یہاں لکھ رکھی ہے اور ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ دینے پر پوری طرح قادر ہے، اس لیے ان کے ہدایت پانے کی فکر میں اپنے آپ کو ہلکان نہ کریں، کیونکہ آپ کی مرضی اور خواہش کو کسی کے ہدایت پانے یا نہ پانے میں کوئی دخل نہیں۔ انک لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء۔

دینی انقلاب کا راستہ بتانے والی چند کتابیں

نصرت دین و اصلاح المسلمین کی ایک بلیغ کوشش

(از جناب مولٰنا محمد منظور صاحب نعمانی مدیر الفرقان)

حضرت مولٰنا محمد الیاسؒ کی تبلیغی و اصلاحی تحریک کے مقاصد اور طریقہ کار کی توضیح میں یہ سب سے زیادہ مفصل اور جامع رسالہ ہے، اس میں تفصیل سے بتلایا گیا ہے کہ عہد نبوی سے اب تک اُمت میں کیا کیا اہم تغیرات ہوئے ہیں اور مولٰنا مرحوم کی شروع کردہ اس دعوت دینی کا اصل منشا یہ ہے کہ ان تغیرات کی اصلاح کر کے اُمت کے بگڑے اور بھٹکے ہوئے قافلہ کو پھر اُس حالت پر پہنچایا جائے جس حالت میں کہ رسالت اولیٰ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحرائے عرب سے اُس کو رخصت کیا تھا اس دینی دعوت کے اہم پہلوؤں اور اسکی خصوصیات کو سمجھنے کے لئے اس رسالہ کا مطالعہ نہایت مفید اور ضروری ہے قیمت ۸ر

ایک اہم دینی دعوت

(از جناب مولٰنا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی)

اسی دینی دعوت کی توضیح میں یہ نہایت جامع اور مفید مقالہ ہے، بانیٔ تحریک کے خیالات و عزائم کی اس میں نہایت اعلیٰ اور کامیاب ترجمانی کی گئی ہے۔ جابجا حضرت مرحوم کے ملفوظات و مکتوبات سے اقتباسات بھی درج ہیں اس دینی دعوت کی روح کو سمجھنے کے لئے مولٰنا محمد منظور صاحب نعمانی کی کتاب نصرت دین کے مطالعہ کے بعد اس مقالہ کو بھی ضرور پڑھنا چاہیئے۔

قیمت ۶ر

حضرت مولٰنا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ
اور
اُن کی دینی دعوت

(تالیف مولٰنا سید ابوالحسن علی ندوی)

یہ کتاب داعی الی اللہ حضرت مولٰنا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات ہے جس میں آپ کے بچپن سے وفات تک کے خاص حالات، خاندان، ماحول، نشو و نما، تعلیم و تربیت، سلوک و تزکیہ، تکمیل باطن، اور خصوصی صفات و امتیازات کے علاوہ آپ کی دینی دعوت اور اصلاحی تحریک کو بھی تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اور بلا شبہ عصر حاضر کی سب سے بڑی اور سب سے زیادہ گہری دینی تحریک ہے اور جو اس چودھویں صدی میں دینی انقلاب کا ایک قابل عمل لائحہ پیش کرتی ہے۔ جدید ایڈیشن جس میں بہت کافی اضافہ کیا گیا ہے ضخامت تقریباً ساڑھے تین سو صفحات۔ قیمت ۴ر

دعوت احیاء دین
یا
دینی انقلاب کی ایک صحیح وجہ

(از مولٰنا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان)

اس میں بتایا گیا ہے کہ موجودہ مسلمان قوم ضروری درجہ کے دینی اوصاف سے بھی کس قدر محروم ہو گئی ہے اور اس کی اصلاح اور دین کے احیاء کے لئے کیا طریقہ کار صحیح ہے۔ مختصر ہونے کے باوجود نہایت بصیرت افروز مقالہ ہے۔

جدید ایڈیشن تقطیع خورد قیمت ۵ر

تحریک ایمان (نظم)

(از جناب سید عبدالرب صاحب صوفی ایم اے)

ترجمان حقیقت علامہ اقبال مرحوم کے طرز پر حضرت مولٰنا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی دینی دعوت اور تبلیغی و اصلاحی تحریک کی منظوم تشریح اور علماء اُمت و صلحاء ملت کو بالخصوص عمل اور احیاء دین کیلئے جدوجہد کی پرسوز دعوت قیمت ۳ر

هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ ۚ

مرتبہ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

مکتبہ الفرقان بریلی (یو پی)
یہاں ہر قسم کی علمی مذہبی کتابیں نہایت سستی ملتی ہیں

مکتبہ الفرقان بریلی کی مطبوعات

کلمۂ طیبہ (لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تشریح) قیمت ۵ر
نماز (نماز کی عظمت و اہمیت اور اُس کی حقیقت) ۱۲ر
النبی الخاتم (از مولانا سید مناظر احسن گیلانی) مجلد ۱ر
الدین القیّم (از مولانا گیلانی) کاغذ قسم اول قیمت عگر
" کاغذ قسم دوم قیمت ہے
حکمتِ ولی اللّٰہی حضرت شاہ ولی اللہ کی علمی خصوصیات مولانا عبید اللہ سندھی کا بلند پایہ مقالہ جو شاہ ولی اللہ نمبر میں بھی شائع ہو چکا تھا ۱۲ر
منصبِ تجدید کی حقیقت تجدید و احیاءِ دین کے موضوع پر مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کا مضمون اور یہ از مطبوعات مقالہ جو شاہ ولی اللہ نمبر میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ قیمت آٹھ آنہ ۸ر
خطبات بمبئی مدیر الفرقان کی آٹھ تقریریں عہر
تدوینِ اُصولِ فقہ از قاضی عبد الرحمٰن ایم۔اے عثمانیہ
فنِ اصولِ فقہ کی تاریخ اور اسکے ممتاز مصنفین اور انکی تصانیف پر تبصرہ اس کتاب کا موضوع ہے۔ عجیب و غریب فاضلانہ تصنیف ہے عجر
تحقیق مسئلہ ایصال ثواب (از مدیر الفرقان) مُردوں کو زندوں کی دعا و استغفار اور ایصالِ ثواب سے نفع پہنچنے کے ثبوت میں قابلِ دید علمی و تحقیقی رسالہ ہے۔ ۶ر
جدید تعلیم اور علمائے کرام۔ تین آنے ۳ر
اسلام اور نظامِ سرمایہ داری قیمت ۸ر
نماز اور خطبہ کی زبان (از مدیر الفرقان) قیمت ۲ر
فتنۂ رفض و تفضیلیت کے خلاف حضرت مجدد الف ثانی کا جہاد ۴ر
تعزیہ داری وغیرہ رسومِ محرم سنی نقطۂ نظر سے ۴ر

حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت
جدید ایڈیشن زیرِ طبع قیمت صرف عگر
میری زندگی کے تجربے از مدیر الفرقان قیمت ۲ر
نصرتِ دین و اصلاحِ مسلمین کی ایک کوشش قیمت ۸ر
دعوت احیاءِ دین ۵ر تحریکِ ایمان (نظم) قیمت ۳ر
بوارق الغیب حصہ اول کاغذ سفید چکنا ہے کاغذ رف سفید عہ
" حصہ دوم کاغذ سفید چکنا عہ کاغذ رف سفید ۱۲ر
شرح حقیقی۔ کاغذ چکنا ۴ر کاغذ رف ۳ر
امعان النظر فی اذان القبر قیمت صرف تین آنے ۳ر
احکام النذر لاولیاء اللہ و تفسیر ما اہل بہ لغیر اللہ ۴ر
تیجہ اور دسویں وغیرہ کا شرعی حکم۔ قیمت ۳ر
حضرت مجدد الف ثانی اور زمانہ حال کے اہلِ بدعت ۴ر
مسئلہ حیات النبی کی اصل حقیقت قیمت آدھ آنہ ۱ر
خاکسار تحریک کیوں قابلِ قبول نہیں" ۳ر
عدمِ انجیل (اصلی انجیل کے دنیا سے ناپید ہونیکا ثبوت) ۴ر
مباحثہ سماج بریلی۔ تناسخ اور الہامِ وید کے موضوع پر ایک قابلِ دید سنجیدہ مناظرہ قیمت ۴ر
روئداد مناظرہ بریلی مع ضمیمہ
کاغذ سفید چکنا ۸ر کاغذ معمولی ۶ر
مسئلہ علمِ غیب پر فیصلہ کن مناظرہ
قسم اول ۸ر قسم دوم ۶ر
روئداد مناظرہ گیا قیمت ۸ر کوائف بمبئی قیمت ۳ر

مکتبہ الفرقان بریلی میں

مطبوعات جماعت اسلامی، نیز ندوۃ المصنفین دہلی، مکتبہ اسلام لکھنؤ اور مجلس علمی ڈابھیل اور دوسرے مشہور دینی اداروں کی عمدہ اور مفید مطبوعات کو مہیا کرنے کا خاص اہتمام ہے۔

(ضروری نوٹ) فرمایش کے ساتھ اپنا پورا پتہ صاف اور خوش خط لکھیے، نیز دس روپیہ یا زیادہ کی فرمایش کے ہمراہ کم از کم دو روپے پیشگی ضرور بھیجیے۔

ناظم الفرقان بریلی

ممالک غیر سے
۸ شلنگ پیشگی

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا

قیمت سالانہ
چار روپے پیشگی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ الفرقان بریلی

جلد (۱۴) بابت ماہ صفر المظفر ۱۳۶۶ ہجری نمبر (۲)

نہایت ضروری گذارش

سال رواں سے خریداری الفرقان کی چار قسطیں کر دی گئی ہیں، سہ ماہی، ششماہی، نوماہی، سالانہ، لہٰذا جن حضرات کی خریداری سال کے درمیانی مہینوں پر ختم ہوتی ہے ان کو اسی حساب سے منی آرڈر بھیجنا چاہیئے دفتر سے وی پی بھی اسی حساب سے روانہ کئے جائیں گے جو کسی کو تین روپے چھ آنوں اور کسی کو چار روپے کچھ آنوں کے ہونگے۔

نیز حسب اعلان سابق اضافہ چندہ کے بعد جو حساب لگایا گیا ہے اس کی رو سے کثیر تعداد تو ایسی ہے جنکے ذمہ دفتر کے ایک آنے سے لیکر تین آنے تک باقی نکلتے ہیں جن کا دفتر کو زیر بار ہونا لازمی ہے اور ایک معتدبہ تعداد ایسی بھی ہے جنکے ایک آنے سے لیکر تین آنے تک دفتر کے ذمہ باقی نکلتے ہیں ان سے عرض ہے کہ وہ اسکو برداشت فرما کر حساب کو بیباق کر دیں، تاکہ دفتر مواخذہ سے بری ہو جائے۔

یہ اعلان اسواسطے کرنا پڑا کہ پائیوں کی ادائیگی و وصولیابی فرداً فرداً کم از کم ہمارے لیئے ایک دشوار امر ہے۔

(ناظم الفرقان بریلی)

(مولوی محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے بریلی الکٹرک پریس بریلی میں چھپوا کر دفتر الفرقان بریلی سے شائع کیا)

باسمہ سبحانہٗ	محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

نگاہِ اوّلیں

ربیع الاول کے سیرتی جلوس اور جلسے :-

تقریباً ہر سال ایسا ہوتا ہے کہ محرم ہی کے مہینے سے ربیع الاول کے "سیرتی جلسوں" کیلئے مختلف مقامات سے دعوت نامے آنے شروع ہو جاتے ہیں اور اُن کا جواب لکھنا بھی ایک مستقل کام ہو جاتا ہے۔ اس سلسلے کے اکثر دعوت ناموں کا مضمون ایک ہی ہوتا ہے اور وہ یہ کہ ۔۔۔ "یہاں اتنے ہزار یا اتنے لاکھ مسلمان آباد ہیں اُن میں اسقدر جہالت ہے اور اسقدر برائیاں پھیلی ہوئی ہیں آپ ہمارے اس جلسہ میں ضرور تشریف لائیے، اتنے ہزار یا اتنے لاکھ مسلمانوں کی ہدایت سے زیادہ اہم اور ضروری کوئی دوسرا کام نہیں ہو سکتا لہٰذا اپنے تمام دوسرے کاموں کو ملتوی کر کے ہمارے جلسہ میں آنے کا ضرور فیصلہ کر لیجیے"۔

ان دعوت ناموں کے لکھنے والے خواہ خود اپنے دل میں یقین رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں لیکن مکتوب الیہ کو یہ یقین دلانے کی ضرور کوشش کرتے ہیں کہ اُن کے شہر اور اُن کی بستی کے لاکھوں یا ہزاروں مسلمانوں کی ہدایت اُن کے اس جلسہ سے اور اس جلسہ میں آکر خاص اس مقرر کے ایک تقریر کر دینے سے وابستہ ہے اور گویا کہ ساری بستی کی ہدایت بس آپ پر موقوف اور معلق ہے۔ اور اس کارِ خیر میں بس آپ ہی کی دیر ہے۔

اگر یہ بیچارے فی الحقیقت بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا ہوں تو سادہ لوحی کی حد ہے۔ یہ لوگ اگر اپنی کم علمی کی وجہ سے ان جلسوں جلوسوں کی اندرونی خرابیوں اور شرعی مفاسد کے ادراک سے قاصر ہیں تو کم از کم اتنی بات تو ہر عامی کے بھی سمجھنے سوچنے کی ہے کہ اتنے برسوں سے ان جلسوں جلوسوں کا سلسلہ جاری ہے اور ہر سال اس پر روپیہ اور وقت صرف کیا جاتا ہے لیکن کیا کسی جگہ کے مسلمانوں کی ذرہ برابر بھی دینی اصلاح ان ہنگامہ آرائیوں سے ہوئی ہے۔

اصلاح تو کیا ہوتی اس ایجاد نے تو بدعات و خرافات کا ایک نیا سلسلہ اُمت میں شروع کر دیا ہے، اور بہت سے مقامات پر سیرت کے نام سے جو جلوس نکلے جاتے ہیں اُن میں وہ سب خرافات ہوتی ہیں جو پہلے صرف تعزیہ داری کے محرمی جلوسوں میں ہوا کرتی تھیں رنگ برنگ کے علم اور جھنڈے قسم قسم کے باجے، نعت خوانوں اور گانے بجانے والوں کی مختلف جوکیاں وغیرہ وغیرہ۔ اور ہماری بریلی شریف میں تو روضۃ النبی اور مولود النبی (معاذ اللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زچہ خانہ) کی شبیہ بنا کر تعزیہ ہی کی طرح اس کا گشت بھی ہونے لگا ہے اس پر چڑھاوے بھی چڑھتے ہیں اور نذریں نیازیں بھی گذاری جاتی ہیں اور ابھی تو اس سب کی ابتدا ہے ۔۔۔ ع "آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟"

الغرض ربیع الاول کے مہینہ میں سیرت النبی کے نام پر جلسوں اور جلوسوں کی شکل میں جو ہنگامہ آرائی اکثر شہروں میں ادھر چند سال سے ہونی شروع ہوئی ہے دینی اصلاح کے بارہ میں اس کی بے نتیجگی بلکہ مضرت رسانی اتنی کھلی ہوئی ہے کہ کسی ادنیٰ درجہ کے سمجھدار سے بھی مخفی نہ رہنی چاہیئے، اور صرف انہی آوارہ مزاج لوگوں کو اس میں حصہ لینا چاہیئے جن کو دین سے بحیثیت دین کے کوئی تعلق نہ ہو اور صرف جشن و نشاط اور عیاشی و تماشبینی کے کاموں سے انھیں دلچسپی ہو۔ لیکن اس سلسلہ کے بعض دعوت ناموں سے پتہ چلتا ہے کہ بعضے مخلص اور دین کے دردمند بھی ان ہنگامہ بازیوں کو دینی کام سمجھتے ہیں اور ان سے مسلمانوں کی دینی اصلاح کی امیدیں رکھتے ہیں۔ — حال ہی میں اس قسم کے ایک صاحب کا خط راجپوتانہ کے ایک شہر سے آیا تھا جس میں راقم کو ۱۲ ربیع الاول کے سیرتی جلوس اور جلسہ کی شرکت کیلئے بڑے خلوص اور بہت اصرار سے دعوت دی تھی اور اس سے لوگوں کی ہدایت یابی کی بڑی امیدیں ظاہر کی تھیں۔ یہاں سے اُن کو جو جواب لکھا گیا ناظرین الفرقان بھی ذیل میں اُس کو ملاحظہ فرمالیں۔

میرے دینی بھائی! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

...... اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو ہدایت دے، جلسوں اور جلوسوں کے جن ہنگاموں کو آپ دینی کام اور خدمتِ اسلام سمجھتے ہیں، اور جس میں شرکت کیلئے آپ مجھے بھی دعوت دے رہے ہیں، میں ان کو موجودہ مسلمان قوم کی ایک بیماری اور فسادِ مزاج کا نتیجہ سمجھتا ہوں۔ ......

میرے دوست! اسلام کے سب سے بڑے دشمن شیطان نے ہمیں کچھ ایسے کاموں میں پھنسا دیا ہے جن کو ہم اپنی نادانی اور کم غوری کی وجہ سے خدمتِ اسلام سمجھتے ہیں، حالانکہ اسلام کو اُن سے ذرہ برابر بھی فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ وہ اُلٹے مضرت رساں ہیں اور اُن کی کم سے کم مضرت یہ ہے کہ آپ جیسے لوگ بھی ان کو خدمت دین کے کام سمجھ کر ان پر روپیہ اور وقت صرف کرتے ہیں اور اس دھوکہ میں مبتلا ہو جانے کی وجہ سے خدمت دین کے صحیح کاموں سے محروم رہتے ہیں۔ دین کا درد رکھنے والوں کو خدمت اسلام سے محروم رکھنے کی شیطان کے پاس یہی تدبیر ہے، وہ ملعون آپکے درد کو تو دل سے نکال نہیں سکتا اس لئے اپنی عیاری سے غلط رستہ پر لگا کر خدمت دین سے اُس نے آپ کو محروم کر دیا اور آپ کو اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیا کہ آپ دین کی خدمت کر رہے ہیں۔ دین کے دردمندوں اور مخلصوں کو شیطان ہمیشہ اسی راہ سے مارتا ہے۔

میرے مخلص! کبھی آپ نے یہ بھی سوچا کہ کتنے برسوں سے آپ اس جلسہ جلوس کا اہتمام کرتے ہیں کیا اس عرصہ میں آپ کے یہاں کے مسلمانوں کی حالت کچھ سدھری، کیا لوگوں کے ایمانوں میں کچھ نور

اور کچھ روشنی بڑھی، نمازیوں کی تعداد میں کوئی نمایاں اضافہ ہوا؟ سینما دیکھنے کی لعنت کچھ کم ہوئی کچھ مسلمانوں نے سود اور شراب وغیرہ سے توبہ کی، جھوٹ، گالم گلوچ، اختلاف باہمی، خیانت اور بدمعاملگی جیسے بُرے کام کچھ مسلمانوں نے چھوڑ دیئے؟ —— اگر ان میں سے کوئی نتیجہ بھی ظاہر نہیں ہوا (اور میں یقین سے کہتا ہوں کہ نہیں ظاہر ہوا ہوگا) تو کم سے کم آپ جیسے بیوپار کرنے والے آدمی کو تو سوچنا چاہیئے کہ جس کاروبار میں ایک پائی کا بھی نفع نہ ہو اور صرف گھاٹا ہی گھاٹا ہو تو اس سے چمٹا رہنا کونسی عقلمندی ہے چاہے آپ کو بُرا لگے میں صاف کہتا ہوں کہ اگر آپ کے دنیوی کاروبار کی یہ صورت ہوتی تو آپ ہرگز بھی اس حالت پر مطمئن نہ ہوتے لیکن چونکہ دین کی پوری قدر اور اس کے نفع نقصان کی فکر نہیں ہے اس لئے برسوں کے تجربے کے باوجود آپ وہی بے نتیجہ بلکہ نقصان رساں کام کئے جارہے ہیں اور سوچنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کرتے۔

میرے بھائی! اپنے دماغ کو کسی وقت تمام اِدھر اُدھر کے خیالات سے بالکل خالی کر کے اور تنہائی میں بیٹھ کے ذرا سوچئے کہ اس جلسہ وجلوس سے اب تک دین کی کیا خدمت اور مسلمانوں کی کتنی اصلاح ہوئی ہے؟ اگر اس کے بعد آپ کا دل بھی یہی گواہی دے کہ یہ ساری ہنگامہ آرائی دین کے حق میں بے نتیجہ اور لاحاصل رہی ہے اور بجائے نفع کے اس سے اور زیادہ نقصان پہنچ رہا ہے تو پھر مجھ سے پوچھئے کہ دین کا درد وفکر رکھنے والوں کے لئے خدمت دین اور خود اپنی اور مسلمانوں کی دینی اصلاح وترقی کا صحیح پروگرام کیا ہے۔ اور پھر جو کچھ میں بتلاؤں چند سال نہیں صرف چند دن اس کا تجربہ کر کے اس کے نتائج بھی دیکھ لیجیئے ؂

من آنچہ شرط بلاغ است با تو می گویم
تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال

والسلام

دین کا ایک مظلوم شعبہ
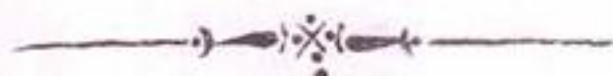
تصوّف و احسان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس "دین حق" کے ساتھ مبعوث ہوئے تھے اور جس کی طرف آپ دنیا کو دعوت دیتے تھے، اُس کا اولین اور کامل ترین نمونہ خود آپ کی مقدس ذات تھی، اس لئے آپ کا طریقۂ زندگی ہی وہ "دین حق" اور وہ "صراط مستقیم" ہے جس پر چل کر بندہ اللہ تعالیٰ کی رضا و رحمت کا مستحق بلکہ اُس کا محبوب بھی بن جاتا ہے، اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اعلان کرایا گیا ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط

کہدو اگر تم لوگ اللہ کو چاہتے ہو تو میری پیروی کرو (یعنی میرے طریقۂ زندگی کو اختیار کرو) اللہ تم کو چاہنے لگیگا اور تمھارے گناہ معاف کردے گا۔

اور سورۂ احزاب میں فرمایا گیا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ؕ

تمھارے واسطے اللہ کے رسول میں اقتدا کے لئے بہترین نمونہ ہے، ان کے لئے جو اللہ کی اور یوم آخر کی امید رکھتے ہوں اور اللہ کو زیادہ یاد کرتے ہوں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اس طریقۂ زندگی اور اُسوۂ حسنہ کو اگر ابتدائی طور پر تقسیم کیا جائے تو اُس کے مندرجہ ذیل تین شعبے کئے جا سکتے ہیں۔

(۱) شعبۂ ایمانیات:۔

یعنی اللہ کی ذات و صفات، وحی و رسالت، ملائکہ، قیامت، حشر و نشر، اور جنت و دوزخ جیسی غیر محسوس اور غیر مشہود حقیقتوں کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خبریں دی ہیں، —— آپ کو خدا کا سچا رسول اور صادق نمایندہ مانتے ہوئے اُن سب کی پوری تصدیق کرنا، الغرض اس شعبہ

ہیں تمام اُن غیبی حقیقتوں پر ایمان لانا داخل ہے جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود یقین رکھتے تھے اور جن کی آپ نے خبر دی — یہ اسلام کا ایمانی اور اعتقادی شعبہ ہے اور ترتیب و اہمیت کے لحاظ سے اس کو اولیت حاصل ہے اور انسان کے افکار و خیالات کی تطہیر و تصحیح اس کا خاص موضوع ہے اور ہماری عقل و فکر پر دین کے اس شعبہ کی حکومت ہے۔

(۲) شعبۂ اعمال صالحہ:۔

یہاں اس سے ہماری مراد دین کا وہ تمام تر عملی حصہ ہے جو جوارح سے تعلق رکھتا ہے جس میں اسلامی عبادات (بشمول ہجرت و جہاد و امر بالمعروف و نہی عن المنکر وغیرہ) اور معاملات، معاشرت اور اخلاق و آداب غرض دین کے تمام عملی ابواب داخل ہیں، ان ابواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہدایات دیں اور جو عملی نمونہ پیش فرمایا، اس سب کا تعلق دین کے اسی شعبہ سے ہے، اور ہم اُس کو دین کا پورا قالب اور مکمل عملی نظام کہہ سکتے ہیں، اور ہماری پوری عملی زندگی دین کے اسی شعبہ کے زیر حکومت ہے

(۳) شعبۂ کیفیات باطنہ و ملکات روحانیہ:۔

جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتقادات حقہ اور اعمال صالحہ کے ابواب میں اپنی تعلیم و تلقین اور اپنے عملی نمونہ سے اُمت کی رہنمائی فرمائی ہے، اسی طرح آپ نے باطنی و روحانی کیفیات کے متعلق بھی نہایت اہم ہدایات دی ہیں اور اپنی کیفیات و احوال کا نہایت اعلیٰ اور معیاری و مثالی نمونہ اُمت کیلئے چھوڑا ہے۔

بہر حال ایمانیات اور اعمال صالحہ کی طرح آپ کی لائی ہوئی یہ باطنی و روحانی کیفیات بھی دین کا ایک مستقل اور اہم شعبہ ہیں اور مشہور حدیث جبرئیل[لہ] میں پہلے شعبہ کو ایمان سے، دوسرے کو اسلام سے اور تیسرے کو احسان سے تعبیر کیا گیا ہے اور آخر میں ان تینوں شعبوں کے مجموعہ کو دین کہا گیا ہے (انہ جبرئیل جاء لیعلمکم دینکم۔ (بخاری و مسلم)

لہ قریباً تمام کتب حدیث میں متعدد صحابہ کرام سے ایک نہایت اہم حدیث مروی ہے جو نہایت جامعیت کے ساتھ پورے دین پر حاوی ہے اور اسی لئے اس کو "ام السنۃ" کہا جاتا ہے جس طرح کہ سورہ فاتحہ کو "ام الکتاب" کہا جاتا ہے، عرف علماء میں یہ حدیث "حدیث جبرئیل" کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا مضمون یہ ہے کہ — "ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بقیہ صفحہ ۷ پر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس تو ان تینوں شعبوں کو یکساں طور پر جامع تھی اور قریب قریب ایسی ہی جامعیت اکابر صحابہ، بالخصوص حضرات خلفاء راشدین کو بھی حاصل تھی لیکن بعد کے قرنوں میں زیادہ تر ایسا ہوتا رہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر وارثین و نائبین اگرچہ ذاتی طور پر کم و بیش ان تینوں شعبوں کے حامل اور جامع ہوتے تھے، لیکن اپنی اپنی صلاحیت و استعداد اور اپنے اپنے ذوق یا ماحول کے تقاضے کے مطابق انھوں نے کسی ایک شعبہ کی خدمت سے اپنا خاص تعلق رکھا اور بلاشبہ بعد کے ان قرنوں میں دین کے کاموں کا پھیلاؤ جس درجہ بڑھ گیا تھا اور جو حالات پیدا ہو گئے تھے اُن میں ایسا ہونا ناگزیر بھی تھا ـــــ اس صورت اور اس تقسیم عمل نے خواص اُمت میں فقہاء، ائمہ عقائد، اور صوفیا کے طبقے پیدا کیے۔

پس جس طرح ائمہ عقائد اور ائمہ فقہ نے خصوصیت کے ساتھ دین کے پہلے دونوں شعبوں کی خدمت و حفاظت اور تنقیح و تفصیل کی، اور علیٰ ہٰذا جس طرح ائمہ محدثین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی حفاظت اور نقل و روایت کی خدمت کو سرانجام دیا، اور اس لئے یہ تمام حضرات اپنے اپنے دائرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت و نمایندگی کرنے والے اور اُمت کے بہت بڑے محسن ہیں، اسی طرح حضرات صوفیاء کرام نے دین کے تیسرے اہم شعبہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی باطنی و روحانی کیفیات) کی خدمت و حفاظت اور اس باب میں آنحضرت کی نمایندگی و نیابت کی ہے اور اس لئے اُمت پر اُن کا بھی بہت بڑا احسان ہے اور اُمت اس شعبہ میں یقیناً انکی ممنون اور محتاج ہے

(بقیہ صفحہ گزشتہ) صحابہ کے مجمع میں بیٹھے ہوئے تھے اسی مجلس میں حضرت جبرئیل ایک اجنبی نو وارد کی صورت میں آئے کہ حضور نے بھی اسوقت ان کو نہیں پہچانا اور آنحضرت سے انھوں نے پہلا سوال یہ کیا کہ ایمان کیا ہے؟ آپنے جواب دیا کہ "اللہ پر اور اسکے فرشتوں پر اور اسکی کتابوں اور اسکے رسولوں پر اور یوم آخر پر اور تقدیر الٰہی پر ایمان لانا" پھر انھوں نے سوال کیا کہ اسلام کیا ہے؟ اس کے جواب میں آپنے اسلام کے ارکان پنجگانہ (شہادتین اور نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج) کا ذکر فرمایا۔ پھر تیسرا سوال انھوں نے کیا، احسان کیا ہے؟ آپنے جواب دیا کہ احسان اس کیفیت کا نام ہے کہ تم اللہ کی بندگی اسطرح کرو اور اس سے ایسے ڈرو کہ گویا تم اسکو دیکھ رہے ہو [ان تعبد اللہ (فی روایۃ ان تخشی اللہ) کانک تراہ] حدیث کے آخر میں ہے کہ جب یہ سائل مجلس سے چلے گئے تو حضور پر منکشف ہوا کہ یہ جبرئیل تھے، اور آپنے صحابہ کرام سے فرمایا کہ "یہ جبرئیل امین تھے اور اس سوال و جواب کے ذریعہ تمھیں دین سکھانے آئے تھے۔" ۱۲

پس سلوک و تصوف کی غرض و غایت اور صوفیا ء کرام کی مساعی کا اصل نصب العین اور خانقاہوں کا موضوع، دراصل دین کا یہی تیسرا شعبہ ہے ــــ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی باطنی و روحانی کیفیات کی تحصیل اور پھر اس سلسلہ میں دوسروں کی رہنمائی اور فیض رسانی ان حضرات کا امتیازی شغل اور مخصوص دائرہ عمل ہے۔

لیکن چونکہ یہ باطنی و روحانی کیفیات صرف کتابیں یا مقالے پڑھنے سے یا صرف تقریریں اور گفتگوئیں سننے سے حاصل نہیں ہوتیں (بلکہ صحیح یہ ہے کہ ان عام ذرائع سے تو ان کا صحیح ادراک بھی نہیں ہوتا) اور ان کیفیات کے کسی حامل اور وارث کی صحبت و خدمت میں رہ کر مشاہدہ آشنائی کی راہ سے ان کی کچھ معرفت ہوتی ہے اور پھر ان کے حصول کے متعلق بھی عام سنت اللہ چونکہ یہی ہے کہ ان کے حاملین کی صحبت و رفاقت اور ارشاد و تربیت ہی اس کا عام ذریعہ ہے (اور اس کے بغیر ان کا حصول اگرچہ عقلاً ناممکن نہ ہو لیکن متعذر اور عادۃً شاذ ضرور ہے) اس لئے ایسے لوگ اس خاص شعبہ سے عموماً محروم اور اس کی پوری معرفت سے بھی قاصر ہی رہتے ہیں جن کو اللہ کے کسی صاحب احسان اور صاحب قلب بندہ کی صحبت و رفاقت کی توفیق نہ ملی ہو۔

ہمارے اس زمانہ میں جہاں اور بہت سی نئی چیزیں اور نئے حالات پیدا ہوئے ہیں انہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وسائل نشر و اشاعت کی وسعت اور کتابوں کی کثرت نے بہت بڑی تعداد میں ایسے لوگ پیدا کئے ہیں جو "دین" کو بھی صرف کتابوں اور رسالوں کے صفحات اور اخبارات کے کالموں سے حاصل کرتے ہیں [اور یہ چیز فی نفسہ کچھ بری نہیں بلکہ اچھی ہی ہے کہ اس طرح دینی افادہ اور استفادہ کا دائرہ بحمد اللہ بہت وسیع ہو گیا] لیکن چونکہ ان بیچاروں کو دین کے کسی ایسے بالاتر نمونہ کے دیکھنے کا کبھی اتفاق نہیں ہوتا جو خصوصیت سے اس تیسرے شعبہ کا حامل ہو اور جس کو دیکھ کر یہ لوگ اپنے علم کو نارسیدہ اور اپنی دینی معرفت کو ناتمام سمجھ سکیں، اس لئے بسا اوقات یہ غریب اس زعم میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے اور لٹریچر کی راہ سے ہم نے جانا بوجھا ہے بس یہی مکمل دین ہے اور اس سے آگے اب کچھ بھی باقی نہیں ہے ـــــ اور چونکہ آج کل کا عام پسند دینی لٹریچر بھی زیادہ تر ایسے ہی اہل علم و اصحاب قلم کا تیا۔ کیا ہوا ہوتا ہے جو خود بیچارے اسی زعم کے

گرفتار ہوتے ہیں اس لئے اپنے ناظرین کو اس غلط فہمی سے نکالنے کے بجائے وہ ان کو اور زیادہ اس پر جما دیتا ہے اور بالآخر یہی زعم ان بیچاروں کو دین کے اس تیسرے روحانی شعبہ سے (جو دراصل روح ایمان ہے) ہمیشہ کیلئے محروم کر دیتا ہے۔

اور اس سے زیادہ رنج و افسوس کی بات یہ ہے کہ اس محرومی میں ہمارے خالص دینی مدارس کے پڑھے ہوئے بہت سے وہ فضلاء بھی اسی طبقہ کے شریک حال ہیں جو کسی وجہ سے اس شعبہ سے نا آشنا ہونے کے باوجود اسی زعم میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی باطنی و روحانی کیفیات کی طلب و تحصیل کا کوئی داعیہ ان کے دلوں میں کبھی پیدا ہی نہیں ہوتا۔

دین کے اس خاص لطیف ترین اور بلند ترین شعبہ سے ہمارے زمانہ کے لوگوں کی اس بیگانگی اور بُعد کا ایک عمومی سبب یورپ سے آئی ہوئی وہ مادیت اور ظاہریت و سطحیت بھی ہے جو مسیحی کلیسا کی غیر معتدل اور مسخ شدہ روحانیت کے رد عمل نے پیدا کی تھی۔ یورپین اقتدار کے پیدا کئے ہوئے دوسرے ظاہری و باطنی ملعون اثرات کی طرح اس کی یہ ذہنیت بھی ہمارے اندر پوری طرح سرایت کر گئی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اس نے ہمارے اکثر عوام و خواص کو اتنا متاثر کر دیا ہے کہ دین کے اس روحانی شعبہ سے فطری طور پر بھی جو مناسبت ہماری روحوں کو ہونی چاہیئے تھی وہ بھی نہیں رہی ہے بلکہ نوبت یہانتک پہنچ چکی ہے کہ ہمارے اس دور کے بہت سے اچھے خاصے علم و نظر والے بھی اس سلسلہ کی چیزوں پر چٹخارے لے لے کے طعن و طنز کرتے ہیں اور اسی کو اسلام کی خدمت سمجھتے ہیں[1]

---

[1] اور یہ دیکھ کر اور زیادہ تعجب اور دکھ ہوتا ہے کہ بہت سے وہ حضرات بھی اس عام رو میں بہہ رہے ہیں جو حضرت مجدد الف ثانی حضرت شاہ ولی اللہ اور امیر المومنین حضرت سید احمد شہید کو اپنے اپنے دور کا مجدد اعظم سمجھتے ہیں، حالانکہ جس کسی نے حضرت مجدد کے "مکتوبات" حضرت شاہ ولی اللہ کی تصانیف اور حضرت سید شہید کے مجموعہ ملفوظات (صراط مستقیم مرتبہ شاہ اسمٰعیل شہید) کا مطالعہ کیا ہو اس پر یہ حقیقت مخفی نہیں ہو سکتی کہ یہ سب حضرات سلوک و تصوف کے صرف حامل ہی نہیں بلکہ اس کے علمبردار اور اصحاب سلاسل ائمہ ہیں۔ اور اپنی تعلیم اور اپنے تعامل میں ان حضرات نے دین کے اس شعبہ کو خاص اور غیر معمولی اہمیت دی ہے اور جو لوگ اس سے بے بہرہ ہوں ان کو دین کے مغز سے بے نصیب تک لکھا ہے ——— پس ایک طرف ان حضرات کو "مجدد اعظم" کہنا اور دوسری طرف ان کی سب سے بڑی اور نمایاں خصوصیت (سلوک و تصوف) (باقی اگلے صفحہ پر)

دین کے اس شعبہ کی غربت اور اہل زمانہ کی اس سے بے مہری و بیگانگی کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جاسکتا ہے کہ محترم رفیق مولٰنا سید ابوالحسن علی کی "سیرت سید احمد شہید" جب پہلی مرتبہ چھپی تو ایک مشہور و باخبر صاحب علم نے خود مجھ سے کہا کہ انھوں نے (مولٰنا علی نے) یہ ٹھیک نہیں کیا کہ سید صاحب کے تصوف کے پہلو کو بھی اس کتاب میں اتنا نمایاں کر کے دکھایا اور "صراط مستقیم" کی نصلیس کی فصلیں اس میں نقل کر دیں، آج کل کے لوگ اس سے اچھا اثر نہیں لینگے، بلکہ سید صاحب کی شخصیت اور کتاب کا وزن ان کی نظر سے گر جائیگا تم انھیں مشورہ دینا کہ آیندہ ایڈیشن میں وہ اس حصہ کو کتاب سے نکال دیں"۔

دراصل ان صاحب نے یہ جو کچھ کہا ابنار زمانہ کی ذہنیت کے لحاظ سے صحیح کہا تھا، آجکل کے بیشتر پڑھے لکھوں کا حال یہی ہے کہ وہ دین کے اس شعبہ کو ایسا ہی حقیر اور بے وقعت سمجھتے ہیں، یقیناً "مقام محمدی" سے بیخبری اور ناآشنائی کی یہ انتہا ہے۔

دین کا یہ شعبہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی وہ روحانی کیفیات اور قلبی ملکات، جو سلوک و تصوف کا اہم موضوع ہیں، اور جن کی تحصیل اور نشو و نما تمام خانقاہی مشاغل کی خاص غرض و غایت ہے۔ ان کا درجہ دین میں کیا ہے۔ اور کتاب و سنت سے ان کا کیا مقام متعین ہوتا ہے، اور ان کے بغیر آدمی کس دولت عظمٰی سے محروم اور ذائقہ ایمانی سے کیسا بے نصیب رہتا ہے؟ ــــ ان سوالات کا جواب جس حد تک کہ کتابوں کے مطالعہ سے حاصل کیا جاسکتا ہے، اُس کیلئے قدماء میں سے شیخ ابو طالب مکی کی "قوت القلوب" اور بعد کے اکابر عرفا میں سے حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات اور حضرت سید احمد شہید کی "صراط مستقیم" کا مطالعہ بھی ہر سلیم الطبع کے لئے انشاء اللہ کافی ہوسکتا ہے۔

اگر خدا نے توفیق دی تو انہی حضرات کے خرمنوں سے خوشہ چینی کرتے ہوئے انشاء اللہ آیندہ الفرقان کی کسی قریبی اشاعت میں بھی اس سلسلہ میں کچھ اور عرض کیا جائیگا۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ) پر عامیانہ انداز میں زبان طعن دراز کرنا اور جو لوگ اللہ کی بخشی ہوئی اپنی دینی بصیرت کی روشنی میں انہی حضرات کی طرح اس شعبہ کی اہمیت کو سمجھتے ہوں اور اسکی تحصیل و تکمیل میں انہی حضرات کے طریقہ کار کی پیروی پر آج بھی یقین رکھتے ہوں اور اس لئے اس چودھویں صدی میں بھی، گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں صدی کے ان مجددین ہی کی رہنمائی میں بالکل انہی کے نقش قدم پر چل رہے ہوں، اُن پر "خانقاہیت" اور "پیری مریدی" کی پھبتیاں کسنا، دینی ذمہ داریوں کے عدم احساس کے علاوہ علمی سنجیدگی کے مقام سے بھی گری ہوئی بات ہے۔ ۱۲

صلوٰۃ (نماز)
قرآن مجید کی روشنی میں

(از جناب مولانا سید ابو الحسن علی استاذ تفسیر دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودات کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) ایک وہ جو نہ عقل رکھتے ہیں نہ ارادہ، جیسے پتھر، درخت، پہاڑ، دریا، چاند، سورج، ستارے۔

(۲) دوسرے وہ جو عقل تو نہیں رکھتے لیکن ارادہ رکھتے ہیں، جیسے حیوانات۔

(۳) تیسرے وہ جو عقل بھی رکھتے ہیں اور ارادہ بھی لیکن ان کی فطرت سراسر خیر اور نور ہے، اس میں کوئی کشمکش خیر و شر کی نہیں، اور کوئی رجحان برائی اور نافرمانی کا نہیں یہ ملائکہ ہیں۔

(۴) چوتھے وہ جو عقل بھی رکھتے ہیں اور ارادہ بھی اور ان میں خیر و شر دونوں کی قابلیت اور متقابل رجحانات پائے جاتے ہیں۔ یہ انسان ہیں

پہلی اور دوسری قسم کی موجودات قرآن کے بیان کے مطابق ہر دم سربسجود اور ہمہ وقت مشغول عبادت ہیں، وہ اپنے فرائض کے ادا کرنے میں جو خالق نے ان کے سپرد کر دیئے ہیں برابر سرگرم ہیں اور اس نظام اور ان احکام کے سامنے جو ان کے لئے مقرر ہیں، ان کا سر جھکا ہوا، گردن خم اور ان کی تعمیل میں ان کا جسم مشغول ہے۔ وہ ان سے سرمو انحراف نہیں کرتے اور اس مشغولیت کے سوا ان کا کوئی شغل نہیں۔

(۱) وَآيَةٌ لَّهُمُ اللَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَإِذَا هُم مُّظْلِمُونَ ۝ وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۝ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ ۝ لَا الشَّمْسُ يَنبَغِي لَهَا أَن تُدْرِكَ الْقَمَرَ	اور ایک نشانی ان لوگوں کیلئے رات ہے کہ ہم اس (رات) پر سے دن کو اتار لیتے ہیں سو یکایک وہ لوگ اندھیرے میں رہجاتے ہیں اور (ایک نشانی) آفتاب (ہے کہ وہ) اپنے ٹھکانے کیطرف چلتا رہتا ہے۔ یہ اندازہ باندھا ہوا ہے اس (خدا) کا جو زبردست علم والا ہے۔ اور چاند کے لئے منزلیں مقرر کیں یہاں تک کہ ایسا رہ جاتا ہے جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی۔ نہ

وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ۝ (یٰس ع ۳)

آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو پکڑلے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے۔ اور دونوں ایک ایک دائرے میں تیر رہے ہیں

(۲) وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ۝ (رعد ع ۱)

اور آفتاب وماہتاب کو کام میں لگا دیا ہر ایک ایک وقت معین تک چلتا رہے گا۔

(۳) اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ۝ (رحمٰن ع ۱)

سورج اور چاند حساب کے ساتھ (چلتے) ہیں اور بے تنہ کے درخت اور تنہ دار درخت دونوں (اللہ) کے مطیع ہیں۔

(۴) يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝ (اعراف ع ۷)

چھپا دیتا ہے رات سے دن کو ایسے طور پر کہ وہ شب اس دن کو جلدی سے آلیتی ہے اور سورج اور چاند اور ستاروں کو پیدا کیا ایسے طور پر کہ سب اس کے حکم کے تابع ہیں۔ یاد رکھو اللہ ہی کے لئے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا، بڑی خوبیوں والا ہے اللہ تعالیٰ جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔

پھر ان میں سے جو متحرک ہے وہ اللہ کے مقرر کئے ہوئے راستہ پر برابر رواں دواں اور اس دائرہ میں برابر گردش میں ہے جو اس کے لئے کھینچ دیا گیا ہے، دریا کی روانی، ہوا کی حرکت، سیاروں کی گردش، جسم میں خون کا دوران ذی حیات اجسام کا نمو، عناصر کا عمل، بادلوں کی نقل وحرکت، دن رات کا تغیر و تبدل سب ایک نظام کے ماتحت اور احکام الٰہی کی تعمیل میں ہیں

(۱) وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ حَتَّىٰ إِذَا أَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنَاهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَأَنزَلْنَا بِهِ الْمَاءَ فَأَخْرَجْنَا بِهِ مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ ط (اعراف ع ۷)

اور وہی ہے جو چلاتا ہے ہوائیں اپنے (باران) رحمت سے پہلے کہ وہ خوش کر دیتی ہیں یہاں تک کہ جب وہ اٹھا لائیں بھاری بدلیاں ہانک دیا ہم نے ان کو کہیں مردہ سرزمین کی طرف پھر وہاں برسا دیا پانی۔ پھر پیدا کئے اس سے سب طرح کے پھل

(۲) اللَّهُ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهُ فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ وَيَجْعَلُهُ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ

وہ اللہ ہی ہے جو ہوائیں بھیجتا ہے پھر وہ بادلوں کو اٹھاتی ہیں پھر وہ اس بادل کو جیسے چاہتا ہے آسمان میں پھیلا دیتا ہے اور اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے پھر تم دیکھتے ہو

يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهٖ فَإِذَا أَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ (روم ع ۵)

بارش کہ کہ اس کے اندر سے نکلتی ہے پس جب وہ پہنچا دیتا ہے وہ بارش اپنے اُن بندوں کو جنھیں پہنچانا چاہتا ہے تو وہ خوشیاں کرنے لگتے ہیں

اوران مخلوقات میں سے جو اپنی جگہ پر بے حرکت اور ساکن ہے وہ بھی اپنا فریضہ ادا کررہا ہے ہم درختوں کو معطل دیکھتے ہیں لیکن درحقیقت وہ بھی اللہ کے حکم سے دست لبنۃ الیناوہ اور اپنے فرائض میں مشغول ہیں، پہاڑ اپنے مرکز پر کھڑے اپنا فرض ادا کررہے ہیں، اُن کے سپرد یہی کام ہے کہ وہ اپنی جگہ پر قائم رہ کر زمین کا توازن برقرار رکھیں، اور ان کا اس فرض کو ادا کرتے رہنا ان کی عبادت ہے۔

(۱) وَالْجِبَالَ أَوْتَادًا ۝ (النبأ)

اور کیا نہیں بنادیا ہم نے پہاڑوں کو زمین کی میخیں۔

(۲) وَجَعَلْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ ۝ (المرسلت)

اور ہم نے بنا کے کھڑے کردیئے ہیں زمین میں اونچے اونچے پہاڑ

(۳) وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ (انبیاء ع ۳)

اور ہم نے زمین میں اس لئے پہاڑ کھڑے کئے کہ وہ اُن کو لے کے ہلنے جلنے نہ لگے۔

ان تمام موجودات کا یہ تسلیم وانقیاد، احکام خداوندی کے سامنے سرافگندگی اور اپنے فرائض کی انجام دہی میں یہ سرگرمی ومشغولیت ان کا وہ سجدہ ہے جس سے ان کا سر کبھی نہیں اُٹھتا اور وہ عبادت ہے جس سے ان کو کبھی فرصت نہیں ہوتی۔

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ۝ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝ (النحل ع ۶)

کیا ان لوگوں نے اللہ کی پیدا کی ہوئی اُن چیزوں کو نہیں دیکھا جن کے سائے (اللہ کے مقرر کئے ہوئے قانون کے مطابق) کبھی داہنی جانب اور کبھی بائیں جانب کو اسطرح جھکتے رہتے ہیں کہ بالکل خدا کے حکم کے تابع ہیں اور اسی طرح خود وہ چیزیں بھی اللہ کے سامنے عاجز ہیں اور اسی طرح وہ سب چیزیں اللہ کی مطیع ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں چلتی پھرتی ہیں اور خصوصاً فرشتے بھی اور وہ تکبر نہیں کرتے ہیں وہ اپنے خدا سے ڈرتے ہیں جو اُن پر بالادست ہے اور انھیں اللہ کا جو حکم ہوتا ہے وہ اُس کی تعمیل کرتے ہیں۔

یہی وہ نظام اطاعت ہے جس میں سارا عالم جکڑا ہوا ہے اور اس کا کوئی فرد اور کوئی چیز اس سے مستغنی نہیں ہے۔

(۱) بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ○ (بقرہ ع ۱۴)

بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کی مملوک ہیں وہ سب چیزیں جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں اور سب اسی کے محکوم ہیں۔

(۲) وَلَهٗ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آل عمران ع ۹)

اور اسی کی مطیع فرمان اور تابعدار ہیں وہ سب جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں بستے ہیں۔

(۳) وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ○ (النحل ع ۶)

اور اسی کی ملک ہیں وہ سب جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور لازمی طور پر اطاعت بجالانا اسی کا حق ہے تو کیا (پھر بھی) تم اللہ کے سوا اوروں سے ڈرتے ہو۔

(۴) اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ (حج ع ۲)

(اے مخاطب!) کیا تو نہیں دیکھتا کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور چوپائے سب اللہ کی اطاعت کرتے ہیں اور بہت سے آدمی بھی اور بہت سے ایسے ہیں جن پر عذاب مقرر ہو چکا ہے

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ (رعد ع ۲)

اور اللہ کے لیے سب سرخم کئے ہوئے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں (بعضے) خوشی سے اور (بعضے) مجبوری سے اور ان کے سائے بھی صبح و شام (اللہ کے حکم کی تابعداری میں کم و بیش اور ادھر ادھر ہوتے رہتے ہیں)[1]

---

[1] اس آیت میں اور دوسری سابق الذکر آیات میں، جمادات، نباتات، حیوانات، اور ان کے سایوں کے اللہ کے لئے ساجد ہونے کا مطلب یہی ہے کہ ان کا وجود، اور ان کی ہر کیفیت، غذا حاصل کرنے کا طریقہ، نشوونما کا دستور اور رفتار تھا سب کچھ اللہ کے حکم کے مطابق اور اس کے مقرر کیے ہوئے قانون تکوین کے ماتحت ہو رہا ہے۔ اور ان میں سے کوئی چیز بھی اللہ کے مقرر کئے ہوئے اس نظام اور طریقہ سے کبھی انحراف نہیں کرتی جو اللہ نے اس کے لئے مقرر کر رکھا ہے۔ اس کی مزید تفصیل کے لئے اہل علم حضرات سورۂ رعد کی اسی آیت اور سورۂ نحل کی آیت سجدہ کے ذیل میں تفسیر امام رازی کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں۔

نیز اشیاء میں جو خواص ودیعت کئے گئے ہیں اور جو طبعی وظائف ان کے سپرد ہیں ان کا بجالانا اور ان کو ادا کرتے رہنا ان کی اطاعت اور ان کی عبادت ہے۔ اس طرح جو موجودات انسان کے لیے مسخر کردیئے گئے ہیں، ان کا انسان کے نفع اور اس کے مصالح کے لئے اپنے فرائض ادا کرتے رہنا، جس کو انسان کے تصرف میں دیدیا گیا ہے، ان کا اپنے تئیں انسان کے حوالے کردینا اور اپنی خدمات کو بلا عذر پیش کردینا ہی اللہ کی اطاعت اور عبادت ہے اس لئے کہ انسان اس زمین میں اللہ کا نائب اور ان اشیا کا مخدوم ہے۔

(۱) هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ط (بقرہ ع ۳)

وہ اللہ ہے جس نے پیدا کیا تمھارے واسطے وہ سب کچھ جو زمین میں ہے۔

(۲) وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ (ابراہیم ع ۵)

اور اللہ نے مسخر کیا تمھارے واسطے کشتیوں کو جو چلتی ہیں دریا میں اللہ کے حکم سے اور مسخر کیا تمھارے لئے نہروں کو اور مسخر کیا (یعنی ایک نظام میں جکڑا) سورج اور چاند کو جو چلتے ہی رہتے ہیں اور (ایسے ہی) مسخر کیا رات اور دن کو۔

(۳) وَجَعَلَ لَكُم مِّنَ الْفُلْكِ وَالْأَنْعَامِ مَا تَرْكَبُونَ ۝ لِتَسْتَوُوا عَلَىٰ ظُهُورِهِ ثُمَّ تَذْكُرُوا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ إِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُولُوا سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ ۝ وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنقَلِبُونَ ۝ (زخرف ع ۱)

اور تمھارے واسطے وہ کشتیاں اور چوپائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو تاکہ تم ان کی (سطح اور) پیٹھوں پر جم کر بیٹھو پھر (جب بیٹھ چکو تو) اپنے رب کی اس نعمت کو یاد کرو اور کہو اس کی ذات پاک ہے جس نے ان چیزوں کو ہمارے بس میں کردیا اور ہم تو ایسے نہ تھے جو ان کو قابو میں کرلیتے اور ہم کو اپنے اس رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے

(۴) أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُم مِّمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مَالِكُونَ ۝ وَذَلَّلْنَاهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ ۝ وَلَهُمْ فِيهَا

کیا ان مشرکین نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم نے ان کے لیے اپنے ہاتھ کی ساختہ چیزوں میں سے مویشی پیدا کئے ہیں پھر (ہماری عطا اور قدرت سے) وہ ان کے مالک بنے ہوئے ہیں اور ہم نے ان مویشیوں کو ان کے تابع بنا دیا ہے پھر بعضے

مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ اَفَلَا یَشْکُرُوْنَ ٥
(یٰس ع ۵)

اُن میں سے اُنکی سواریاں ہیں اور بعضے وہ ہیں جنھیں وہ کھاتے ہیں اور انکے لئے اُن میں اور بھی منافع ہیں اور پینے کی چیزیں بھی ہیں (دودھ وغیرہ) تو کیا وہ شکر نہیں کرتے۔

مخلوقات کی تیسری قسم یعنی ملائکہ اللہ تعالےٰ کے احکام کی تعمیل اور مفوضہ خدمات کی بجاآوری میں دائمی مشغولیت کے علاوہ زبان سے بھی ہر وقت اُس کے ذکر اور تسبیح و تقدیس میں مشغول رہتے ہیں، ان کو اپنے وظیفہ سے کسی دم غفلت اور کسی وقت انحراف نہیں ہوتا۔

(۱) وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ٥ يُسَبِّحُوْنَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ٥
(انبیاء ع ۲)

اور اللہ ہی کی ملک ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں بستے ہیں، اور جن کو اللہ کی خاص نزدیکی اور مقام قرب حاصل ہے (یعنی فرشتے) وہ اسکی عبادت و بندگی سے عار نہیں کرتے ہیں اور نہ تھکتے ہیں، دن رات اس کی تسبیح میں مشغول رہتے ہیں اور کبھی اس شغل کو نہیں چھوڑتے ہیں

(۲) وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ

(فرشتوں نے عرض کیا) ہم آپ کی تسبیح وحمد اور تقدیس کرتے ہیں۔

اب آپ انسان کی حقیقت اور اُس کے احوال و خواص پر غور کریں تو نظر آئے گا کہ وہ بہت سی چیزوں میں تو سابق الذکر قسم کی مخلوقات کے ساتھ شریک ہے، اور کچھ چیزوں میں خصوصیت اور امتیاز بھی رکھتا ہے۔ مثلاً جسمانیت میں، جمادات، نباتات و حیوانات اُس کے شریک ہیں، حیوانیت میں تمام حیوانات کو اُس کے ساتھ مشارکت حاصل ہے، ملکیت بھی اُس میں پائی جاتی ہے اور اس میں فرشتے اس کے شریک ہیں۔ لیکن عقل و فکر اور ارادہ و اختیار میں وہ سب سے ممتاز ہے، اللہ نے اُس کو خیر و شر میں انتخاب کی آزادی اور اپنے فیصلہ اور انتخاب پر عمل کرنے کا اختیار بخشا ہے اور یہ انسان ہی کی خصوصیت ہے۔

(۱) وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ٥
(البلد)

اور ہم نے انسان کو دونوں رستے (خیر و شر کے) بتلا دیئے

(۲) اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ۝ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۝ (الدہر ع ۱)

ہم نے انسان کی مخلوط نطفہ سے اس طور پر تخلیق کی کہ اس کو (احکام کا مکلف کر کے) آزمائیں اسلیئے ہم نے اسکو سننے والا (اور سمجھنے بوجھنے) والا بنایا، ہم نے اُس کو (برائی بھلائی کا) راستہ بتلا دیا، یا تو وہ شکر گزار بن جاوے اور یا ناشکرا کافر نعمت

(۳) فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝ (الشمس)

اللہ نے نفس انسانی کو اسکی بدکاری اور پرہیزگاری (دونوں باتوں) کا القا کیا، بس کامیاب ہوا وہ جس نے اپنے نفس کو پاک کیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اسکو خاک میں ملایا، اور گندہ کیا

انسان اپنی اسی خصوصیت (ارادہ و اختیار) کی وجہ سے تمام مخلوقات کے درمیان امانت الٰہی کا بار اُٹھانے یعنی خدا کے اوامر و احکام کا مخاطب بننے، ان کو قبول کرنے اور اس آزمائش میں پڑنے کا فطرۃً سزاوار ہے، اسی لیے جب ازل میں اس امانت (عہد تکلیف) کے قبول کرنے کا سوال پیدا ہوا تو تمام مخلوقات میں صرف اسی کی زبان حال نے اس کی حامی بھری اور اس ذمہ داری کو قبول کیا۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝ (الاحزاب ع ۹)

ہم نے امانت (یعنی خدائی احکام کے مطابق چلنے کے عہد) کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا، انھوں نے اس کے تحمل سے انکار کیا اور اُس سے ڈرے اور انسان نے اُس کو اُٹھا لیا۔ وہ عدالت اور علم سے خالی تھا۔[1]

---

[1] اس آیت (عرض امانت) کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے "حجۃ اللہ البالغہ" (باب سر التکلیف) میں چند سطریں سپرد قلم فرمائی ہیں، ہمارے خیال میں وہ اس آیت کی اچھی تفسیر ہیں۔ شاہ صاحبؒ نے پہلے غزالی اور بیضاوی وغیرہ کے حوالہ سے یہ نقل کرنے کے بعد کہ :-

"اس آیت میں امانت سے مراد احکام کا مکلف ہونے کی ذمہ داری قبول کرنا ہے یعنی اسکے انجام ثواب و عذاب کے لئے بھی آمادہ ہوجانا ــــ اور زمین و آسمان اور پہاڑوں کے سامنے اس امانت کو پیش کرنے سے مراد اس مقصد کے لیے ان کی

(بقیہ حاشیہ)

اسی طرح انسان اپنی فطرت میں دو اجزاء کا مجموعہ ہے اس کا ایک جز غیر اختیاری اور دوسرا اختیاری ہے، غیر اختیاری سے مراد اس کی جسمانیت و حیوانیت ہے۔ اس کا یہ حصہ اسی طرح احکام الٰہی اور فطرۃ الٰہ کے چار و ناچار تابع اور زیر فرمان ہے جس طرح یہ پوری کائنات، اجرام سماوی، نیرات فلکی اور اس زمین کے اجسام و جواہرات۔ یعنی انسان بحیثیت جسم اور ایک ذی حیات وجود (حیوان) اسی طرح اپنے خالق اور مدبر کائنات کے سامنے سربسجود اور عبادت گزار اور اس کے نظام کے سامنے مغلوب و بے اختیار ہے، جس طرح نباتاتی اور جماداتی اجسام اور دوسرے جانور و حیوانات ہیں۔ اس کے اندر کی دنیا میں (جو ایک عالم اصغر ہے)، خدا کا قانون تکوینی و طبعی اسی طرح جاری و ساری ہے جس طرح اس سے باہر کی ساری دنیا میں وہ کارفرما اور نافذ ہے —— خدا کی مملکت کی یہ دونوں قلمیں یکساں طور پر اس کے قانون کے زیر فرمان اور اس کی قدرت و اختیار اور تدبیر و انتظام کے ماتحت ہیں۔ الغرض انسان اپنے وجود کے اس حصہ میں بالکل بے اختیار محض بے بس اور قطعاً عاجز و درماندہ ہے۔ اور اپنی زندگی کی ابتداء سے پہلے سے اپنی موت کے بعد تک وہ صرف معمول ہے عامل نہیں،

(بقیہ صفحہ گذشتہ)۔ صلاحیت و استعداد کا لحاظ اور اندازہ کرنا ہے، اور ان کے انکار کر دینے سے مراد طبعی طور پر ان کا اس کے قابل نہ ہونا ہے اور اسطرح انسان کے اس بار امانت کو اٹھا لینے سے مراد یہ ہے کہ اسکے اندر اسکی قابلیت و استعداد موجود تھی۔ اس لئے یہ اس کے حوالہ ہو گئی"

بہرحال شاہ صاحب نے غزالی اور بیضاوی وغیرہ سے آیت کی یہ تفسیر و تشریح نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:۔

"اس بنا پر آیت کے آخری حصہ (انہ کان ظلوماً جہولا) کی غرض، دوسری مخلوقات کے نہ اٹھا سکنے اور انسان کے اٹھا لینے کی وجہ بیان کرنا ہے اور مطلب یہ ہے کہ چونکہ یہ پوزیشن صرف انسان ہی کی تھی کہ وہ عدالت اور راست روی (عمل صالح) کی قابلیت رکھنے کے باوجود اس کمال سے خالی (یعنی ظلوم) تھا۔ اور علم و معرفت کی صلاحیت و استعداد کے باوجود نور علم سے بے بہرہ (یعنی جہول) تھا اسلئے اسی نے اس بوجھ کو اٹھایا، اور اسکے سوا جو اور مخلوقات تھیں وہ یا تو علم و عدالت کی صلاحیت ہی سے خالی تھیں جیسے کہ جمادات و حیوانات یا پھر فرشتے تھے جن میں عدالت اور علم جبراً بھرا ہوا تھا اور اسلئے وہ کسی شریعت کے مکلف کر کے آزمائش میں نہیں ڈالے جا سکتے تھے، لہٰذا یہ ہر دو قسم کی مخلوق مکلف ہونے کے قابل ہی نہ تھی۔ اور صرف انسان ہی ایک ایسی ہستی تھی جس میں خیر و شر کی استعداد بھی تھی اور اسے ظلوم و جہول ہونے کی وجہ سے علم حق اور عمل صالح کی ضرورت بھی تھی اسی لیے اسی نے اس کو قبول کیا۔ (ملخصاً از حجۃ اللہ)

غیر مختار ہے مختار نہیں، اپنی پیدائش، نشو و نما، زندگی، موت۔ اور زندگی بعد موت میں سے کسی چیز پر بھی اُس کو اختیار نہیں۔

(۱) كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ (البقرہ ع ۲)

بھلا کیونکر ناسپاسی کرتے ہو اللہ کے ساتھ حالانکہ تھے تم محض بے جان سو تم کو جاندار کیا پھر تم کو موت دے گا پھر تم کو (قیامت کے دن) زندہ کرے گا پھر اسی کے پاس لے جائے جاؤ گے۔

(۲) هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (آل عمران ع ۱)

وہ ایسی ذات (پاک) ہے کہ تمہاری (شکل) صورت بناتا ہے ماں کے پیٹ میں جس طرح چاہتا ہے، کوئی عبادت کے لائق نہیں بجز اسکے وہ غلبہ والا (اور) حکمت والا ہے

(۳) يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ، ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝ (زمر ع ۱)

تم کو ماؤں کے پیٹ میں ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت پر بناتا ہے تین تاریکیوں میں یہ ہے اللہ تمہارا رب اسی کی سلطنت ہے، اسکے سوا کوئی لائق عبادت نہیں سو (ان دلائل کے بعد) پھر کہاں (حق سے) پھرے جا رہے ہو

(۴) فَلَوْلَا اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ۝ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ۝ فَلَوْلَا اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ۝ تَرْجِعُوْنَهَا اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (الواقعہ ع ۳)

سو جس وقت روح حلق تک آپہنچتی ہے۔ اور تم اُس وقت تکا کرتے ہو اور ہم (اس وقت) اس (مرنے والے شخص) کے تم سے بھی زیادہ نزدیک ہوتے ہیں لیکن تم سمجھتے نہیں تو (فی الواقع) اگر تمہارا حساب کتاب ہونے والا نہیں ہے تو تم اس روح کو (بدن کی طرف) پھر کیوں نہیں لوٹا لاتے ہو اگر تم سچے ہو۔

اس غیر اختیاری اطاعت و فرمانبرداری میں انسان اور جمادات و نباتات و حیوانات میں کوئی فرق نہیں بلکہ جانور اس تکوینی پابندی قانون کے علاوہ اس بات میں بھی انسان سے ممتاز ہیں کہ وہ اپنے مخدوم انسان کی خدمت میں سرگرم چاق و چوبند اور اس کے بے عذر اور بے زبان خادم ہیں جن کو نہ دن کا عذر ہے اور نہ رات کا نہ سردی کا اور نہ گرمی کا۔ حالانکہ یہ آقا نہ اُن کا خالق ہے اور نہ رازق وہ اپنی پیدائش کیلئے اور پھر اپنی

روزی کے لیے اُس کے رہین منت نہیں۔

(۱) وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِينَ (حجر ع ۲)
اور ہم نے زمین میں تمہارے واسطے معاش کی ضروریات پیدا کیں اور ان کے لیے بھی جنکو تم روزی نہیں دیتے ہو۔

اس انسان کا تعلق ان جانوروں سے محض خود غرضی اور مصلحت پر مبنی ہے، اسی کی وجہ سے ان کی آزادی اور ان کی طبعی زندگی میں بھی فرق واقع ہوتا ہے، مگر چونکہ انسان ان کے خالق اور منعم حقیقی کا نائب اور مامور ہے اس لئے وہ اس کے بے دام غلام ہیں۔ کتا اپنے مالک کا کس قدر وفادار اور کیسا خدمت گار ہے، گھوڑے اپنے مالکوں کے لیے دن رات دوڑتے ہیں لڑائی اور خطروں کے موقع پر اپنی جان ہتھیلی پر لئے پھرتے ہیں۔

(۱) وَالْعَادِيَاتِ ضَبْحًا فَالْمُورِيَاتِ قَدْحًا فَالْمُغِيرَاتِ صُبْحًا فَأَثَرْنَ بِهِ نَقْعًا فَوَسَطْنَ بِهِ جَمْعًا (العٰدیات)
قسم ہے اُن گھوڑوں کی جو ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں پھر اپنی ٹاپوں سے چنگاریاں جھاڑتے ہیں پھر صبح کے وقت تاخت و لتے ہیں پھر وہاں غبار اڑاتے ہیں پھر جتھوں میں گھس جاتے ہیں

لیکن انسان کا اپنے مالک اور منعم حقیقی کے ساتھ کیا سلوک ہے۔

إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ وَإِنَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ لَشَهِيدٌ
بلاشبہ انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے اور وہ خود اس پر شاہد ہے

انسان اشرف المخلوقات ہے۔

(۱) وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ
اور ہم نے آدم کی اولاد کو شرف عطا کیا اور بحر و بر پر انھیں غالب و قابض کیا اور طیبات سے ان کو رزق دیا۔

(۲) وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا
اور ہم نے انکو اپنی بہت سی مخلوق پر بڑی فضیلت دی۔

اب اگر اس کا صرف وہ حصہ ہی جو اس کے اختیار میں نہیں ہے خدا کے سامنے سربسجود و سرنگوں رہے تو اس کو جانوروں بلکہ جمادات و نباتات کے مقابلہ میں کیا امتیاز ہے؟

جب انسان مجموعہ ہے جسم روح قلب اور عقل کا تو اس کی جامعیت کے مناسب اور اس کی اشرفیت اور انسانیت کے شایاں یہی ہے کہ اس کے لئے ایسی عبادت متصور کی جائے جو اول تو اس کے اپنے ارادہ اور اختیار سے عمل میں آئے دوسرے وہ اتنی جامع ہو کہ اس میں تمام عناصر انسانیت اور اجزار مابہ الامتیاز کا اللہ کے سامنے سجود و نیاز اور خضوع و تذلل ہو، اس لیے کہ انسان صرف جسم کا نام نہیں۔ اور وہ جمادات و نباتات

کی طرح غیر مکلف و غیر مختار و غیر عاقل بھی نہیں۔ لہٰذا نہ اس کی غیر اختیاری عبادت کافی ہے نہ ایسی کوئی عبادت جس میں صرف اس کا جسم اپنے خالق اور رب کے سامنے جھکتا ہے، نہ ایسی عبادت جس میں صرف قلب اپنے قبلۂ حقیقی کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اور نہ ایسی جس میں مراقبہ و وجدان و تفکر ہے، اس لیے کہ انسان نہ صرف جسم ہے اور نہ صرف قلب اور نہ صرف عقل بلکہ ان سب کا مجموعہ ہے۔"

یہ جامع عبادت نماز ہے جس میں بیک وقت انسان کا جسم، اس کی روح، اُس کا قلب، اور اُس کی عقل مصروف عبادت ہوتی ہے، اور انسان ان سب کے ساتھ اپنے رب کے سامنے سربسجود ہوتا ہے، اس عبادت میں اس کی انسانیت کے اشرف ترین اور بلند ترین عناصر و اجزا جن سے اُس کو کائنات میں یہ بلند ترین جگہ حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے سامنے سرنگوں (دست بستہ) ہوتے ہیں۔ وہ جس وقت سجدہ میں ہوتا ہے تو صرف اُس کی پیشانی ہی جو اُس کے جسم کا سب سے زیادہ ممتاز اور مکرم حصّہ ہے خدا کی بنائی سب سے زیادہ پست چیز (زمین) پر نہیں رکھی ہوتی بلکہ اس کی عقل بھی رب اعلیٰ کے علو و رفعت کا اعتراف کرتی ہوتی ہے اور اس کی بلندی کے سامنے سرنگوں ہوتی ہے، اس کا قلب بھی اس کی بلندی اور اپنی پستی کی شہادت دیتا ہوتا ہے۔ اس کا سارا وجود زبان قال اور زبان حال سے سبحان ربی الاعلیٰ کی تسبیح پڑھتا ہوتا ہے، اور مصلی اپنی شہادت کی خود تصویر ہوتا ہے۔

اس لیے نماز میں جسم و عقل و قلب تینوں کی شرکت ضروری ہے اور تینوں کا خشوع مطلوب ہے جسم کا تو اس درجہ کہ اس کے قیام و رکوع و سجود کے بغیر تو نماز ہی نہیں ہوتی، اس لئے کہ اس کے قلب و عقل کا محل بھی وہی ہے اور اسی پر حکم کیا جاسکتا ہے، اسی لیے کہا گیا ہے۔

وَارْكَعُوا - وَاسْجُدُوا - وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ — اور رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو۔

پھر اس کے قلب کا خشوع بھی ضروری ہے اور اسی پر اس کی فلاح کا حکم لگایا گیا ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِىْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ (المؤمنون ع ۱) — فلاح پائی ان ایمان والوں نے جو اپنی نمازوں میں عاجزی اور فروتنی کرتے ہیں۔

اس کی عقل کی معیت اور شرکت بھی ضروری ہے اگر وہ سرے سے حاضر نہیں تو جسم کا رکوع و سجود معتبر نہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (النساء)

اے ایمان والو نماز کے پاس نہ جاؤ جبکہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ تمھیں خبر ہو کہ اپنی زبانوں سے تم کیا کہتے ہو۔

پس یہ نماز دراصل انسان کی انسانیت کا طبعی تقاضا اور اس کی فطرت کا اس سے زیادہ اہم مطالبہ ہے جتنا کہ اس کے جسم کا مطالبۂ غذا، اور اس کی انسانیت کا تقاضائے مدنیت و اجتماع، اور اس کا اس مطالبہ سے غفلت کرنا یا انکار کرنا اپنی فطرت سلیمہ سے انحراف اور اپنے شرف انسانیت کی ناقدری اور جوہر انسان کی تذلیل ہے، یہ ساری کائنات ایک وسیع عبادت گاہ ہے جس کا ذرہ ذرہ مصروف عبادت اور سرگرم اطاعت اور سر بسجود ہے، انسان کو اس بساط کائنات پر ایک معزز جگہ اور اس زمین پر ایک مرکزی حیثیت اور اس دنیا میں خدا کی نیابت و خلافت کا خلعت حاصل ہے اگر وہ اپنے ارادہ و اختیار سے ہمہ دم و ہمہ وقت سر بسجود رہے، اور کسی وقت اس کی پیشانی خاک سے نہ اٹھتی ہو تو یہ محل حیرت نہ تھا لیکن چونکہ اس کو اس زمین پر خدا نے اپنی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہونے اور اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں کو کام میں لانے کا حکم دیا ہے، اور اس میں نہ پہاڑوں کی استقامت ہے اور نہ درختوں کا صبر نہ دریا کی خموشی اور نہ پرندوں کی سبک روی، نہ جانوروں کی بے زبانی، نہ زمین کی فتادگی، نہ سبزہ کی پامالی بلکہ اس کی فطرت میں شورش ہے، اس کے مزاج میں عجلت و بے صبری اور وہ فطرتاً کمزور و ناتوان ہے

(۱) خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ — انسان کی سرشت میں جلد بازی ہے

(۲) اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا — انسان بڑا بے صبرا پیدا کیا گیا ہے

(۳) يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا — اللہ چاہتا ہے کہ تم سے تخفیف کر دے اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے

اس لیے اسے ہر وقت کھڑے رہنے اور ہر وقت سر بسجود رہنے کے بجائے صرف پانچ وقت نماز کا حکم دیا ہے اور اس پانچ وقت کی حاضری کو ہمہ وقت حضوری کا اور پانچ نمازوں کو پچاس نمازوں کا قائم مقام بنا دیا ہے۔ معراج کی حدیث میں ان پچاس نمازوں کے فرض ہونے اور پھر تدریجی تخفیف کے بعد صرف پانچ رہ جانے کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے امت محمدیہ کو یہ بشارت بھی سنائی گئی ہے کہ ان پانچ کا ثواب پچاس ہی کا ملے گا۔ حدیث کا پورا متن یہ ہے۔

ثم فرضت علی خمسون صلوٰۃ کل یوم فرجعت فمررت علی موسیٰ فقال بم امرت قلت امرت بخمسین صلوٰۃ

لہ اول پچاس نمازوں کو فرض کرنے اور پھر پانچ نمازوں کو قائم رکھنے میں ایک لطیف اشارہ اس بات کا ہے کہ دراصل (بقیہ اگلے صفحہ پر)

کل یوم قال ان امتک لا تستطیع خمسین صلوٰۃ کل یوم وانی واللہ خبرت الناس قبلک وعالجت بنی اسرائیل اشد المعالجۃ فارجع الی ربک فسلہ التخفیف لامتک فرجعت فوضع عنی عشرا فرجعت الی موسیٰ فقال مثلہ فرجعت فوضع عنی عشرا فرجعت الی موسیٰ فقال مثلہ فرجعت فوضع عنی عشرا فرجعت الی موسیٰ فقال مثلہ فرجعت فوضع عنی عشرا فامرت بعشر صلوٰۃ کل یوم فرجعت الی موسیٰ فقال مثلہ فرجعت فامرت بخمس صلوات کل یوم فرجعت الی موسیٰ فقال بما امرت قلت امرت بخمس صلوات کل یوم قال امتک لا تستطیع خمس صلوات کل یوم وانی قد خبرت الناس قبلک وعالجت بنی اسرائیل اشد المعالجۃ فارجع الی ربک فسئلہ التخفیف لامتک قال سألت ربی حتی استحییت ولکنی ارضیٰ واسلم قال فلما جاوزت نادانی منادٍ امضیت فریضتی وخففت عن عبادی۔ (متفق علیہ)

تنہا مسلم کی روایت میں آخر میں یہ الفاظ آتے ہیں۔

قال فلم ازل ارجع بین ربی وبین موسیٰ حتی قال یا محمد انھن خمس صلوٰت کل یوم ولیلۃ بکل صلوٰۃ عشر فذلک خمسون صلوٰۃ۔

بخاری اور مسلم کی دوسری مشترک روایت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد اس طرح منقول ہے۔

فقال ھی خمس وھی خمسون لا یبدل القول لدی

پس جو شخص ان پانچ نمازوں کو بھی ادا نہ کرے وہ در اصل تمام موجودات و کائنات کی نگاہ میں اپنے شرف انسانی کی تذلیل کرتا ہے اور خلافت الٰہی کے اس منصب و مقام کی تحقیر کرتا ہے جو اس کو خدا کی طرف سے عطا ہوا ہے اور وہ کائنات میں کسی کو بھی نہیں بخشا گیا۔ وہ اس بات کا اعلان کرتا ہے اور علی رؤس الاشہاد

(بقیہ صفحہ گزشتہ) انسان کی بندگی اور اسکی عبدیت و منصب خلافت کے شایان شان پچاس ہی نمازیں ہیں لیکن اسکی کمزوری کے پیش نظر بالآخر یہ پانچ نمازیں مقرر کی گئیں لیکن یہ پچاس ہی کے قائم مقام ہیں، در اصل یہ ابتدا ہی سے تقدیر الٰہی اور منشاء الٰہی تھا اگر ایسا نہ ہوتا تو اتنی بڑی ترمیم نہ ہوتی اسی حقیقت کی طرف اشارہ اس جملہ میں ہے جو قرآن مجید میں بھی ہے۔ لا یبدل القول لدی وما انا بظلام للعبید۔ (ق ع ۲) حضرت موسیٰ کا مشورہ اس معاملہ میں ایک لطیف تدبیر الٰہی تھی جو ان دونوں (پچاس اور پانچ) کو جمع کرنے کا ایک نہایت لطیف طریقہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پچاس کو قبول کر لینا اعلیٰ درجہ کے انقیاد کے علاوہ اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ کے نزدیک منصب عبودیت کے لحاظ سے یہ مقدار کچھ بڑی نہ تھی اور یہ حقیقت ہے) مرتب

اس کی شہادت دیتا ہے کہ اس عالم میں صرف اس کا وجود ناکارہ، صرف وہی غافل و خود فراموش اور اللہ کی اطاعت و عبادت سے صرف وہی باغی و منحرف ہے، دنیا کا یہ پورا کارخانہ اس کی زندگی اور اسکی راحت کے لیے شب و روز متحرک اور سرگرم ہے، اس میں کوئی تعطیل نہیں اور اس میں کبھی کوئی وقفہ نہیں، سورج اس کے لیے پابندی سے نکلتا ہے، ہوائیں اس کی خاطر دوڑتی پھرتی ہیں، بادل اپنے کاندھوں اور سروں پر پانی کا سمندر لیے پھرتے ہیں۔ درختوں کی طرف سے بخل نہیں، زمین کو خدمت و اطاعت سے عذر نہیں جانوروں کو اس کے حکم و احکام سے مجال سرتابی نہیں، لیکن خود اس کا حال یہ ہے کہ بیک وقت ان سب کی محنت کے نتائج و ثمرات سے متمتع ہوتا ہے، لیکن اس خدا کے سامنے سر جھکانے سے اس کو گریز یا غفلت ہے جس کے حکم سے یہ سارا عالم اس کی راحت کے لیے سرگردان ہے۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند تا تو نانے بکف آری و بغفلت نہ خوری

ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

ادھر آپ نے سنا کہ اس سارے عالم میں نظام اطاعت و عبودیت اس طرح جاری و ساری ہے جس طرح رگوں میں خون (وَلَهُ الدِّينُ وَاصِبًا) اور یہ سارا عالم اللہ کے سامنے جھکا ہوا اور یہ ساری کائنات جو ہماری آنکھوں کے سامنے اور جو ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے اس کے سامنے سرنگوں ہے (وَلَهُ أَسْلَمَ مَن فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ) انسان کے لئے اس دین (عبادت و اطاعت) کو قبول کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ خدا کی شریعت کو جو اس کے اختیار اور ارادہ سے تعلق رکھتی ہے قبول کرلے، اور اس کے مقابل ہر چیز سے دست بردار ہو جائے اور اس عقیدہ اور عمل کا سب سے بڑا شعار یہ نماز ہے اس لیے زبان نبوت نے بالکل بجا فرمایا ہے۔

الصلوٰة عماد الدین من اقامها فقد اقام الدین ومن هدمها فقد هدم الدین

نماز دین کا ستون ہے جس نے اس کو تھاما اس نے دین کو تھام لیا اور جس نے اس کو ڈھادیا اس نے دین کو ڈھا دیا۔

معارف الاحادیث

(گزشتہ سے پیوستہ)

ناظرین کرام اس قسط کے مطالعہ کے وقت اس کا لحاظ رکھیں کہ اس اشاعت میں جن چند احادیث کی تشریح کی جا رہی ہے، ہماری قائم کی ہوئی اصل کتابی ترتیب کے لحاظ سے ان کی جگہ پہلی شائع شدہ مختلف قسطوں میں ہے۔

(۳۶) عن ابی هریرة او عن ابی سعید (شک الاعمش) قال لما کان یوم غزوة تبوک اصاب الناس مجاعة قالوا یا رسول الله لو اذنت لنا فنحرنا نواضحنا فاکلنا وادّهنا فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم افعلوا، قال فجاء عمر فقال یا رسول الله ان فعلت قل الظهر ولکن ادعهم بفضل ازوادهم ثم ادع الله لهم علیها بالبرکة لعل الله ان یجعل فی ذالک، فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم نعم فدعا بنطع فبسطه ثم دعی بفضل ازوادهم قال فجعل الرجل یجیئی بکف ذرة قال ویجیئ الاخر بکف تمر قال ویجیئ الاخر بکسرة حتی اجتمع علی النطع من ذالک شیئ یسیر قال دعا رسول الله صلی الله علیه وسلم بالبرکة ثم قال خذوا فی اوعیتکم قال فاخذوا فی اوعیتهم حتی ماترکوا فی العسکر وعاءً الاملئوه قال فاکلوا حتی شبعوا وفضلت فضلة فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم اشهد ان لا اله الا الله وانی رسول الله لایلقی الله بهما عبد غیر شاک فیحجب عن الجنة۔ (رواہ مسلم)

(اعمش تابعی نے اپنے استاذ ابو صالح سے اس شک کے ساتھ نقل کیا کہ انھوں نے) ابو ہریرہ سے روایت کیا تھا یا ابو سعید خدری سے کہ غزوۂ تبوک کے دنوں میں (جب سامان خوراک ختم ہو گیا اور) لوگوں کو بھوک نے ستایا تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضرت! اگر اجازت

دیں تو ہم پانی لانے والے اپنے اونٹوں کو ذبح کرلیں پھر ان کو کھا بھی لیں اور ان سے روغن بھی حاصل کرلیں،
حضور نے فرمایا اچھا کرلو، ــــ راوی کہتے ہیں کہ پھر حضرت عمرؓ آئے اور انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ
اگر آپ نے ایسا کیا (یعنی لوگوں کو اگر اونٹ ذبح کرنے کی اجازت دیدی اور لوگوں نے ذبح کروالے) تو
سواریاں کم ہو جائیں گی (لہذا ایسا تو نہ کیا جائے) البتہ لوگوں کو آپ اُن کے بچے کھچے سامان خوراک
کے ساتھ بلا لیجئے پھر اُن کے واسطے اللہ سے اسی میں برکت کردینے کی دعا کیجئے، اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ
اسی میں برکت فرمادے گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں ٹھیک ہے، چنانچہ آپ نے چمڑے
کا بڑا دسترخوان طلب فرمایا پس وہ بچھادیا گیا، پھر آپ نے لوگوں سے اُن کا بچا کھچا سامان خوراک
منگوایا، بس کوئی آدمی ایک مٹھی چینا کے دانے ہی لئے آرہا ہے، کوئی ایک مٹھی کھجوریں لارہا ہے
اور کوئی روٹی کا ایک ٹکڑا ہی لئے چلا آرہا ہے، حتیٰ کہ دسترخوان پر تھوڑی سی مقدار میں یہ چیزیں
جمع ہوگئیں، راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر برکت کی دعا فرمائی، اس کے بعد
فرمایا اب تم سب اس میں سے اپنے اپنے برتنوں میں بھرلو، چنانچہ سب نے اپنے اپنے برتن بھرلئے
حتیٰ کہ (قریباً ستر ہزار کے اس لشکر میں) ..... لوگوں نے ایک برتن بھی بغیر بھرے نہیں چھوڑا، راوی
کہتے ہیں کہ پھر سب نے کھایا حتیٰ کہ خوب سیر ہو گئے اور کچھ فاضل بھی بچ رہا، اس پر رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا "میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں
نہیں ہے کوئی بندہ جو بغیر کسی شک شبہ کے کامل یقین و اذعان کے ساتھ ان دو شہادتوں کے ساتھ
اللہ کے سامنے جائے پھر وہ جنت سے روکا جائے"

تشریح:- اس حدیث میں بھی توحید و رسالت کی شہادت کے ساتھ اللہ کے سامنے جانے کا
مطلب، ایمان و اسلام کی حالت میں مرنا ہے اور بیشک ایسا شخص جنت میں ضرور جائے گا۔

اس حدیث سے ضمنی طور پر اور بھی چند سبق ملتے ہیں۔

(۱) اگر کوئی بڑا حتیٰ کہ اللہ کا نبی و رسول بھی کسی معاملہ میں اپنی رائے ظاہر کرے، اور کسی صاحب
رائے خادم کو اس میں مضرت کا کوئی پہلو نظر آئے تو وہ ادب کے ساتھ اپنی رائے اور اپنا مشورہ پیش
کرنے سے دریغ نہ کرے، اور اس بڑے کو چاہیے کہ وہ اس پر غور کرے اور اگر وہی رائے بہتر اور انسب
معلوم ہو تو اپنی رائے سے رجوع کرنے اور اس کو اختیار کرنے میں ادنیٰ تامل نہ کرے۔

(۲) دعا کا قبول ہونا اور بالخصوص اس قبولیت کا خرق عادت کی شکل میں ظاہر ہونا، اللہ کی خاص آیتوں اور سچائی اور تعلق باللہ کی خاص نشانیوں میں سے ہے[1] جس سے مومنین کی انشراح صدر اور اطمینان قلبی میں ترقی ہوتی ہے بلکہ یہ نبوت کی مبراث ہے (جیسا کہ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمۂ شہادت پڑھنے سے ظاہر ہے) پس جن لوگوں کو اس طرح کے انعامات الٰہیہ کے تذکرہ سے بجائے انشراح کے انقباض ہوتا ہے، یا جو ان باتوں کو طنز و تضحیک اور استخفاف و استحقار کے لائق سمجھتے ہیں، سوا اس کے اور کیا کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو مقام محمدی اور تعلق دین کا صحیح عرفان اور انکی عظمت کا صحیح شعور نصیب فرمائے۔

(۳۷) عن عتبان بن مالک (وهو من اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم ممن شهد بدرا من الانصار انه اتی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال یا رسول الله قد انکرت بصری وانا اصلی لقومی فاذا کانت الامطار سال الوادی بینی وبینهم لم استطع ان اتی مسجدهم فاصلی بهم ووددت یا رسول الله انک تاتینی فتصلی فی بیتی فاتخذه مصلی قال فقال له رسول الله صلی الله علیه وسلم سافعل ان شاء الله تعالی قال عتبان فغدا علی وابو بکر حین ارتفع النهار، فاستاذن رسول الله صلی الله علیه وسلم فاذنت له فلم یجلس حین دخل البیت ثم قال این تحب ان اصلی من بیتک قال فاشرت له الی ناحیة من البیت فقام رسول الله صلی الله علیه وسلم فکبر فقمنا فصففنا فصلی رکعتین ثم سلم، قال وحبسناه علی خزیرة صنعناها له قال فثاب فی البیت رجال من اهل الدار ذوو عدد فاجتمعوا فقال قائل منهم این مالک بن الدخیشن او ابن الدخشن؟ فقال بعضهم ذالک منافق لا یحب الله ورسوله فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا تقل ذاک

---

[1] واضح رہے کہ "خوارق کا ظہور" سچائی اور مقبولیت عند اللہ کی نشانی جب ہے کہ صاحب واقعہ مومن اور صاحب صلاح و تقویٰ ہو۔ ورنہ اگر کسی کھلے کافر یا فاسق و فاجر یا کسی داعی ضلال سے ایسی کسی چیز کا ظہور ہو تو وہ دینی اصطلاح میں "استدراج" ہے اور "کرامت" اور "استدراج" میں یہی سہل الادراک اور ظاہری فرق ہے۔ ۱۲

الا تراہ قد قال لا الٰہ الا اللہ یرید بذالک وجہ اللہ ؟ قال اللہ ورسولہ اعلم،

قال فانا نری وجھہ ونصیحتہ الی المنافقین، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فان اللہ عز وجل قد حرم علی النار من قال لا الٰہ الا اللہ یبتغی بذالک وجہ اللہ۔"

(رواہ البخاری ومسلم)

عتبان بن مالک سے روایت ہے، (اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن اصحاب میں سے ہیں جو انصار میں سے غزوہ بدر میں شریک تھے) کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری نگاہ میں فرق آگیا ہے (یعنی مجھے کم دکھائی دینے لگا ہے) اور میں اپنی قوم کو نماز پڑھاتا ہوں، سو جب بارشیں ہوتی ہیں اور میرے اور میری قوم والوں کے درمیان جو نالہ ہے وہ بہنے لگتا ہے تو میں اُن کی مسجد تک جا کر نماز نہیں پڑھا سکتا، اور یا رسول اللہ میری یہ خواہش ہے کہ حضور میرے یہاں تشریف لائیں اور میرے گھر میں نماز پڑھیں تاکہ میں اسی جگہ کو اپنی مستقل نماز گاہ بنالوں، کہتے ہیں کہ حضور نے فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ میں ایسا کروں گا (عتبان کہتے ہیں) کہ صبح ہی کو جب کچھ دن چڑھا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر میرے یہاں پہنچ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر آنے کی اجازت چاہی، میں نے آپ کو اجازت دی، پس جب آپ گھر میں تشریف لائے تو بیٹھے نہیں اور مجھ سے فرمایا تم اپنے گھر میں سے کونسی جگہ پسند کرتے ہو کہ میں وہاں نماز پڑھوں؟ کہتے ہیں کہ میں نے گھر کی ایک جانب کی طرف اشارہ کر دیا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور اللہ اکبر کہہ کے آپ نے نماز شروع کر دی، ہم بھی صف باندھ کے آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے، پس آپ نے دو رکعتیں پڑھیں اور سلام پھیر دیا، (عتبان کہتے ہیں) اور ہم نے آپ کو خزیرہ[1] کھانے کے لئے روک لیا جو آپ کے واسطے ہم نے تیار کیا تھا اور (آپ کی اطلاع پا کے) محلہ والوں میں سے بھی چند آدمی آ کے جڑ گئے، پس انہی میں سے کسی کہنے والے نے کہا کہ مالک بن دخیشن (یا ابن دخشن)

---

[1] خزیرہ ایک قسم کے کھانے کا نام ہے جو گوشت کی بوٹیوں میں پانی چھوڑ کر پکایا جاتا ہے جب وہ پک چکتا ہے تو اس میں آٹا ڈال کر خوب پکاتے ہیں۔

کہاں ہے؟ اُنھی میں سے کسی نے جواب دیا کہ وہ تو منافق ہے، اللہ اور اس کے رسول سے اسے محبت ہی نہیں ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ مت کہو، کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ وہ "لا الہ الا اللہ" کا قائل ہے اور اس سے وہ اللہ کی رضا ہی چاہتا ہے، اُس کہنے والے شخص نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول ہی کو زیادہ علم ہے ہم تو اس کا رخ اور اس کی خیر خواہی منافقوں کی طرف دیکھتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یقیناً اللہ عز و جل نے دوزخ کی آگ پر اُس شخص کو حرام کر دیا ہے جس نے اخلاص کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہا ہو اور اس کا ارادہ اس کلمہ سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنا ہی ہو۔

تشریح:- اس حدیث میں بھی لا الہ الا اللہ کہنے والے پر آتش دوزخ حرام ہونے کا مطلب وہی ہے جو اس مضمون کی بعض احادیث سابقہ کی تشریح کے ضمن میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے ـــــ بلکہ اس حدیث کی صحیح مسلم کی روایت میں بجائے "قال لا الہ الا اللہ" کے "یشہد ان لا الہ الا اللہ وانی رسول اللہ" ہے، اور مراد ان دونوں ہی عنوانوں سے دعوت اسلام کو قبول کرنا اور دین اسلام کو بحیثیت دین کے اختیار کر لینا ہے، دراصل جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے عہد نبوی میں اسلام قبول کرنے اور اسلام کو اختیار کرنے کی یہ عام تعبیر تھی۔

یہاں ایک بات یہ بھی ملحوظ رکھنی چاہیے کہ جن صحابی نے مالک ابن دخشن کو منافق کہا تھا ان کی نظر میں بھی مالک بن دخشن میں کوئی کفر و شرک اور فسق و فجور کی بات نہ تھی اس کے سوا کہ ان کے خیال میں مالک بن دخشن، منافقین سے تعلقات اور میل ملاقات رکھتے تھے۔

اس سے ایک طرف تو صحابۂ کرام کے ایمانی جذبہ کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اتنی سی بات سے بھی اس قدر ناراض ہوتے تھے اور اس کو منافقت سمجھتے تھے ـــــ اور دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہ سے سبق ملتا ہے کہ جن لوگوں میں اس طرح کی کچھ کمزوریاں ہوں مگر اپنے ایمان اور توحید و رسالت کی شہادت میں وہ مخلص ہوں تو ان کے بارہ میں ایسی بدگمانیاں اور اتنی سخت باتیں کرنی جائز نہیں بلکہ ایمان کا پہلو زیادہ قابل لحاظ اور واجب الاحترام ہے

یاد رہنا چاہیے یہ مالک بن دخشن بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان صحابہ میں سے ہیں جو عام غزوات میں حتیٰ کہ بدر میں بھی شریک رہے پس اس روایت میں منافقین سے ان کے میل ملاقات اور تعلقات کا جو ذکر ہے غالباً یہ بالکل ابتدائی دور کی بات ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ حاطب بن ابی بلتعہ کی طرح اس بارہ میں ان کی بھی کچھ مجبوریاں ہوں۔ واللہ اعلم

(۳۸) عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لایزنی الزانی حین یزنی وھو مومنٌ ولایسرق السارق حین یسرق وھو مومن ولایشرب الخمر حین یشربھا وھو مومن ولا ینتھب نھبۃ یرفع الناس الیہ فیھا ابصارھم حین ینتھبھا وھو مومن ولایغل احدکم حین یغل وھو مومن فایاکم ایاکم (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں زنا کرتا کوئی زنا کرنے والا جس وقت وہ زنا کرتا ہے اور وہ اس وقت مومن ہو، اور نہیں چوری کرتا چوری کرنے والا جس وقت وہ چوری کرتا ہے اور وہ اس وقت مومن ہو، اور نہیں شراب پیتا (شرابی) جس وقت وہ پیتا ہے، اور وہ مومن ہو، اور نہیں لوٹتا لوٹ کا کوئی مال کہ لوگ اُس کی طرف آنکھیں اُٹھا اُٹھا کر اُس کی لوٹ کو دیکھتے ہوں جبکہ وہ لوٹتا ہو اور وہ اُس وقت مومن ہو اور نہیں خیانت کرتا مال غنیمت میں خیانت کرنے والا جو وقت وہ خیانت کرتا ہے اور وہ اس وقت مومن ہو پس (ان قاتل ایمان حرکات سے) اپنے آپ کو بچاؤ بچاؤ!!

تشریح:۔ اس حدیث کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ زنا، چوری اور شراب خواری اور لوٹ مار اور مال غنیمت میں خورد برد، یہ سب حرکتیں شانِ ایمان کے قطعاً منافی ہیں اور جس وقت کوئی شخص یہ حرکات کرتا ہے اُس وقت نورِ ایمان اُس کے قلب سے گویا نکل جاتا ہے، خود امام بخاریؒ نے اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

لایکون ھٰذا مومنًا تامًّا ولایکون لہ نور الایمان — وہ اُس وقت پورا مومن نہیں ہوتا اور اس میں ایمان کا نور نہیں رہتا،

(ف) اس طرح کی احادیث سے (جن میں خاص خاص گناہ کرنے والوں سے ایمان کی نفی کی گئی ہے یا ان کو جنت سے محروم اور مستحق دوزخ بتلایا گیا ہے) خوارج نے یہ نتیجہ نکالا کہ ان گناہوں کے ارتکاب سے آدمی اسلام سے بالکل خارج اور قطعاً کافر و دوزخی ہی ہو جاتا ہے اور اللہ و رسول پر اس کا ایمان رکھنا پھر اس کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتا ——— اور مرجیہ وغیرہ نے حضرت ابو ذر غفاری والی حدیث (مامن عبد قال لا الٰہ الا اللہ ثم مات علی ذالک الا دخل الجنۃ قلت وان زنیٰ وان سرق قال وان زنیٰ وان سرق الحدیث) اور اسی طرح کی اور احادیث سے یہ نتیجہ نکالا کہ آدمی، ایمان لانے اور اسلام قبول کرنے کے بعد خواہ کیسے ہی بڑے سے بڑے گناہ اور پاپ کرے، اُس کے ایمان میں کچھ بھی خلل نہیں آتا، اور وہ ان گناہوں کی وجہ سے

ایک لمحہ کے لئے بھی دوزخ میں نہیں ڈالا جائے گا ــــ یہ دونوں باتیں افراط و تفریط پر مبنی ہیں، پہلے فریق نے نفس ایمان کی عظمت و اہمیت کو نہیں سمجھا اور ان آیات و احادیث سے ہدایت نہیں لی جو نفس ایمان کی عظمت و فضیلت میں وارد ہوئی ہیں اور جن میں بتلایا گیا ہے کہ ہر ایمان والا جنت میں ضرور جائیگا۔ اگرچہ اپنے گناہوں کی سزا بھگت کے جائے ــــ اور دوسرا فریق اللہ کی نافرمانی اور احکام الٰہیہ کی پامالی کی برائی اور قباحت کے ادراک سے محروم رہا اور اُن تمام احادیث و آیات کو اس نے پس پشت ڈال دیا جو گناہوں پر وعید کے سلسلہ میں آئی ہیں۔

اللہ کی رحمت ہمارے ائمہ اہل سنت پر، انھوں نے تمام آیات و احادیث کو اپنی اپنی جگہ رکھتے ہوئے وہ طریق وسط اختیار کیا جو اس سلسلہ کی تمام آیات و احادیث کا مقتضا ہے۔ اور وہ وہی ہے جو ہم نے اپنی تشریحات میں اختیار کیا ہے۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

(۳۹) عن عبد اللہ بن عباس قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لیس المومن بالذی یشبع وجارہ جائع الی جنبہ" (رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔ مشکوٰۃ۔ کتاب البر والصلہ)

حضرت عبد اللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) سے مروی ہے کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے وہ شخص مومن نہیں ہے جو خود شکم سیر ہو کر کھائے اور اُس کے پہلو میں اس کا پڑوسی بھوکا رہے۔

تشریح:- اس حدیث کا مقصد بھی یہی ہے کہ اپنے پڑوسی کے بھوک اور فاقہ سے بے نیاز اور لاپرواہ ہو کر خود شکم سیر ہو کے کھانا شان ایمان کے بالکل منافی ہے اور ایسا شخص ایمانی جذبات سے خالی ہے"

(۴۰) عن ابی ھریرۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال والذی نفس محمد بیدہ لا یسمع بی احد من ھذہ الامۃ یھودی ولا نصرانی ثم یموت ولم یومن بالذی ارسلت بہ الا کان من اصحاب النار (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ قسم اس پاک ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے کہ اس اُمت میں سے (یعنی اس زمانہ

کے انسانوں میں سے) جو کوئی بھی یہودی یا نصرانی میری بابت سن لے اور پھر وہ مرجائے اور اس ہدایت پر ایمان نہ لائے جس کو لے کر میں بھیجا گیا ہوں تو وہ دوزخیوں ہی میں سے ہوگا۔"

تشریح:۔ اس حدیث میں اس حقیقت کا نہایت واضح اور موکد اعلان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سب دین والوں کی طرف ہے اور اس زمانے کا کوئی شخص بھی (اگرچہ وہ کسی سابقہ سماوی دین ہی کا ماننے والا مثلاً یہودی یا نصرانی ہی کیوں نہ ہو) اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت نبوت کا علم اس کو ہو چکا ہے اور باوجود اس کے آپ کی لائی ہوئی ہدایت پر ایمان لائے بغیر مرگیا تو وہ نجات سے محروم اور اہل دوزخ میں سے ہے۔

بہر حال یہاں یہودی اور نصرانی کا ذکر صرف تمثیلاً ہے اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے ماننے والے اور ان کے امتی بھی اس دین اور اس ہدایت پر ایمان لائے بغیر نجات حاصل نہیں کر سکتے تو دوسرے اہل مذاہب کے لئے بغیر اس کے نجات کا کیا امکان ہے۔

(باقی)

آداب معاشرت

(از جناب مولانا محمد ایوب صاحب اصلاحی جیراج پوری)

(گزشتہ سے پیوستہ)

سلام اور جواب سلام باہم ملتے وقت ایک دوسرے کو سلام کرنا اور اچھے لفظوں میں استقبال کرنا ایک مسلمہ معاشرتی اخلاق ہے۔ اس بارے میں قرآن کی تعلیم یہ ہے۔

واذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منھا او ردوھا ان اللہ کان علی کل شیئ حسیبا (سورہ نساء)

اور جب تم کو سلام کیا جائے تو تم (جواب میں) اس سے بہتر طور پر سلام کرو یا (کم از کم) ویسا ہی جواب دو، یقین رکھو اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔

کتنے بلند اخلاق کی تعلیم ہے کہ اگر کسی مسلمان کو سلام کیا جائے تو اس کا اخلاقی فرض یہ ہے کہ اس کا جواب اس سے بہتر طور پر دے، یعنی اگر اس سے "السلام علیکم" کہا جائے تو وہ جواب میں مثلاً "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ" کہے اور اگر "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" کہا جائے تو جواب میں "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" کہے یا کم از کم کہنے والے ہی کے الفاظ دہرا دے۔ سلام و جواب کے یہ الفاظ شریعت کی طرف سے مقرر شدہ ہیں ان میں کسی ترمیم اور حذف و اضافہ کی گنجائش نہیں اور نہ ان کے قائم مقام ان سے بہتر دوسرے الفاظ ہیں کیونکہ اس کی جگہ اگر کوئی دوسرا جملہ دعائیہ ہو سکتا تھا تو "حیاک اللہ" کا جملہ تھا لیکن شریعت نے اس پر لفظ "سلام" کو اس لئے ترجیح دی کہ یہ لفظ زیادہ جامع اور موزوں ہے۔

اس اصول کے افادی پہلو پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ ایک دوسرے سے سلام کرنے میں پیش قدمی کرنے اور جواب میں اور زیادہ بہتر الفاظ استعمال کرنے سے آپس میں محبت اور ہمدردی بڑھے گی اور برادرانہ تعلق مضبوط ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو غور سے پڑھیئے۔

لا تدخلون الجنۃ حتی تومنوا ولا تومنون حتی تحابوا اولا ادلکم

تم جنت میں نہیں جا سکتے جب تک مومن نہ ہو جاؤ اور پورے مومن نہیں ہو سکتے جب تک باہم محبت نہ کرو، کیا میں تمہیں

علی شیئ اذا فعلتموہ تحاببتم افشوا السلام بینکم۔

وہ چیز نہ بتلا دوں جس کو اگر تم کرنے لگو تو تم میں محبت پیدا ہو جائے (وہ یہ ہے) اگر تم سلام کی کثرت کرو۔

حقوق اللہ و حقوق العباد

حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پاسداری کو معاشرہ ملی کے نظم و قیام کی رگ جان سمجھنا چاہیئے، اس لیے اسلام نے اس اہم اور ضروری اصول اخلاق کے اختیار کرنے کی بڑی سخت تاکید فرمائی ہے، ایک جگہ قرآن نے اس اصول پر عمل پیرا ہونے کے اچھے نتائج اور اس کی خلاف ورزی کرنے کے انجام بد کا نقشہ کھینچتے ہوئے اس کی تعلیم اس بلیغ و مؤثر انداز میں دی ہے:۔

الذین یوفون بعہد اللہ ولا ینقضون المیثاق والذین یصلون ما امر اللہ بہ ان یوصل ویخشون ربہم ویخافون سوء الحساب والذین صبروا ابتغاء وجہ ربہم واقاموا الصلوٰۃ وانفقوا مما رزقناہم سرا وعلانیۃ و یدرءون بالحسنۃ السیئۃ اولئک لہم عقبی الدار جنات عدن یدخلونہا ومن صلح من آبائہم وازواجہم وذریاتہم والملائکۃ یدخلون علیہم من کل باب سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار والذین ینقضون عہد اللہ من بعد میثاقہ ویقطعون ما امر اللہ بہ ان یوصل ویفسدون فی الارض اولئک لہم اللعنۃ ولہم سوء الدار (سورۂ رعد)

وہ جو اللہ کے ساتھ اپنے پیمان عبدیت کو پورا کرتے ہیں اور اپنے اقرار کو نہیں توڑتے ہیں اور جوڑے رکھتے ہیں اس (رشتہ) کو جس کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور (قیامت کے سخت اور) برے حساب کا خوف رکھتے ہیں اور جنہوں نے اپنے پروردگار کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے مصائب پر صبر کیا اور نماز پڑھی اور ہم نے انکو جو روزی دی اس میں سے چھپے اور ظاہر طور پر خرچ کیا اور برائی کو نیکی کے ذریعہ دفع کرتے ہیں انھیں کے لیے آخرت کا انجام ہے (یعنی) ہمیشہ رہنے کے باغ ہونگے جن میں وہ اور ان کے آباء اور بیویوں اور اولاد میں سے جو نیکو کار رہے ہوں گے وہ سب داخل ہوں گے اور فرشتے (جنت کے) ہر دروازے سے آکر ان کو سلام کرینگے (اور کہیں گے) جو تم صبر کرتے رہے یہ اسی کا یہ صلہ ہے اور بہت ہی اچھا انجام آخرت ہے۔ اور جو لوگ خدا کے ساتھ قول و قرار کرکے عہد شکنی کرتے ہیں اور اللہ نے جس (رشتہ) کے جوڑنے کا حکم دیا ہے اس کو توڑتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں وہی لوگ ہیں جن کے لئے پھٹکار ہے اور انہیں کیلئے برا انجام بھی ہے۔

ان آیات کی ابتدائی اجزا میں ان لوگوں کا تذکرہ ہے جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ٹھیک ٹھیک

ادا کرنے کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کی اخروی نوازشوں سے سرفراز ہوں گے حقوق العباد اور حقوق اللہ پورا کرنے کے چند اہم اصول اور شرائط ہیں :۔

(۱) ایفائے وعدہ جس کی خالق اور مخلوق کے اعتبار سے دو علیحدہ علیحدہ صورتیں ہیں۔

خالق کے ساتھ ایفائے وعدہ یہ ہے کہ انسان اپنے معبود سے رشتۂ بندگی استوار کرے اور اس نے جن امور کے اختیار کرنے کا حکم دیا ہے انھیں اختیار کرے اور جن چیزوں کے ترک کرنے کا حکم دیا ہے ان کو پوری مستعدی کے ساتھ ترک کر دے

اور مخلوق سے ایفائے وعدہ یہ ہے کہ اپنے ابنائے جنس سے عہد شکنی نہ کرے، اگر کسی سے وعدہ کرے تو اس کو ضرور پورا کرے اور ہرگز وعدہ خلافی کر کے اپنی پیشانی پر منافق ہونے کا داغ نہ لگنے دے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ منافق وہ شخص ہے جو وعدہ کر کے وعدہ خلافی کرے اور معاہدہ کرے تو غداری کرے اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے، اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے اور جب کسی سے جھگڑا کرے تو گالیوں پر اتر آئے

(۲) ان رشتوں اور ان تعلقات کو مضبوط اور برقرار رکھے جن کو اللہ تعالےٰ نے برقرار رکھنے کا حکم دیا ہے: اور جن کو توڑنے کی ممانعت فرمائی ہے، باعتبار عبد و معبود اس کی بھی دو الگ الگ نوعیتیں ہیں۔

باعتبار معبود اس کی نوعیت یہ ہے کہ انسان خالق کائنات سے اپنا رشتۂ عبدیت قائم رکھے، یعنی اس کو ہر وقت حاضر و ناظر سمجھے اور قلب میں اس کی عظمت و جلال کا تصور قائم کرے تاکہ یہ تصور اور اعتقاد اس کو معصیت کا مرتکب نہ ہونے دے اور احکام الٰہی کی خلاف ورزی نہ کرنے دے۔ اور اسی کے ساتھ ان تمام کتب سماوی اور انبیاء کرام علیہم السّلام پر ایمان و اعتقاد رکھے جو اس رشتۂ عبدیت کا درمیانی واسطہ ہیں اور جن کے بغیر عبد و معبود کا یہ رشتہ نہ پہلے بندھ سکتا تھا اور نہ اب استوار رہ سکتا ہے۔

اس حکم کی دوسری نوعیت یہ ہے کہ ایک انسان اپنے تمام ہم جنسوں کے ساتھ انسانی رشتہ کو قائم و برقرار رکھے، اس رشتہ کی تین قسمیں ہیں (۱) رشتۂ دینی (۲) رشتۂ نبوی (۳) رشتۂ خاندانی۔

رشتۂ دینی کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان تمام مسلمانوں سے وہ رشتۂ اخوت قائم اور برقرار رکھے جو ایمان کے واسطہ سے تمام مسلمانوں کے درمیان پیدا ہو گیا ہے، اور جس کے قائم و برقرار رکھنے کے واجب

ہونے پر آیت انما المومنون اخوۃ (مسلمان تو آپس میں بھائی بھائی ہیں) گواہ ہے۔ اس رشتہ کو قائم و برقرار اور استوار رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ امت کا ہر فرد اپنے مقدور بھر اپنے برادران دینی کے ساتھ احسان کیے، ان کا مددگار بنے، ضرورت کے وقت ان کا ہاتھ بٹائے، ان کو فائدہ پہونچائے اور انھیں نقصان سے بچائے۔ باہم صلح و آشتی کی فضا پیدا کرنے میں کوشاں رہے، مریضوں کی عیادت کرتا رہے، اور رشتہ داروں، نوکروں، ہمسایوں اور دوستوں کے حقوق پورے طور پر ادا کرے۔

رشتہ نبوی کے قائم و برقرار رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قلبی اور حقیقی لگاؤ پیدا کرے اور آپ سے گہری محبت رکھے اور اس کے ساتھ اہل بیت نبوت اور آپ کے اصحاب و انصار سے بھی محبت و عقیدت رکھے، قلب میں ان کی عظمت پیدا کرے اور ان کا پورا پورا احترام کرے اور ان کی شان میں کوئی خلاف ادب کلمہ زبان سے نہ نکلے۔ بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ رسول صلعم کی کامل محبت آپ کے آل و اصحاب سے محبت کئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی

رشتہ خاندانی کے باقی اور استوار رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر فرد اپنی وسعت اور امکان کے مطابق افراد خاندان کی اعانت و حاجت روائی سے دریغ نہ کرے، جو قرابت دار اور اہل خاندان خطرات میں گرفتار ہوں انھیں ان خطرات سے بچائے، جو مقروض ہوں ان کے ادائے قرض میں مدد کرے، جو غم زدہ ہوں ان کا شریک غم بنے، جو ان میں فقراء و مساکین ہوں ان کی مشفقانہ سرپرستی کرے اور اظہار محبت کے ساتھ پیش آئے، ان سے ملتا رہے۔

(۳) اپنے تمام افعال و اعمال اور معاملات خشیت الہی کے ماتحت سرانجام دے اور ہر معاملہ میں اس کے حاضر و ناظر ہونے کا اعتقاد رکھے اور قیامت کی سخت بازپرس سے ڈرتا رہے کیونکہ خوف خدا اور اس کی حضوری کا یقین اور قیامت کا اندیشہ یہی وہ چیزیں ہیں جو بندۂ مومن کو اطاعت گذار، راست باز اور حق شناس بناتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہم آداب معاشرت اور شرائط خوش معاملگی میں ان کو بھی داخل سمجھتے ہیں۔

(۴) محرمات سے کنارہ کش رہے، گناہوں سے پرہیز کرے، تمام تباہ کن اخلاق اور فواحش سے متنفر رہے، اور دین کی تائید و نصرت سے کبھی منھ نہ موڑے اور ان تمام ہدایات پر عمل پیرا ہونے میں نیت صرف خدا کی خوشنودی اور اس کی نوازشوں کے حصول کی رکھے۔

(۵) نماز کو اس کے جملہ ارکان و شرائط اور اوقات کی پابندی اور کامل خشوع و خضوع کے ساتھ شریعت کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق ٹھیک ٹھیک ادا کرتا رہے، کیونکہ انسانی سیرت کی تعمیر میں نماز کو مرکزی اہمیت حاصل ہے اس لیے حسن معاشرت کے وجود و بقا کے لئے اقامت صلوٰۃ ضروری ہے۔

(۶) ان تمام لوگوں کے اخراجات اور ضروریات کا بار اٹھائے جن کے حقوق اس کے ذمہ ہیں مثلاً اہل و عیال کی ضروریات پوری کرے اور ان کی تعلیم و تربیت کا بہتر سے بہتر انتظام کرے اور فقراء و مساکین کی چھپے چھپے اور کھلم کھلا ہر طرح اعانت کرتا رہے۔

(۷) برائیوں کا مقابلہ نیکیوں سے کرے، اگر کوئی شخص اس کو اذیت پہونچائے تو اس پر صبر و ضبط کرے اور اگر سخت کلامی اور بد اخلاقی سے پیش آئے تو اسے معاف کر دے اور اگر کوئی غلطی کرے تو اس سے چشم پوشی کر جائے۔

یہ وہ آداب و شرائط ہیں جن کو حسن معاملہ اور حسن معاشرت کا ستون اور بنیاد سمجھنا چاہیے اور جن کو انسان اگر پوری طرح برتے تو لازوال ابدی سعادتوں اور نوازشوں سے بہرہ ور ہوگا جیسا کہ اولئک لھم عقبی الدار الخ میں وعدہ ہے۔ اور وہ نوازشیں کیا ہوں گی؟ ایسے سدا بہار باغوں کا رہنا سہنا جو الوان نعمت سے آراستہ ہوں گے، جہاں ہمیشہ کے لئے وہ خود آرام فرما ہوں گے اور ان کے ساتھ ہی ان کے وہ عزیز و اقارب بھی رہیں گے جو اپنے اعمال کے لحاظ سے وہاں رہنے کی صلاحیت رکھتے ہوں گے تاکہ ان کو ان کے تمام اعزا کی معیت سے کامل سکون اور دلجمعی حاصل رہے، اور پھر ان کی اس کامیابی اور خوش بختی پر ان کے پاس ملائکہ آ آکر تہنیت اور مبارک باد پیش کریں گے۔

آیات مذکورہ بالا کے آخری اجزاء میں اسی حقیقت کا دوسرا رخ پیش کر کے اس کی مزید وضاحت کر دی گئی ہے اور وَالَّذِيْنَ يَنقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْۗءُ الدَّارِ کے چند لفظوں میں ان لوگوں کے عبرتناک انجام کا نقشہ کھینچ دیا گیا ہے جو ان ہدایتوں پر عمل نہیں کرتے اور خدا سے باندھے ہوئے عہد و پیمان کو قائم نہیں رکھتے اور اسی طرح دنیا کے ان تمام تعلقات کو، جن کے جوڑے رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، توڑ دیتے ہیں اور ان کا پاس و لحاظ نہیں کرتے، ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے کہ بالآخر وہ سخت نقصان اٹھائیں گے، یعنی مستوجب لعنت ہوں گے اور جہنم کی ذلت

اٹھائیں گے۔ خدا وند ا ہم کو معاملات کی صحیح بجا آوری اور تعلقات کے قائم و استوار رکھنے کی توفیق عطا فرما۔

یتیم نوازی اور غریب پروری یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ احسان، محبت اور عنایت کا برتاؤ رکھنا اخلاق اسلامی کا ضروری اصول اور اسلامی معاشرت کی ایک نمایاں خصوصیت ہے، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا جاتا ہے۔

فاما الیتیم فلا تقھر واما السائل فلا تنھر واما بنعمۃ ربک فحدث (سورۃ الضحیٰ)

پس یتیم کو نہ دباؤ اور سائل کو نہ جھڑکو اور اپنے پروردگار کی نعمت کو بیان کرو۔

حقیقت یہ ہے کہ قوم کے یہی دو طبقے قابل صد رحم ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان کے ساتھ سلوک نیک اور احسان کی خصوصیت کے ساتھ واجبی تعلیم دی گئی ہے جس نہال نو دمیدہ پر بچپن ہی میں یتیمی کا داغ لگ گیا ہو اور باپ کا سایہ عاطفت سر سے اٹھ جانے کی وجہ سے اس کو ہر قدم پر مصیبت کا سامنا ہو اس سے بڑھ کر اور کون شخص عام انسانی ہمدردی کا مستحق ہو سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ ایسے بے نوا یتیموں کے ساتھ غایت درجہ شفقت اور مہربانی سے پیش آنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کو ڈانٹ بتانے، اس پر سختی کرنے، اس کے ساتھ بے رحمی سے پیش آنے اور اس کا رہا سہا مال دبا لینے کی سخت ممانعت کی گئی ہے، بلکہ انسان کا اخلاقی اور تمدنی فرض یہ قرار دیا گیا ہے کہ اس کے ساتھ ایسی شفقت اور محبت سے پیش آئے، جس طرح اپنے لڑکے کے ساتھ پیش آتا ہے، اس کے مال کو ترقی دے، اس کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرے اور اس کی ضروریات کا بوجھ اٹھائے اور کبھی اس کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھے نہ اس کے ساتھ کبھی کوئی ایسا برتاؤ کرے جس سے اس کے قلب کو اذیت پہنچتی ہو۔

قرآن کے اس حکم پر، اور اسی طرح کے ان تمام احکام قرآنی پر جن میں یتیم کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمائی گئی ہے، خالص تمدنی نقطۂ نظر سے غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ ایک کامیاب اور صالح تمدن کے لئے یتیم پروری کتنی ضروری چیز ہے وہ باپ ہی کی ذات ہے جو اپنی چھوٹی اولاد کی تعلیم و تربیت اور صلاح و فلاح کی کفیل ہوا کرتی ہے، اس کو دین و دنیا میں ہر طرح بامراد بنانے کی کوشش کرتی ہے اس کے لئے معاشی فراوانی کے ذرائع سوچتی ہے اور اس کی زندگی کو ہر طرح خوشگوار بنانے اور اخلاقی اور معاشی تباہیوں سے محفوظ رکھنے کی تدبیریں اختیار کرتی ہے اور اس طرح اس کو صالح تمدن کا ایک لائق

نشوونما پاتی ہے، لیکن اگر خدانخواستہ ایک لڑکا اپنے باپ کی کفالت اور تربیت سے محروم ہو جائے اور کوئی دوسرا شخص اس کی ذمہ داری نہ لے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کا نشوونما فاسد ماحول میں ہوگا جس کی وجہ سے وہ ناشائستہ عادات و اطوار سے قریب اور اخلاق حسنہ اور کمالات انسانی سے دور ہوتا چلا جائیگا کیونکہ نفس عادتاً برائیوں کی طرف زیادہ میلان رکھتا ہے، پس اگر شروع ہی سے اس کی نگرانی اور اس کا محاسبہ نہ کیا جائے اور اس کے غلط طبعی رجحانات سے اسے باز نہ رکھا جائے بلکہ اس کی باگ ڈھیلی رہنے دی جائے تو یقیناً جوان ہو کر وہ اخلاقی محاسن سے بالکل بے بہرہ رہے گا اور رذائل اخلاق اور معائب کا مجسمہ اور نفس کا بندہ ہو کر خود اپنے لئے ہلاکت کا باعث ہوگا اور خاندان کے لئے ننگ اور سوسائٹی کے لئے وبال بن جائیگا۔

طبقہ یتامیٰ کے قریب اور مساوی دوسرا طبقہ وہ ہے جو کسی ضرورت کی وجہ سے سوال کرنے اور لوگوں کا نیاز مند ہونے پر مجبور ہو جائے۔ یہ بھی انسانی ہمدردی کا ویسا ہی مستحق ہے، جیسا یتیموں کا طبقہ، اگر علم و معرفت کی طلب اس کو سائل بنا کر لائی ہے تو ہر ذی علم انسان کا فرض ہے کہ اس کی طلب پوری کرے اور اس کے ساتھ خلوص و ہمدردی سے پیش آئے، بات بات پر اپنی بڑائی نہ جتائے، فخر و غرور نہ کرے اور اپنی فضیلت اور فوقیت کا اظہار نہ کرے۔

اور اگر کوئی غربت اور افلاس کی بنا پر اپنی ضرورتوں سے مجبور ہو کر کسی دولتمند کے سامنے دست سوال بڑھائے تو لازم ہے کہ وہ اس کی حتی المقدور اعانت کرے اور ہرگز ترشروئی اور سخت کلامی سے اس کا جواب نہ دے، نہ ڈانٹ پھٹکار کرے کہ بے مروتی اور بخل اور کفران نعمت کا یہ کھلا ہوا ثبوت ہے۔ کسی ذی عقل و بصیرت انسان کے لئے عقلاً اور اخلاقاً کسی طرح بھی یہ سزاوار نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کا شکریہ ادا نہ کرے جس نے اس کو مرجع حاجات بنایا، اور دولتمند کا شکر اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ حاجتمندوں کا سوال پورا کرے اور اپنے کسی محتاج و مجبور بھائی کی اعانت سے دریغ نہ کرے لیکن اگر سائل کو دینے میں کسی نے کوتاہی کی۔ درانحالیکہ اس کے علم یا مال کے ذخیرہ میں اس دینے سے کوئی کمی واقع نہ ہوگی تو ظاہر ہے کہ اس کی یہ روش بے مروتی اور خست طبع ہی کا نتیجہ ہو سکتی ہے جو بدترین رذائل ہے۔

صلہ رحمی اور عفو و درگذر صلہ رحمی اور عفو و درگذر، خصوصاً اقرباء سے، ایک عمدہ چیز کہی جاتی ہے، قرآن مجید نے بھی اس خلق حسن کی تعلیم دی ہے مگر دیکھئے کہ کتنے مؤثر اور دلنشیں پیرایہ ہیں:۔

ولا یأتل اولوا الفضل منکم والسعۃ ان یؤتوا — اور جو لوگ تم میں سے صاحب استطاعت اور مقدور والے ہیں

اولی القربیٰ والمساکین والمہاجرین فی سبیل اللہ ولیعفوا ولیصفحوا الا تحبون ان یغفر اللہ لکم واللہ غفور رحیم۔ (سورہ نور)	قرابت والوں اور محتاجوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو نہ دینے کی قسم نہ کھالیں اور ان کو بخش دیں اور درگذر کریں کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو بخش دے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے[1]

اس آیت کا یہ کھلا ہوا مطالبہ ہے کہ صلہ رحمی اور اقرباء سے ہمدردانہ اور سرپرستانہ تعلق رکھنا واجب اور ضروری ہے، ان سے چھوٹے چھوٹے قصوروں کی وجہ سے تعلق منقطع کر لینا ممنوع ہے جب تک وہ کسی سنگین جرم کے مرتکب نہ ہوں اس وقت تک کسی صاحب استطاعت شخص کے لیے سزاوار نہیں کہ ان کی اعانت سے ہاتھ کھینچ لے اور ان کی امداد اور پرورش نہ کرنے کی قسم کھا بیٹھے بلکہ اس کو چاہیئے کہ ان کے قصور معاف کرے اور ان کی لغزشوں سے چشم پوشی کرجائے تو توقع ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کی خطاؤں کو معاف کردے گا ولیعفوا ولیصفحوا الا تحبون ان یغفر اللہ لکم واللہ غفور رحیم کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے اس عفو و درگذر کی تاکید اس موثر ترغیب کے ساتھ فرمائی ہے کہ تمھارا یہی عفو مغفرت الہٰی کا ذریعہ ہے۔ اگر تم یہ خواہش رکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمھیں معاف کردے اور بخش دے تو پھر تم بھی کیوں نہیں دوسروں کے معاملہ میں اسی عفو و درگذر سے کام لیتے؟

حسن سلوک اور آداب معاشرت کی آیتوں کا ایک مختصر ذخیرہ ہم نے یہاں فراہم کردیا ہے ان کے علاوہ اور بھی بے شمار آیات قرآنی اس موضوع پر روشنی ڈالتی ہیں۔ ارباب علم و تحقیق مذکورہ آیات کی رہنمائی میں اس موضوع پر تفصیلی بحث کرسکتے ہیں۔ واللہ ولی التوفیق ۰

---

[1] یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی تھی جب حضرت ابوبکرؓ کے ایک عزیز نے آپ کی صاحبزادی حضرت عائشہؓ پر الزام لگانے میں حصہ لیا تھا۔ اور حضرت ابوبکرؓ نے اس پر ناراض ہوکر ان کی مالی امداد سے ہاتھ روک لیا تھا۔

"کلمہ طیبہ"

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

کی ایمان افروز تشریح

اس مقالہ میں کلمہ طیبہ کے دونوں جزو (توحید الٰہی اور رسالت محمدی) کی نہایت محققانہ اور وجد انگیز تشریح و توضیح کچھ ایسے انداز میں کی گئی ہے کہ مطالعہ کے وقت ایمان تازہ اور قلب یقین سے معمور ہو جاتا ہے اور بسا اوقات آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگتے ہیں انشاء اللہ اس کو پڑھ کر اپنے ایمان و یقین میں آپ بھی کھلی ہوئی ترقی محسوس کریں گے۔

قیمت پانچ آنے ۵/

الدین القیم

(مصنفہ)

(مولانا سید مناظر احسن گیلانی)

دین کے مہمات اور ان مشکل مسائل پر جنھیں آج نافہمی سے مشکل سمجھا جاتا ہے حضرت مصنف نے ایسے اچھوتے فلسفیانہ انداز میں روشنی ڈالی ہے کہ خود منکروں اور مشکل کہنے والوں ہی کی عقلوں پر ہنسی آنے لگتی ہے ظاہری لحاظ سے کتاب اگرچہ بہت بڑی نہیں ہے لیکن ملاحظہ فرمانے کے بعد آپ اندازہ فرمائیں گے کہ مصنف نے اس چھوٹے سے کوزہ میں کتنے وسیع سمندروں کو بند کرنے کی کوشش کی ہے اور عقائد کے ساتھ تصوف کے بھی کتنے اہم اور دقیق مسائل کو اس کتابچہ میں حل کر دیا گیا ہے

کاغذ عمدہ قیمت عہ/ کاغذ معمولی ہم/

میری زندگی کے تجربے

مدیر الفرقان مولانا محمد منظور نعمانی کی یہ دلچسپ نہایت سبق آموز مختصر آپ بیتی ہے جس میں بچپن اور ابتدائی تعلیم سے لے کر اپنی عمر کے چالیس سال پورے ہونے تک کے اپنے نہایت کار آمد علمی و دینی، نفسیاتی او اخلاقی تجربے لکھے ہیں۔ آخر میں قرآن اور حدیث کی سو دعاؤں والا مجموعہ بھی شامل ہے قیمت ۶/

تدوین اصول فقہ

از قاضی عبد الرحمٰن (ایم۔ اے۔ عثمانیہ)

فن اصول فقہ کی تاریخ اور اس کے ممتاز مصنفین اور ان کی تصانیف پر تبصرہ اس کتاب کا موضوع ہے۔ عجیب و غریب فاضلانہ تصنیف ہے۔

قیمت ہم/

"نماز"

کی عظمت، اہمیت اور اس کی حقیقت

نماز کے موضوع پر کم از کم اردو زبان میں اپنی شان کی یہ پہلی تالیف ہے، جس کے متعلق بجا طور پر امید کی جا سکتی ہے کہ جو مسلمان اپنی غفلت اور بدبختی سے نماز نہیں پڑھتے ہیں وہ اگر اس کا مطالعہ کریں تو انشاء اللہ نماز پڑھنے لگیں گے اور جن کی نماز بے روح اور رسمی ہیں وہ اگر کبھی کبھی اس رسالہ کو پڑھتے رہا کریں تو انشاء اللہ اپنی نماز کی کیفیت میں حیرت انگیز ترقی محسوس کریں گے۔

قیمت بارہ آنے (۱۲/)

النبی الخاتم

(مصنفہ)

مولانا سید مناظر احسن گیلانی

اس عدیم النظیر کتاب میں سیرت نبوی کے متعلق قریباً ساڑھے چار سو عنوانات کے ماتحت بحث کی گئی ہے جن میں تین سو سے زائد عنوانات کا تعلق ان جدید نظریات سے ہے جن کی طرف سیرت کے باب میں اس سے پہلے غالباً کسی مولف سیرت نے توجہ نہیں کی، اس کتاب کو دیکھ کر ہر صاحب عقل و بصیرت انسان اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک اور مقدس زندگی ہی ان کی صداقت کی روشن ترین دلیل ہے جس کے بعد کسی دلیل و برہان کی قطعاً حاجت نہیں

قیمت مجلد عا

ملنے کا پتہ۔ مکتبہ الفرقان بریلی

هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ

مرتبہ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

مکتبہ الفرقان بریلی
میں ہر قسم کی علمی مذہبی کتابیں نہایت سستی ملتی ہیں

قیمت سالانہ
چار روپے پیشگی
للعہ

تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعلمین نذیرا

ممالک غیر سے
دس شلنگ پیشگی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہ نامہ الفرقان بریلی

جلد ۱۵ | بابت ماہ ربیع الاول و ربیع الثانی سنہ ۱۳۶۶ھ | نمبر ۳ و ۴

فہرست مضامین

دو نہایت ضروری باتیں

(۱) گذشتہ الفرقان بابت ماہ صفر ۶۶ھ میں اسی فہرست مضامین کے نیچے "ضروری گذارش" کے ماتحت الفرقان کی سالانہ خریداری کو ششماہوں پر یعنی چار قسطوں میں تقسیم کرنیکا جو اعلان کیا گیا تھا اور اس سلسلہ میں چندہ کی وصولیابی و بیباقی سے متعلق جو درخواست کیگئی تھی ناظرین ان سب کو از اول تا آخر کالعدم سمجھیں خواہشمند حضرات جب اور جس وقت چاہیں الفرقان جاری کرا سکتے ہیں نیز حسابات کی صفائی و بیباقی یا بقیہ چندہ کی واپسی کا حق بھی خریداران الفرقان کو ہر وقت حاصل ہے۔ بھول چوک نہیں دینی"

(۲) یہاں سرخ پنسل ▭ کا نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپکی مدت خریداری اس پرچہ پر ختم ہو چکی ہے لہذا آئندہ کیلئے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سخنہائے گفتنی

از محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

دفتر الفرقان کے بریلی سے لکھنؤ منتقل کئے جانے کی تجویز کا ذکر "الفرقان" کے انہیں صفحات میں پہلے کیا جا چکا ہے اور یہ عاجز شروع ربیع الاول سے اسی منتقلی کے کاموں اور کوششوں میں مصروف اور بریلی سے غیر حاضر ہے۔ اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ "الفرقان" کے اس شمارہ کے لئے خود میں ایک مضمون بھی نہیں لکھ سکا حتی کہ "نگاہ اولیں" کے ذیل میں بھی محب گرامی مولانا محمد ناظم صاحب استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء کا ایک مضمون درج کیا جا رہا ہے جو محترم مولانا نے میری خاص درخواست پر لکھا ہے افسوس ہے کہ ڈھائی مہینے کی اس سعی و سرگردانی کے باوجود ابھی تک دفتر منتقل نہیں ہو سکا ہے۔ ناظرین کرام سے گزارش ہے کہ جب تک دفتر کے منتقل ہو جانے کا صریح اعلان نہ کیا جائے وہ خطوط اور فرمائشیں اور منی آرڈر حسب سابق بریلی کے پتہ پر بھیجتے رہیں

ماہ محرم میں "الفرقان" کی اس جلد کا افتتاحیہ لکھتے وقت بڑے عزم کے ساتھ ارادہ کیا گیا تھا کہ آئندہ سے الفرقان کا ہر مہینے کا پرچہ انشاء اللہ الگ الگ ہی شائع کیا جایا کریگا لیکن گزشتہ دو مہینوں کی میری اس خاص مصروفیت کی وجہ سے چونکہ رسالہ کی تیاری اور ترتیب کا وقت نہیں مل سکا اس لئے اس وقت پھر یہی مناسب اور بہتر معلوم ہوا کہ ان دونوں مہینوں ربیع الاول اور ربیع الثانی کا پرچہ مشترک ہی شائع کیا جائے تاکہ رسالہ کو آئندہ بہ پابندی وقت شائع کرنا اور زیادہ مشکل اور بے قابو نہ ہو جائے۔

دو مہینے کے اس مشترک پرچے کے صفحات حسب سابق اسی ہونے چاہئیں لیکن اسوقت کاغذ ہی کم دستیاب ہو سکا اس لئے مجبوراً بہتر صفحات پر رسالہ شائع کیا جا رہا ہے۔ انشاء اللہ آئندہ کسی قریبی اشاعت میں آٹھ صفحے کا اضافہ کر کے اس کی تلافی کر دی جائے گی

باسمہ سبحانہ　　　　حامداً و مصلیاً و مسلماً

نگاہ اولیں

مسلمانوں کے لئے راہ عمل

(از جناب مولانا محمد ناظم صاحب استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

[محترم مولانا نے اپنے اس مضمون میں مسلمانوں میں کام کرنے والے تین گروہوں کا جس طرح ذکر کیا ہے، اگرچہ اصولی درجہ میں اس ناچیز کو اس تقسیم سے پورا اتفاق ہے لیکن اس سلسلہ میں مولانا کی تنقید کے بعض اجزاء اور بعض تعبیرات قابل غور ہیں۔ ——— مدیر]

اس وقت ہندوستان جس دور انقلاب سے گزر رہا ہے اسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ایک سرے سے دوسرے سرے تک قوموں کے جذبات میں تلاطم ہے اور رگوں میں گرم خون دوڑ رہا ہے اور ہر قوم اپنے قومی وجود اور سیاسی مقصد کی تکمیل میں سرگرم عمل ہے مگر اس دور انقلاب میں مسلمانوں کی کیا پوزیشن ہے؟ مسلمانوں کی سیاسی جماعتوں کے زعماء کے بیانات، روزمرہ کے واقعات، پنجاب، سندھ، بنگال، بہار اور یو۔پی کے مسلمانوں کی حالت زار سے اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اس سیاسی شور و غوغا اور ہماہمی میں ایک مشترک حقیقت سب کے سامنے ہے، وہ یہ کہ مسلمانان ہند ہر اعتبار سے پست ہیں، ان کی اصلاح و تنظیم کی ضرورت ہے، ان میں اجتماعی طاقت پیدا کرنے کی ہر جماعت خواہشمند ہے، تمام زعماء اختلاف فکر و نظر کے باوجود مسلمانان ہند کے انحطاط و ضعف کا اعتراف کر رہے ہیں اور مدتوں سے چارہ سازی کی کوششیں ہو رہی ہیں، مگر نتیجہ میں مسلمانوں کی تباہی و بربادی کے اسباب روز بروز بڑھ رہے ہیں اور جو تدبیر بھی کی جارہی ہے اس سے نفع کے بجائے نقصان ہو رہا ہے۔ درحقیقت قوم کے اطباء تشخیص مرض کے بارے میں مختلف رائے رکھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس وقت ہندوستانی مسلمانوں کے بارے میں تین گروہ ملک میں سرگرم عمل نظر آتے ہیں اور ان تینوں جماعتوں کے نقطۂ نظر کی تھوڑی سی وضاحت سے مسلمانوں کی منزلوں کے متعلق رائے قائم کی جاسکتی ہے کہ مسلمانوں کی کون سی منزل صحیح ہے اور کون سی غلط

(۱) سب سے مختصر اور کم تعداد مخلص کارکنوں کی ایک جماعت ہے جس کے نزدیک انگریزوں کا ہندوستان سے چلا جانا ہی سارے امراض سیاسی اور دینی کا واحد علاج ہے ان کے نزدیک آزادی کی بیلی کرن سے ہندی مسلمانوں کی ساری کمزوری اور انحطاط کی تاریکیاں دور ہو جائیں گی۔ کیونکہ انگریزوں کے تخلیہ ہندوستان کے بعد "قومیت متحدہ" کی تعمیر میں مسلمانوں کا حصہ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور ان کی بچی کھچی مذہبی زندگی کی حفاظت کے لئے قانون ہند میں کچھ دفعات وضع کر دی جائیں گی، جن سے مسلمانوں کو روزہ، نماز ادا کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوگی۔ نکاح، خلع اور اوقاف کے متعلق شریعت اسلامیہ کے مطابق انہیں فیصلہ کرانے کا حق ہوگا۔ اس جماعت کے نزدیک ہندوستان کو آزاد کرانے کی ضرورت کی بڑی وجہ یہ ہے کہ انگریز عالم اسلامی پر محض ہندوستان کی خاطر قابض ہیں اور ہندوستان میں ان کے وجود سے ہندو مسلم اختلاف پیدا ہوتا ہے ورنہ ہندوستانی اپنے معاملات بلا قتل و غارت آسانی سے طے کر لیتے۔ انگریزوں کی دشمنی کے جذبہ سے یہ جماعت اتنی مغلوب ہے کہ اسے آئندہ پر نظر کرنے کی فرصت نہیں دوسرے ممالک میں قومیت کے ماتحت دین کے احکام کی جس بے دردی سے پامالی ہوئی وہ اس کی نظر میں نہیں۔ حکومت کے ہمہ گیر تسلط و استیلا، زندگی کے تمام شعبوں پر اس کی نگرانی اور اس کے بنائے قوانین کے ماتحت قومی زندگی کو ایک خالص لادینی سانچہ میں ڈھالنے کا اُسے علم نہیں، ورنہ اتنی سادگی سے قومیت متحدہ کی دعوت سے وہ بلا شرط مصالحت نہیں کرتی، نہ اس کی دعوت، خالص لادینی سیاست سے اس طرح ہم آہنگ ہو جاتی۔ انگریزوں کی دشمنی اور غیر اسلامی سیاست کی بڑھتی ہوئی طاقت اور اس کے نعار کی عیاری سے وہ اس قدر متاثر ہے کہ اسے اپنا صحیح موقف بھی یاد نہیں، وہ ہر غیر اسلامی تحریک کی کامیابی کی توقع رکھتی ہے مگر خالص اسلامی سیاست کی کامیابی سے نا امید ہو کر ملک کی لادینی سیاست سے اس طرح وابستہ ہو چکی ہے کہ اس سے کنارہ کشی اس کے لئے ناممکن ہو گئی ہے۔

سمرقند و بخارا پر اشتراکی قبضہ کی روئداد سے پتہ چلتا ہے کہ اشتراکیت کے داعیوں نے کس ہوشیاری سے قومیت کے نام سے فائدہ اٹھایا اور آغاز میں آزادی رائے اور آزادی فکر کے کیسے کیسے وعدے کئے مگر امیر بخارا کی حکومت کے خاتمہ کے بعد اشتراکیوں نے جو حکومت قائم کی وہ معلوم ہے

کہ ملک کے عام باشندوں کی رائے سے نہیں بنائی گئی۔ بخارا و سمرقند کے پُرجوش نوجوان جو قومیت
کے نشہ سے مست اور اشتراکی پروپیگنڈے کے فریب خوردہ تھے اشتراکیت کی مخالفت کے
جرم میں ملک بدر یا قتل کر دئے گئے اور قومی حکومت کا سبز باغ، اشتراکیت کے ہاتھوں کبھی بارآور
نہیں ہوا۔ کاش "متحدہ قومیت" کے یہ داعی ملک کے اندر لادینی سیاست کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا
اندازہ کرتے اور اپنی جدوجہد کا رُخ مسلمانوں کی سیرت سازی اور اصلاح کی طرف پھیر دیتے۔

(۲) دوسری جماعت "متحدہ قومیت" کے خلاف "مسلم قوم" کی گروہ بندی اور ان میں اجتماعی
طاقت پیدا کرنے کی کوشش کر رہی ہے، تاکہ "مسلمان قوم" کی ایک علیحدہ حکومت قائم کیجا سکے
اس کے ذہن و دماغ میں مغربی تصور قومیت کے سوا کوئی دوسرا تصور نہیں ہے۔ مگر ہندوستان میں
مسلم قوم کی تعمیر کے لئے نسلی، جغرافی اور لسانی امتیازات کافی نہیں کہ مسلمان ہندوستان کے
وسیع براعظم میں اس طرح پھیلے ہوئے ہیں کہ لسانی، نسلی اور جغرافی حیثیت سے غیر مسلموں سے
ممتاز نہیں، اس لئے مذہب کے اختلاف اور مخصوص ثقافت و تمدن کی اینٹ چونے سے مسلم
قومیت کی بنیاد رکھی گئی۔ غیر مسلموں کے تسلط و استیلا کا خوف جو پہلے وہمی و فرضی تھا، آج ایک
ناقابل انکار حقیقت بن گیا ان اسباب کی بناء پر نسلی و تمدنی مسلمانوں کی ایک قوم کے لئے انکی
اپنی ایک حکومت کا خاکہ تیار کیا جا رہا ہے۔ اس راہ میں دو دقتیں پیش آرہی ہیں۔ پہلی مشکل یہ ہے
کہ مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد ہندو اکثریت والے صوبوں میں پھیلی ہوئی ہے جو صدیوں سے
مسلمانوں کی تہذیب و تمدن کے مرکز رہے ہیں اور آج بھی ان کو فکری اعتبار سے ہندوستان کا
دماغ کہا جا سکتا ہے۔ زیادہ تر دینی و علمی مراکز بھی انھیں صوبوں میں ہیں۔ مسلمانوں کی علیحدہ حکومت
کے قیام سے ان مسلمانوں کے مستقبل پر کوئی خوشگوار اثر نہیں پڑتا۔ "مسلم اسٹیٹ" کی تاسیس سے
ان کی حفاظت کا مسئلہ حل ہوتا ہے۔ دوسری دقت یہ ہے کہ مسلم اکثریت والے اہم صوبوں میں
(بنگال و پنجاب میں) ہندوؤں کی اقلیت برائے نام ہے جو مسلمانوں کی حکومت کی مخالفت
ہی میں اپنی زندگی پائیں گے ان مخالف عناصر کے ہوتے ہوئے کوئی پائدار مسلم حکومت نہیں قائم
ہو سکتی اور نہ اطمینان سے وہاں کے باشندے ملک کی ترقی میں حصہ لے سکتے ہیں۔

اس قومیت سازی میں گو اسلام ہی سے مدد لی گئی ہے کیونکہ اس کے بغیر ہندوستان میں

مسلم قومیت کا کوئی تصور نہیں کیا جاسکتا، مگر اس کے خمیر میں مذہب کا کوئی عنصر نہیں، اسلامی عقائد، اسلامی اخلاق اور اسلامی نظام حکومت سے اسکے رہنماؤں کے دل و دماغ خالی ہیں۔ مغربی تصور قومیت کے ماتحت یورپ کا نظام حکومت قائم کیا جائے گا اور اس پر اسلامیت کا لیبل لگادیا جائیگا جس طرح آج ایران، ترکیا، مصر اور عراق میں ایرانیوں، ترکوں، مصریوں اور عراقیوں کی حکومتیں قائم ہیں مگر سارا نظام حکومت غیر اسلامی اور لادینی ہے، اسی طرح ہندوستان میں مسلمان قوم کی ایک لادینی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے جہاں روزہ، نماز اور حج ادا کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوگی اور مسلمان اس مسئلہ میں آزاد ہو جائے گا۔

مغرب نے زبان، تمدن، ثقافت اور امتیاز رنگ و نسل اور جغرافی حدود کے عناصر سے قومیت کا خمیر تیار کیا اور دین کی جگہ قومیت کا بت تراشا اور مذہب کے بجائے مرکز عظمت قومیت قرار دی گئی۔ "ممالک اسلامیہ" عرصہ سے احکام دین کو چھوڑ چکے تھے، دینی تعلیم کی حرارت اور اس سے پیدہ شدہ اجتماعی طاقت دین کے زوال کے ساتھ ختم ہو چکی تھی، ان ممالک نے بھی مغربی اُستاد کا پڑھایا ہوا سبق دہرانا شروع کیا اور قومیت کے نشہ سے تمام اسلامی ممالک سرشار ہو گئے۔ اہل ایران کسرٰی و جمشید کا نعرہ لگانے لگے اور ترک اپنی تورانیت پر فخر کرنے لگے۔ عربوں کو اپنی عربیت پر غرور رہے۔ اسلام ان کی زندگی سے خارج ہو چکا تھا۔ اب قومیت کے ذریعہ اپنی سیاسی کمزوری کا علاج شروع کیا۔ نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ صرف جزیرہ نما عرب میں چھوٹی چھوٹی دسیوں حکومتیں قائم ہیں۔ جو سب خود مختار ہونے کی مدعی اور ان کے فرمانروا جلالۃ الملک یا ہزہائینس جمہوریہ بنے ہوئے ہیں، حالانکہ ان میں سے کوئی حکومت بھی اس قابل نہیں کہ وہ مغرب کی کسی بڑی طاقت کی امداد کے بغیر چند گھنٹے بھی اپنی مدافعت کرسکے۔ ترکوں کی زندگی کا سہارا برطانیہ اور روس کی باہم رقابت ہے ورنہ موجودہ حکومتوں کے مادی وسائل کے پیش نظر ترکی حکومت کی پوزیشن چوتھے درجہ کی ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی لادینی حکومت کے قیام کے بعد اس کا قوی خطرہ ہے کہ مغربی قومیت کے جس دل فریب تصور کے ماتحت مسلم اسٹیٹ قائم ہوگی، کہیں مغربی شاطر عراق، شام، مصر اور فلسطین کی متعدد حکومتوں کی طرح ایک مسلم اسٹیٹ کے بجائے بہت سی مسلم ریاستیں قائم کردے کیونکہ قومیت کا شجر خبیثہ جہاں بھی لگایا گیا ہے وہاں

اسی قسم کے برگ و بار لایا ہے، صوبائی تعصب ہندوستان کے تمام صوبوں میں پہلے سے موجود ہے آئندہ بھی اس میں قوت آئیگی اور آج جسطرح غیر مسلموں کی بڑھتی ہوئی طاقت کے خوف اور حکمرانی کی حبس خواہش نے مسلم حکومت کا تصور پیدا کیا ہے اسی طرح کل خود غرضی، جاہ طلبی اور قومیت کے محدود تصور سے بجائے ایک مسلم حکومت کے متعدد حکومتیں قائم ہو سکتی ہیں۔

(۳) "متحدہ قومیت" اور "مسلم قومیت" کے علمبرداروں کے سوا مفکرین اور علماء کا ایک تیسرا گروہ بھی ہے جو مسلمانوں کی زندگی کا سب سے اہم مسئلہ دین سے ان کی وابستگی کو سمجھتا ہے اور دین ہی کو مسلمانوں کی اصلی طاقت یقین کرتا ہے اور اس لئے وہ مسلمانوں کی دینی اصلاح کے لئے جدوجہد کر رہا ہے حقیقی اسلام کی دعوت کو مسلمانوں میں پھیلا رہا ہے اور اسلامی اخلاق، اسلامی عقائد اور دین کے بنیادی تقاضوں کی طرف لوگوں کو متوجہ کر رہا ہے۔

دینی شعور کے فقدان سے، اسلامی نقطۂ نظر سے امور دنیا پر غور کرنے کی عادت نہیں رہی ہے چونکہ مسلمان غیر مسلموں کی طرح زندگی گزار رہا ہے اور انسان کے مقصد زندگی سے غافل ہے اس لئے عالم پر اس کی نگاہ گہری نہیں پڑتی اور فساد کا سرچشمہ معلوم کرنے میں وہی غلطی کر رہا ہے جس میں دنیا کی دوسری قومیں مبتلا ہیں دین کے داعیوں کا یہ گروہ مسلمانوں کو دین کے احکام سے واقف کر کے دنیا و آخرت کی دونوں منزلوں سے مطلع کر رہا ہے اور مسلمان کے سامنے دنیا میں اس کی صحیح حیثیت کو پیش کر رہا ہے۔ اسلامی خطوط پر سیرت سازی کا یہ کام بظاہر بہت مختصر اور سادہ ہے مگر اس کے مخلص اور باخدا کارکنوں کے اخلاص سے اس کی تاثیر کا دائرہ وسیع ہو رہا ہے اور ملک کا دینی حلقہ اس سے روز بروز قریب ہو رہا ہے۔ سید احمد صاحب شہیدؒ کی تحریک جہاد کے بعد اتنے بڑے پیمانہ پر دین کی دعوت کی مثال تاریخ ہند میں نہیں ملتی، گو اس کے مخلص داعی پورے اسلام کی سروست دعوت نہیں دیتے اور اس کا دائرہ تصحیح کلمہ، نماز، اخلاص اور تبلیغ تک محدود ہے (۱) مگر ان کے کارکنوں

(۱) عہد حاضر کی وہ دینی دعوت جو تبلیغ و اصلاح امت کے نام سے مشہور ہے اور "الفرقان" جس کا خادم ہے۔ اس کے بارہ میں یا دو گہری اور عملی واقفیت نہ رکھنے والے اکثر مخلصین کا اندازہ یہی ہوتا ہے جو محترم مولانا نے ان سطور میں ظاہر فرمایا ہو لیکن جو لوگ سوچ سمجھ کر اس کام کو کر رہے ہیں اور اس میں پوری طرح اُترے ہوئے ہیں وہ اس کو دینی اصلاح کی نہایت مکمل اور اصول حکمت پر مبنی دعوت یقین کرتے ہیں اور اعلاء کلمۃ الحق اور ترویج شریعت کی نہایت صحیح اور ٹھوس کوشش سمجھتے ہیں۔ مدیر

کی دینی زندگی، ان کے مجاہدانہ جوش وخروش، اور ان کے خلوص سے جہاں وہ جاتے ہیں اسلامی زندگی کا ایک ایسا ماحول پیدا ہوجاتا ہے جس سے عوام وخواص سب متاثر ہوتے ہیں، چونکہ یہ گروہ سیاسیات حاضرہ کی پرخار راہ سے اپنا دامن بچاتا ہوا کام کر رہا ہے اس لئے اس کی خالص دینی دعوت میں ہر سیاسی جماعت کے اشخاص شریک ہوتے ہیں۔ اس جماعت کا محور فکر، دین کی خاطر مسلمانوں کو گھروں سے باہر نکلنے کا عادی بنانا اور اجر آخرت کے لئے اس راہ میں صعوبتوں کو برداشت کرنے کی ہمت پیدا کرنا ہے تاکہ چل پھر کر دین کی محبت اور اسلام کی دعوت کو عام کریں، اپنے روزمرہ کے مشاغل کو ترک کرنے، وقت، مال اور راحت کی قربانی کے خوگر ہوں، عام مسلمانوں کی زندگی دین کے ابتدائی فرائض سے ناآشنا اور تعلیمات اسلام سے بہت دور ہوچکی ہے، اس لئے اس گروہ کے سادہ طریق دعوت کو لوگ آسانی سے قبول کرتے ہیں اور اس کی ضرورت واہمیت کو محسوس کرتے ہیں ناامیدی کی شب تاریک میں ان ہی مذہبی گروہوں کی جد وجہد سے امید کی شعاع نظر آتی ہے ورنہ کافرانہ نظام حکومت کے اثر سے مسلمانان ہند دین کی تعلیمات اور اس کے مطالبوں سے جس قدر بیگانہ اور اس کے تقاضوں سے جس قدر غافل ہیں اس کے پیش نظر ان مخلص کارکنوں کی سعی بھی طوفانی سمندر میں بادبانی کشتی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

تقریباً پچیس تیس سال سے ایرانی، ترک اور عرب قومیت کے نشہ میں مست ہیں اور قومیت ہی کو تمام امراض کا علاج سمجھ رہے ہیں، اسی تصور قومیت کے مطابق اپنی اپنی قوموں کی تنظیم میں مشغول ہیں اسلام ان ممالک میں اسی طرح بیگانہ اور مسافر ہے جس طرح ہندوستان میں، ان تمام ممالک کی اخلاقی پستی، اُخروی زندگی کے تقاضوں سے غفلت کے ناگزیر نتائج، ایک طرف خالص دینی نقطۂ نظر سے بھی ان کی حالت سرمایۂ عبرت ہے، اب ہندی مسلمانوں کے سامنے دو کھلی ہوئی راہیں ہیں، ایک قومیت کی جس کا المناک حشر ممالک اسلامی کی بے بسی، اور محکومیت سے پیدا شدہ نتائج کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔

دوسری دین کی خالص دعوت کی، جس پر گامزن ہوکر اسلامی تاریخ کے روشن دور میں تھوڑے عرصہ میں سارے عرب، ایران، شمالی افریقہ، جنوبی اٹلی، جنوبی فرانس اور یورپ، اسپین پر مسلمانوں نے حکومت کی اور دنیا کے سامنے اسلام کی صداقت وحقانیت کا عملی ثبوت پیش کیا اُخروی زندگی کے

سامان راحت بھی فراہم کئے اور دنیا میں بھی عزت و آبرو کی زندگی گزاری۔ اب مسلمانوں کو اختیار ہے کہ جو راہ چاہیں اختیار کریں، دین کی راہ کی مشکلات کا انکار نہیں مگر دنیا کی کون سی مادی منزل ہے جس کی شاہراہ خار دار نہیں، جمہوریت، اشتراکیت اور نازیت میں سے کس کی منزل آسان اور اس کی راہ بے خار ہے، خالص مادی نظام زندگی بھی اپنے ہوا خواہوں سے کیسی کیسی قربانیاں چاہتا ہے۔ انقلاب روس اور کل کی گزری ہوئی جنگ کی تباہی و بربادی آپ کے سامنے ہے، اس خالص کافرانہ نظام کا بقاء و قیام اپنے پیرؤوں سے کیا کیا نہیں کرا رہا ہے اور اس کے بقاء و دوام کے لئے مغربی قومیں زندگی کی کون سی متاع عزیز اس پر نثار نہیں کر رہی ہیں، کیا حق کے قائم کرنے والے اتنی قربانی بھی نہیں پیش کر سکتے جتنی نظام باطل کے پرستار پیش کر رہے ہیں، حالانکہ ہماری اس راہ میں ناکامی بھی کامیابی ہے کہ آخرت میں ہم سے ہماری سعی و عمل کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے رحم و فضل کا معاملہ ہوگا۔　　　والسلام۔

عبرت کی باتیں

[لاہور کے ایک کالج میں تعلیم حاصل کرنے والے ایک نوجوان طالب علم کے خط کی چند سطریں پڑھئے — مدیر]

"عرض ہے کہ بندہ...... کالج لاہور کا ایک طالب علم ہے۔ وطن شہر...... ضلع جھنگ ہے والد صاحب لکڑی کا کام چارپائیاں وغیرہ بناتے ہیں، گھر کی مالی حالت کمزور ہے۔ میں یہاں سے بیس روپئے کالج کا وظیفہ اور بیس روپئے ...... صاحب کے لڑکوں کو پڑھا کر حاصل کرکے گذارہ کرتا ہوں والد صاحب کو میں نے کئی مرتبہ عرض کیا کہ جب مالی حالت ایسی ہے تو کیا کالج میں پڑھنا فرض ہے مگر وہ ہر مرتبہ یہی فرماتے رہے کہ تم ہماری طرف سے آنکھیں بند کرکے پڑھو، ہم تکلیف برداشت کرلیں گے۔ اب تقریباً ۴-۵ ماہ سے ایک مذہبی جھگڑا پیدا ہوگیا ہے۔ خوش قسمتی سے بندہ کو اللہ میاں نے توفیق بخشی کہ آپ کی تبلیغی دعوت میں دو سال سے کام کر رہا ہوں، اس دفعہ نومبر میں دیوبند کے طالب علموں کی ایک جماعت کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ الحمد للہ کہ داڑھی بھی رکھ لی ہے۔ اب والد صاحب فرماتے تھے کہ داڑھی منڈوا دو، قرآن کا درس نہ سنا کرو، لمبے لمبے سجدے نہ کیا کرو کیونکہ یہ تو بوڑھوں کا کام ہے تبلیغ پر ہرگز نہ نکلا کرو۔ اس دفعہ بندہ بغیر اطلاع کئے دہلی چھ دن کیلئے آیا کیونکہ اگر اطلاع دیتا تو اجازت ناممکن۔ ماہ رمضان کا پورا مہینہ بندہ نے تبلیغ میں نکلنے کے لئے چھٹی لی اجازت لینے گھر گیا تو وہیں روک لیا گیا اور تبلیغ پر جانے نہ دیا، اب معاملہ نے یہاں تک طول پکڑا ہے کہ اس دفعہ گھر سے نکال دیا اور فرمایا کہ دو باتوں میں سے ایک اختیار کرلو۔ یا **داڑھی رکھو یا والدین کو رکھو**، کہنے لگے کہ "اگر والدین محبوب ہیں تو ابھی حجام نائی کی دوکان پر اور داڑھی صاف کرواؤ" میں وہاں سے یہ جواب دے کر کہ لاہور فیصلہ کرکے آپ کو لکھونگا، روتا ہوا چلا آیا، یہاں سے خط لکھا کہ بندہ اپنے رسولؐ وہادی (فداہ امی وابی) کا حکم رد نہیں کرسکتا بلکہ اللہ تعالیٰ مجھے اور زیادہ استقامت بخشے"

اس قسم کی ان بیسیوں مثالوں میں سے جو ہمارے علم میں آتی رہتی ہیں یہ ایک ہے اور اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مسلمان کہلانے والی اس قوم میں کیسے کیسے خدا ناآشنا بلکہ خدا اور رسولؐ کے کیسے کیسے باغی موجود ہیں جس قوم میں یہ ضلال و فساد موجود ہو اور اس کے اخیار و اکابر اس کی اصلاح کیلئے اپنی جانیں بھی نہ لڑا رہے ہوں تو ذلت و رسوائی کے عذاب کے سوا اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ کسی اور معاملہ کے انتظار کا کیا حق رکھتی ہے۔ "یالیت قومی یعلمون"

ارشادات

حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ

[آج بہت دنوں کے بعد اس سلسلہ کی یہ قسط ہدیۂ ناظرین کی جارہی ہے۔ یہ تمام ملفوظات حضرت کے مرض وفات کے ہیں، اکثر پہلی قسطوں میں جو نوٹ لکھا گیا تھا وہ یہاں بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ مدیر]

(۱) فرمایا ــــ " اس دینی دعوت کے سلسلہ میں ہر طبقہ کے مسلمانوں سے ملنا اور ان سب کو اس طرف لانے کی سعی کرنا ضروری ہے ـــ میں اپنا ایک واقعہ سناتا ہوں (اس کے بعد مولانا نے ایک مشہور عالم دین کے متعلق جو اس عصر کے بڑے عالم اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز شاگردوں میں سے ہیں، بتایا) کہ انھوں نے ایک دفعہ برسر عام حضرت مولانا...... نور اللہ مرقدہٗ کے متعلق بہت ہی خراب اور بالکل ہی غلط بعض باتیں کہیں جس سے میرا بہت ہی دل دکھا، اور میری حالت یہ ہوگئی کہ میں ان کی صورت نہیں دیکھنا چاہتا تھا ـــ کچھ دنوں کے بعد جب میں اس کام میں لگا ہوں تو ایک دن میرے دل میں آیا کہ ان صاحب کے متعلق میرا یہ طرز عمل ٹھیک نہیں ہے آخر وہ مومن و مسلم ہیں، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض بھی ان کے اندر ضرور ہوں گے، قرآن مجید کے علمی انوار بھی ان کے پاس ہیں جس شخص میں خیر کے اتنے پہلو ہوں اس سے اتنی دوری اختیار کرلینا خود اپنا نقصان کرنا ہے، لہٰذا خود مجھے جا کر ان کی زیارت کرنی چاہیئے اور ان کے ان دینی کمالات کی وجہ سے مجھے ان کا اکرام کرنا چاہیئے اور ان کی جس بات سے میرا دل دکھا اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ یہ باتیں اُن سے کسی دوسرے شخص نے اسی طرح کہی ہو اور انکی غلطی صرف اتنی ہی ہو کہ انھوں نے ان کو سچ سمجھ کے اس عام موقع پر نقل کردیا ہو یا اسی طرح کی کوئی اور اجتہادی غلطی اس معاملہ میں ان سے ہوئی ہو۔ بہر حال یہ غلطی ایسی نہیں ہے جس کی وجہ سے ان کو اس طرح چھوڑ دینا میرے لئے درست ہو۔ (فرمایا) یہ باتیں میں نے اپنے نفس کو تنہائیوں میں بیٹھ بیٹھ کے سمجھائیں اور میری ان باتوں کے جواب میں میرے نفس نے جو جو حجتیں پیش کیں۔ میں نے ان سب کو دلیلوں سے رد کیا اور "زیارت مسلم" اور "اکرام مسلم" پر جن جن اجروں کی بشارتیں نصوص میں وارد ہوئی ہیں میں نے

ان کو یاد کیا اور اپنے نفس کو یاد دلایا اور بالآخر خود ان کے پاس جانے کا ارادہ کر لیا۔
پھر مجھے اس میں تردد ہوا کہ مجھے اس وقت ان کے پاس صرف شرعی زیارت ہی کی نیت سے جانا چاہیئے یا اپنی دعوت پیش کرنے کا بھی قصد کرنا چاہیئے (یعنی ان دونوں صورتوں میں سے کون سی اولیٰ اور احب الی اللہ ہے) ــــ بالآخر میں نے یہ طے کیا کہ "زیارت" اور "دعوت" کی مستقل مستقل نیت کر کے مجھے ان کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیئے، اس میں انشاء اللہ دونوں چیزوں کا پورا پورا ثواب ملے گا۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا اور یہ ملاقات پھر بہت سی برکتوں اور بہت سے فائدوں کا ذریعہ بنی۔

---

(۳) اسی سلسلۂ کلام میں فرمایا ــــ ہمارے بعض خاص حضرات میرے اس رویہ سے ناراض ہیں کہ میں اس دینی کام کے سلسلہ میں ہر طرح اور ہر وضع کے لوگوں اور مسلمانوں کے ہر گروہ کے آدمیوں سے ملتا ہوں اور ملنا چاہتا ہوں اور اپنے لوگوں سے بھی ان کے ساتھ ملنے جلنے کو کہتا ہوں، لیکن میں اپنے حضرات کی اس ناراضی کو سہنا اور ان کو معذور قرار دیتے ہوئے ان کو بھی اسی طرف لانے کی پوری سعی کرتے رہنا شکر واجب کا ایک جزء سمجھتا ہوں :-

چو حق بر تو پاشد تو بر خلق پاش

ان حضرات کا خیال ہے کہ یہ طرز عمل حضرت نور اللہ مرقدہٗ کے طریقہ اور مذاق کے خلاف ہے لیکن میرا کہنا یہ ہے کہ جس چیز کا دین کے لئے نافع اور نہایت مفید ہونا دلائل اور تجربہ سے معلوم ہو گیا اس کو صرف اس لئے اختیار نہ کرنا کہ ہمارے شیخ نے یہ نہیں کیا، بڑی غلطی ہے۔ شیخ شیخ ہی تو ہے خدا تو نہیں ہے۔

---

(۴) فرمایا ــــ اس دینی کام (تبلیغ دین اور اصلاح امت کی عوامی تحریک) کی طرف مجھے متوجہ کرنا اللہ تعالیٰ کی ایک خاص تائید ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مجھے کچھ ایسی خصوصیات حاصل تھیں کہ جن بعض اکابر کو میرے اس کام کے متعلق پوری معلومات نہ ہونے کی وجہ سے کبھی کچھ شکوک بھی ہوئے تو انھوں نے بھی میری وجہ سے سکوت اختیار کیا اور اپنے اختلاف رائے کو

ظاہر نہیں فرمایا۔ میری دو خصوصیات یہ ہیں:۔ ایک تو یہ کہ میری نیازمندی کا تعلق اپنے زمانہ کے سب ہی بزرگوں سے رہا اور الحمد للہ سب کی عنایات اور سب کا اعتماد مجھے حاصل رہا۔ دوسرے یہ کہ میرے والد ماجد ایک عالی مرتبہ اور متفق علیہ بزرگ تھے اور باہم بہت سے اختلافات رکھنے والے اہل دین کے مختلف طبقے ان پر متفق تھے۔ تیسرے یہ کہ میرا خاندان ایک خاص اثر اور عزت و وجاہت رکھنے والا خاندان تھا۔

---

(۴) فرمایا ـــــ علماء حق کو میرا یہ پیغام ادب و احترام کے ساتھ پہنچاؤ کہ آپ لوگوں کو میری اس تحریک کے متعلق جو حسن ظن یا کچھ توجہ ہوئی ہے تو وہ ان بیچارے ان پڑھ میواتیوں کے بیان کرنے یا ان میں کچھ اصلاحی تغیر کے مشاہدہ سے ہوئی ہے جو پہلے گوبر تک پوجتے تھے اور اس لئے اگلے مشرکوں سے بھی گھٹیا تھے (کیونکہ وہ تو خوبصورت مورتیوں اور چمکدار پتھروں ہی کو پوجا کرتے تھے) تو ایسے گرے ہوئے لوگوں کی خبر رسانی یا مشاہدہ سے کام کا صحیح اندازہ کیوں کر ہو سکتا ہے۔ آپ جیسے حضرات اگر براہ راست مجھ سے مل کر اس کام کو سمجھیں تو اصل قدر و قیمت معلوم ہو

---

(۵) فرمایا ـــــ ہماری اس تحریک کا ایک خاص مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے سارے جذبات پر دین کے جذبہ کو غالب کر کے اور اس راستہ سے مقصد کی وحدت پیدا کر کے اور اکرام مسلم کے اصول کو رواج دے کے پوری قوم کو اس حدیث کا مصداق بنایا جائے۔ "المسلمون کجسد واحد"

---

(۶) فرمایا ـــــ ہمارے اس کام میں اخلاص اور صدق دلی کے ساتھ اجتماعیت اور شُوریٰ بَیْنَهُمْ کی (یعنی مل جل کر اور باہمی مشورے سے کام کرنے کی) بڑی ضرورت ہے اور اس کے بغیر بڑا خطرہ ہے۔

---

(۷) بعض خدام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ـــــ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حضرت ابو عبیدہ اور حضرت معاذ سے فرماتے تھے کہ میں تمہاری نگرانی سے مستغنی نہیں ہوں، میں بھی آپ لوگوں سے

یہی کہتا ہوں کہ میرے احوال پر نظر رکھئے اور جو بات ٹوکنے کی ہو اس پر ٹوکئے۔

---

(۸) فرمایا ـــ "حضرت فاروق اعظم کے عاملوں کے پاس سے جب کوئی قاصد آتے تو آپ اُن سے عاملوں کی خیریت پوچھتے اور ان کے حالات دریافت کرتے لیکن اس کا مطلب دینی خیریت اور دینی حال پوچھنا ہوتا تھا نہ کہ آج کل کی مروجہ مزاج پرسی ـــ چنانچہ ایک عامل کے پاس سے آنے والے قاصد سے جب آپ نے عامل کی خیریت پوچھی تو اس نے کہا وہاں خیریت کہاں ہے، میں نے تو ان کے دسترخوان پر دو دو سالن جمع دیکھے۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرز زندگی پر صحابہ کرام کو چھوڑ گئے تھے بس اس پر قائم رہنا ہی ان حضرات کے نزدیک خیریت کا معیار تھا۔

---

(۹) فرمایا ـــ اللہ سے اس کا فضل اور رزق وغیرہ مانگنا تو فرض ہے اور اپنی عبادت وخدمت وغیرہ کا دنیا ہی میں معاوضہ چاہنا ناجائز ہے۔

---

(۱۰) فرمایا ـــ کسی مسلمان کو اس کی بے راہ روی کی وجہ سے قطعی طور سے کافر کہنا اور غلو فی الانکار والی تکفیر کرنا بڑا بھاری کام ہے۔ ہاں "کفرٌ دُوْنَ کفرٍ" کا اصول صحیح ہے تمام معاصی کفر ہی کے فروع اور اس کی اولادیں اور اسی طرح تمام معروفات ایمان کی آل اولادیں، بس ہماری یہ تحریک درحقیقت تجدید ایمان اور تکمیل ایمان کی تحریک ہے۔

---

(۱۱) فرمایا ـــ "اِتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا" ـ دینی کاموں کو بے مقصد یا اطاعت امرالٰہی و رضاء خداوندی اور ثواب اُخروی کے سوا اور مقاصد کے لئے کرنا بھی دین کو لہو ولعب بنانا ہے۔

---

(۱۲) فرمایا ـــ "ظُنُّوا الْمُؤْمِنِیْنَ خَیْرًا" اور "اِنَّ حسن الظن من العبادۃ" کا

حکم اس حالت میں ہے جب کسی سے کوئی معاملہ کرنا نہ ہو تو اس وقت صرف حُسن ظن ہی سے کام
لینا چاہیئے اور جب معاملہ کرنا ہو تو اس وقت کے لئے "الحزم سوء الظن" کا حکم ہے، مجالِ
اور مواقع کا فرق نہ سمجھنے سے نصوص میں بڑی غلط فہمیاں ہو جاتی ہیں۔

(۱۳) فرمایا۔۔۔ ہمارے سب کام کرنے والوں کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیئے
کہ تبلیغ کے لئے باہر جانے کے زمانہ میں بالخصوص علم اور ذکر کی طرف بہت زیادہ توجہ کریں، علم اور
ذکر میں ترقی کے بغیر دینی ترقی ممکن نہیں، نیز علم اور ذکر کی تحصیل و تکمیل اس راہ کے اپنے بڑوں سے وابستگی
رکھتے ہوئے اور ان کے زیر ہدایت اور ان کی نگرانی میں ہو۔ انبیاء علیہم السلام کا علم و ذکر اللہ تعالیٰ کے
زیر ہدایت اور اس کے حکم کے ماتحت ہوتا تھا، اور حضرات صحابہ کرام کا علم و ذکر رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی ہدایت کے ماتحت اور آپ کی نگرانی میں ہوتا تھا۔ پھر ہر زمانہ کے لوگوں کے لئے اس قرن
کے اہلِ علم اور اہلِ ذکر گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء ہیں، لہٰذا علم و ذکر میں اپنے بڑوں کی
نگرانی سے استغنا نہیں

یہ بھی ضروری ہے کہ خاص کر باہر نکلنے کے زمانہ میں صرف اپنے خاص مشاغل میں اشتغال رہے
اور دوسرے تمام مشاغل سے یکسو رہا جائے اور وہ خاص مشاغل یہ ہیں، تبلیغی گشت، علم، ذکر،
دین کے لئے گھر چھوڑ کر نکلنے والے اپنے ساتھیوں کی خصوصاً اور عام خلق اللہ کی عموماً خدمت کی
مشق، تصحیح نیت اور اخلاص و احتساب کا اہتمام اور اہتمام نفس کے ساتھ بار بار اس اخلاص و
احتساب کی تجدید یعنی اس کام کے لئے نکلتے وقت بھی یہ تصور کرنا اور اثناء سفر میں بھی بار بار اس
تصور کو تازہ کرتے رہنا کہ ہمارا یہ نکلنا صرف اللہ کے لئے اور ان نعمائے آخرت کی طمع میں ہے جن کا
وعدہ دین کی نصرت و خدمت پر اور اس راہ کی تکلیفیں اٹھانے پر فرمایا گیا ہے یعنی بار بار اس دھیان
کو دل میں جمایا جائے کہ اگر میرا یہ نکلنا خالصاً مخلصاً ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول فرما لیا تو اللہ
تعالیٰ کی طرف سے مجھے وہ نعمتیں ضرور ملیں گی جن کا وعدہ اس کام پر قرآن پاک اور احادیث میں
فرمایا گیا ہے اور وہ یہ یہ ہوں گی۔ بہر حال ان الٰہی وعدوں پر یقین اور ان کی امید کے دھیان کو بار بار
تازہ کیا جائے اور اپنے سارے عمل کو اسی یقین اور اسی دھیان سے باندھا جائے بس اسی کا

نامؐ ایمان و احتساب" ہے اور یہی ہمارے اعمال کی روح ہے۔

---

(۱۴) فرمایا ـــ" ہائے اللہ کے وعدوں پر یقین نہیں رہا، اللہ کے وعدوں پر یقین اور اعتماد پیدا کرو اور پھر اس یقین و اعتماد ہی کی بنیاد پر کام کرنے کی مشق کرو، اور اللہ کے وعدوں کے معنی بھی خود نہ گھڑو۔ تمہارا علم اور تجربہ بہت محدود ہے، اس کے وعدوں کا مطلب اس کی شان کے مطابق سمجھو اور اس سے یونہی مانگو کہ اپنی شان اور اپنی قدرت کے شایاں ان وعدوں کو پورا فرما، اُخروی نعمتوں کی معنویت اور اصل حقیقت کا تم اس دنیا میں کیا اندازہ کر سکتے ہو اور کیونکر وہ اندازہ صحیح ہو سکتا ہے جب کہ حدیث قدسی میں ان نعمتوں کی صفت ہی یہ بیان کی گئی ہے۔

لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر (یعنی جنت میں ایسی نعمتیں ہیں جو نہ تو کسی آنکھ نے دیکھی ہیں اور نہ کسی کان نے ان کا حال سُنا ہے اور نہ کسی انسان کے دل میں کبھی ان کا خیال آیا ہے)

افسوس! ہم نے اس کی موعود نعمتوں کو اپنے علم و فہم اور اس دنیا کے اپنے مشاہدہ اور تجربہ کے مطابق سمجھ کر اور اس کی امید باندھ کے بڑا گھاٹا کر لیا "لقد حجرتم واسعًا" اس کی عطا اور اس کی داد و دہش تو اس کے شایان شان ہو گی"۔

---

(۱۵) فرمایا ـــ" تم نے "ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون" کے مقتضا سے جس قدر انحراف کیا، اسی قدر "خلقنا لکم ما فی السمٰوٰت والارض" کا ظہور کم ہو گیا جس نسبت سے تمہاری عبدیت میں کمی آئی اسی نسبت سے زمین و آسمان کی کائنات سے تمہارا تمتع (نفع حاصل کرنا) کم ہو گیا۔ کائنات کو تمہارا خادم اسی لئے بنایا گیا تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کا کام کرو اور اس کی اطاعت و بندگی اور اس کی مرضیات کے فروغ میں لگے رہو۔ جب تم نے اپنا یہ فریضہ چھوڑ دیا تو زمین و آسمان بھی تم سے پھر گئے"!

مقاصد اسلام

(از جناب مولانا مولوی فخر الدین صاحب اصلاحی جامعہ الٰہیات چمن گنج کانپور)

[اس مضمون میں اکثر موقعوں پر ایک مصری عالم کی کتاب سے فائدہ اٹھایا گیا ہے]

آغاز آفرینش سے خدا کی حکمت و سنت یہ رہی ہے کہ وہ ہر قوم کے لئے ہادیوں اور رسولوں کو بھیجتا رہا ہے تاکہ انسانوں کو غفلت و ناخدا شناسی کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان اور ہدایت کے نور کی طرف لایا جائے، اور جو اپنی بد طینتی کی وجہ سے آنا نہ چاہیں اور گمراہی پر ہی جمے رہیں ان پر حجت الٰہی قائم ہو ——— خدا کی یہ سنت آغاز آفرینش سے لے کر سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک قائم رہی اور نبوت کا یہ سلسلہ آپ کی رسالت پر ختم کر دیا گیا، اس لئے کہ آپ کے ذریعہ دنیا کو ایک ایسا مکمل دستور زندگی۔ اور ایسا جامع نظام حیات عطا کر دیا گیا ہے جس کے بعد دنیا کو کسی نئی آسمانی رہنمائی کی مطلق ضرورت نہ رہی، اور اللہ ہی نے اپنی قدرت کاملہ سے اس کی حفاظت کا بھی ایسا انتظام کر دیا کہ دنیا کے آخری دن تک وہ اس طرح محفوظ اور ہر طرح کی دست برد سے ایسا صحیح سالم رہے گا کہ گویا آج ہی نازل ہوا ہے

اللہ کے بھیجے ہوئے اس آخری دستور زندگی اور نظام حیات کا نام "اسلام" ہے اور اس کے متعلق خدا کی مقدس کتاب کا اعلان ہے۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ	دین حق اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے۔ اور جو کوئی
وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا	اسلام کے سوا کسی اور طریقہ کو اپنا دین بنانا چاہے گا۔ تو
فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ	ہرگز اس کا وہ دین قبول نہیں کیا جاوے گا اور آخرت
مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ہ	میں وہ ٹوٹے والوں میں رہے گا۔

اس سلسلہ مضمون میں ہم اپنے ناظرین کے سامنے اسی اسلام کے وہ اہم اور بنیادی مقاصد پیش کرنا چاہتے ہیں جو اللہ کی کتاب اور اس کے رسول نے اہتمام سے بیان فرمائے ہیں اور جنکے مضبوطی سے پکڑنے کی ہم کو وصیت فرمائی گئی ہے۔ واللہ الموفق وھو المستعان

اسلام کا پہلا مقصد ——— انسان کی انفرادی تربیت

اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت اور بے آمیز توحید | اس سلسلہ کی سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ انسان کے اندر اپنے خالق و مالک کی صحیح معرفت اور اس کی ذات و صفات کے متعلق صحیح عقیدہ پیدا ہو۔

یہ بات اپنی جگہ پر بالکل مسلم ہے کہ دین محمدی سے پہلے کے تمام آسمانی مذہبوں کا بھی بنیادی مقصد یہ ہی رہا ہے کہ لوگوں کے اندر یہ عقیدہ پیدا ہو کہ "خدا ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں اس کی ذات تمام ناقص صفات سے منزہ اور کمالی صفات سے متصف ہے" چنانچہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام، آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک اسی ایک مقصد پر اکٹھا نظر آتے ہیں، "یعنی خدا کو ایک ماننا اور اسے تمام کمالی صفات سے متصف گردانا" عقائد کے بارے میں قرآن مجید کا محور بھی یہی قطب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ط — کہہ دے اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوْا اِلٰهًا وَّاحِدًا — انہیں نہیں حکم دیا گیا ہے مگر اللہ ہی کو پوجنے کا۔

تیسری جگہ فرماتا ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْۤ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ط — ہم نے تم سے پہلے کسی رسول کو نہیں بھیجا مگر ہم اس کی جانب یہی وحی کرتے رہے کہ نہیں ہے کوئی معبود سوا میرے پس میری ہی عبادت کرو۔

ملک عرب میں دعوت محمدی سے پہلے حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے عہد سے لوگ عقیدہ توحید سے مانوس تھے، لیکن امتداد زمانہ اور جہالت کے غلبہ سے یہ عقیدہ توحید بھی شرک آلود ہو گیا تھا، جیسا کہ قرآن کریم ان کے متعلق بیان کرتا ہے۔

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ط — اور ان میں کے اکثر اللہ پر ایمان نہیں لاتے ہیں مگر یہ کہ وہ حالت شرک ہی میں ہوتے ہیں

اس کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کی دعوت لے کر آئے جو کہ "توحید" کو مکمل طور سے پیش کرتا ہے اور دین خالص میں اگلوں نے جو تحریف و ترمیم اپنے جی سے کر لی تھی اُسے اس تحریف

سے پاک کرنا ہے

توحید کے مظاہر توحید کے چار مظہر ہیں۔ (۱) واجب الوجود محض خدائے تعالیٰ ہے (۲) آسمان وزمین اور اُن کے درمیان جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا پیدا کیا ہوا ہے (۳) سارا عالم اسی کے زیر تدبیر وتصرف ہے (۴) صرف وہی مستحق عبادت ہے اس حق میں کوئی دوسرا کسی حیثیت سے بھی اس کا شریک نہیں

اب یہ جاننا چاہئے کہ اس عقیدہ توحید کے پیدا کرنے کے وسائل کیا ہیں ؟

صحیح عقیدہ پیدا کرنے کے وسائل آفاق وانفس کا مطالعہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بندوں کو جگہ جگہ دعوت دی ہے کہ وہ کائنات اور موجودات میں غور کریں، جب وہ ایسا کریں گے تو لامحالہ اس نتیجہ پر پہونچیں گے کہ کوئی عظیم الشان ہستی ہے جو اس نظام کو چلا رہی ہے اور پھر جب وہ اس ہستی کی قدرتیں ونعمتیں کائنات کے گوشہ گوشہ میں دیکھیں گے تو پکار اٹھیں گے کہ وہ ایک ہے کوئی اُس کا شریک نہیں، وہ تمام جمالی وجلالی صفات سے متصف ہے، اس کا علم اور اس کی قدرت بڑی ہی وسیع ہے، اس کی حکمتیں اور رحمتیں ہمارے حدود ادراک سے بھی باہر ہیں۔

اب آؤ اور اپنے گردوپیش کی چیزوں پر نگاہ ڈالو۔ سب سے پہلے جو چیز سامنے آتی ہے وہ انسان کا خود اپنا وجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بے شمار جگہوں پر انسان کو خود اپنی ہستی میں غور وفکر کرنے کی دعوت دی ہے۔ قرآن میں آتا ہے۔

فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ مِمَّ خُلِقَ (طارق)　　انسان کو غور کرنا چاہئے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ (ذاریات)　　خود تمھاری ذات میں بھی (ہماری نشانیاں) ہیں کیا تمھیں دکھائی نہیں دیتا۔

سورۂ روم کی حسب ذیل آیتیں پڑھیئے تو یہی حقیقت سامنے آتی ہے

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُم مِّن تُرَابٍ ثُمَّ إِذَا أَنتُم بَشَرٌ تَنتَشِرُونَ ۝ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً ۝

اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر تھوڑے ہی روز بعد تم آدمی بنکر پھیلے ہوئے ہو۔ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تمھارے لئے تمھاری ہی جنس سے جوڑے پیدا کئے تاکہ تم ان کے پاس آرام ملے اور تمھارے

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ
وَمِنْ اٰیٰتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَاَلْوَانِکُمْ ؕ اِنَّ
فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ ۝ وَمِنْ
اٰیٰتِہٖ مَنَامُکُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَابْتِغَآؤُکُمْ
مِّنْ فَضْلِہٖ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ
یَّسْمَعُوْنَ ؕ وَمِنْ اٰیٰتِہٖ یُرِیْکُمُ الْبَرْقَ
خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ
مَآءً فَیُحْیٖ بِہِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا
اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ
وَمِنْ اٰیٰتِہٖ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ
بِاَمْرِہٖ ثُمَّ اِذَا دَعَاکُمْ دَعْوَۃً مِّنَ
الْاَرْضِ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ۝

(سورہ روم)

(شوہر بیوی کے) درمیان محبت و ہمدردی پیدا کی۔ اس
میں قوت فکریہ کو کام میں لانے والوں کے لیے نشانیاں ہیں
اور اس کی آیات میں سے آسمان و زمین کی تخلیق اور تمہارے
لب و لہجہ اور رنگوں کا اختلاف ہے، اس میں دانائی
رکھنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں، اور اس کی نشانیوں میں
سے تمہارا رات اور دن میں سونا لیٹنا ہے اور اس کے فضل
سے تمہارا روزی تلاش کرنا ہے، اس میں ان کے لئے نشانیاں
ہیں جو (غور سے) سنتے ہیں اور اس کی آیات میں سے یہ ہے
کہ وہ تم کو بجلی دکھاتا ہے جس سے ڈر بھی ہوتا ہے اور آس بھی
بندھتی ہے اور آسمان سے پانی اتارتا ہے پھر اس کے ذریعہ مردہ
زمین کو زندہ کر دیتا ہے۔ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں
ہیں جو سمجھتے بوجھتے ہیں اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ
آسمان و زمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔ پھر جب تم کو پکار کر
زمین سے بلائے گا تو تم یکبارگی نکل پڑو گے۔

اوپر جو چند آئتیں پیش کی گئی ہیں اس قسم کی بے شمار آئتیں قرآن مجید میں آئی ہیں جس میں انسان کو اپنے وجود کے ہر دور پر غور کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ وہ دیکھے کہ کس طریقہ سے وہ پیدا ہوا اور کس طرح وہ کارگاہ حیات میں پلا اور بڑھا۔ پھر اپنی زندگی کے دو میانی دور پر نگاہ ڈالے اور پھر آخری دور پر کیونکہ اس کا خود اپنا وجود ایک خالق و فاطر پر سب سے بڑی دلیل ہے۔ الغرض انسان کی ہستی ہی میں خدا کی عظمت پر غور کرنے والوں کے لئے عجیب عجیب دلائل و شواہد ہیں۔

اب آؤ اور انسانی جسم کی ساخت پر غور کرو اور دیکھو کہ انسانی جسم کن کن چیزوں پر مشتمل ہے وہ چند ٹیڑھی سیدھی ہڈیوں اور چند موٹی پتلی رگوں اور گوشت کے چند لوتھڑوں کا مجموعہ ہے لیکن ید قدرت نے انھیں کس حسن و خوبی کے ساتھ ایک لڑی میں پرو دیا ہے۔ پتلی اور موٹی رگیں سب اپنی جگہ پر پورے توازن کے ساتھ فٹ ہیں۔ ہڈیوں کو گوشت کا لباس پہنایا گیا ہے، پھر قدرت

کی اس حکمت بالغہ پر غور کرو کہ کس طور سے اس نے ہڈیوں کو جوڑ کر جسم کا ستون و قوام بنایا ہے، اب ایک قدم اور آگے بڑھا کر بنانے والے کے قدر و اندازہ پر غور کرو تو تمھاری حیرت کی انتہا نہیں رہے گی کہ کس طور سے اس نے ہڈیوں کو مختلف انداز سے مختلف شکلوں کا بنایا ہے، کچھ ہڈیاں چھوٹی ہیں تو کچھ لمبی اور بڑی ہیں، کچھ ٹیڑھی اور کج ہیں تو کچھ چوکور اور سیدھی ہیں، کچھ پتلی ہیں تو کچھ چوڑی و چکلی ہیں، کچھ بھری ہوئی ہیں تو کچھ کھوکھلی ہیں

اب ایک قدم اور آگے بڑھا کر انسانی جسم کے سب سے اوپری حصہ یعنی سر اور اس میں جو بے شمار ہڈیاں ہیں اس پر غور کرو کہ کس حسن و خوبی کے ساتھ اللہ تعالےٰ نے اسے جسم انسانی پر سوار کر دیا ہے، اور پھر اس چھوٹے سے بلند حصہ میں بنانے والے نے کیا کیا چیزیں بنا دی ہیں، قوت باصرہ، ذائقہ، سامعہ، شامہ سب کچھ تو اسی چھوٹے سے حصے میں ہے، پھر قدرت کی یہ کاریگری دیکھو کہ قوت باصرہ کو اگلے حصہ پر بنایا ہے تاکہ وہ جسم انسانی کے لئے نگراں ہو اُسے ہر خطرہ کی چیز سے بچالے اور ہر ہلاکت سے محفوظ رکھے، اور پھر تمام فائدے کی باتیں اسے سمجھاوے، اور اگر تم قوت باصرہ کے اجزائے ترکیبی پر غور کرو گے تو عجائب قدرت اور زیادہ روشن ہو کر تمھارے سامنے آئیں گے قوت باصرہ سات طبقات سے مرکب ہے، ہر طبقہ کا ایک مخصوص کام ہے اور ہر طبقہ سے ایک مخصوص منفعت حاصل ہے، اور اگر ان ساتوں میں سے کوئی ایک بھی بیکار ہو جائے اور اپنی خاص منفعت کھو دے تو قوت باصرہ اپنے کام سے معطل ہو جائے اور انسان بینائی سے محروم ہو جائے خالق کل نے ان سات طبقات کے اندر آنکھ کی چھوٹی سی پتلی بنائی ہے جس کے ذریعہ انسان مشرق و مغرب اور زمین و آسمان کے درمیان جو کچھ ہے دیکھتا ہے، اور اللہ نے اس چھوٹی سی پتلی کو آنکھ کے اعضاء کے لئے بمنزلہ دل کے بنایا ہے اس کی حیثیت بادشاہ کی سی ہے، ساتوں طبقات اور رطوبات اس کے خادم و نگراں ہیں فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ہ

پھر تمھارے غور و فکر کی حد یہیں ختم نہیں ہو جاتی، بلکہ یہ تو قرآن کی زبان میں چند دلائل انفس تھے جو پیش کئے گئے، اب نظریں اٹھاؤ، اور نظام سماوی پر غور کرو، آسمان کو دیکھو، اس کی وسعت و بلندی اس کے حسن و خوبصورتی پر نظر دوڑاؤ، چاند و سورج کے عجائبات دیکھو، اس میں ٹکے ہوئے ستاروں پر غور کرو، پھر ان ستاروں کی مختلف شکلوں اور ان کے نکلنے اور ڈوبنے کے مختلف اوقات کا جائزہ لو

تو تم دیکھوگے کہ وہاں کی ہر چیز حکمت وعبرت سے پر ہے، تمھاری زبان بے ساختہ پکار اٹھے گی کہ یہ سب ایک عظیم الشان اور لامحدود قدرت والی ہستی کی کاریگری ہے۔ قرآن کریم آسمان وزمین اور ان کے درمیان جو کچھ ہے اُن کے ذکر سے بھرا پڑا ہے۔ کہیں ان کی عظمت و وسعت کی خبر دی گئی ہے، اور کہیں ان کی قسمیں کھائی گئی ہیں۔ کہیں بندوں کو ان میں غور کرنے کی دعوت دی گئی ہے، اور کہیں انھیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ انھیں بنانے والے کی عظمت پر دلیل بنائیں اور ان کے ذریعہ خدا کی وحدانیت تک پہونچیں کہیں ان کے تناسب اور ہم آہنگی سے خدا کی قدرت اور حکمت پر استدلال کیا گیا ہے، اور کہیں چاند و سورج ستاروں اور ان کے عجائبات کا ذکر آتا ہے، جن کی کنہ حقیقت کے کلی ادراک سے انسانی عقلیں عاجز ہیں، قرآن میں جگہ جگہ نظام سماوی کی اکثر چیزوں کی قسمیں کھائی گئی ہیں گویا ان کو اپنی قدرت کاملہ پر شاہد اور دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ مثالاً چند آیتیں پیش کی جاتی ہیں۔ والسماء ذات البروج (والسماء والطارق) (والسماء ومابناھا) (والسماء ذات الرجع) (والشمس وضحاھا) (والنجم اذا ھوی) یہ چند مختلف آیات کے چند ٹکڑے ہیں، جن میں اللہ تعالےٰ نے اپنی اُن مخلوقات کی قسمیں کھائی ہیں جو اُس کی ربوبیت اور وحدانیت پر واضح دلیل اور شاہد عدل ہیں تاکہ بندے اُس ذات کی قدرت وحکمت جانیں جو اتنے بڑے آسمان کو بغیر کسی سہارے اور بغیر کسی ستون کے قائم کئے ہوئے ہے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ کُلِّ دَآبَّةٍ ؕ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ کُلِّ زَوْجٍ کَرِیْمٍ ۔ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (لقمان)

اللہ تعالےٰ نے آسمانوں کو بلا ستون کے بنایا تم اُن کو دیکھ رہے ہو اور زمین میں پہاڑ ڈال رکھے ہیں کہ وہ تم کو لے کر ڈانواڈول نہ ہونے لگے اور اُس میں ہر قسم کے جانور پھیلا رکھے ہیں، ہم نے آسمان سے پانی برسایا اور اس (زمین) میں ہر طرح کے عمدہ اقسام اُگائے۔ یہ تو اللہ کی بنائی ہوئی چیزیں ہیں، اب تم لوگ مجھ کو دکھاؤ کہ اس کے سوا اُن لوگوں نے کیا بنایا ہے، بلکہ یہ ظالم صریح گمراہی میں ہیں

غرضیکہ قرآن کریم نے اس عالم کی وضع وساخت، اس کے اجزائے ترکیبی، اس کے حسن نظام اور اُن

تمام نشانیوں سے بندوں کو عبرت و نصیحت حاصل کرنے کی دعوت دی ہے جو اللہ تعالےٰ کے کمال علم اور کمال قدرت پر واضح دلیل ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے اس عالم کو اس گھر کے مثل بنایا ہے جس میں انسان کے منافع اور ضروریات کی تمام چیزیں اکٹھا کر دی گئی ہیں، آسمان کو دیکھو جو تمہارے سر پر ایک بلند چھت کے مثل ہے، شمس و قمر دو چراغ ہیں جو کہ آسمان پر چمکتے ہیں، تارے اس کی زینت ہیں، زمین انسان کے لئے فرش و مستقر ہے، اس کے جواہر و معادن بطور ذخیرہ کے ہیں۔ اس میں اُگنے والے قسم قسم کے درخت و نباتات انسانی ضروریات کے پیش نظر بنائے گئے ہیں، حیوانات کی پیدائش کا مقصود بھی انسانی مصالح و منافع ہیں۔ اور انسان ہی اس عالم میں فاعل باختیار بنا کر بھیجا گیا ہے، گویا وہ اس عالم میں اپنے مالک کا نائب اور خلیفہ ہے۔

تو اب سوچو! اور بتاؤ کہ کیا یہ سب باتیں اس بات پر بہت بڑی اور بہت کھلی ہوئی دلیل، نہیں ہیں کہ یہ عالم اس ذات کا بنایا ہوا ہے جو علیم و خبیر ہے جس کی قدرت و رحمت بڑی ہی وسیع ہے جو اس ساری کائنات کا واحد مالک و مختار ہے اور وہی اپنے علم و حکمت سے اس سارے سنسار کو چلا رہا ہے۔

اب آؤ اور ان عطایا پر غور کرو جو اللہ تعالےٰ نے انسان کو بخشے ہیں، انسان کو عزت و کرامت کا لباس بخشا گیا ہے یعنی عقل و علم، قوت گویائی، بہترین شکل و صورت اور معتدل قد و قامت اسے دی گئی ہے، غور و فکر کی طاقت اس کے اندر رکھی گئی ہے جس سے وہ علوم حاصل کرتا ہے، ساری دنیا انسان کے لئے جائے رہائش بنا دی گئی ہے اور وہ اس کا سردار و رئیس ہے، عالم کی تمام چیزیں اس کے منافع و مصالح کے لئے کوشاں ہیں اس کا ہر ذرہ اس کی خدمت اور حاجت براری کے لیے رواں دواں ہے، آسمان تک کی تمام چیزیں اس کی خدمت اور نفع رسانی میں مصروف ہیں، چاند، سورج، ستارے، ہر ایک کے نکلنے اور ڈوبنے کا ایک خاص وقت ہے، وہ انسانی فائدوں کے لئے اپنے اپنے برجوں میں چکر کاٹ رہے ہیں، فضا کی تمام چیزیں ہوا بادل، چڑیاں بھی اس کے لئے مسخر ہیں، اسی طرح عالم ارضی کی ہر چیز انسان کی خادم ہے، زمین پہاڑ سمندر، دریا، درخت، پھل، پودے، حیوان، سب انسان کی خدمت میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ
مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ
لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَكُمُ
الْاَنْهٰرَ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ
دَآىِٕبَیْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ
وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَاِنْ تَعُدُّوْا
نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ
لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ (ابراہیم)

اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور آسمان سے
مینھ برسایا پھر اس مینھ سے تمھارے لئے رزق پھلوں کی قسم سے
پیدا کیا اور تمھاری منفعت کے لئے کشتیوں (جہازوں) کو مسخر
کیا کہ وہ اللہ کے حکم سے دریاؤں میں چلیں اور تمھارے لئے نہروں
کو مسخر کیا اور تمھارے واسطے چاند سورج کو مسخر کیا جو کہ ہمیشہ
چکر ہی کرتے ہیں اور تمھارے لئے رات اور دن کو مسخر کیا اور
جو کچھ بھی تم نے مانگا وہ تمھیں بخشا، اور اگر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تم
گننا چاہو تو گن نہیں سکتے، سچ تو یہ ہے کہ انسان بڑا بے انصاف
اور بہت ناشکرا ہے

یہ مضمون قرآن مجید میں بڑی کثرت کے ساتھ اور بار بار بیان ہوا ہے، اور بلا مبالغہ صدہا آیات میں انسانوں کو اس کی دعوت دی گئی ہے کہ وہ خود اپنے وجود اور اپنی ذات میں غور کریں اور ان کے دائیں بائیں، آگے پیچھے اور اوپر نیچے جو کائنات پھیلی ہوئی ہے اس پر تفکر کی نظر ڈالیں، جب وہ ایسا کریں گے تو انھیں صاف نظر آئے گا کہ یہ سب کچھ ایک علیم و حکیم اور رحمٰن و رحیم پروردگار کی قدرت و مشیت سے ہو رہا ہے اور وہی بلا شرکت احدے ہمارا "رب" اور "الٰہ" ہے وہ تمام عیوب و نقائص سے منزہ اور تمام صفات و کمال سے متصف ہے۔

دراصل اللہ تعالیٰ کی یہ صحیح معرفت اور اس کے متعلق یہ صحیح عقیدہ انسان کی اصل فطرت ہے، لیکن اکثر ایسا ہوا ہے اور اب بھی یہی ہو رہا ہے کہ بہت سے خارجی و داخلی اسباب اس فطرت کو مسخ کر دیتے ہیں اور انسان اپنے رب کو بھول جاتا ہے، یا اس کی ذات و صفات کے متعلق غلط فہمیوں میں مبتلا ہو کر گمراہ ہو جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ انسانوں کو اس تاریکی اور گمراہی سے نکالنے کے لئے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرماتا ہے، وہ خدا فراموش اور خدا ناشناس انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت کراتے ہیں اور ان کو بتلاتے ہیں کہ تم اپنی ہستی کو دیکھو اور خارجی کائنات پر غور کرو یہ سب چیزیں تمھیں سبق دیں گی کہ تمھارا ایک رب اور الٰہ ہے، اور اس کی عبادت و اطاعت تمھارا فریضہ ہے۔

(باقی)

آداب ملاقات

(از جناب مولانا محمد ایوب صاحب اصلاحی جامع العلوم کانپور)

اللہ تعالیٰ نے اور اسی کی تعلیم سے اسکے رسول برحق (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مسلمانوں کو ہمیشہ اتحاد و یگانگت، محبت و اخوت اور میل ملاپ سے رہنے کی جو سخت تاکید فرمائی ہیں اور افتراق و انشقاق کی لعنت سے بچتے رہنے کی جس قدر اہمیت کے ساتھ ہدایتیں دی ہیں وہ ہمارے ناظرین پر مخفی نہ ہوں گی۔ تاہم ذیل کی دو آیتوں اور دو حدیثوں سے اس کی یاد تازہ کر لی جائے

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ	مسلمان تو سب کے سب (آپس میں) بھائی بھائی ہیں
وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا (آل عمران)	اور اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوط پکڑو اور پھوٹ میں نہ پڑو۔ اور یاد کرو اللہ کا احسان جبکہ تم آپس میں دشمن تھے پھر اس نے تمہارے دلوں میں الفت اور یکجہتی ڈالدی اور تم اس کے فضل سے بھائی بھائی ہو گئے

حدیث میں اسی مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

المومن آلف مالوف لاخیر فیمن لا یالف ولا یولف وخیر الناس انفعهم للناس	مومن کی شان یہ ہے کہ وہ دوسروں کو عزیز رکھے اور لوگ اسے عزیز رکھیں اور جو نہ دوسروں کو محبوب رکھے اور نہ لوگوں کا محبوب ہو سکے اس میں کوئی خوبی نہیں اور سب سے بہتر وہ شخص ہے جو دوسروں کے لیے سب سے زیادہ سود مند ہو
مثل المومنین فی تراحمهم وتوادهم وتواصلهم کمثل الجسد اذا اشتکی عضو منه تداعی له سائر الجسد بالحمی والسهر	آپس کی ہمدردی، باہمی محبت اور یکجہتی کے اعتبار سے مسلمانوں کی مثال ایک جسم کی سی ہے، اگر جسم کا کوئی حصہ مبتلائے درد ہوتا ہے تو پورا جسم بخار اور بیداری کی وجہ سے بیقرار ہو جاتا ہے (اور اس کی تکلیف میں شریک ہو جاتا ہے)

یہ بھی ظاہر ہے کہ میل ملاپ اور تعلقات کے سلسلہ کی پہلی کڑی ملاقات ہے، اور خدانہ کردہ اگر اس

پہلی ہی منزل میں ناخوشگواری پیدا ہو جائے تو آیندہ معاملات کی استواری اور تعلقات کی خوشگواری کی امیدیں ختم ہو جاتی ہیں، اس لئے شریعت نے ملاقات کے اصول و آداب کے متعلق "ظلوم جہول" انسان کی رہنمائی ضروری سمجھی، اور اس بارہ میں نہایت زریں ہدایات دے کر بڑی تباہ کن غلطیوں سے بچانے کا سامان ہمارے لئے فراہم کر دیا اور ملاقات کے وہ اصول و آداب ہم کو تبلادیئے کہ اگر ہم پوری طرح انھیں برتیں تو ہماری ہر ملاقات، رشتۂ محبت کی مضبوطی اور معاملات و تعلقات کی استواری و خوشگواری ہی کا ذریعہ بنے۔ ورنہ یہی ملاقات (جو ازدیاد محبت کا سبب ہوتی ہے) بعض اوقات احباب کے درمیان بے لطفی اور تعلقات کی ناخوشگواری حتیٰ کہ کبھی کبھی قطع تعلق کا سبب بنجاتی ہے اگر اس کے آداب و اصول کی پوری پوری پابندی نہ کی جائے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی کے گھر میں بلا اجازت گھس جائے، یا اجازت لے کر اندر جائے، لیکن صاحب خانہ کے درپردہ حالات کا کنکھیوں سے یا کھڑکیوں اور دروازوں کے شگافوں سے جھانک کر جائزہ لینے کی کوشش کرے اور اس سے آنکھوں کی لذت لینا چاہے تو اس اخلاقی کمزوری کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ صاحب خانہ کے دل میں نفرت اور غصہ کے جذبات بھڑک اٹھیں گے اور پھر دونوں کے درمیان برابر خلش بڑھتی رہے گی جو اخوت اسلامی کے اس عام رشتہ کو کاٹ دے گی، جس کا ہر ایک فرد جماعت کے اندر رہنا ضروری ہے اور ملاقات کا اُلٹا نتیجہ نکل آئے گا۔ اسی طرح کی اور بہت سی بے اصولیاں ہیں جو افراد جماعت کے رشتۂ اتحاد پر قینچی چلادیتی ہیں اسی لیے ان تمام آداب کو ایک ایک کر کے قرآن نے بیان کر دیا ہے جن کی پابندی ملاقات کا حقیقی مقصد حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے۔ چنانچہ پہلا حکم یہ ہے کہ ملاقات کے لئے کسی کے گھر میں بغیر اجازت نہ جانا چاہئے۔ اور سب سے پہلے اہل خانہ کو سلام کرنا چاہیے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّىٰ يُؤْذَنَ لَكُمْ وَإِن قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا	اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا کسی دوسرے گھر میں داخل نہ ہو جبتک پوچھ نہ لو اور گھر والوں کو سلام نہ کر لو۔ یہ تمھارے لیے بہتر طریقہ ہے یہ حکم تمھیں اس لیے دیا گیا ہے کہ تم یاد رکھو اور اگر تم ان گھروں میں کسی کو نہ پاؤ تو ان میں نہ داخل ہو جبتک کہ تم کو اجازت نہ مل جائے اور اگر تم کو جواب ملے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ جاؤ تمھارے لئے یہ پاکیزہ طریقہ ہے

هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ○	اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔ تمھارے لئے
لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا	اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ تم اپنے گھروں میں داخل ہو
بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ	جو رہنے کے نہ ہوں اور ان میں تمھاری کوئی چیز ہو اور اللہ
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ○	جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو۔

ان آیات میں ملاقات کے اصول وحدود بیان کرکے نگاہ کی آوارگی اور ان بہت سی باطنی خرابیوں کے امکانات کا دروازہ بند کردیا گیا ہے جو بسا اوقات باہمی عداوت کا شاخسانہ کھڑا کردیتی ہیں۔ حکم ہوتا ہے کہ کوئی شخص اگر کسی سے ملنے جائے تو اس کے گھر میں بغیر اجازت لئے داخل نہ ہو بلکہ اس کا اخلاقی فرض یہ ہے کہ دروازہ پر سے پہلے اہل خانہ کو سلام کرے اور اندر جانے کی اجازت مانگے، اگر اجازت مل جائے تو اندر داخل ہو ورنہ اجازت نہ ملنے، یا گھر میں کسی کے موجود نہ ہونے کی صورت میں لوٹ جائے اور اجازت نہ ملنے کے باوجود وہاں رکنے اور اجازت کے لیے اصرار کرنے سے پرہیز کرے کیونکہ باطنی پاکیزگی، نیک نامی اور بلند اخلاقی کا تقاضا یہی ہے کہ اجازت نہ ملے تو ایک لمحہ بھی وہاں نہ ٹھیرے۔ آیات مذکورہ بالا کے ابتدائی اجزاء سامنے رکھئے تو معلوم ہوگا کہ یہ جو کچھ بیان کیا گیا وہ انھیں آیات کی شرح وتفسیر ہے۔

لیکن یہ حکم تو ان گھروں کے متعلق ہے جن میں کوئی خاندان رہتا سہتا ہو اور ان کی حیثیت پرائیویٹ اور سکونتی مکانات کی ہو، مگر جو مکانات عام ضروریات کے لیے بنائے گئے ہوں اور جن سے ہر شخص بوقت ضرورت فائدہ اٹھا سکتا ہو، مثلاً سرائیں ہیں کہ ان کے بنانے کا اصل مقصد ہی یہ ہے کہ مسافر وہاں رات گذار سکیں، اسی طرح تاجروں کے گھر اور بازاروں کی دکانیں ہیں کہ وہاں خرید وفروخت کا معاملہ کرنے والے ہر وقت آیا جایا کرتے ہیں۔ تو اس طرح کے تمام مکانات اس اجازت کی شرط اور حکم سے مستثنیٰ ہیں اور بلا اجازت ان کے اندر داخل ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں جیسا کہ آگے چل کر فرمایا گیا کہ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ الخ

یہ تو دوسروں کے گھروں میں داخل ہونے کے متعلق ہدایات تھیں، آئیے اب اس مقصد پر غور کیجیے جس کی بنا پر یہ ہدایات دی گئی ہیں اور دیکھئے کہ ان کی خلاف ورزی کن مفاسد کا پیش خیمہ ہوسکتی ہے۔

یہ کس کو معلوم نہیں کہ انسان کو اپنی گھریلو زندگی میں بہت سی ایسی حالتیں، ضرورتیں اور مصروفیتیں پیش آتی رہتی ہیں جن کو وہ اپنے خاص دوستوں، مصاحبوں اور قریبی رشتہ داروں سے بھی، حتیٰ کہ باپ بھائی اور لڑکوں سے بھی (اگر ان سے علیحدہ رہنے لگا ہو) مخفی رکھنا چاہتا ہے پس ایسی صورت میں اگر کوئی شخص اس کے گھر میں اچانک اور بلا اطلاع و اجازت داخل ہو جائے تو لامحالہ وہ اس کے ان ذاتی اور خانگی معاملوں اور بھیدوں سے باخبر ہو جائے گا جن کو وہ چھپانا چاہتا ہے اور پھر اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ دلوں میں نفرت جگہ پائے گی، بدگمانیاں پیدا ہو جائیں گی تعلقات خراب ہو جائیں گے، خانہ بربادی ہوگی، تمدنی، معاشرتی اور دینی رشتہ اخوت تار تار ہو جائے گا اور اسی طرح کے اور بہت سے تباہ کن حالات پیش آئیں گے۔

اس قدغن کا دوسرا سبب اور اہم سبب عورتوں کا معاملہ ہے۔ اگر گھروں کے اندر عورتوں کے پاس کسی کے آنے جانے پر روک ٹوک نہ کی جائے تو بڑا اندیشہ ہے کہ عورتیں اکثر ایسی چیزیں چھپا نہ سکیں گی جو اعزہ پر بھی ظاہر کرنے کی نہیں ہوتیں چہ جائیکہ غیروں پر، پس جب کوئی شخص بغیر اجازت گھر میں آجائے گا تو مستورات کی پردہ کی چیزیں مخفی نہ رہ سکیں گی جس کو کوئی غیرت مند انسان ایک لمحہ کے لیے بھی گوارا نہیں کر سکتا

یہ ایک عام اور مسلم اصول ہے کہ غیر کی ملک میں تصرف جائز نہیں جبتک کہ اس کے مالک کی اجازت نہ ہو، سو بغیر اجازت کسی کے گھر میں داخل ہونا بھی ملک غیر میں تصرف بیجا کے ہم معنی ہے، اسی لئے شریعت نے اس کو ممنوع قرار دیا ہے۔

انھیں خطرات اور مفاسد کی بنا پر شارع حکیم نے گھروں میں داخل ہونے کے لئے اہل خانہ سے اجازت لینے کی تاکید کی ہے اور بغیر اجازت اندر جانے کی سخت ممانعت کی ہے تاکہ مذکورہ بالا مفاسد کے جتنے امکانات ہو سکتے ہیں سب کے دروازے بند رہیں۔

یہاں یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ اجازت لینے کا طریقہ کیا ہے؟ سو جب کوئی شخص اذن طلب کرے تو اس کو چاہیئے کہ اپنے آپ کو اہل خانہ سے پوری طرح روشناس کرادے۔ یہ ایک عام رواج پھیل گئی ہے کہ جب کوئی اجازت طلب کرتا ہے اور اہل خانہ دریافت کرتے ہیں کہ "آپ کون ہیں؟" تو جواب ملتا ہے "میں" طلب اذن کا یہ طریقہ بہت غلط اور تہذیب اسلامی کے خلاف ہے، صحیح طریقہ یہ ہے کہ نام بتا کر

اپنا پورا تعارف کرادے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضؓ فرماتے ہیں کہ:۔

"ایک بار میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گھر میں جانے کے لئے اذن طلب کیا۔ آپ نے دریافت فرمایا کون ہے؟ میں نے عرض کیا "میں" آپ نے اس سے ناگوار خاطر ہو کر فرمایا "میں! میں!!"

اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ طالب اجازت کو چاہیئے کہ اہل خانہ کو اپنے پورے نام اور پتے سے مطلع کرے تاکہ وہ اچھی طرح واقف ہو کر اور موقع کے لحاظ سے اجازت دینے اور ملاقات کرنے یا اجازت نہ دینے اور واپس کر دینے کے متعلق جو مناسب سمجھے جواب دے سکے۔

ملاقات کا دوسرا حکم اور اصول یہ ہے کہ گھروں میں داخل ہوتے وقت سلام کرنا چاہیئے۔ خواہ اپنا گھر ہو یا دوسرے کا بہر حال انسان کا اخلاقی فرض یہی ہے کہ اندر جانے سے پہلے سلام کرلے۔

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ	جب تم گھروں میں جانے لگا کرو تو اپنے لوگوں کو سلام
تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً	کرلیا کرو جو خدا کی طرف سے دعائے خیر (کے طور پر مقرر) ہے
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ	برکت والی بہتری ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے اپنے احکام کھول
لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (سورہ نور)	کر بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھو (اور عمل کرو)

یعنی پاکیزہ اخلاق کا تقاضا یہی ہے کہ جب کوئی شخص اپنے یا دوسرے کے گھر میں جانے لگے تو گھر والوں کو ضرور سلام کرلے، اپنا گھر ہو تو صرف سلام کرے اور دوسرے کا گھر ہو تو سلام کرنے کے ساتھ اجازت بھی طلب کرے جیسا کہ اس سے پہلے بیان کیا جا چکا۔ اس آیت کے عموم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف سکونتی مکانوں میں بلکہ غیر سکونتی اور خالی گھروں میں بھی جاتے وقت سلام کرلینا چاہئے، البتہ مکان کے خالی یا آباد ہونے کے اعتبار سے الفاظ سلام میں فرق ہوگا، چنانچہ جس گھر میں لوگ رہتے سہتے ہوں وہاں السلام علیکم کہنا، اور خالی گھروں میں داخل ہوتے وقت السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین کہنا چاہئے۔

خالی گھروں کے حکم میں مساجد بھی ہیں اسلئے مسجدوں میں بھی داخل ہوتے وقت انھیں الفاظ میں سلام کرلینا چاہیئے۔

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ الخ کے الفاظ کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ تم جس گھر میں بھی جانے لگو، خواہ تمھارا ہو یا دوسرے کا، تو پہلے گھر والوں کو، جو بمنزلہ تمھاری ذات کے ہیں، سلام کرلو۔ اور

اگر علی انفسکم کا ظاہری مفہوم اختیار کیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ تم اپنے آپ کو سلام کر لیا کرو اور اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی بھیج لیا کرو جو بڑی خیر و برکت کا باعث اور سعادت کا سرچشمہ ہے۔

طلب اذن کا یہ حکم عام ہے یعنی ہر شخص کو دوسروں کے مکان میں داخل ہونے کے لئے اجازت حاصل کر لینا ضروری ہے، لیکن بعض افراد ایسے بھی ہیں جن پر اس حکم کی یہ تمام قیود و حدود عائد نہیں ہوتیں اور بعض مجبوریوں اور ضرورتوں کی بنا پر ان کے بارے میں اسلام نے اس حکم کو خاص اوقات کے ساتھ مقید کر دیا ہے۔ ان لوگوں میں غلام، لونڈیاں اور نابالغ بچے شامل ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِیْنَ مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ وَالَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِیْنَ تَضَعُوْنَ ثِیَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِیْرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ لَیْسَ عَلَیْكُمْ وَلَا عَلَیْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ طَوّٰفُوْنَ عَلَیْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْیَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

(سورہ نور)

اے ایمان والو! تمہارے مملوکوں اور تم میں سے ان لوگوں کو جو سن بلوغ کو نہیں پہنچے تین وقتوں میں (تمہارے پاس آنے کیلئے) اجازت لینا چاہیے، نماز صبح سے پہلے، اور جب تم سونے اور لیٹنے کیلئے) دوپہر کو اپنے کپڑے اتار دیا کرتے ہو اور نماز عشاء کے بعد۔ یہ تین وقت تمہارے پردے کے ہیں ان کے علاوہ (دیگر اوقات میں بغیر اذن آنے دینے میں) نہ تمہارے لئے کوئی حرج ہے اور نہ ان کے لئے کوئی گناہ ہے (کیونکہ) وہ بکثرت تمہارے پاس چکر لگاتے رہتے ہیں (اور تم میں سے ایک کو دوسرے کے پاس آنے جانے کی ضرورت لگی ہی رہتی ہے) اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے اور علیم و حکیم ہے اور جب تمہارے لڑکے حد بلوغ کو پہونچیں تو وہ بھی (اندر آنے کے لیے ہر وقت) اجازت لیں جیسا کہ ان سے اگلے لوگ (یعنی ان سے عمر میں بڑے لوگ) اجازت لیتے ہیں

ان آیتوں میں مسلمانوں کو یہ بتایا گیا ہے کہ غلاموں، لونڈیوں اور نابالغ لڑکوں پر ان کے مکانوں میں جانے کے لئے صرف تین وقتوں میں اجازت طلب کرنا ضروری ہے اور دیگر اوقات میں ان پر سے یہ پابندی اٹھا دی گئی ہے۔

(۱) پہلا وقت نماز صبح سے پہلے کا وقت ہے، کیونکہ عموماً یہ ایسا وقت ہوتا ہے جب لوگ غفلت کی نیند سوتے ہوتے ہیں اور عالم خواب میں اکثر ان کی حالت ایسی رہتی ہے جو ہر شخص سے پردہ چاہتی ہے۔ اور جس کا دوسروں کے سامنے اظہار ناپسندیدہ ہے، پس اگر ایسے وقت میں کوئی بلا اجازت اندر آجائے تو ناقابل اظہار حالات پر اس کی نگاہ ضرور پڑ جائے گی، اس لیے اس وقت اپنے خاص خادموں اور چھوٹے بچوں کو بھی اذن لینا ضروری ہے۔ آج کل اس حکم سے عام طور پر غفلت کی جاتی ہے ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے خاندانوں اور دولتمند لوگوں کے یہاں خدام اپنے آقاؤں کی خلوت گاہوں میں ہر وقت آتے جاتے رہتے ہیں اور وہ اس بے حجابی کی پروا اس لئے نہیں کرتے کہ ان کی روک ٹوک نہیں کی جاتی، حالانکہ اس وقت اجازت لینے کی سخت تاکید کی گئی ہے، کیونکہ اس کی خلاف ورزی کے نتائج بہت خطرناک ہیں۔ کون مہذب اور بلند اخلاق انسان اس کو پسند کر سکتا ہے کہ اس کے پردے کے حالات غیروں کے سامنے ظاہر ہو جائیں؟ اور پھر ظاہر ہو جانے کے بعد کوئی فتنہ اٹھ کھڑا ہو جس کا قوی امکان ہے؟۔

(۲) دوسرا وقت، دوپہر بعد، قیلولہ کا ہے، جبکہ انسان گرمی کی شدت سے بے چین ہو کر اپنے کپڑے اُتار دیتا ہے، اس وقت بھی بغیر اجازت کسی کے پاس جانے میں قریب قریب وہی تمام برائیاں اور اندیشے ہیں جو آخر شب میں ہو سکتے ہیں، اور اس وقت عموماً اہل خانہ جس حالت میں ہوتے ہیں اس پر دوسروں کی نگاہ کا پڑنا سخت نازیبا ہے۔

(۳) تیسرا وقت عشاء کے بعد کا ہے جبکہ لوگ دن کا لباس اتار کر شب خوابی کے لباس پہن لیتے ہیں جن میں جسم کے بہت سے اعضاء کھلے ہوتے ہیں۔

یہ تین اوقات ہیں جن میں شارع نے غلاموں اور نابالغ لڑکوں کو بھی حکم دیا ہے کہ غلام اپنے آقاؤں کے پاس اور لڑکے اپنے والدین کے پاس اجازت حاصل کئے بغیر نہ آئیں۔ اس ممانعت کا سبب بھی بیان کر دیا گیا ہے کہ یہ اوقات پردہ کے اور قابل ستر ہیں "ثلاث عورات لکم"

قرآن عظیم نے ان اوقات میں اجازت لینے کی ہدایات دینے کے بعد اس امر کی تصریح فرما دی ہے کہ ان اوقات کے علاوہ باقی دوسرے اوقات میں نوکر اور لڑکے بغیر اجازت اندر آئیں جائیں تو ایسا کرنے میں ان پر کوئی الزام نہیں، نہ ہی اہل خانہ پر اس بے اجازت آمد و رفت کو روا رکھنے میں

کوئی الزام عائد ہوتا ہے۔ لیس علیکم ولا علیھم جناح بعدھن طوافون علیکم یعنی کوئی مضائقہ نہیں اگر خدام یا چھوٹے لڑکے ان اوقات کے علاوہ دوسرے اوقات میں اندر آزادانہ آئیں جائیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان دونوں طبقوں کے بارے میں اس رخصت کی وجہ بھی بیان کردی ہے کہ ضروریات کی انجام دہی کے لئے ہر وقت کے آنے جانے میں بار بار اجازت طلب کرنا اور اجازت دینا مصیبت کا سودا اور زحمت کا باعث ہے اس لئے شارع حکیم نے بعض خاص اوقات کے سوا ان کے لئے اجازت ضروری نہیں قرار دی، اور اگر ہر وقت کی اس آمد رفت میں ان کی نگاہیں ناگہانی طور پر ان چیزوں پر بھی کبھی پڑ جائیں گی جو اہل خانہ کے پردہ کی ہوں، تو ہر وقت کی خانگی اور داخلی معاملات میں ان کی ناگزیر احتیاج کی وجہ سے ان پر کوئی گرفت نہیں ہوگی، بخلاف دوسروں کے کہ خانگی معاملات میں سرے سے ان کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔

نابالغ لڑکوں کے متعلق تو یہ حکم تھا، رہے بالغ لڑکے، سو ان کے لئے آیت واذا بلغ الاطفال منکم الحلم فلیستأذنوا کما استاذن الذین من قبلھم میں ہدایت ہے کہ جب تمہارے وہ لڑکے سن بلوغ کو پہونچ جائیں جن کو بچپن میں صرف پردہ کے تین مخصوص اوقات ہی میں اجازت لینے کی ضرورت تھی، تو ان کو چاہیئے کہ اب اپنے والدین کے پاس آنے کے لئے ہر وقت اجازت لے لیا کریں۔

اللہ تعالیٰ نے اخلاق و تہذیب کے یہ تمام احکام و اصول انسانی مصالح کو پیش نظر رکھکر بیان کئے ہیں۔ فطرت انسانی کا اس سے بہتر اندازہ داں اور کون ہو سکتا ہے واللہ علیم حکیم خدا ہی انسانی ضروریات کو بہتر جانتا اور اس کی حقیقی اور کونین میں کام آنے والی فلاح و بہبود کو پہچانتا ہے

مسلمانوں کی اصلی طاقت

اور اس کے

عروج وزوال کے حقیقی اسباب

از

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

استاذ تفسیر دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مطبوعہ:۔ بریلی الیکٹرک پریس بریلی — ناشر:۔ ناظم مکتبہ الفرقان لکھنؤ

قیمت چھ آنے صرف

پیش لفظ

از محمد منظور نعمانی

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

گزشتہ ایک ڈیڑھ سال سے ہمارے ملک ہندوستان میں جو سیاسی تبدیلیاں ہوئی ہیں اور مستقبل قریب میں ہونے والی ان سے بہت بڑی جن تبدیلیوں کی تیاریاں اس وقت ہو رہی ہیں اور اس ملک کے مسلمانوں پر ان کے جو اثرات پڑتے نظر آ رہے ہیں انھوں نے یہاں کے مسلمانوں میں ایک ہیجان اور بحرانی سی کیفیت پیدا کر دی ہے اور قریب قریب ہر خطہ کے مسلمان عزت و قوت کا مقام حاصل کرنے اور اپنے مستقبل کو محفوظ اور خوشگوار بنانے کے لئے بے تاب ہیں ——— لیکن یہ دیکھ کر بڑا افسوس اور قلق ہوتا ہے کہ ہمارے وہ زعماء اور قائدین جن کے ہاتھوں میں اس وقت قوم کی باگیں ہیں وہ مسلمانوں کی طاقت و قوت کے اصل سرچشمہ اور ان کے جداگانہ راز حیات سے بالکل بے خبر ہیں۔ اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول نے (صلی اللہ علیہ وسلم) مسلمانوں کو طاقت و قوت کے ایک خاص خزانہ اور سرچشمہ کا پتہ دیا تھا اور اس تک پہنچنے کا راستہ بھی بتا دیا تھا مگر افسوس مسلمانوں نے (خصوصاً اپنے اجتماعی معاملات میں) اللہ و رسول کی ہدایات سے رہنمائی حاصل کرنے کا دستور ہی چھوڑ دیا اور دنیا کی خدا ناشناس اور مادہ پرست قوموں کی پس روی اختیار کر لی۔ اسی ناشکری اور گمراہی کی سزا ہے جو صدیوں سے کفر کے غلبہ کی شکل میں ہم پر مسلط ہے ——— طاقت و قوت کا وہ خزانہ اور سرچشمہ ہے "سب پر غالب اور سب کے مالک حاکم اللہ تعالیٰ کی خاص مدد" کسی قوم کو جب یہ حاصل ہو جائے تو پھر اس کی کامیابی کا انحصار تعداد کی کثرت اور ساز و سامان کی بہتات اور مادی وسائل میں برتری پر نہیں رہتا بلکہ پھر غیبی قوتوں کی مدد سے بہت تھوڑی تعداد بڑی بڑی فوجوں کے مقابلہ میں اور مٹھی بھر بے سر و سامان انسان بڑی بڑی مسلح طاقتوں کے مقابلہ میں کامیاب کر دئے جاتے ہیں (کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ)۔ اللہ تعالیٰ کی یہ خاص غیبی تائید اور مدد حاصل کرنے کی شرط ہے۔ دین سے کامل وابستگی یعنی ایمان و اسلام والی زندگی اور دین ہی کو مقصد حیات بنا لینا جب تک مسلمانوں نے اس شرط کو پورا کیا انھیں غیبی تائید و نصرت حاصل رہی اور جب سے انھوں نے اس راہ کو چھوڑا وہ اس سے محروم کر دئے گئے ——— مقالہ ہٰذا میں مسلمانوں کے عروج و زوال کے اس راز کو تاریخی شہادت کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے ———

مسلمانوں کی اصلی طاقت

اور اس کے عروج و زوال کے حقیقی اسباب

کچھ مدت سے مسلمانوں پر خود فراموشی اور مایوسی کی جو کیفیت طاری ہے اور جو روز بروز بڑھتی جا رہی ہے اور اس کے ہولناک نتائج آنکھوں سے نظر آنے لگے ہیں، اس کا شدید تقاضا ہے کہ ایسے مضامین رسائل کثرت سے شائع کئے جائیں جو مسلمانوں کو ان کی اصلی طاقت سے واقف کریں جو دنیا میں ایک بار مادی سازوسامان کی مدد کے بغیر ناموافق ترین فضا اور حالات میں انقلاب عظیم برپا کر چکی ہے، اور دنیا کی عظیم ترین مادی طاقتوں اور عددی کثرتوں کو شکست دے چکی ہے پھر اس کے زوال سے ان میں جو ذلت و خواری، شکست خوردگی و بے اعتمادی پیدا ہو گئی تھی اس کی تصویر بھی پیش کریں اور ان کو ان کی صحیح سیرت و صفات اور اس دعوت کی طاقت سے باخبر کریں جو اب بھی دنیا کی سب سے بڑی طاقت کا سرچشمہ ہے اور جس سے اب بھی خارق عادت واقعات کا ظہور ہو سکتا ہے۔

خوش قسمتی سے ہمیں رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی حسنی کے ایک عربی مقالہ کا اردو ترجمہ مل گیا جو انکے ایک شاگرد مولوی علی احمد صاحب ندوی نے کیا ہے، اس مضمون میں مولانا نے اس خاص نقطۂ نظر سے مسلمانوں کی تاریخ کا جائزہ لیا ہے اور اس سلسلہ میں ایسے موثر واقعات اور تاریخی شہادتوں کو جمع کر دیا ہے کہ وہ مسلمانوں کے لئے عبرت و بصیرت کا ایک مرقع بن گیا ہے اور تاریخ کے سیکڑوں صفحات کا عطر چند اوراق میں کھنچکر آ گیا ہے۔

فاضل مقالہ نگار اور لائق مترجم کے شکریہ کے ساتھ ہم اس مضمون کو شائع کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ اسکی اشاعت ان خاص حالات میں انشاء اللہ بہت مفید و موثر ہو گی۔

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

اسلام سے پہلے عرب ایک وحشی اور غیر متمدن قوم تھے۔ تہذیب و تمدن سے ناآشنا علم و ہنر سے بیگانہ، اخلاق و ادب سے دور، دنیا سے بالکل الگ نہایت گمنام اور پست زندگی گذار رہے تھے جہذب

اور ترقی یافتہ ممالک سے ان کو تین طرف سے سمندروں نے اور ایک جانب سے صحرانے علیحدہ کر دیا تھا ان کے انحطاط و پراگندگی اور ضعف و گمنامی کا یہ عالم تھا کہ وہ کبھی اپنے ہمسایہ ممالک سے لڑنے کا خیال بھی نہ کر سکتے تھے انھوں نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھا تھا کہ وہ اپنی ہمسایہ حکومتوں سے جنگ کریں گے اور اُن پر فتح پائیں گے۔ اس کے برعکس ایران اور روم کو اس وقت دنیا کی آفاقی حاصل تھی مشرق و مغرب کی زمام قیادت ان کے ہاتھ میں تھی۔ ان کی حدود مملکت عرب کو اس طرح گھیرے ہوئے تھیں جس طرح کلائی کو کنگن، عرب پر انھوں نے کبھی عام فوج کشی کا ارادہ اس لئے نہ کیا کہ عرب کے راستے نہایت ناہموار اور خراب تھے اور عرب کوئی ایسا زرخیز اور دولتمند ملک نہ تھا جس کے لئے وہ اپنی فوجوں کو زحمت دیتے اور اپنا ساز و سامان برباد کرتے، انھوں نے جزیرہ عرب پر صرف اپنے سیاسی تسلط کو کافی سمجھا اور جا بجا سرحدوں پر نگرانی کے لئے چند چوکیاں قائم کر دیں۔

یہ تھا اُس قوم کا حال جو بہت جلد دنیا کی تاریخ میں ایک عجیب و غریب باب کا اضافہ کرنے والی تھی یہ قوم غیر متمدن تھی، قدرت نے اسے بڑی صلاحیتیں عطا کی تھیں، لیکن یہ سب صلاحیتیں بیکار اور رائیگاں تھیں، کوئی ان سے کام لینے والا نہ تھا، عراق، شام اور مصر کے بازاروں میں جب یہ لوگ جاتے تھے تو لوگ انھیں نگاہ اُٹھا کر بھی نہ دیکھتے تھے اور نہ انھیں کسی شمار میں سمجھتے تھے، ان کے حالات سے انھیں صرف اتنی دلچسپی تھی جتنی شہریوں کو عام طور پر دیہاتیوں سے ہوتی ہے، جن کا لباس، جن کی ہیئت اور جن کی بول چال شہر والوں کے لئے ایک خاص قسم کی تعجب آمیز توجہ کا باعث یا تفریح و دلچسپی کا سامان ہوتی ہے اور وہ انھیں اس طرح دیکھتے ہیں گویا وہ کوئی عجیب چیز دیکھ رہے ہیں۔ اگر کبھی عربوں کا ذکر آتا اور ان کا نام لیا جاتا تو صرف ان کی چرب زبانی ان کی فصاحت و بلاغت، ان کی شجاعت ان کے گھوڑوں کی عمدگی اور وفاداری وغیرہ انھی چند باتوں کا ذکر ہوتا جو عام طور پر غیر متمدن قوموں کی خصوصیات ہیں۔

یہ معلوم کرنے کے لئے کہ اسلام سے پہلے دنیا کے نزدیک عربوں کی کیا حیثیت تھی؟ اور مشرق و شمال میں ان کے ہمسایہ ممالک انھیں کس نظر سے دیکھتے تھے؟ ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ اُس زمانہ میں اہل علم و بصیرت ان کے متعلق کیا رائے رکھتے تھے؟ ذیل میں چند رائیں ملاحظہ ہوں، خود عربوں نے بھی ان رایوں سے اتفاق کیا ہے بلکہ ان پر اضافہ کیا ہے۔ اس قسم کی جو رائیں تاریخ میں محفوظ ہیں ان میں سے ایک

رائے ایران کے شہنشاہ یزدگرد کی ہے۔

ابن کثیر دمشقی اپنی کتاب "البدایہ والنہایہ" میں یزدگرد کے دربار میں مسلمان قاصدوں کی گفتگو نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"یزدگرد نے سلسلہ کلام شروع کرتے ہوئے کہا۔ " جہاں تک مجھے معلوم ہے تم دنیا میں سب سے زیادہ زبوں حال تھے، تمہاری تعداد بھی بہت تھوڑی تھی، اور آپس کی خانہ جنگی اور باہمی اختلاف و افتراق میں بھی تم آپ ہی اپنی نظیر تھے، بوقت ضرورت ہم تمہاری سرکوبی کے لئے صرف قرب وجوار کے دیہاتوں کو حکم دیتے تھے، اور وہی تمہارے لئے کافی ہوتے تھے، ہمیں کبھی تمہارے لئے اپنی فوج بھیجنے کی ضرورت نہیں پڑی، اب بھی ایران تم سے جنگ نہ کرے گا، اور نہ اس خیال میں رہو کہ تم اس کا مقابلہ کر سکو گے اگر تمہاری تعداد اب کچھ زیادہ بھی ہو گئی ہے تو تمہیں مغرور نہ ہونا چاہیئے، کیونکہ ہمارے لئے تم اب بھی تھوڑے ہو، اور اگر تم بھوک اور فاقہ کشی سے پریشان ہو کر آئے ہو تو ہم تمہارے لئے راشن مقرر کر دیں تا آنکہ تمہارے حالات درست ہو جائیں اس صورت میں تم اعزاز و اکرام کے ساتھ واپس جاؤ گے اور تمہارے اوپر ہم ایسے شخص کو حاکم مقرر کر دیں گے جو تمہارے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرے"

مسلمانوں کے سفیر اور نمائندہ، مغیرہ بن شعبہؓ نے اس کے جواب میں کہا

" اے بادشاہ تو نے یہ جو کچھ ہمارے متعلق بیان کیا، واقعہ یہ ہے کہ ہماری قوم کی برائیوں کا تجھ کو پورا پتہ نہیں، ورنہ ہماری حالت تو اس سے بھی زیادہ گری ہوئی تھی، دنیا میں کوئی بھی قوم اتنے برے حال میں نہ ہو گی، ہم میں فقر و فاقہ اور افلاس اس حد کو پہنچ چکا تھا کہ زمین کے کیڑے کوڑے اور سانپ بچھو تک ہم کھا لیتے تھے، اور ان چیزوں کو اپنی غذا سمجھتے تھے، اللہ کی بچھائی ہوئی زمین ہی ہمارا بیدائشی گھر تھا، اور اونٹ یا بھیڑ بکریوں کی کھال سے جو کپڑا ہم بنا لیتے تھے وہی ہمارا لباس تھا، ایک دوسرے کو قتل کر ڈالنا ہمارا دستور تھا اور زبردستوں کا زیردستوں کو ستانا اور زورداروں کا کمزوروں کو دبانا ہمارا طریقہ تھا، ہم میں سے بعض لوگ اپنی لڑکیوں کو اس خوف سے کہ انہیں کھلانا پلانا پڑیگا زندہ دفن کر دیا کرتے تھے، بیشک اب سے پہلے ہمارا یہی حال تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندہ کو رسول بنا کر ہماری طرف بھیجا۔ الخ[لہ]

لہ۔ البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۴۲۔

نیز اسی کتاب میں ہے۔

"ایرانی سردار نے مسلمانوں میں سے ایک شخص کو گفتگو کرنے کے لئے بلایا مسلمانوں کی طرف سے مغیرہ بن شعبہؓ گئے۔ ایرانی دربار بہت قیمتی ساز و سامان سے سجایا گیا تھا ایرانی سردار بڑی شان و شوکت سے تخت پر بیٹھا تھا اس نے بڑے حقارت آمیز طریقہ سے عربوں کا ذکر کیا ان کی فاقہ کشی بدنظمی اور پراگندگی کا ذکر کرنے کے بعد اس نے کہا "ہمارے سردار تمہاری لاشوں کی بدبو سے ڈرتے ہیں، ورنہ یہ آنا فاناً تم کو تکا بوٹی کر دالیں تاہم اب بھی اگر تم واپس چلے جاؤ تو ہم تم سے کوئی تعرض نہ کریں گے اور اگر تم ضد کرو گے تو ہم تمہیں گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیں گے۔"

مغیرہ بن شعبہؓ نے کلمہ شہادت اور حمد و ثنا کے بعد کہا "بے شک ہم اس سے بھی زیادہ بُرے تھے جتنا تو نے بیان کیا لیکن اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول کو بھیجا الخ"[۱]

نیز اسی کتاب میں یہ بھی ہے۔

"ولید بن مسلم کا بیان ہے کہ ماہان نے خالد رضی اللہ عنہ کو دونوں صفوں کے درمیان سے صلح کی گفتگو کرنے کے لئے بلایا اور ان سے کہا "ہم جانتے ہیں کہ صرف بھوک اور پریشان حالی تم لوگوں کو یہاں لائی ہے، پس تم میں سے ہر شخص کو ہم دس دینار اور خوراک و پوشاک دیتے ہیں تم اپنے ملک واپس چلے جاؤ آئندہ سال ہم پھر تمہیں اتنی ہی رقم بھیج دیں گے"[۲]"

ان تاریخی شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رومیوں اور ایرانیوں کے نزدیک عربوں کی کیا حیثیت تھی۔؟ ان کی نظروں میں عرب کس درجہ حقیر و ذلیل تھے۔ دراصل رومی اور ایرانی عربوں سے ان کا ہی اپنی توہین سمجھتے تھے۔ انھیں تعجب تھا کہ یہ غیر منظم اور پراگندہ قوم جس کے پاس نہ کوئی نظام تھا نہ قوت ان کے مقابلہ پر آ کیسے گئی۔؟۔ ان سے بھی بڑی شہادت یہ ہے کہ کسریٰ کے پاس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک پہونچا تو اس نے نہایت تحقیر کے ساتھ اس کو پھاڑ ڈالا اور کہا کہ میرا غلام ہو کر مجھے اس طرح مخاطب کرتا ہے، پھر اس نے باذام کو جو یمن میں اس کا نائب تھا لکھ بھیجا کہ اپنے پاس سے دو طاقتور آدمی اس شخص کی طرف بھیج دو

---

[۱] البدایہ والنہایہ جلد ۷، صفحہ ۱۰۹ [۲] ایضاً جلد ۷، صفحہ ۱۱

جو اسے پکڑ کر میرے پاس لے آئیں، کہتے ہیں کہ باذام نے اپنے قہرمان کو جو اس کا کاتب اور حساب داں تھا اور فارس کے ایک دوسرے شخص کو جس کا نام خرخرہ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا اور حکم لکھا کہ وہ ان دونوں کے ساتھ کسریٰ کے پاس چلے جائیں۔

اگرچہ کسریٰ اپنی اس کارروائی میں کامیاب نہ ہو سکا اور اس کی سلطنت ہی تباہ ہو گئی لیکن اس واقعہ سے جہاں کسریٰ کی نادانی اور اس کی خفیف الحرکتی کا پتہ چلتا ہے۔ وہیں یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ شاہان فارس عربوں کو کسقدر حقیر اور کم حیثیت سمجھتے تھے۔ بہرحال یہ تھی اسلام سے پہلے عربوں کی حالت اور یہ تھا دنیا کی نظروں میں عربوں کا مقام۔

یکایک ہوا کا رخ پلٹا حالات میں انقلاب ہوا، حیرت انگیز اور بے نظیر انقلاب حقیقتیں بدل گئیں، تمام سابق تجربات غلط ثابت ہوئے، عقل حیران رہ گئی، جب یہ عرب اپنے صحرا سے نکلے فتح و نصرت نے ہر جگہ ان کا استقبال کیا، کامیابی نے ان کے قدم چومے، گردنیں ان کے سامنے جھک گئیں اور بڑی بڑی سرکش طاقتوں نے ان کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔

عربوں کا یہ سیلاب ۱۱ھ (مطابق ۶۳۲ء) میں اسلام کے دارالسلطنت مدینہ سے نکلا اور ہر اس چیز کو بہالے گیا جو اس کے راستہ میں پڑ گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس سیلاب نے میدانوں اور پہاڑوں کو اپنے آغوش میں لے لیا، ایران روم اور مصر کی افواج قاہرہ جن کی تعداد لاکھوں تک پہونچتی تھی، جو ہر قسم کے ہتھیاروں سے مسلح اور کیل کانٹے سے درست تھیں، جن کی تجربہ کاری اور حربی مہارت مسلم تھی، جن کی یلغار سے زمین میں بھی زلزلہ آجاتا تھا اس سیلاب کو نہ روک سکیں اور نہ اس کا رخ بدل سکیں بلکہ خس و خاشاک کی طرح بہ گئیں، یہاں تک کہ یہ سیلاب بڑھتا ہوا شام اور فلسطین کے سبزہ زاروں میں، عراق اور فارس کے میدانوں میں، مصر اور مغرب اقصیٰ کی دیواروں اور ہمالیہ کی وادیوں تک پہونچ گیا۔

یہ سیلاب اپنے ساتھ ہزاروں سال پرانی تہذیبوں کو بہالے گیا، بڑی بڑی منظم اور طاقتور سلطنتیں زیر و زبر ہو گئیں، صاحب اقتدار اور پرشوکت قومیں تباہ و برباد ہو گئیں اور تاریخ میں صرف ان کا نام باقی رہ گیا "وَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ" (اور ہم نے ان کو "کہانی" بنا دیا اور ان کو بری طرح ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔)

یہی عرب پہلے ایرانیوں کی صورتوں سے خائف رہتے تھے[1] اور اپنے گھروں میں بیٹھ کر بھی ان سے ڈرا کرتے تھے، لیکن اس مرتبہ ان میں غیر معمولی جرأت پیدا ہوگئی تھی، ایرانی اور رومی ان کی نظروں میں حقیر ہوگئے، وہ اپنے جزیرہ سے نکلے، ایرانیوں اور رومیوں سے ٹکر لی، ان کے گھروں میں گھس کر ان سے جنگ کی، ان کے میدانوں میں وندانہ گھستے چلے گئے، اور بہت جلد ان کی منظم اور دل بادل فوجوں کو منتشر کردیا، ان کے تخت و تاج چھین لئے، ان کے خزانوں پر قبضہ کرلیا، ان کی ساری دولت اور ان کے بادشاہوں کی میراث آپس میں تقسیم کرلی، ان کی اولاد کو قید کرلیا، ان کی شان و شوکت خاک میں ملا دی ان کی ردائے عظمت کو اس طرح پارہ پارہ کیا کہ اس میں پھر کبھی پیوند نہ لگ سکا "کسریٰ ہلاک ہوا اور اس کے بعد پھر کوئی کسریٰ نہ ہوا، قیصر مٹ گیا اور اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوسکا" وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا (اور ہم نے ان لوگوں کو وارث بنایا جو کمزور سمجھے جاتے تھے زمین کے مشرقی اور مغربی حصوں کا جس میں ہم نے برکت دی)

یہ عرب جنھوں نے آناً فاناً دو عظیم الشان سلطنتوں کو زیر و زبر کردیا اپنے جزیرہ سے اس طرح نکلے تھے کہ ان کے کپڑے خستہ اور پیوند لگے ہوئے تھے، ان کے جوتے پھٹے اور پرانے تھے، ان کے پاس ایسی تلواریں تھیں جن کے نیام بوسیدہ اور پرتلے شکستہ تھے، ان کے بعض گھوڑوں کو زین بھی نصیب نہ تھا۔ اور وہ ننگی پیٹھ تھے، تہذیب و تمدن سے ان کی ناآشنائی کا یہ حال تھا کہ وہ کافور کو نمک سمجھتے تھے اور بہتوں نے اسے نمک کے بجائے آٹے میں استعمال[2] بھی کیا۔ لیکن دیکھتے ہی دیکھتے یہ لوگ دنیا کے حاکم ہوگئے اور ان قوموں کو اپنے زیر اقتدار کرلیا۔ جو تہذیب و تمدن اور علم و فن میں دنیا کی امام تھیں، اونٹوں اور بکریوں

---

[1] تاریخ طبری میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے ایران فتح کرنے کا ارادہ کیا تو لوگ خائف و حیران تھے کہ وہ کیونکر ایرانیوں سے جنگ کریں گے، کیونکہ ایرانیوں کی صورت ہی ان کے لئے نہایت ہیبت ناک تھی۔ اور ان کی شان و شوکت اور ان کے غلبہ و قوت سے وہ نہایت درجہ مرعوب رہتے تھے ۱۲۔ طبری جلد ۴ صفحہ ۶۱۔

[2] ابن کثیر کا بیان ہے کہ مسلمان گھروں میں گھستے تھے انھیں پوری پوری کوٹھری سونے چاندی کے برتنوں سے بھری ہوئی ملتی تھی، کافور کی بہت بڑی مقدار انھیں دستیاب ہوئی لیکن انھوں نے اسکو نمک سمجھا اور بعضوں نے نمک کے بجائے آٹے میں استعمال بھی کیا، جب وہ کڑوا معلوم ہوا تو انھیں اس کی حقیقت معلوم ہوئی۔ بدایہ جلد ۷ ص ۶۷

کے چرواہے جہانبانی کرنے لگے اور دنیا کے سب سے زیادہ ترقی یافتہ گروہ کے امام و پیشوا ہو گئے علم و فن تہذیب و تمدن اور اخلاق و آداب میں ان کے اُستاد ہو گئے اور خدا کا یہ وعدہ پورا ہوا۔ وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ۝ (اور ہم چاہتے ہیں کہ ان لوگوں پر احسان کریں جو زمین میں کمزور سمجھے گئے اور انھیں کو امام و وارث بنا دیں)

عربوں کے حالات کا یہ انقلاب، شرمناک اور رسواکن ضعف و ذلت کے بعد یہ زبردست طاقت اور سربلندی، یاس و نومیدی کے بعد یہ زندگی اور تازگی، خواب غفلت کے بعد یہ بیداری تاریخ کا ایک نادر اور انوکھا واقعہ ہے مورخین کا اتفاق ہے کہ تاریخ انسانی میں اس سے زیادہ عجیب و غریب واقعہ نہیں پیش آیا۔ بعض یوروپین مورخین کے تاثرات ملاحظہ ہوں۔

"اسٹوڈرڈ" امریکی اپنی کتاب "جدید دنیائے اسلام" میں لکھتا ہے

"تاریخ انسانی میں جتنے واقعات مذکور ہیں اسلام کے ظہور کا واقعہ شاید ان سب سے زیادہ عجیب ہے۔ اسلام کا ظہور اس قوم میں ہوا جو بالکل غیر منظم اور پراگندہ تھی، اس ملک میں ہوا جو انحطاط کی آخری حد کو پہونچ چکا تھا، لیکن ابھی پوری ایک صدی نہ گذری تھی کہ اسلام نصف کرۂ ارضی میں پھیل گیا، بلند اور طاقتور ممالک کو اس نے زیر و زبر کر کے رکھ دیا، قدیم ترین مذاہب کو جو صدیوں بلکہ ہزاروں سال پیشتر سے قائم تھے ڈھا دیا، انسانوں اور قوموں کی ذہنیتیں بدل دیں اور ایک نئے "عالم" کی بنیاد ڈالی جو انتہائی مضبوط اور طاقتور تھا ۔۔۔ یہ "عالم اسلام" ہے"

ایک عصری مورخ "فشر" اپنی کتاب "تاریخ یورپ" میں لکھتا ہے

"اسلام سے پہلے جزیرۂ عرب میں کسی عربی سلطنت کا نام و نشان تک نہ تھا نہ وہاں کوئی منظم فوج تھی اور نہ ان میں سیاسی شعور تھا عرب شاعر تھے، جنگجو تھے، تاجر تھے، لیکن سیاسی اعتبار سے انھیں کوئی واسطہ نہ تھا ان کے ذہن میں اتنی قوت ہی نہ تھی جو انھیں متحد اور منظم کر سکے، وہ ایسے منتشر کا نظام کے تحت زندگی گذار رہے تھے جو بیحد کمزور اور بے جان تھا لیکن صرف ایک صدی کی مدت میں ان وحشی اور اپنی طاقت سے بے خبر عربوں نے حیرت انگیز عالم گیر اور عظیم الشان طاقت پیدا کر لی، شام و مصر کو انھوں نے فتح کر لیا، ایران کو زیر و زبر کر دیا، مغربی ترکستان اور پنجاب کے ایک حصہ پر قبضہ کر لیا، بازنطینیوں اور بربر سے افریقہ چھین لیا، قبطوط سے اسپین کا علاقہ لے لیا، مغرب میں فرانس اور مشرق میں قسطنطنیہ

ان سے خائف رہنے لگے، ان کا بحری بیڑہ بحر متوسط میں حرکت کرنے لگا، انھوں نے یونانی جزائر کو روند ڈالا اور بازنطینی شہنشاہیت کی بحری قوت کو انھوں نے چیلنج کیا، ایران اور اٹلس کے بربروں کے سوا کسی نے ان کا مقابلہ نہ کیا، انھوں نے اپنی راہ آسانی سے نکال لی، آٹھویں صدی عیسوی تک وہ اس قدر طاقتور ہو گئے کہ کوئی طاقت ان کا مقابلہ نہ کر سکی اور نہ ان کی فتوحات کو روک سکی، یورپ کے اس سرے سے لے کر اس سرے تک تمام عیسائی طاقتیں ایک مشرقی تمدن سے خائف تھیں، جو ایک "مشرقی" دین کی بنیادوں پر قائم ہوا تھا"(۱)

مشہور سوشلسٹ لیڈر ایم۔ این۔ رائے لکھتا ہے۔

"جب انسان سوچتا ہے کہ کس قدر جلد عربوں کی چھوٹی چھوٹی جماعتوں نے جو اپنے جزیرہ سے دینی جذبہ کے ماتحت نکلیں، وہ قدیم طاقتور سلطنتوں کو مغلوب کر لیا تو وہ حیران رہ جاتا ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو ابھی پچاس سال نہ ہوئے تھے کہ ان کے پیروؤں نے ہندوستان کی سرحدوں پر، دوسری طرف بحر اٹلانٹک کے ساحل پر فتح کا جھنڈا نصب کر دیا، پہلی صدی ہجری کے آخر تک اسلامی سلطنت اس قدر وسیع ہو چکی تھی جس کی مسافت تیز سے تیز اونٹ پر پانچ ماہ سے کم میں نہ طے ہو سکتی تھی، خلفاء دمشق دنیا کے سب سے زیادہ طاقتور حکمران تھے، تمام انبیاء اپنے دعوے کو ثابت کرنے کے لئے معجزات لائے لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رتبہ سب انبیاء سے زیادہ بڑھ چڑھ کر ہے کیونکہ اسلام کا اس سُرعت سے پھیلنا ان کا سب سے بڑا معجزہ اور تاریخ انسانی کا نادر ترین واقعہ ہے۔ روم کی زبردست شہنشاہیت جسے اس کے ہیرو "تراجان" نے وسیع کر لیا تھا صدیوں کی زبردست فتوحات کے بعد قائم ہو سکی تھی پھر بھی وہ اس عربی سلطنت کے برابر نہ تھی جو ایک صدی سے کم مدت میں قائم ہو چکی تھی۔ سکندر اعظم کی سلطنت اپنی وسعت اور ہمہ گیری کے باوجود خلفاء کی وسیع سلطنت کا صرف ایک حصہ تھی، ایرانی حکومت تقریباً ایک ہزار سال تک روم کا مقابلہ کرتی رہی لیکن یہ عظیم الشان سلطنت "سیف اللہ" کے ہاتھوں صرف چند سال کے عرصہ میں مغلوب ہو گئی"(۲)

(۱) H.A.L. Fisher. A History of Europe　P.P. 137/8.

(۲) M. N. Roy, Historical Role of Islam　P.P. 4, 5, 6, 7.

"تجدید دنیائے اسلام" کا مصنف اسٹاڈرڈ لکھتا ہے۔

"اسلام کی اس عظیم الشان کامیابی پر جس قدر ہم غور کرتے ہیں اُسی قدر تعجب میں اضافہ ہوتا ہے اور عقل حیران رہجاتی ہے تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب نے بتدریج نشو ونما پائی اور مشکلات ورکاوٹوں کا مقابلہ کرتے ہوئے بہت سست رفتار سے کامیابی حاصل کی اور اس وقت تک وہ کوئی قوت حاصل نہ کرسکے جب تک کہ کسی زبردست بادشاہ یا طاقتور حکمران کی حمایت نہ حاصل ہوئی جس نے اس مذہب کو قبول کرکے اس کی تائید و تبلیغ میں اپنی تمام توتیں صرف کردیں۔

نصرانیت کا ہیرو قسطنطین، بودھ مذہب کا اشوک، مزدکیت کا کیخسرو، یہ تینوں زبردست بادشاہ تھے، انھوں نے اپنے اپنے مذاہب کی اشاعت و تبلیغ میں اپنی ساری کوششیں صرف کردیں اور ہر قسم کے ذرائع استعمال کئے تب کہیں جاکر ان کے مذاہب کو فروغ حاصل ہوا لیکن اسلام کا معاملہ ان سے بالکل مختلف ہے۔

اسلام نے ایک صحرائی اور بنجر ملک میں نشو ونما پائی جہاں چند وحشی اور غیر متمدن قبائل کی آبادی تھی جو کسی حیثیت سے قابل ذکر نہ تھے لیکن اسلام بغیر کسی قوم اور حکومت کی مدد کے تیزی سے پھیلنے لگا، اس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہونے لگا، مخالفین کی تمام مزاحمتوں اور دشمنوں کی معاندانہ کوششوں کے باوجود اسلام کو نمایاں اور غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی اور دو سو سال سے پہلے پہلے اسلام کا پرچم پیرا نس سے لے کر ہمالیہ تک اور وسط ایشیا سے لے کر وسط افریقہ تک لہرانے لگا۔[۱]

مشہور مورخ گبن لکھتا ہے۔

"عربوں نے بہت معمولی قوت سے شاہان روم وایران کے خلاف محاذ قائم کیا اور یہ دونوں عظیم الشان سلطنتیں دیکھتے ہی دیکھتے ایک ایسے دشمن کا شکار ہوگئیں جسے یہ دونوں صدیوں سے حقیر سمجھتی رہی تھیں، حضرت عمر کے عہد میں عربوں نے دس سال کی قلیل مدت میں ۳۶ ہزار شہر اور قلعے فتح کئے ۴ ہزار گرجے اور کفار کی عبادت گاہیں منہدم کیں (؟) اور مسلمانوں کی عبادت کیلئے ۱۴ ہزار مسجدیں تعمیر کیں۔

[۱] حاضر العالم الاسلامی جلد ۱

ہجرت نبوی کو ایک صدی نہ گزری تھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفا کی حکومت مکہ سے نکل کر ہندوستان اور بحر اٹلانٹک کے ساحل تک پہونچ چکی تھی، اور ایران، شام، مصر، افریقہ، اسپین جیسے دور دراز ملکوں پر اسلامی پرچم لہرانے لگا تھا۔[1]

آئیے اب اس عجیب وغریب واقعہ پر ایک علمی نظر ڈالیں اور اس انقلاب عظیم کے حقیقی اسباب کا کھوج لگائیں۔

اس مادی دنیا میں حکومتیں اور فوجیں عام طور پر اپنے حریفوں پر اس لئے فتح پاتی ہیں کہ ان کی تعداد زیادہ ہوتی ہے یا ان کے جنگی ساز وسامان اور اسلحہ دشمن سے بہتر ہوتے ہیں یا ان کی عسکری تربیت اور حربی نظام عمدہ ہوتا ہے، یہی وہ مادی اسباب ہیں جن کی وجہ سے ایک فریق دوسرے فریق پر عموماً غالب آیا کرتا ہے اب ہم ان میں سے ہر ایک سبب پر علحدہ علحدہ بحث کرتے ہیں۔

جہاں تک تعداد کا تعلق ہے سب جانتے ہیں کہ مسلمانوں اور ان کے حریفوں کی تمام بڑی بڑی فیصلہ کن جنگوں میں فریقین کی تعداد میں کوئی تناسب نہ تھا، رومیوں اور ایرانیوں کی تعداد اکثر لڑائیوں میں مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ تھی، جنگ یرموک میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ چوبیس ہزار بیان کی گئی ہے اور رومیوں کی تعداد ایک روایت کے مطابق ایک لاکھ اسی ہزار۔ دوسری روایت کے مطابق دو لاکھ اور تیسری روایت کے مطابق دو لاکھ چالیس ہزار تھی، کم سے کم تعداد ایک لاکھ بیس ہزار بیان کی گئی ہے۔ قریب قریب یہی تناسب جنگ قادسیہ میں ایرانیوں اور مسلمانوں کی تعداد میں تھا۔ لیکن ان دونوں جنگوں کا جو کچھ نتیجہ ہوا وہ دنیا کو معلوم ہے۔

مسلمانوں کی قلت اور ان کے دشمن ایرانیوں اور رومیوں کی کثرت کا اعتراف تمام مورخین نے کیا ہے لیکن کسی ایک نے بھی مسلمانوں کی فتح کے اسباب میں "عددی فوقیت" کا ذکر نہیں کیا، تاریخ عالم کی ساتویں جلد چوتھی فصل میں ہے

"عربوں کی تعداد جو اپنے جزیرہ سے فتح کا عزم لے کر نکلے کچھ ایسی غیر معمولی نہ تھی جو شمار میں نہ آسکے،

---

[1] انحطاط روما وسقوطہا جلد ۵ ص ۷۵، ۴۷۴ طبع اکسفورڈ

عرب مورخوں نے یرموک میں مسلمانوں کے پہلے لشکر کی تعداد صرف تین ہزار بتائی ہے، پھر خلیفہ نے ان کے پاس کمک بھیجی جس سے ان کی تعداد ساڑھے سات ہزار ہوگئی اور آخر میں زیادہ سے زیادہ ان کی تعداد چوبیس ہزار تک پہنچی، لیکن رومیوں کی تعداد عرب مورخین نے ایک لاکھ، بعضوں نے ایک لاکھ بیس ہزار اور بعض نے دو لاکھ تک بیان کی ہے، بازنطینی مورخین ۸۰ ہزار سے زیادہ نہیں بتاتے ہیں، بہر حال اتنی بات پر سب کا اتفاق ہے کہ تعداد میں عربوں کے دشمنوں کو ہی فوقیت حاصل تھی یہی حال فارس کی تمام لڑائیوں کا ہے"[1]

یہ بھی معلوم ہے کہ جزیرہ عرب کی آبادی رقبہ اور مسافت کے اعتبار سے بہت کم تھی کیونکہ عرب کا بیشتر حصہ صحراؤں ریگستانوں اور بنجر زمینوں پر مشتمل تھا جہاں سرے سے کوئی آبادی نہ تھی اس کے برعکس مسلمانوں نے جن ممالک پر حملہ کیا اور لشکر کشی کی وہ دنیا کی سب سے زیادہ آباد اور زرخیز ملک تھے، مسلمانوں کے دشمنوں کو نہایت آسانی سے برابر کمک پہونچتی رہتی تھی، ہر طرف سے فوجوں کے دل بادل اُمڈے چلے آتے تھے ملک کے ہر حصہ سے اُن کو رسد بھی پہونچتی رہتی تھی، اور عرب اپنے وطن سے دور مسافرانہ حیثیت میں تھے، ان کی مثال ایک نقطہ کی مانند تھی جو دشمنوں کے سمندر میں ڈوبا ہوا ہو وہ اپنے ملک سے دور [illegible] اپنے مرکز سے جدا تھے، انھیں بڑی دشواریوں اور کئی ماہ کی طویل مدت کے بعد مدد پہونچ سکتی تھی، اور رسد ملنے کی تو انھیں کہیں سے بھی توقع نہ تھی بس یہی سامان خورد و نوش انکو مل سکتا تھا جو وہ دشمنوں سے [illegible] چھین لیں۔

بالفرض اگر پورا جزیرہ عرب بھی رومیوں اور ایرانیوں کے مقابلہ پر نکل آتا جو عقلاً محال ہے تو بھی رومیوں اور ایرانیوں کے مقابلہ میں جو دنیا کی آبادی کا نصف حصہ تھے ان کی کوئی حیثیت نہ ہوتی، حالانکہ جو اہل عرب جہاد کے لئے نکلے وہ جزیرہ کی آبادی کا بیسواں حصہ بھی نہ تھے۔

علی ہذا ساز و سامان اور [illegible] جنگ میں عربوں کی حالت اور بھی زیادہ ستقیم تھی وہاں نہ کوئی باتنخواہ فوج تھی اور نہ کوئی منظم لشکر جسے حکومت اپنی طرف سے اسلحہ وغیرہ مہیا کرے اور کیل کانٹے سے درست کرکے میدان جنگ میں بھیجے۔

وہاں تو لوگوں نے بطیب خاطر اپنے کو رضاکارانہ طور پر پیش کیا تھا اور خود اپنی تیاری سے رضاء الٰہی

---

(۱)۔ حاضر العالم الاسلامی حواشی امیر شکیب ارسلان جلد ا ص ۲۹

حاصل کرنے کے لئے جہاد فی سبیل اللہ میں شریک ہوئے تھے۔ بہت سے ایسے بھی تھے جن کے پاس سواری نہ تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے کوئی انتظام نہ کر سکے، ان لوگوں کو سعادت جہاد سے محرومی پر بڑا رنج رہا بیچارے اپنی ناداری اور مفلسی پر متاسف ہو کر بیٹھ رہے ان ہی لوگوں کے بارے میں قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی (ولا علی الذین اذا ما اتوک لتحملھم قلت لا اجد ما احملکم علیہ تولوا واعینھم تفیض من الدمع حزنا الا یجدوا ما ینفقون ۰ براءۃ)

مسلمانوں کی بے سروسامانی دیکھ کر رومی اور ایرانی ہنستے تھے، ان کے بوسیدہ لباس اور معمولی ہتھیاروں کا مذاق اڑاتے تھے، ابو وائل جو قادسیہ کی جنگ میں شریک تھے کہتے ہیں کہ ایرانی مسلمانوں سے کہتے تھے "تمہارے پاس نہ اچھے ہتھیار ہیں نہ کوئی جنگی طاقت ہے تم نے یہاں آنے کی ہمت کیسے کی۔؟ جاؤ اب بھی واپس جاؤ" ہم نے کہا ہم لوٹنے والے لوگ نہیں وہ ہمارے تیروں کو دیکھ کر ہنستے تھے اور کہتے تھے "دوک" "دوک" انھوں نے ہمیں (غالباً لاغری کی وجہ سے) تکلوں سے تشبیہ دی(۲)

ابن کثیر کا بیان ہے کہ سعد (رضی اللہ عنہ) نے اپنے چند ساتھیوں کو کسریٰ کے پاس بھیجا تا کہ جنگ سے پہلے اسے اسلام کی دعوت دیں، ان لوگوں نے کسریٰ سے اجازت مانگی جب کسریٰ نے اجازت دی اور یہ لوگ دربار جانے لگے تو شہر والے ان کو دیکھنے کے لئے نکل آئے، یہ لوگ مسلمانوں کی صورت ان کی ہیئت، ان کا بوسیدہ لباس، ان کے پھٹے پرانے جوتے، اور ان کے ضعیف و لاغر گھوڑوں کو دیکھ کر ہنستے تھے اور حیران تھے کہ یہ لوگ کس طرح ان کے عظیم الشان لشکر کا جو ہر قسم کے ہتھیاروں سے مسلح ہے مقابلہ کریں گے۔(۳)

"ماکس مایرہوف" اپنی کتاب "العالم الاسلامی" میں لکھتا ہے۔

"ہمارے لئے یہ سمجھنا تقریباً ناممکن ہے کہ کس طرح عربوں نے جو مختلف قبائل میں منقسم تھے اور جن کے پاس

لہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جہاد میں شریک نہ ہونے کی بنا پر ان مخلصوں پر کوئی مواخذہ نہیں ہے جن کا حال یہ ہے کہ وہ رسول کے پاس اس لئے آتے ہیں کہ ان کے لئے سفر جہاد میں جانے کا سامان ہو جائے، اور رسول بھی ان سے معذرت کر دیتے ہیں کہ میرے پاس کوئی سواری وغیرہ نہیں ہے تو وہ اس افسوس اور غم میں روتے ہوئے واپس جاتے ہیں کہ ان کے پاس کچھ بھی سرمایہ نہیں ہے جس کو خرچ کر کے وہ یہ سعادت حاصل کر سکیں۔ ۱۲۔

(۲) البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۴۱ (۳) ایضاً جلد ۷ صفحہ ۴۲۔

ضروری جنگی سامان بھی نہ تھا اس قدر قلیل مدت میں رومیوں اور ایرانیوں کو شکست دیدی جو تعداد اور ساز و سامان میں اُن سے بہت زیادہ تھے، فنون جنگ سے واقف تھے اور منظم لشکر کی حیثیت سے جنگ کر رہے تھے۔(۱)

مسلمانوں کے غلبہ اور فتوحات کی ایک وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس زمانے میں عربوں کا جنگی نظام رومیوں اور ایرانیوں سے بہتر تھا، ان کے دستے زیادہ منظم اور مشاق تھے، ان کا عسکری نظام بہت عمدہ تھا وہ رومی اور ایرانی لشکر کے مقابلہ میں اپنے امرا اور سپہ سالاروں کے زیادہ مطیع تھے، پس عربوں کو باوجود ان کی قلت تعداد کے ان کے دشمن رومیوں اور ایرانیوں کے مقابلہ میں جو کامیابی ہوئی اس کی وجہ عربوں کی یہی جنگی مہارت اور ان کی آزمودہ کاری ہے، ان کی جاہلی تربیت نے جو خالص جنگی تربیت تھی انھیں جنگ میں کافی مشاق بنادیا تھا۔

یہ توجیہ بظاہر کچھ صحیح اور سابق توجیہوں سے زیادہ وزنی معلوم ہوتی ہے لیکن اگر آپ ایک مورخ اور نقاد کی طرح اس کا جائزہ لیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ یہ ایک زبردست مغالطہ ہے جو یورپین مورخین اپنا دل بہلانے کے لئے یا دنیا کو دھوکہ دینے کے لئے دیا کرتے ہیں۔

"قرون وسطیٰ کی تاریخ سے یہ بات ثابت ہو چکی کہ رومیوں اور ایرانیوں کا جنگی نظام اس زمانہ میں بہت ترقی یافتہ تھا، بازنطینی حکومت ساتویں صدی عیسوی کی ابتدا میں اپنے عروج کو پہونچ چکی تھی اسی زمانے میں رومیوں نے ایرانیوں کو شکست فاش دی تھی، انھیں پیچھے ڈھکیل دیا تھا اور ان کا تعاقب کرتے ہوئے اندرون فارس تک گھس گئے تھے "ہرقل" نے اسی زمانہ میں "دجلہ" کی نہر اور "کرد" کے پہاڑوں کو عبور کرلیا تھا "ساباط" اور "نینوا" کی خون آشام اور فیصلہ کن جنگوں کے بعد وہ "دستجرد" اور "مدائن" تک بڑھ گیا تھا اور وسط ایران میں رومی فتح کا جھنڈا نصب کر دیا تھا یہ سب کچھ ۶۲۵ء میں ہوا یعنی شام پر مسلمانوں کی لشکرکشی سے صرف بارہ سال پہلے، علاوہ ازیں رومیوں اور ایرانیوں میں جو لڑائیاں ہوئیں ان سے فریقین کو بہت کچھ جنگی تجربات ہوئے، جنگ کے نئے نئے طریقے معلوم ہوئے، ایک دوسرے کے طریق جنگ سے واقفیت ہوئی جس طرح صلیبی لڑائیوں میں مسلمانوں نے عیسائیوں سے اور عیسائیوں

(۱) حاضر العالم الاسلامی حواشی امیر شکیب ارسلان جلد ۱ صفحہ ۲۹

نے مسلمانوں سے بہت کچھ جنگی فائدے اُٹھائے تھے، اور جو مشہور مورخ "گبن" نے تسلیم کیا ہے کہ رومیوں کا جنگی نظام عربوں سے بہتر تھا وہ اپنی کتاب کی پانچویں جلد صفحہ ۲۹۰ پر لکھتا ہے۔

"میں بار بار اس حقیقت کا اعادہ کروں گا کہ عربوں کے حملے اور ان کا طریق جنگ رومیوں اور یونانیوں کی طرح نہ تھا جن کے پاس باضابطہ منظم اور طاقتور فوج تھی، عربوں کی جنگی طاقت سواروں اور تیر اندازوں پر مشتمل تھی اور اب تک انہیں صرف قبائلی اور شخصی جنگوں سے سابقہ پڑا تھا جن میں معمولی چھیڑ چھاڑ ہوا کرتی تھی اور کبھی کبھی بغیر کسی فیصلہ کے ایک مدت تک قائم رہتی تھی"

پس یہ بات کہ عرب اپنی قبائلی جنگوں کی وجہ سے جن کا سلسلہ برابر قائم رہتا تھا اتنے طاقت ور اور مشاق ہو گئے تھے کہ روم اور ایران کی شہنشاہیوں کو انھوں نے شکست دیدی بالکل بعید از قیاس اور غیر معقول ہے، عربوں میں جو قبائلی جنگیں ہوا کرتی تھیں اُن سے یہ طاقت کس طرح پیدا ہو سکتی تھی کہ اتنی عظیم الشان سلطنتوں پر فتح حاصل کی جا سکے، اسلام سے پہلے ابھی عربوں نے اپنی ساری جنگی قابلیت کے باوجود حبشہ سے شکست کھائی جنوبی عرب میں انھوں نے ایران کی اطاعت قبول کر لی تھی، ابرھہ کے لشکر نے مکہ پر چڑھائی کی تو وہ بے بس ہو گئے، خدا نے خود اپنے گھر کی حفاظت کی اور "اصحاب فیل" کو "عصف ماکول" بنایا اور قریش کو لڑائی کی زحمت سے بچایا پس اگر یہ خیال صحیح ہو کہ عربوں کی فتوحات کا راز ان کی جنگی قابلیت ہے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے انھوں نے کبھی اپنے جزیرہ سے نکلنے اور دوسرے ملکوں پر حملہ کرنے کی جرأت کیوں نہ کی۔؟ صدیوں تک اپنے جزیرہ میں کیوں گمنام اور ذلیل زندگی گذارتے رہے۔؟ بعثت نبوی سے پہلے انھوں نے ایران اور روم پر کیوں نہ حملہ کیا۔؟ اور بعثت کے بعد فوراً ہی کیوں حملہ کر دیا۔؟ صدیوں تک وہ ایران اور روم دو "شیروں" سے کیوں لرزاں اور خائف رہے۔؟

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ عرب جنگ کے خوگر تھے، ان کا جنگی نظام بہتر تھا، ان کی سپاہ میں تعاون اور ایک دوسرے پر فدا ہونے کا جذبہ بہت بڑھا ہوا تھا، وہ اپنے امیر اور قائد کے پوری طرح مطیع تھے، انھیں اللہ کی راہ میں جان دینے کا شوق تھا، لیکن ہر صاحب عقل انسان سمجھ سکتا ہے کہ "نظام" کوئی مصنوعی اور میکانکی شے نہیں جو محض عسکری تنظیم فنون جنگ یا ریاضی کے قواعد سے حاصل ہو جائے، پتھروں کی آپ کیسی ہی صف قائم کریں انھیں کتنی ہی عمدہ ترتیب سے چنیں، ستونوں اور

دیواروں کو آپ ریاضی کے کتنے ہی مکمل قاعدے سے کھڑا کریں اس کی تنظیم اور صف بندی سے کوئی نتیجہ نہ نکلے گا۔

ہم نے تاریخ میں یہ بھی پڑھا ہے کہ (عربوں کے مقابلہ میں) رومیوں اور ایرانیوں نے بعض بعض لڑائیوں میں اپنے کو زنجیروں سے باندھ دیا تھا اور اپنے پیچھے خندقیں کھود دی تھیں تاکہ پسپا نہ ہو سکیں اور میدان جنگ سے نہ بھاگ سکیں لیکن یہ سب تدبیریں بے سود ثابت ہوئیں، غرضکہ نظام جنگ "کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا، اہم وہ جذبہ ہے جو لڑنے والوں کے دماغ پر مستولی رہتا ہے اور وہ روح اور وہ مقصد ہے جس کے لئے فوج لڑتی ہے، اپنے مقصد سے عقیدت اور روح وابستگی ایسی طاقت ہے جس سے انسانوں میں غیر معمولی شجاعت پیدا ہو جاتی ہے اور ان سے ایسے محیر العقول کارنامے صادر ہوتے ہیں کہ فلاسفہ اور مورخین ان کی توجیہ سے عاجز رہتے ہیں۔

اب دیکھنا چاہیئے کہ عربوں میں وہ کونسا جذبہ تھا جس کے ماتحت وہ دنیا کو فتح کرنے کا عزم رکھتے تھے اور نصف صدی کے اندر انھوں نے نصف عالم کو فتح کر لیا تھا۔

ان شاندار فتوحات کا راز اور اس حیرت انگیز انقلاب کی وجہ جس کی تاریخ میں کوئی نظیر نہیں ملتی یہ اور صرف یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی برکت سے عربوں میں ایک نئی روح اور نیا ولولہ پیدا ہو گیا تھا، اب وہ پہلے کی طرح بے نظم اور لامذہب نہیں تھے، بلکہ وہ ایک زندہ مذہب کے حامل اور زبردست قوت کے مالک ہو چکے تھے ان کو از سر نو زندگی ملی تھی ان کی دماغی تربیت بالکل نئے طریقہ پر ہوئی تھی، ان کی ذہنیتوں میں انقلاب آچکا تھا، دنیا ان کے لئے اور وہ دنیا کے لئے بالکل بدل چکے تھے، انھوں نے دنیا پر نگاہ ڈالی وہ دنیا جو ان کے لیے کبھی حیرت و استعجاب کا سبب تھی اور وہ اسے للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا کرتے تھے اب ان کی نظر میں حقیر اور بے مایہ تھی، انھوں نے دیکھا کہ دنیا میں ہر طرف ظلم و فساد کا دور دورہ ہے، فسق و فجور کی گرم بازاری ہے، تاریکی کا غلبہ ہے، وہ قومیں اور وہ جماعتیں جنھیں وہ ہمیشہ عزت و احترام اور رشک و تعظیم کی نظر سے دیکھا کرتے تھے، اب ان کو ایسا معلوم ہوا کہ یہ سب انسانوں کی صورت میں جانور اور چوپائے ہیں جو جانوروں کی طرح کھاتے پیتے اور اپنی ضروریات پوری کرتے ہیں، لیکن انسانی صفات سے عاری ہیں، انھیں ایسا معلوم ہوا کہ یہ سب پتھر کی مورتیں اور گڑیاں ہیں جنھیں انسانی لباس پہنا دیا گیا ہے، اب وہ اپنی ظاہری

شان و شوکت دنیاوی ساز و سامان اور ٹھاٹھ و زینت کے باوجود ان کی نظروں میں حقیر ہو گئے۔ انھوں نے باری تعالیٰ کا یہ ارشاد سنا "زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ" (یہ دنیاوی زندگی کی بہار ہے تاکہ ہم اُن کو اس میں آزمائیں) "وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُوْنَ ہ" (اور اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو ان کے مال و اولاد کی کثرت پر متعجب نہ ہونا چاہئے، اللہ چاہتا ہے کہ انھیں اس کی وجہ سے دنیا میں عذاب دے اور وہ کفر ہی کی حالت میں مریں)

انھیں احساس ہوا کہ اللہ نے ان کو اس لئے مبعوث کیا ہے کہ وہ لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لائیں، انسانوں کی بندگی چھڑا کر خدا کی بندگی پر آمادہ کریں، انھیں دنیا کی تنگی سے نکال کر کشادگی کی طرف لائیں اور مذاہب کی کجروی اور بے اعتدالی سے نکال کر اسلام کی صراط مستقیم پر لگائیں[1] انھیں اللہ نے ان کی زمین، مکانات اور مال و اسباب کا وارث بنایا ہے اور ایسی زمین کا وارث بنایا ہے جس پر وہ اب تک چلے نہیں، انھیں زمین کی خلافت عطا کی ہے۔ اور اقتدار دیا ہے، انھوں نے باری تعالےٰ کا یہ ارشاد سنا کہ "وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ہ" (اور ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھدیا ہے کہ زمین کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے) اور یہ کہ "وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا ہ" (اللہ نے اُن لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو ایمان لائے اور عمل صالح کیا یقیناً انھیں زمین کی خلافت عطا کرے گا۔ جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو عطا کی اور ان کے اس دین کو غالب بنائے گا جس کو ان کے لئے منتخب کیا ہے اور انھیں خوف کے بعد امن کی حالت میں تبدیل کرے گا۔ میری عبادت کریں گے اور کسی چیز کو ٹھہرا شریک نہ بنائیں گے۔)

---

(۱) خط کشیدہ کلمات ربعی بن عامر کے ہیں جو انھوں نے یزدگرد کے دربار میں مسلمانوں کے قاصد کی حیثیت سے ادا کئے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر انھیں حرفاً بہ حرف یقین تھا کہ "ان اللہ زوی لی الارض[1] فرایت مشارقہا و مغاربہا و ان امتی سیبلغ ملکہا ما زوی لی منہا و اعطیت الکنزین الاحمر و الابیض" (اللہ نے میرے لئے زمین کو سمیٹا تو میں نے مشرق و مغرب سب دیکھ لیا میری امت کی حکومت وہاں تک پہونچیگی جہاں تک میرے لئے زمین سمیٹی گئی اور مجھے "سرخ" و "سفید" دونوں خزانے دیئے گئے اور یہ کہ "اذا ھلک کسریٰ فلا کسریٰ بعدہ و اذا ھلک قیصر فلا قیصر بعدہ و الذی نفسی بیدہ لتنفقن کنوزھما فی سبیل اللہ"[2] (جب کسریٰ ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کسریٰ نہ ہوگا قیصر جب مٹ جائے گا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم لوگ ان کے خزانے خدا کی راہ میں خرچ کروگے)

اُن کو یقین تھا کہ خدا اُن کی مدد کا ضامن ہے اس نے اُن سے فتح و نصرت کا وعدہ کیا ہے اور خدا کا وعدہ کبھی غلط نہیں ہو سکتا، انھیں خدا اور اس کے رسول کے وعدوں پر پورا اطمینان تھا، قلت و کثرت کا سوال ان کے لئے ہیچ ہو گیا۔ خطرات کا خوف ان کے دلوں سے جاتا رہا، ان کو خدا کا یہ قول یاد رہا کہ "ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم و ان یخذلکم فمن ذا الذی ینصرکم من بعدہ و علی اللہ فلیتوکل المومنون" (اگر اللہ تمھاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا اور اگر وہی تمھاری مدد چھوڑ دے تو اس کے بعد کون تمھاری مدد کر سکتا ہے اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیئے) اور یہ کہ "وکم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ واللہ مع الصابرین" (کتنی ہی کم تعداد والی جماعتیں بڑی تعداد والی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غالب آگئیں، اور اللہ تو صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)

مسلمانوں کے بعض دشمن معاصرین اور وقت کے اہل علم و بصیرت رومیوں اور ایرانیوں نے بھی اس حقیقت کو سمجھ لیا تھا، ابن کثیر کی روایت ہے کہ جب "ھرقل" کو مسلمانوں کی لشکر کشی کی خبر ملی تو اس نے شامیوں سے کہا یہ لوگ ایک نئے مذہب کے پیرو ہیں ان کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا میرا کہا مانو اور انھیں شام کا نصف خراج دیکر صلح کر لو تاکہ روم کے پہاڑ تمھارے لئے بچ جائیں اور اگر نہ مانوگے تو یہ تم سے شام بھی لے لیں گے اور روم کے پہاڑ بھی تم پر تنگ کر دیں گے"[3]

---

(۱) ترمذی (۲) ترمذی (۳) البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۵۔

مسلمانوں کا یہ عقیدہ کہ وہ اللہ کے دین کے فروغ کی جدوجہد اور عام انسانوں کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے ہیں اور قوموں کی اصلاح کا کام ان کے سپرد ہوا ہے اور یہ کہ اللہ اُن کا مددگار ہے اور اُن کی کامیابی کا ذمہ دار ہے اس کا ثبوت ان کے ہر قول و فعل سے ملتا ہے، ان کے دلوں کا اطمینان اور خود اعتمادی اسی عقیدہ کا نتیجہ تھی، جنگ یرموک کے موقع پر جب امراء نے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو اپنی مشکلات کا حال لکھا، رومیوں کی کثرت تعداد اور اُن کی جنگی تیاریوں کی اطلاع دی تو انھوں نے جواب میں لکھا۔

"تم سب مجتمع رہو اور ایک فوج بن کر مشرکین کا مقابلہ کرو، تم اللہ کے مددگار ہو اللہ اپنے مددگاروں کی مدد کرتا ہے کافروں کی مدد نہیں کرتا، تم کو "قلت" سے کوئی نقصان نہیں پہونچ سکتا ہاں اگر تمھیں نقصان پہونچ سکتا ہے تو اپنے گناہوں سے پس اُن سے بچتے رہو" (۱)

اسی طرح جب حضرت عمر نے "نہاوند" کے معرکہ کے لئے عراق جانے کا قصد کیا اور اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا۔

"اے امیر المومنین، اس معاملہ میں کامیابی اور ناکامی کا دارومدار قلت و کثرت پر نہیں ہے اللہ نے اپنے دین کو غالب بنایا ہے اپنی فوج کو عزت دی اور ملائکہ کے ذریعہ اس کی مدد کی یہاں تک کہ اسلام کو یہ قوت حاصل ہوئی، ہمیں خدا کے وعدہ پر بھروسہ کرنا چاہئے وہ اپنے وعدہ کو ضرور پورا کرے گا اور اپنی فوج کی مدد کرے گا" (۲)

اس عقیدہ کی بدولت مسلمانوں میں عجیب و غریب بے خوفی پیدا ہو گئی تھی وہ اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈال دیتے تھے اور ایسے ایسے کام کر گزرتے تھے جو انسانی طاقت سے باہر ہیں، یہ واقعہ بھی کچھ کم عجیب و غریب نہیں کہ مسلمانوں نے اپنے گھوڑے دریائے دجلہ میں ڈال دیئے، اور اطمینان کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے چلتے رہے گویا وہ دریا میں نہیں بلکہ خشکی پہ چل رہے ہیں، ایرانی یہ منظر دیکھ کر کہنے لگے "دیو آگئے" "دیوا گئے" اور "دیوانے" "دیوانے" پکار اُٹھے، اس موقع پر سلمان فارسی حضرت سعدؓ کے ہمراہ تھے حضرت سعدؓ نے فرمایا "حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْل" (اللہ ہمارے لئے کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے) خدا

(۱) البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۵ (۲) ایضاً جلد ۷ صفحہ ۱۰۷

کی قسم اللہ اپنے دوستوں کی ضرور مدد کرے گا، اپنے دشمنوں کو شکست دے گا اور اپنے دین کو غالب کریگا اگر فوج میں کشیدگی اور ایسے گناہ نہ ہوئے جو نیکیوں پر غالب آجائیں"

حضرت سلمان نے فرمایا خدا کی قسم مسلمانوں کے لئے سمندر بھی اسی طرح مطیع کر دیا گیا ہے جس طرح خشکی، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں سلمان کی جان ہے مسلمان سمندر سے اسی طرح نکل جائیں گے جس طرح داخل ہوئے ہیں" چنانچہ ایسا ہی ہوا مسلمان سمندر سے صحیح و سالم نکل آئے ایک شخص بھی غرق نہ ہوا اور نہ ان کی کوئی چیز ضایع ہوئی"[1]

اس عقیدہ نے مسلمانوں کے دلوں میں بے پناہ قوت پیدا کر دی تھی، کیسے ہی ناخوشگوار اور ناموافق حالات پیش آتے ان کے عزم و ارادہ میں کوئی ضعف نہ آتا، ان کے سکون و اطمینان میں کوئی فرق نہ پڑتا، تعداد اور ساز و سامان کو وہ ہیچ سمجھنے لگے تھے مادہ اور اسباب کی پرستش سے وہ بے نیاز ہو چکے تھے اُن کا عقیدہ تھا کہ ہم دین کی قوت سے لڑتے اور اسلام کی برکت سے فتح پاتے ہیں ان کے دلوں میں اسی دینی جذبہ کا بڑا احترام تھا اور اسی کو اپنی عزیز ترین متاع اور اصل قوت یقین کرتے تھے وہ جانتے تھے کہ ہمیں جو کچھ عزت حاصل ہوئی وہ اس دینی روح ہی کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے۔

یونس نے بسند ابن اسحق روایت کیا ہے کہ "مسلمانوں کو جب معلوم ہوا کہ "ہرقل" ایک لاکھ رومیوں اور ایک لاکھ مستعربین کے ساتھ "ماب" میں آپہونچا ہے (حالانکہ مسلمانوں کی تعداد اس وقت تین ہزار سے زائد نہ تھی) تو ان کو بڑی فکر دامنگیر ہوئی اور دو راتیں "معان" میں قیام کر کے جنگ کے مسئلہ پر غور کرتے رہے، بعض لوگوں کی رائے ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام حالات لکھ دیئے جائیں اور دشمن کی تعداد سے مطلع کیا جائے یا تو وہ مدد بھیجیں اور یا ہمیں اور کوئی حکم دیں جس پر ہم عمل کریں عبداللہ بن رواحہ نے یہ رائے سنکر لوگوں کو ہمت دلائی اور کہا اے لوگو، خدا کی قسم تم اسی "شہادت" سے گھبرا رہے ہو جس کے لئے تم نکلے تھے، ہم دشمنوں سے تعداد اور قوت کے بھروسہ پر نہیں لڑتے ہم تو اس دین کے بھروسہ پر لڑتے ہیں جس کے ذریعہ اللہ نے ہم کو عزت بخشی، چلو ہمیں "دو بھلائیوں" میں سے ایک ضرور ملے گی شہادت یا فتح لوگوں نے کہا خدا کی قسم ابن رواحہ سچ کہتے ہیں اور لوگ چل پڑے[2]

---

(۱) البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۶ (۲) ایضاً جلد ۴ ص ۲۴۳

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن فتوحات کی پیشین گوئی کی تھی، انھیں ان پر پورا یقین تھا، چنانچہ جب کبھی کوئی فتح ہوتی تو وہ کہتے "یہ وہی ہے جس کا ہم سے خدا اور اُس کے رسول نے وعدہ کیا تھا" اور ان کے ایمان و اطاعت میں اضافہ ہو جاتا۔

جنگ یرموک کے دن ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور اُس نے کہا میں شہادت کے لئے بالکل تیار ہو گیا ہوں اور انشاء اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہونچوں گا آپ کا کوئی پیغام تو نہیں ہے؟ انھوں نے کہا ہاں اُن سے میرا سلام کہنا اور کہنا یا رسول اللہ ہم نے اپنے خدا کا وعدہ سچا پایا[1]

کثرت تعداد اور دشمن کی تیاریوں کی طرف سے اُن کو اس قدر بے اعتنائی تھی کہ معلوم ہوتا تھا وہ لوہے کے بنے ہوئے ہیں اور دشمن مٹی پتھر کے بنے ہوئے ہیں، یا وہ درانتیاں ہیں اور اُن کے حریف پکی ہوئی کھیتیاں ہیں جن کے کٹنے کا وقت آگیا ہے، مورخین کا بیان ہے کہ عراق سے واپس ہوتے ہوئے حضرت خالد کا گھوڑا کچھ بیمار ہو گیا تھا جب وہ عراق سے واپس آئے تو اُن سے ایک عرب نصرانی نے کہا "رومی کتنے زیادہ ہیں اور مسلمان کس قدر کم ہیں؟" حضرت خالد نے کہا "برا ہو تیرا تو مجھے رومیوں کی کثرت سے ڈراتا ہے، فتح اور ناکامی کا دار و مدار آدمیوں کی قلت اور کثرت پر نہیں بلکہ اللہ کی مدد پر ہے، اگر اُس کی نصرت رہے تو تھوڑے بھی بہت ہیں اور اگر وہ مدد نہ فرمائے تو بہت بھی تھوڑے ہیں، میری تمنا ہے کہ میرا گھوڑا اچھا ہو جاتا خواہ رومی تعداد میں دگنے ہو جائیں"[2]۔

ان لوگوں کے دل مضبوط تھے ہمتیں بلند تھیں عزائم پختہ تھے ان کی نظروں میں دین و اخلاق کی اتنی عظمت تھی کہ دنیا اور دنیا کی ساری زینتیں ان کی نگاہوں میں ہیچ ہو گئی تھیں دنیا والے ان کی نظروں میں حقیر ہو گئے تھے، تمدن کے مظاہر بادشاہوں کے جلال، امرا کے ٹھاٹھ باٹھ دولتمندوں کا سامان آرائش انکی نگاہوں میں بچوں کا کھلونا معلوم ہوتا تھا، وہ ان چیزوں کو اس طرح دیکھتے تھے گویا وہ سونے اور چاندی کے بنے ہوئے کھلونے اور گڑیں دیکھ رہے ہیں، ان کی نگاہوں میں نہ ان چیزوں کی کوئی وقعت تھی نہ وہ اُن سے مرعوب ہوتے تھے۔

حضرت سعدؓ نے ربعی بن عامر کو ایرانی لشکر کے سپہ سالار رستم کے پاس قاصد بنا کر بھیجا، رستم

(۱) البدایہ والنہایہ جلد ۷، ص ۱۲ (۲) ایضاً جلد ۷، ص ۹

نے مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لئے اپنے دربار کو خوب سجایا تھا، ہر طرف سنہرے اور ریشمی قالین بچھے تھے، موتی یاقوت کی بنی ہوئی مختلف قیمتی اشیاء رکھی تھیں، رستم اپنا تاج پہنے ہوئے سونے کے تخت پر بیٹھا تھا، حضرت ربعی پھٹے پرانے کپڑے پہنے، تلوار اور ڈھال لئے ایک معمولی اور پست قامت گھوڑے پر سوار دربار میں داخل ہوئے، دربار کا فرش گھوڑوں کی ٹاپوں سے خراب ہو گیا لیکن وہ سوار ہی رہے، پھر اتر کر گھوڑے کو ایک گاؤ تکیہ سے باندھ دیا اور ہتھیاروں سمیت رستم کی طرف بڑھے ایرانیوں نے کہا اپنے ہتھیار اتار دو لیکن انھوں نے کہا میں خود سے نہیں آیا بلکہ تمھارے بلانے پر آیا ہوں اگر تم کو منظور نہیں تو میں واپس جاتا ہوں رستم نے کہا انھیں آنے دو، حضرت ربعی اپنے نیزہ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے، نیزہ کی انی سے قالین پھٹ گیا۔

ایرانیوں نے پوچھا تم یہاں کیوں آئے ہو۔؟ حضرت ربعی نے کہا اللہ نے ہم کو یہ کام سپرد کیا ہے کہ ہم لوگوں کو انسانوں کی بندگی کے بجائے خدائے واحد کا پرستار بنائیں، دنیا کی تنگی سے نکال کر کشادگی کی طرف راہنمائی کریں، غلط مذاہب کی کجروی اور بے اعتدالی کے بجائے اسلام کی صراط مستقیم پر لگائیں، جو ہماری اس دعوت کو قبول کرے گا ہم اس سے کوئی تعرض نہ کریں گے اور جو انکار کرے گا ہم اس سے برابر لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ پورا ہو، ایرانیوں نے پوچھا اللہ کا وہ وعدہ کیا ہے۔؟ انھوں نے کہا جو مر جائے اُس کے لئے جنت اور جو زندہ رہے اُس کے لئے فتح اور کامیابی۔

رستم نے کہا ہم نے تمھاری گفتگو سن لی کیا یہ ممکن ہے کہ تم اس مسئلہ کو موخر کر دو تاکہ ہم اور تم اس پر اچھی طرح غور کر لیں۔؟ حضرت ربعی نے کہا ہاں تم کتنا وقت چاہتے ہو ایک دن یا دو دن؟ رستم نے کہا نہیں ہم اتنی مدت چاہتے ہیں کہ قوم کے سرداروں اور اہل الرائے سے مشورہ کر سکیں، حضرت ربعی نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے یہ طریقہ مقرر نہیں کیا کہ ہم جنگ کے موقع پر دشمن کو تین دن سے زیادہ مہلت دیں اپنے معاملہ پر اچھی طرح غور کر کے تین باتوں میں سے ایک اختیار کر لو، رستم نے پوچھا کیا مسلمانوں کے سردار تم ہی ہو۔؟ حضرت ربعی نے کہا نہیں، لیکن مسلمان ایک جسم واحد کی طرح ہیں ان کا ہر فرد ذمہ دار حیثیت رکھتا ہے ان کا معمولی سپاہی بھی سردار کی رائے کے بغیر معاہدہ کر سکتا ہے اور پناہ دے سکتا ہے

رستم نے اپنے سرداروں کو جمع کیا اور کہا تم نے اس سے زیادہ سنجیدہ اور پر وقار گفتگو کبھی سنی ہے؟ انھوں نے کہا خدا نہ کرے آپ اس کی طرف مائل ہو جائیں اور اپنا دین چھوڑ دیں، آپ نے اس کتے کا لباس نہیں دیکھا، رستم نے کہا برا ہو تمھارا لباس کو نہ دیکھو عقل گفتگو اور سیرت کو دیکھو عرب ہمیشہ سے **کھانے اور لباس کی پروا نہیں کرتے اور عزت و شرافت پر جان دیتے ہیں**[1]

اسی طرح مغیرہ بن شعبہؓ رستم کے پاس گئے اور اس کے برابر تخت پر بیٹھ گئے، ایرانیوں کو یہ بات ناگوار ہوئی وہ شور مچانے لگے، مغیرہ بن شعبہؓ نے کہا: اس سے میرے اعزاز میں کوئی اضافہ نہیں ہوا اور نہ تمھارے سردار کی توہین ہوئی۔ رستم نے کہا سچ ہے[2]

مسلمانوں کے سب سے بڑے مددگار اور معاون اُن کے اخلاق عالیہ ان کی ایمانی صفات اور اُن کی نکی سیرت تھی وہ اس وصف میں ممتاز اور معروف تھے جہاں کہیں جاتے اور قیام کرتے ان کے اخلاق حسنہ اور ایمانی اوصاف اس کا مقدمۃ الجیش ہوتے یہ اخلاق و اوصاف اُن کے لئے دلوں کو مسخر کر لیتے تھے، نفوس میں ان کی عظمت و محبت پیدا کر دیتے تھے، تلواروں نیزوں اور بھالوں سے پہلے ان کے اوصاف و اخلاق اپنا کام کر لیتے تھے جو لوگ ان کے اخلاق حسنہ اور حسن عمل کا مشاہدہ کرتے انھیں یقین ہو جاتا کہ یہ لوگ مغلوب نہیں ہو سکتے اور عنقریب یہ دنیا پر چھا جائیں گے اور یہ کہ اُن کے اور اُن کے معاصرین کے درمیان انسانوں اور جانوروں کا فرق ہے۔

احمد بن مروان مالکی اپنی کتاب "مجالستہ" میں ابو اسحٰق سے روایت کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"لڑائی کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں دشمن ایک ساعت بھی نہ ٹھہر پاتے تھے، رومی جب شکست کھا کر انطاکیہ آئے تو ھرقل نے اُن سے کہا "مجھے بتاؤ وہ کیسے لوگ ہیں جن سے تم جنگ کرتے ہو کیا وہ تمھاری طرح انسان نہیں ہیں؟ رومیوں نے کہا کیوں نہیں، وہ انسان ہی ہیں، ھرقل نے کہا پھر تعداد میں تم زیادہ ہو یا وہ۔؟ رومیوں نے کہا نہیں ہم اُن سے ہر موقع پر کئی گنا زیادہ رہے، ھرقل نے کہا پھر تم کو کیوں شکست ہو جاتی ہے۔؟ رومی سرداروں میں سے ایک بڈھے شخص نے کہا "اس لئے کہ وہ رات کو عبادت کرتے ہیں، دن کو روزہ رکھتے ہیں، عہد پورا کرتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں، برائی سے روکتے

(۱) البدایہ والنہایہ جلد ۷، ص۴۳ ۔ (۲) ایضاً جلد ۷، ص۴۳

ہیں، آپس میں عدل و انصاف سے کام لیتے ہیں اور ہم شراب پیتے ہیں، زنا کرتے ہیں، حرام کے مرتکب ہوتے ہیں، عہد توڑتے ہیں، ایک دوسرے کا حق غصب کرتے ہیں، ظلم کرتے ہیں، ایک دوسرے کو برائی کی تلقین کرتے ہیں، زمین میں فساد کرتے ہیں، خدا کی نافرمانی کرتے ہیں ھرقل نے کہا تم سچ کہتے ہو"

"اسی ھرقل نے ایک رومی سے جو مسلمانوں کے یہاں قید ہو گیا تھا کہا "مجھے ان کے حالات سناؤ" اس نے کہا "میں آپ کو اس طرح سناؤں گا گویا آپ انھیں اپنی نظر سے دیکھ رہے ہیں "دن کو وہ شہسوار ہوتے ہیں، رات کو راہب معلوم ہوتے ہیں، ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقہ پر نہیں کھاتے، نہ ایک دوسرے کے یہاں بغیر سلام کے داخل ہوتے ہیں، دشمن کے مقابلہ پر جب تک انھیں فتح نہ ہو جائے پہاڑ کی طرح جمے رہتے ہیں" ھرقل نے کہا "اگر تم سچ کہتے ہو تو وہ دن دور نہیں جب یہ لوگ میرے قدموں کے نیچے کی زمین لے لیں گے"[1]

ایک اور رومی اپنے سردار سے مسلمانوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔

"وہ لوگ ضعیف و لاغر ہیں، شریف گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں، رات کو وہ راہب معلوم ہوتے ہیں، دن کو شہسواری کرتے ہیں اور اپنے نیزے بھالے درست کیا کرتے ہیں، قرآن خوانی اور ذکر و تسبیح کی وجہ سے ان کی مجلس میں ایسا شور رہتا ہے کہ اگر آپ اپنے ہمنشیں سے کوئی بات کریں تو وہ سُن نہ سکے"

سردار نے یہ سنکر اپنے ساتھیوں سے کہا یہ ان کے ایسے حالات بتاتا ہے جن کا تم مقابلہ نہیں کر سکتے"[2]

ان اخلاق نے مسلمانوں کو اپنے ان دشمنوں میں بھی محبوب بنا دیا تھا جن سے وہ جنگ کیا کرتے تھے وہ ان اخلاق کی وجہ سے مسلمانوں کو اپنے ہم مذہبوں اور ساتھی وطن پر ترجیح دیتے تھے، ان کی فتح کے متمنی رہتے تھے اور درپردہ وہ ان کی خیر خواہی کیا کرتے تھے۔ علامہ بلاذری فتوح البلدان میں لکھتے ہیں۔

"ابوحفص دمشقی سعید بن عبدالعزیز کے واسطے سے بیان کرتے ہیں کہ جب ھرقل نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے لشکر جمع کیا اور مسلمانوں کو ان کی آمد کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے حمص والوں سے جو جزیہ لیا تھا وہ انھیں واپس کر دیا اور کہدیا کہ اب ہم اپنی سخت مشغولیت کی وجہ سے تمہاری

(۱) البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۵ (۲) ایضاً جلد ۷ ص ۱۶

حفاظت کی ذمہ داری ادا نہیں کر سکیں گے لہذا جزیہ کی جو رقم ہم نے تمہاری حفاظت کے عوض میں لی تھی وہ واپس ہے، تم خود اپنی حفاظت کا انتظام کرو" حمص والے اس ایمانداری سے بہت متاثر ہوئے اور کہا تمہاری حکومت اور تمہارا عدل و انصاف ہمیں اس ظلم و زیادتی کے مقابلہ میں ہزار درجہ پسند ہے جس میں ہم پہلے مبتلا تھے، ہم تمہارے عامل کے ساتھ ہرقل کی فوجوں کو روکنے کی کوشش کریں گے" یہودیوں نے یک زبان ہو کر کہا تو ریت کی قسم جب تک ہمارے دم میں دم ہے ہرقل کا عامل "حمص" میں نہیں داخل ہو سکتا۔ چنانچہ انھوں نے دروازے بند کر لئے اور شہر کی حفاظت کرتے رہے، اسی طرح ان عیسائی اور یہودی شہر والوں نے بھی کیا جن سے مسلمانوں نے صلح کر لی تھی، ان سب نے آپس میں متفق ہو کر کہا اگر رومی غالب آگئے تو ہم پھر اسی ظلم و زیادتی کا شکار ہو جائیں گے اور اگر مسلمانوں کی حکومت باقی رہی تو ہمیں اپنے معاملات میں پوری آزادی رہے گی۔

پھر جب خدا کی مدد سے مسلمان غالب آگئے اور رومیوں کو شکست ہو گئی تو انھوں نے اپنے شہروں کے دروازے کھول دیئے مختلف کھیلوں اور باجوں کے ساتھ مسلمانوں کی فتح کی خوشی منائی، بڑی مسرت سے ان کا استقبال کیا اور خوشی خوشی جزیہ دیا۔[1]

یہ تصویر کا ایک رخ تھا اب دوسرا رخ بھی ملاحظہ ہو۔

زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ مسلمانوں کی اندرونی حالت میں انقلاب آیا۔ وہ اس مقصد کو بھول گئے جس کے لئے اللہ نے اپنی بیشمار قوموں کی موجودگی کے باوجود انھیں انتخاب کیا تھا یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔ وہ اپنے جزیرہ سے جو مقصد لے کر چلے تھے کہ لوگوں کو انسانوں کی خدائی سے نکال کر خدائے واحد کا پرستار بنائیں اسے فراموش کر دیا، لوگوں پر الٰہی قوانین کے بجائے اپنے وضع کئے ہوئے قانون نافذ کرنے لگے۔ قید و بند سے آزاد ایک طرح کی اباحی زندگی گذارنے لگے گویا نہ وہ نبی کی امت ہیں اور نہ انھیں وحی و رسالت پر ایمان ہے، نہ حساب کا ڈر ہے، اور نہ آخرت کا خوف، وہ ان جاہلی قوموں سے پورے طور پر مشابہ ہو گئے جن سے وہ کل تک جنگ کر رہے تھے، اب وہ تمدن، اجتماع

(۱) فتوح البلدان ص ۱۳۷۔

سیاست، اخلاق، معاشرت اور بہت سی چیزوں میں انہی مغضوبین وضالین کی تقلید کرنے لگے جن کی وجہ سے اللہ ان سے ناراض ہوا تھا اور ان پر اپنا غضب نازل کیا تھا۔

ان کے پیش نظر کوئی صحیح اور اعلیٰ مقصد نہ رہا، ان کی تگ ودو اور جد وجہد کھانے پینے اور عیش وعشرت تک محدود ہو گئی۔ دنیا کی قوموں میں ان کا کوئی امتیاز اور خصوصیت باقی نہ رہی، اپنے ہم جنسوں کی طرح وہ بھی انسانوں کا ایک گلہ ہو کر رہ گئے، بلکہ ان کے بعض بادشاہ اور سلاطین تو دوسری قوموں کے جبابرہ اور فراعنہ سے بھی بازی لے گئے، ان کے دولتمندوں میں تکبر پیدا ہو گیا ان کے سردار اور "اکابر قوم" فسق وفجور میں مبتلا ہو گئے یہاں تک کہ جب اس امت کے فساق وفجار بغض وحسد، جاہ طلبی، دنیا پرستی، عیش پسندی، آخرت سے غفلت، خونریزی بے حیائی، حق تلفی بدعہدی، بے وفائی، حدود اللہ سے تجاوز ظلم وبے انصافی، اسراف وتبذیر اور فواحش ومنکرات وغیرہ وغیرہ مختلف جرائم میں دوسری قوموں سے بھی سبقت لے گئے تو ان پر بھی غضب الٰہی نازل ہوا اور وہ باوجود اس کے کہ ان کے ملک میں بعض دینی شعائر کا رواج تھا اور ان کے نام اسلامی قسم کے تھے وہ خدا کی نظروں میں حقیر ہو گئے اور باوجود اپنی وسیع سلطنت، لاتعداد افواج، بیشمار خزانوں اور اپنی شاندار تہذیب کے وہ لوگوں کی نگاہ میں بے وقعت ہو گئے، لوگوں کے دلوں سے ان کی عظمت و ہیبت جاتی رہی اور وہ ان پر جری ہو گئے۔

سج اور سجستان کے بادشاہ رتبیل نے یزید بن عبد الملک کے قاصدوں سے جو اس کے پاس خراج کا مطالبہ کرنے گئے تھے پوچھا "وہ لوگ کیا ہوئے جن کے پیٹ پچکے ہوئے تھے، جن کے چہرے نمازوں کی وجہ سے سیاہ تھے اور جو کھجوروں کی چپل پہنا کرتے تھے"؟ لوگوں نے کہا وہ گذر گئے، رتبیل نے کہا "اگرچہ تمہارے چہرے ان سے زیادہ خوبصورت اور شاندار ہیں لیکن وہ تم سے زیادہ عہد کے پابند اور طاقتور تھے"[1] یہ کہہ کر اس نے قاصدوں کو واپس کر دیا اور خراج دینے سے انکار کر دیا۔

یہ دوسری صدی کا واقعہ ہے، بعد کی صدیوں میں جو مزید انحطاط ہوا وہ سب کو معلوم ہے جب مسلمانوں کی غفلت شعاری اور عیش پسندی حد سے زیادہ بڑھ گئی تو خدا نے تاتاریوں

(1) فتوح البلدان ص۴۰۲

اور مغلوں کو ان پر مسلط کر دیا جو دنیا کی سب سے زیادہ ذلیل، گمنام، جاہل اور وحشی قومیں تھیں انھوں نے مسلمانوں کو اپنے ظلم وستم کا خوب خوب نشانہ بنایا، ان کے خون سے نہریں اور ندیاں بہا دیں، ان کے سروں سے محل اور قلعے تعمیر کر ڈالے، اور ان کے ساتھ وہ کچھ کیا جس کے سننے اور بیان کرنے کی کسی مسلمان میں تاب نہیں۔ انھوں نے بے پناہ ظلم اور تشدد کر کے ان کے دلوں میں اس طرح اپنا رعب بٹھایا کہ وہ تاتاریوں کی شکست کو محال سمجھنے لگے۔ ابن اثیر کا بیان ہے بعض لوگوں سے سنا گیا کہ "جو شخص تم سے کہے کہ تاتاریوں کو شکست ہو گئی اس کی تصدیق نہ کرو" مسلمانوں کے دلوں میں تاتاریوں کا اس قدر رعب تھا کہ ایک ایک تاتاری مسلمانوں کی پوری پوری جماعت کو قتل کر ڈالتا اور وہ بھیڑوں اور بکریوں کی طرح بلا دانے مدافعت کے قتل ہوتے، ایک مرتبہ ایک تاتاری عورت ایک مکان میں داخل ہوئی اور گھر کے اکثر آدمیوں کو قتل کر ڈالا وہ سب اسے مرد سمجھتے رہے اور بلا تکلف اس کے ہاتھوں قتل ہوتے رہے، اسی طرح ایک مرتبہ ایک تاتاری ایک پھاٹک میں داخل ہوا جس میں سو آدمی تھے اس نے ان سب کو ایک ایک کر کے قتل کر ڈالا ان میں سے کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ اس کی طرف ہاتھ بھی بڑھا سکے۔

لوگوں پر کچھ ایسا خوف اور ایسی مایوسی طاری ہو گئی تھی کہ انھوں نے اپنی مدافعت ہی چھوڑ دی تھی اور اپنے آپ کو تاتاریوں کے حوالے کر دیا تھا۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ایک تاتاری نے ایک مسلمان کو گرفتار کیا لیکن اس کے پاس ہتھیار نہ تھا جس سے وہ قتل کرتا اس نے مسلمان سے کہا کہ اپنا سر اس پتھر پر رکھے رہو میں تلوار لے کر آتا ہوں، مسلمان نے پتھر پر سر رکھ دیا اور رکھے رہا یہاں تک کہ تاتاری تلوار لے کر آیا اور اسے قتل کیا۔ ابن اثیر کہتا ہے کہ اس قسم کے بے شمار واقعات اس زمانہ میں پیش آئے۔

یہی ابن اثیر تاتاری فتنہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"ایک عرصہ تک میں اس واقعہ کے ذکر سے گریز کرتا رہا اور ٹالتا رہا کون ایسا مسلمان ہو گا جس کے لئے اسلام کی خبر مرگ دینا آسان ہو اور جو اس مصیبت عظمیٰ کا حال بیان کر سکے کاش میں پیدا ہی نہ ہوتا یا اس واقعہ سے پہلے ہی مر جاتا اور نسیاً منسیاً ہو جاتا یہ واقعہ اس قدر المناک ہے کہ تاریخ عالم میں اس کی نظیر نہیں ملتی اگر کوئی شخص کہے کہ ابتدائے آفرینش

سے اس وقت تک مخلوق کو ایسی مصیبت نہیں پیش آئی تو اس میں ذرا بھی مبالغہ نہ ہوگا اور شاید قیامت تک اس قسم کا واقعہ نہ پیش آئے۔''

لیکن یہ زبردست حادثہ بھی مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لئے کافی نہ ہوا وہ بدستور اپنے نشہ میں مدہوش رہے ان پر خدا کا یہ قول صادق آیا لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ (قسم ہے تیری جان کی وہ اپنے نشہ میں بہک رہے ہیں) اور فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُمْ بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا وَلَٰكِنْ قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ'' (ان پر جب ہمارا عذاب آیا تو وہ کیوں نہ گڑگڑائے۔ لیکن ان کے دل سخت ہو گئے تھے اور شیطان نے ان کے لئے ان کے اعمال کو آراستہ کر دیا تھا) اور وَلَقَدْ أَخَذْنَاهُم بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُونَ'' (اور ہم نے ان کو عذاب میں گرفتار کیا پس نہ وہ خدا کے سامنے جھکے اور نہ گریہ وزاری کی) ان کی یہ غفلت وسرکشی، فسق وفجور اور لہو ولعب میں کمی نہ ہوئی اور یہ بڑے بڑے تازیانے بھی انھیں عبرت نہ دلا سکے یہاں تک کہ ابن اثیر کو لکھنا پڑا

''اللہ اپنی طرف سے اسلام اور مسلمانوں کی مدد کرے، شاہان اسلام میں نہ نصرت دین کا جذبہ ہے نہ شوق جہاد ہے وہ سب لہو ولعب تعیش اور رعایا کو لوٹنے میں مصروف ہیں، یہ صورت حال میرے نزدیک دشمنوں کی عداوت سے زیادہ خوفناک ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''واتقوا فتنۃ لاتصیبن الذین ظلموا منکم خاصۃ'' (اور ڈرو اس عذاب سے جو تمھارے ظالموں ہی تک محدود نہ رہے گا)''

ایک بات خاص طور پر قابل لحاظ ہے وہ یہ کہ اس پر آشوب اور پر فتن زمانہ میں بھی جب مسلمانوں پر ہر طرف سے اعدا کی یورش تھی اور فتنوں کا ہجوم تھا، جب کبھی مسلمان خواب غفلت سے بیدار ہوئے، اپنے حالات کی اصلاح کی، اپنی کمزوریوں کو دور کیا اور صبر وثبات کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کیا تو انھیں فتح ہوئی، انھوں نے تاتاریوں کو شکست دی جو شکست سے ناواقف تھے اور لوگ ان کی شکست کے قائل ہی نہ تھے، جلال الدین خوارزمشاہ نے انھیں تین بار شکست دی، ظاہر نے انھیں ''بیرس'' میں متعدد بار شکست دی ''الملک الناصر'' والی مصر نے ''مرج الصفر'' میں شکست دی سیوطی عین جالوت کی جنگ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے

"تاتاریوں نے بری طرح شکست کھائی اور مسلمانوں کو عظیم الشان فتح ہوئی تاتاریوں کی بڑی تعداد قتل ہو گئی اور باقیماندہ بھاگ گئے"۔ (۱)

بہر حال اس قسم کے واقعات بھی پیش آتے رہے لیکن مجموعی حیثیت سے مسلمانوں کی حالت برابر گرتی رہی۔ وہ بڑی تیزی سے ضعف و پستی کی طرف ہی بڑھتے رہے، ان کے اخلاق میں مرور ایام کے ساتھ ضعف اور انحطاط آتا گیا، ان کے حالات بد سے بدتر ہوتے گئے، یہاں تک کہ وہ ایک کھوکھلی قوم ہو کر رہ گئے جس میں نہ کوئی روح تھی نہ جان۔ وہ لکڑی کے اس بڑے محل کی مانند ہو گئے جو دور سے شاندار معلوم ہوتا ہو لیکن اس میں اندر سے خول ہو گیا ہو یا اس بڑے تناور درخت کے مانند جو اب تک گرا نہ ہو لیکن اسے دیمک اور کیڑوں نے کھا لیا ہو۔ ان کے خوبصورت اور پر عظمت شہر دشمنوں کی چراگاہ بن گئے جن کا کوئی والی و محافظ نہ رہا، ان کی حکومتیں شکاریوں کا شکار اور حریص دشمنوں کا نوالہ بن گئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی پوری ہو گئی۔

"عنقریب قومیں تم پر اس طرح یورش کریں گی جس طرح کھانے والے طبق کے گرد جمع ہو جاتے ہیں، ایک شخص نے پوچھا: یا رسول اللہ کیا ہم اس وقت بہت کم ہوں گے؟ آپ نے فرمایا نہیں تم اس وقت زیادہ ہو گے۔ لیکن تم سیلاب کے خس و خاشاک کی طرح ہو گے، اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دل سے تمہارا رعب اٹھائے گا اور تمہارے دلوں میں "وھن" پیدا ہو جائے گا۔ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ وھن کیا ہے؟ آپ نے فرمایا "دنیا کی محبت اور موت کا خوف" (۲)

مسلمانوں کا یہ انحطاط قائم رہا بلکہ بڑھتا گیا آخر کار اٹھارویں صدی میں ان پر مغرب کی عیسائی اور جاہلی قوموں نے یورش کی اور ایک طویل کشمکش کے بعد مسلمانوں نے ان کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے، اپنے ممالک کی کنجیاں ان کے حوالہ کر دیں اور ان کے حق میں قیادت عالم سے دست بردار ہو گئے، ان کا اخلاقی انحطاط اس قدر بڑھ چکا تھا کہ ان میں

(۱) تاریخ الخلفاء (۲) ابوداؤد

خائن اور غدار پیدا ہوئے جنھوں نے اپنی قوم سے خیانت کی، اپنے ملک کو چند سکوں کے عوض فروخت کر دیا، دشمنوں کی فوج میں رضا کارانہ طور پر اپنی خدمات پیش کیں اور ان کے وفادار خادم بن گئے۔

یہ مغربی یورش اپنے اثرات اور نتائج کے اعتبار سے تاتاری اور مغل یورش سے کہیں زیادہ مہلک ثابت ہوئی اس نے مسلمانوں کے دلوں سے ایمان کی وہ ہلکی چنگاری بھی بجھا دی جو پوشیدہ رہ گئی تھی اور طویل صدیاں گذرنے پر بھی نہ مٹ سکی تھی اور جو بار بار روشن ہو جایا کرتی تھی۔

حکمار مغرب نے مسلمانوں کی قوت کا منبع تلاش کیا تو انہیں معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں زندگی اور قوت کا سرچشمہ "ایمان" ہے۔ ان کو ایمان کی طاقت کا اندازہ تھا، انھوں نے ایمانی طاقت کے معجزات و خوارق کا مشاہدہ کیا تھا، وہ جانتے تھے کہ ایمان کیا کچھ کر سکتا ہے، اسلیے انھوں نے ایمان کی عداوت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اور مسلمانوں پر دو ایسے دشمن مسلط کر دیئے جو تاتاریوں اور مغلوں سے زیادہ ظالم اور سفاک تھے۔

ایک شک اور تذبذب جس سے زیادہ بزدلی پیدا کرنے والی کوئی چیز نہیں۔

دوسرے ذہنی غلامی۔ مسلمان اپنے دلوں کی گہرائیوں میں ذلت محسوس کرنے لگے وہ خود اپنی نظروں میں حقیر ہو گئے، انھیں اپنا دین، اپنا اخلاق اور اپنی تہذیب سب کچھ حقیر معلوم ہونے لگا، وہ ہر شے میں اپنے یوروپین آقاؤں کے تفوق کے قائل ہو گئے۔ ہر بھلائی کو اُن کی طرف منسوب کرنے لگے اور زندگی کے کسی گوشہ میں ان کے نقص و خامی کے قائل ہی نہ رہے اُن کے دلوں سے یہ بات بالکل نکل گئی کہ یوروپینوں کو بھی شکست ہو سکتی ہے ظاہر ہے کہ جب کسی قوم میں اس قسم کی ذہنی غلامی پیدا ہو جائے تو اس کے مردہ ہونے میں کوئی شک نہیں خواہ اس کے افراد چلتے پھرتے اور کھاتے پیتے کیوں نہ ہوں۔

اس مرتبہ مسلمانوں میں مغربی فلسفہ اور تمدن کے اثر سے "مادیت" اور دنیا پرستی غالب آگئی، وہ نفع عاجل کے پیچھے دوڑنے لگے اور اپنی حکمراں مغربی قوموں کی طرح شخصی مصلحتوں اور ذاتی منفعتوں کو اصول و اخلاق پر ترجیح دینے لگے، اس ذہنی مادیت کا نتیجہ

یہ ہوا کہ ان میں ضعف اور کم ہمتی پیدا ہوگئی "جہاد" کے نام سے ان کو لرزہ آنے لگا موت کے تصور سے وہ کانپنے لگے، تلخیاں اور مصائب برداشت کرنے کی ان میں ہمت نہ رہی وہ اپنے اصول اور نصب العین کے لئے قربانی سے کترانے لگے،

اس تعلیم اور فلسفہ سے مسلمانوں میں ایک ایسی جماعت پیدا ہوئی جو لپنے ظاہر کے اعتبار سے نہایت خوشنما لیکن باطن کے اعتبار سے اتنی ہی گندی، ان کے چہرے نہایت شاندار ان کا لباس نہایت دیدہ زیب، ان کی زبان نہایت شیریں، ان کے ذہن نہایت روشن لیکن ان کی روح نہایت تاریک، ان کے دل نہایت کھوکھلے، یقین سے قطعی خالی، ان کے عقائد مذبذب، صبر و برداشت سے بالکل نامانوس، اخلاق و ارادہ کے انتہائی کمزور دین کو دنیا کے عوض میں فروخت کرنے والے، آخرت پر دنیا کو ترجیح دینے والے، قوم اور ملک کو شخصی اغراض و منافع اور نام و نہاد عزت وجاہ کے عوض میں فروخت کر دینے والے، اپنی ذات اور قوم سے بدگمان رہنے والے، دوسروں پر بھروسہ کرنے والے" وَاِذَا رَاَیْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ وَاِنْ یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ یَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَیْحَةٍ عَلَیْهِمْ" (اور اگر آپ انہیں دیکھیں تو ان کے جسم آپ کو اچھے معلوم ہوں گے اور اگر وہ گفتگو کریں تو آپ کان لگا کر ان کی بات سنیں گے۔ گویا وہ ٹیک لگائی ہوئی لکڑیاں ہیں، ہر آواز کو اپنے ہی خلاف سمجھتے ہیں)

یہی لوگ آج کل مسلمانوں کے نمایندہ ہیں ان ہی کے ہاتھ میں قوم کی باگ ڈور ہے انھیں کو اسلامی ممالک کی بہار اور رونق کہنا چاہئے۔

ان لوگوں نے مسلمانوں کو "روباہی فلسفہ" کی تعلیم دی، ان میں بزدلی اور کم ہمتی کا پرچار کیا، انھیں "اکثریت" اور "اقلیت" کے لایعنی مسائل میں الجھایا توکل علی اللہ اور خود اعتمادی کے بجائے دوسروں پر بھروسہ کرنا اور ان کے سامنے ہاتھ پھیلانا سکھایا وہ اپنی بقاء حیات کے لئے دوسروں کے محتاج ہو گئے۔

ان لوگوں نے مسلمانوں کے دلوں سے جہاد فی سبیل اللہ اور حمیت دین کا جذبہ نکال کر وطنیت اور قومیت کا بیج بویا مسلمان قوم کا وہ جنون جس سے عقل و حکمت کا چشمہ پھوٹتا

تھا، جس نے دیکھتے ہی دیکھتے وہ کچھ کر دکھایا جو عقل و خرد سے ہزاروں سال میں بھی نہ ہو سکا تھا، اس حکیمانہ اور عاقلانہ جنون کو انھوں نے ناقص اور بیمار "عقلیت" سے تبدیل کر دیا جس کے سامنے بہانوں اور رکاوٹوں کے سوا کچھ نہیں سہ

اس جنوں سے تجھے تعلیم نے بیگانہ کیا

جو یہ کہتا تھا خرد سے کہ بہانے نہ تراش

ان لوگوں نے یہ نہ سوچا کہ ہم جس قوم کی نمائندگی کر رہے ہیں اس کی ایک خاص طبیعت ہے ایک خاص مزاج ہے جو دنیا کی دوسری قوموں کے مزاج سے بالکل جدا ہے اس کی اصلاح و تقویم کے طریقے دوسری قوموں کی اصلاح و تقویم کے طریقوں سے مختلف ہیں، یہ درخت اپنے اکثر حالات اور قوانین میں دنیا کے دوسرے درختوں سے مختلف ہے، یہ اس پانی سے نہیں شاداب ہو سکتا جس سے دنیا کے دوسرے پودے سیراب ہوتے ہیں۔ یہ اس طرح نہیں پھل پھول سکتا جس طرح دنیا کے دوسرے درخت پھلتے پھولتے ہیں، یہ اپنی نوعیت اور جنسیت میں دنیا کے ہر درخت سے جدا ہے۔ جو اسے دوسرے درختوں پر قیاس کرے گا اور اس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرے گا یا اس میں کوئی قلم لگائے گا وہ اسے نقصان پہونچائے گا بلکہ اسے ضائع کر دے گا لیکن ان لوگوں نے اس امت کو بھی دوسری قوموں پر قیاس کیا، انھوں نے سوچا یہ بھی دوسری قوموں کی طرح افراد کا مجموعہ ہے، ان کی ضرورتیں اور ان کی ضرورتیں ایک ہی ہیں، ان کی زندگی اور موت کے قوانین ایک ہی ہیں، انھوں نے اس کے لئے بھی وہی نسخہ تجویز کر دیا جو اطبائے عام طور پر قوموں کی اصلاح کے لئے تجویز کیا تھا، انھوں نے کہا اس امت کی پریشانیوں کی جڑ بنیاد فقر و افلاس ہے، زندگی اور قوت کا سرچشمہ دولت ہے، جب تک مسلمانوں کی اقتصادی حالت درست نہ ہو گی ان کی مصیبتیں دور نہیں ہو سکتیں، انھوں نے بڑی شدت سے دنیا کمانے کا مشورہ دیا، بنیک اور بیمہ کمپنیاں قائم کیں، اور ہر ذریعہ سے قوم کو ان کی طرف راغب کیا اپنی اس دھن میں، انھوں نے یہاں تک تجاوز کیا کہ "سود" کو بھی حلال قرار دیا اور

وہ تمام حدود توڑ دیئے جو شریعت نے مقرر کئے تھے، صرف اس حرص میں کہ مسلمان بھی دولتمند ہو جائیں، انھیں بھی دوسروں کی طرح سامان عیش حاصل ہو جائے، ان کی قومی دولت میں اضافہ ہو، وہ اپنے برادران وطن اور ہمسایہ قوموں سے سرمایہ داری میں پیچھے نہ رہیں

ان کی یہ ذہنیت یقیناً غیر اسلامی ہے، ان کی یہ تشخیص بھی غلط ہے کہ مسلمان فقرو افلاس کی وجہ سے تباہ ہوئے، جو شخص مسلمانوں کی تاریخ سے واقف ہے وہ جانتا ہے کہ مسلمان فقرو افلاس کی وجہ سے نہیں بلکہ سرمایہ داری کی وجہ سے تباہ ہوئے، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے متعلق دنیا کی کشادگی اور فراوانی سے اندیشہ تھا، آپ اکثر مسلمانوں کو تنبیہ کیا کرتے تھے اور دولت کے انجام سے ڈرایا کرتے تھے فرماتے تھے۔

"مجھے تمھارے متعلق فقرو افلاس سے اندیشہ نہیں لیکن میں ڈرتا ہوں کہ دنیا تم پر کشادہ ہو جائے، جس طرح تم سے پہلے دوسری قوموں کے لئے کشادہ ہوئی اور تم اس میں ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہو اور اسی طرح ہلاک ہو جاؤ جس طرح تم سے پہلے دوسری قومیں ہلاک ہوئیں"[1]

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف رکھتے تھے ہم لوگ آپ کے گرد بیٹھے تھے آپ نے فرمایا۔

میرے بعد تمھیں دنیا کی جو فراوانی اور زیب و زینت حاصل ہونے والی ہے اس سے مجھے اندیشہ ہے"[2]

کعب ابن عیاض رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ

ہر قوم کے لیے ایک فتنہ ہے اور میری قوم کا فتنہ مال ہے"[3]

علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں

(۱) متفق علیہ (۲) متفق علیہ (۳) ترمذی

"ہم لوگ مسجد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے تھے کہ مصعب بن عمیر آئے ان کے جسم پر صرف ایک چادر تھی، وہ بھی پیوند لگی ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی سابق امیرانہ زندگی کو یاد کر کے رو دیئے، پھر آپ نے فرمایا تمہارا کیا حال ہوگا جب تم صبح وشام لباس تبدیل کیا کرو گے، تمہارے سامنے ایک برتن رکھا جائے گا ایک اٹھایا جائے گا اور تم اپنے گھروں میں اس طرح پردے لگاؤ گے جس طرح کعبہ پر غلاف چڑھائے جاتے ہیں لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ہم اس دن آج سے بہتر ہوں گے فکر معاش سے آزاد ہونگے اور یکسوئی سے عبادت میں مشغول ہوں گے۔ آپ نے فرمایا نہیں تم آج اس دن سے بہتر ہو"[1]

جو شخص دمشق بغداد قرطبہ غرناطہ اور دوسرے اسلامی شہروں کی تاریخ تمدن سے واقف ہے، اور اس اخلاقی اور اجتماعی انحطاط پر نظر رکھتا ہے جو مسلمانوں میں ان کی تہذیب کے عروج کے زمانہ میں ظاہر ہوا۔ وہ حرف بحرف ان پیشین گوئیوں کی تصدیق کرے گا جنھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ کہنا چاہیئے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ مستقبل کے آئینہ میں دیکھ رہے ہیں اور سب کچھ مشاہدہ کے بعد فرماتے ہیں حالانکہ یہ سب کچھ وحی والہام اور انبیاء علیہم السلام کی حکمت وفراست ہے

ہمیں سرمایہ کی ضرورت اور قوموں کی زندگی میں اس کی اہمیت سے انکار نہیں، لیکن ہم ایک لمحہ کے لئے یہ تسلیم نہیں کر سکتے کہ سرمایہ ہی اس اُمت کی واحد ضرورت ہے اور صرف اقتصادی حالت درست ہو جانے سے مسلمانوں کی اصلاح ہو جائے گی اور وہ دنیا میں اپنے شایان شان منصب حاصل کر لیں گے اس جد وجہد میں اگر اس کے داعیوں کو خاطر خواہ کامیابی بھی ہو جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ مسلمان قوم بھی ایک دوسری یہودی قوم کی صورت میں منتقل ہو جائے اور ان مجرم سرمایہ دار قوموں کی تعداد میں ایک کا اضافہ ہو جائے جن کا سرمایہ آج دنیا کے لئے عذاب بنا ہوا ہے اور جن کے مٹانے اور لوگوں کو ان کے پنجہ ظلم سے رہائی دلانے کے لئے اُمت مسلمہ مبعوث ہوئی تھی، علاوہ ازیں اس کا انجام صرف یہ

---

(۱) ترمذی

ہوگا کہ مسلمانوں میں دنیوی زندگی سے محبت، موت سے خوف اور جہاد سے بے رغبتی بڑھ جائیگی
ایک اور گروہ نے نعرہ لگایا کہ اس قوم کی ضرورت صرف "تعلیم" ہے، اس میں تعلیم کی کمی ہے
اگر اس قوم کے افراد غیر ملکی زبانیں سیکھ لیں اور ان میں اہل زبان کی طرح مہارت حاصل کرلیں، علوم جاریہ سے واقف ہو جائیں تو قوم کی تمام مشکلات حل ہو جائیں اور ساری مصیبتیں دور ہو جائیں
اس فکر و خیال کے ماتحت انھوں نے مغربی طرز پر اسکول کالج اور یونیورسٹیاں قائم کیں۔ اور ان میں ہر ممکن حد تک اپنے مغربی آقاؤں کی تقلید کی، کبھی کبھی نظام تعلیم میں کچھ معمولی اور سطحی تغیر بھی کر دیا اور مسلمانوں کے دینی جذبہ کو تسکین دینے کے لئے "رسمی" طور پر "دینیات" کا ایک شعبہ بھی قائم کر دیا اور محض اس بناء پر انھوں نے ان کالجوں اور یونیورسٹیوں کو "اسلامیہ کالج" اور "مسلم یونیورسٹی" کا نام دیا۔

ان مغربی علوم کو انھوں نے اپنی روح⁽¹⁾ اور ضمیر کے ساتھ مسلمان نوجوانوں میں منتقل کرنا شروع کیا انھیں نے مسلمان نوجوانوں کو ان علوم اور اس فلسفہ کی تعلیم دی جو یورپ کے جاہلی اور تاریک دور میں مدون ہوا تھا، قرون وسطیٰ میں اور اس کے بعد جب یورپ نے اپنی نصرانیت کا جامہ پھینک دیا تھا اور دین و اخلاق کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا تھا

(۱) ہر علم کی ایک خاص روح اور ضمیر ہوتا ہے جسے اس علم کا مغز اور حاصل کہنا چاہئے، اسلام نے جن علوم کی بنیاد ڈالی اور اپنے قالب میں ڈھالا۔ ان سب میں ایمان، تقویٰ اور خشیت الٰہی کی روح پورے طور پر موجود ہے جیسے تفسیر، حدیث، فقہ، اخلاق، تصوف، یہاں تک کہ مسلمانوں نے جن علوم کو سنوارا اور اصلاح کی وہ بھی دینی روح سے خالی نہیں، جیسے تاریخ اور ادب، یونانیوں نے جن علوم کو وضع کیا یا مرتب کیا وہ سب ان کی خرافات اور جاہلی روح سے مملو ہیں۔ اسی طرح ملحد یورپ نے جن علوم کو مدون کیا ان میں الحاد، انکار خدا، مادہ پرستی، محسوسات پر ایمان اور ان چیزوں کی طرف سے جو سنے، شمار اور مشاہدہ و تجربہ میں نہ آئیں بے اعتنائی، پورے طور پر موجود ہے۔ حالانکہ بعض اخلاق ایسے ہیں جن سے بظاہر کوئی نفع اور لذت نہیں محسوس ہوتی، ان کے علم فلسفہ، ادب، شعر، کہانیوں اور ڈراموں میں یہ روح پورے طور پر موجود ہے۔

اس تعلیم جدید کے داعیوں نے اپنی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے پورا زور صرف کیا مسلمانوں کی بے پناہ دولت ان یونیورسٹیوں اور کالجوں پر صرف ہوئی مسلمانوں کے ہونہار بچے اور بہترین جوان ان تعلیم گاہوں کے لئے وقف ہو گئے۔ لیکن اس جد وجہد کا نتیجہ کیا ہوا؟ ایک عام فکری بے راہ روی افکار وخیالات میں تضاد و ناہمواری، دین میں تشکک اور تذبذب اخلاق وادب سے بیزاری، عزم وارادہ میں ضعف۔ ان سب چیزوں کی وجہ سے یہ نئی تعلیم یافتہ جماعت اپنے گھر والوں اور قوم پر بار ہوگئی۔ قوم کے جسم میں گویا یہ لوگ فساد اور بیماری کے جراثیم تھے جنھوں نے اس کو کمزور اور ناتوان بنا دیا۔

ایک اور جماعت ہے جس کی جد وجہد اور کوشش ملازمتیں اور عہدے حاصل کرنا ہے یہ لوگ ہر ظالم حکومت اور ہر باطل نظام سے تعاون کرتے ہیں ہر حکومت کے سایہ میں اہم عہدے حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں دین کے خلاف قوانین وضع کرتے ہیں اور حکومت کے زور سے انھیں نافذ کرتے ہیں، غیر اسلامی حکومتوں کی جابرانہ اور ظالمانہ کارروائیوں میں شریک رہتے ہیں بلکہ ان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی کوشش کرتے ہیں مسلمانوں کو ان کی فوج میں رضا کارانہ طور پر شریک ہونے کی دعوت دیتے ہیں ان کے علم کے نیچے جنگ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں خواہ انھیں کتنے ہی دینی دلائل سے سمجھا دیا جائے کہ یہ کھلا ہوا "تعاون علی الاثم" اور "قتال فی سبیل الطاغوت" ہے

اس روش کی وجہ سے دنیا کے نزدیک مسلمانوں کی ساکھ اٹھ گئی، انھوں نے اپنا امتیاز و شرف کھو دیا، ان کی شہرت پر بٹہ لگ گیا، صاحب رسالۃ اور صاحب دین قوم کی حیثیت سے ان کی کوئی وقعت نہ رہی، وہ لوگوں کی نظر میں ذلیل ہو گئے۔ وہ مسلمان جن کو عدل وانصاف قائم کرنے کا شریف ترین منصب سپرد کیا گیا تھا جن کو ظالموں اور بے انصافوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا تھا، جنھیں ظالموں اور جابروں کو سزا دینے کا کام سپرد کیا گیا تھا، جن کو یہ تعلیم دی گئی تھی کہ "ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا سب سے بڑا جہاد ہے" وہی مسلمان اب ظالم حکومتوں سے تعاون کرنے لگے، ظلم اور بے انصافی میں ان کا ہاتھ بٹانے لگے اور اسے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت سمجھنے لگے۔ انھیں فخر ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کی انھیں سرکاری ملازمتیں اور عہدے دلوائے اور اپنے ہم وطن غاصبوں سے یہ جگہیں چھین لیں، وہ اپنی اس کامیابی کو

اسلام کے لئے، شرف و عزت کا باعث سمجھتے ہیں۔ بَشِّرِ الْمُنَافِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكَافِرِيْنَ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا۔ (منافقین کو خوشخبری سنا دیجئے کہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ وہ جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں۔ کیا ان کے یہاں عزت تلاش کرتے ہیں عزت تو سب اللہ کے لئے ہے)

ایک اور گروہ نے خیال کیا کہ طاقت حاصل کرنے کا ذریعہ صرف یہ ہے کہ اپنے کو طاقتوروں سے مشابہ بنایا جائے، لباس میں، تہذیب میں، طرزِ معاشرت میں ان کی پوری پوری تقلید کی جائے، اس کی وجہ ابن خلدون کے قول کے مطابق یہ ہے کہ "مغلوب ہمیشہ غالب سے مرعوب رہتا ہے"، اسے اپنے سے برتر و افضل سمجھتا ہے اور کبھی کبھی وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ غالب کا غلبہ طبعی اسباب اور قوت و عصبیت کی وجہ سے نہیں بلکہ چند مخصوص رسوم و آداب کی وجہ سے ہے بس وہ انھیں رسوم و آداب میں قدم بقدم اس کی پیروی کرنے لگتا ہے۔

ان لوگوں نے بجائے ہوائی جہازوں، ٹینکوں، توپوں، مشین گنوں اور عسکری تنظیم کے صرف لباس و فیشن میں یورپین قوموں کی تقلید، شرع کی بے پردگی کا پرچار کیا، پردہ کو احمقانہ اور جاہلانہ رسم قرار دیا، عربی حروف کو مٹا کر لاطینی حروف رائج کئے، اس نام نہاد اصلاح کو کامیاب بنانے کے لئے انھوں نے اختلاف کرنے والوں کو سزائیں دیں، انھیں قید خانوں میں بند کیا ملک سے جلاوطن کیا، حالانکہ ان حرکتوں سے عقلمندوں کے نزدیک ان کی عزت و قوت میں کوئی اضافہ نہ ہوا

یہ ہے مسلمانوں کی اصلاحی کوششوں کا خلاصہ اور یہ ہے ان کی اصلاح کا انداز اکثر اسلامی ممالک میں، یہ ساری تحریکیں حقیقت سے گمراہی، مسلمانوں کے قومی مزاج سے ناواقفیت اور غیر اسلامی طرزِ فکر کا نتیجہ ہیں۔ ان سے مسلمانوں کو نقصان کے سوا کوئی فائدہ نہیں پہونچ سکتا مسلمان قوم اپنی ترکیب میں، اپنے مزاج میں، دوسری قوموں سے بالکل مختلف ہے۔ اس امت کی قوت کا مخصوص سرچشمہ ہے، اندرونی بھی اور بیرونی بھی۔

اندرونی سرچشمہ قلب اور روح ہیں، جب قلب ایمان سے معمور ہو جائے اور روح دینی

تعلیمات اور اسلامی اخلاق کے ذریعہ پاکیزہ ہو جائے، سینہ میں دینی حمیت جوش مارنے لگے، اور اس بجھی ہوئی خوابیدہ قوم کو جو صدیوں سے اپنا نصب العین اور مقصد حیات بھلا چکی ہے معلوم ہو جائے کہ زمانہ اپنی عادت کے مطابق پلٹ چکا ہے، دنیا پھر اسی طرح جاہلیت کے عذاب میں گرفتار ہے جس طرح پہلے تھی "ظہر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس" (لوگوں کے اعمال کی وجہ سے خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا) اور یہ کہ اللہ تعالےٰ نے اسے اپنی امانت سپرد کی ہے، اپنی رسالت کا حامل بنایا ہے، اپنے دین کی اشاعت کے لئے منتخب کیا ہے، اس کی مدد اور غلبہ کا وعدہ کیا ہے "ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین انہم لہم المنصورون وان جندنا لہم الغالبون" (اور ہمارے پیغمبروں کے لئے یہ بات طے ہو چکی کہ وہی کامیاب ہوں گے اور یہ کہ ہماری فوج ہی غالب آئے گی) "ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین" (اور نہ تم سست ہو اور نہ رنجیدہ ہو تم ہی کامیاب ہو گے اگر تم مومن ہو) "کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی" (اللہ نے لکھ دیا ہے کہ خدا اور اس کے رسول غالب آئیں گے) "ان العزۃ للہ ولرسولہ وللمومنین ولکن المنافقین لا یعلمون" (عزت اللہ کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے اور مسلمانوں کے لئے لیکن منافقین نہیں جانتے)۔

اسے دنیا کی کجروی بے عنوانی اور جہل و نادانی کا احساس ہو جائے، اسے دنیا پر رحم آجائے وہ دنیا کا درد دکھ دیکھ کر بیقرار ہو جائے، اسے ایسا معلوم ہو کہ پوری دنیا آگ میں جل رہی ہے اور میرے سوا کسی کے پاس پانی نہیں، وہ اس پانی کو لے کر آگ بجھانے کے لیے دوڑ پڑے، اس راہ میں وہ اپنی لذتیں اپنی مسرتیں اپنا خواب و خور سب کچھ بھول جائے اس پر ایک قسم کا جنون طاری ہو جائے، اسوقت یہی ضعیف اور مردہ قوم ایسی معجز نما قوت میں تبدیل ہو جائیگی جس کا مقابلہ بڑے بڑے پہاڑ نہیں کر سکتے، جس کے خلاف اگر ساری دنیا محاذ بنا لے، اپنی تمام فوجوں اپنے سب لشکروں، اپنی ساری حکومتوں کو اس کے مقابلہ پر اکٹھا کر دے تب بھی غالب نہ آسکے گی وہ قضائے الٰہی اور حکم ربانی بنکر سب کو مغلوب کرلے گی "ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ ولو کرہ الکافرون" (وہی ہے جس نے بھیجا اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ تاکہ اسے غالب کرے تمام دینوں پر اگرچہ کافروں کو یہ بات

ناگوار ہو)

مسلمانوں کی قوت کا بیرونی سرچشمہ قرآن کریم، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرام کی سیرت ہے ہمیشہ سے یہی چیزیں مسلمانوں کے لئے قوت اور زندگی کا منبع، جوش و ایمان کا مخزن، معجزات و آیات کا مجموعہ رہی ہیں مسلمانوں نے ہمیشہ ان ہی چیزوں سے زندگی اور طاقت حاصل کی ہے، ان چیزوں پر مسلمانوں کو خاص توجہ کرنا چاہیئے، ان کی اشاعت میں خاص حصہ لینا چاہیئے، خود پڑھیں اپنے بچوں کو پڑھائیں، ان چیزوں سے مسلمانوں کا رشتہ جسقدر مضبوط ہوگا اسی قدر وہ عزت اور قوت کے مالک ہوں گے

مسلمانوں میں ضعف، بزدلی، خدا کی مدد سے ناامیدی، اس کے وعدوں میں شک، دوسروں پر بھروسہ یہ سب چیزیں اسی وقت پیدا ہوئیں جب انھوں نے کتاب و سنت سے اپنا رشتہ توڑ لیا۔

تمام اصلاحی اور تنظیمی کوششیں اسی وقت کامیاب ہو سکتی ہیں، جب قلب کی اصلاح ہو جائے اور روح طاقتور ہو جائے نیز یہ کوششیں اجتہاد و تفقہ کے ماتحت ہوں اسلامی روح کے موافق ہوں، قوم کے مخصوص مزاج سے مناسبت رکھتی ہوں۔

مسلمان قوم کے بارے میں یہی اللہ کی سنت ہے۔ یہی تیرہ صدیوں کے تجربات ہیں، اور یہی تاریخ کا وہ فیصلہ ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا اور نہ اس میں بحث کی گنجایش ہے ـــــ (لن یصلح اخر ھذہ الامۃ الا بما صلح بہ اولھا)

قرآن مجید اور اوراد و ظائف

قرآن مجید مطبوعہ دہلی مجلد چرمی للعہ

حمائل شریف مترجمہ حضرت تھانوی مع تفسیر مفصل حواشی کاغذ و طباعت عمدہ مجلد چرمی عہ

قرآن مجید مصری چھاپہ اسلام لاہور عکسی مجلد عہ نورانی قرآن مجید عمدہ کاغذ نہایت نفیس اور خوبصورت کتابت و طباعت عمدہ غیر مجلد للعہ

حمائل شریف مصری کارڈ سائز مجلد للعہ

تفاسیر بزبان اردو

تفسیر حقانی کامل آٹھ جلد قیمت کامل عہ

البیان فی علوم القرآن۔ مولٰنا عبد الحق مرحوم کی معرکۃ الآرا اور شہرۂ آفاق کتاب جس میں قرآن پاک کے علوم و معارف پر نہایت محققانہ بحثیں کی گئی ہیں۔ قیمت للعہ

تفسیر عزیزی پارہ تبارک الذی اردو للعہ

تفسیر عزیزی پارہ عم اردو عہ

تفسیر آیہ مساوات از مولٰنا طیب صاحب ۴ر

علامہ فراہی رح

کے تفسیری رسائل ہیں جو چند بالکل نایاب ہیں اُن کے علاوہ تمام اردو عربی رسائل ہم سے طلب فرمائے جا سکتے ہیں۔

سلسلہ تعلیم القرآن:۔ قرآن مجید کے مطالب اور معانی کو نہایت آسان طریق پر ذہن نشین کرنے کے لیے یہ سلسلہ مولٰنا محمد عماد الدین صاحب ناظم دینیات اسلامیہ کالج جالندھر نے تصنیف کیا ہے بیحد مفید ہے عام خواندہ مسلمان اس سے بہت فائدہ اٹھا سکتے ہیں قیمت حصہ اول ۴ر حصہ دوم ۶ر

تعلیم قرآن۔ سورۂ فاتحہ اور والضحیٰ سے لیکر سورۂ الناس تک تمام سورتوں کا لفظی و بامحاورہ ترجمہ اور مختصر تفسیر، طرز بیان دلکش اور موثر ہے۔

قیمت صرف بارہ آنے (۱۲ر)

کتب فقہ و فتاوی بزبان اردو

بہشتی زیور مکمل و مدلل جدید ایڈیشن جو کہ بہر حیثیت اعلیٰ و اکمل ہے قیمت عہ

فیض الستارہ۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الآثار کا اردو ترجمہ مع متن قیمت عہ

نور الاصباح ترجمہ اردو نور الایضاح۔ عہ

ضروری ترجمہ اردو قدوری عہ

مفتاح الجنۃ ۱۲ر

مالابد منہ فارسی عہ

کشف الحاجۃ ترجمہ اردو مالابد منہ ۱۲ر

فتاوی دار العلوم دیوبند دار العلوم دیوبند کا فتاوی بتدریج شائع ہو رہا ہے اب تک اس کی آٹھ جلدیں شائع ہو چکی ہیں جن کی مجموعی قیمت عہ

مجموعہ فتاوی مولٰنا عبدالحئی قیمت عہ

فتاوی عزیزی فارسی ہر دو حصہ نایاب

ایضاً ایضاً اردو ہر دو حصہ عہ

فتاوی محمدی مع شرح دیوبندی ۱۴ر

الجواب المتین (صرف احادیث سے مسائل کا جواب) ۷ر

الحیلۃ الناجزہ:۔ قاضی اسلام نہ ہونے کی وجہ سے مصیبت زدہ عورتوں کے لیے خلع وغیرہ کی جو شرعی مشکلات ہیں اس میں ان کا حل بتایا گیا ہے۔ قیمت عہ

المرقومات للمظلومات:۔ یہ گویا الحیلۃ الناجزہ کا خلاصہ ہے)۔ قیمت صرف آٹھ آنے (۸ر)

آلہ مکبر الصوت۔ لاؤڈ اسپیکر کے شرعی احکام۔ قیمت صرف ۳ر

ترتیب الصلوٰۃ	۱۲ر	ضروریات دین	۲ر
ضرورت دین	۲ر	ضرور المسلمین	۳ر
احکام العیدین	۷ر	راہ نجات	۵ر

کتب اصلاح اخلاق و تصوف

فتوح الغیب مع ترجمہ اردو۔ حضرت پیران پیر کی مشہور و مستند کتاب ہے اس میں حضرت کے ۸۰ مقالے ہیں ترجمہ بہت اچھا کاغذ کتابت، طباعت بھی نہایت اعلیٰ ہے۔ قیمت دو روپیہ آٹھ آنہ عہ

یادگار دستگیر حضرت پیران پیر کی مشہور کتاب غنیۃ الطالبین کا اردو ترجمہ۔ عہ

خزینہ ہدایت امام غزالی کی مشہور کتاب کیمیائے سعادت کا اردو ترجمہ قیمت عہ

سفر السعادت۔ اردو شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی مشہور تالیف یعنی سفر السعادت کا ترجمہ۔ عہ

ہوامع شرح حزب البحر مع ترجمہ اردو ۱۲ر

فیوض الحرمین مع ترجمہ اردو قیمت عہ

انفاس العارفین (فارسی) اس میں شاہ ولی اللہ رح کے اپنے اساتذہ اور مشائخ اور خاندانی بزرگوں کے حالات لکھے ہیں۔ قیمت دو روپیہ عہ

تسہیل قصد السبیل ۶ر

التعرف فی تحقیق التصوف ۱ر

آئینۂ تربیت ۶ر

زواجر بہنڈری ۱۲ر

قرآن اور تصوف

اس کتاب میں قرآن و سنت کی روشنی میں حقیقی اسلامی تصوف کو دل نشین اسلوب میں پیش کیا گیا ہے مقام عبدیت مع الالوہیت مذہب کا نازک اور پیچیدہ مسئلہ ہے۔ اس کو اور اس طرح کے دیگر مسائل کو بڑی خوبی سے واضح کیا گیا ہے۔

قیمت صرف دو روپیہ عہ

الحزب الاعظم مجلد عہ کاغذ معمولی ۸ر ارکان اسلام عہ آئینہ نماز جدید تالیف ۸ر تعلیم الاسلام ہر چار حصے عہ

ملنے کا پتہ: مکتبۃ الفرقان (بریلی)

تاریخ وسیرت

نشر الطیب:- سیرت نبوی پر حضرت مولنا اشرف علی صاحب تھانوی کی مشہور تالیف جو عرصہ سے نایاب تھی قیمت ؎

رحمۃ للعالمین:- از قاضی سلیمان پٹیالوی مرحوم مکمل ۳ جلد قیمت

سرور المحزون:- از حضرت شاہ ولی اللہ رح　　قیمت ۳/

سیرت خاتم الانبیا:- از مولنا محمد شفیع صاحب دیوبندی اختصار کے باوجود جامع معتبر اور مستند سیرت ہے قیمت

رسول مقبول:- بچوں کے خاص ذوق اور ان کی دلچسپی وحد برداشت کا پورا لحاظ رکھ کر یہ کتاب مرتب کی گئی ہے جابجا مولنا حالی اور حفیظ جالندھری جیسے بلند پایہ شعرا کا منظوم کلام بھی اس میں درج ہے۔ چھپائی دیدہ زیب۔ قیمت بارہ آنہ ۱۲/

رسول اللہ:- آسان زبان واقعات مستند تالیف مولنا احمد سعید صاحب دہلوی قیمت مجلد

پہلی تقریر سیرت:- سیرت کے موضوع پر مولنا موصوف کی عجیب وغریب تقریر　قیمت مجلد

دوسری تقریر سیرت:- مولنا موصوف ہی کی اسی موضوع پر یہ دوسری تقریر ہے　قیمت مجلد

حکایات صحابہ۔ از شیخ الحدیث مولنا زکریا صاحب مدظلہ قیمت

خصائل النبی:- شمائل ترمذی کی اردو شرح از حضرت مولنا موصوف۔　قیمت چار روپیہ

شمائل النبی مترجم:- شمائل ترمذی کا حامل متن سلیس اردو ترجمہ ہے از مولنا عبد الشکور صاحب لکھنوی قیمت

تواریخ حبیب الہ قیمت　ایک روپیہ چار آنہ

معارف الکتاب المبین۔ قیمت ۱۰/

نبی عربی:- از قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی قیمت

خلافت راشدہ قیمت　**خلافت بنو امیہ**

مناقب الخلفا۔ خلفائے راشدین کے فضائل وخصائص ۶/

سیرت خلفاء راشدین:- از مولنا عبد الشکور صاحب لکھنوی　قیمت دو روپیہ

سیف اللہ الجبار۔ سوانح حیات حضرت خالد بن ولید رض ۶/

صدیق اکبر قیمت　**سیرت الصدیق**

اسلام۔ نبی کریم کی مفصل سوانح حیات اور دعوت اسلام کی مکمل تاریخ

صداقت اسلام

دین و دانش:- مصنفہ پروفیسر محمود علی صاحب اسلامی اصول واحکام کے مطابق فطرت اور مطابق عقل سلیم ہونیکے ثبوت میں یہ کتاب بالکل بے نظیر ہے۔ قیمت

دین و آئین:- اس کتاب کو دین و دانش ہی کا دوسرا حصہ سمجھنا چاہئے اس میں فاضل مصنف نے اسلامی قوانین اور اسلامی شریعت کی برتری اور صحت دنیا کے تمام دوسرے قوانین اور نظام ہائے زندگی کے مقابلہ میں نہایت روشن دلائل و براہین سے ثابت کی ہے۔　قیمت قسم اول

الانتباہات المفیدہ:- یہ درحقیقت حکیم الامت مولنا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بلند پایہ تقریر ہے۔ مغرب کے خام فلسفہ سے اسلام کے متعلق جو سطحی شبہات پیدا ہو جاتے ہیں ان کے تشفی بخش جوابات دیئے گئے ہیں۔　قیمت صرف نو آنے ۹/

الاسلام۔ از حضرت علامہ مولنا شبیر احمد صاحب عثمانی مدظلہ اسکے مطالعہ سے ہر شخص کو یقین آجاتا ہے کہ دنیا میں سچا اور نجات دلانے والا مذہب صرف اسلام ہے قیمت

العقل والنقل۔ اسکے دیکھنے سے آپکو معلوم ہو جائیگا کہ اسلامی تعلیمات عقل سلیم اور فطرت کے بالکل موافق ہیں قیمت ۲/

خوارق عادات۔ معجزات پر عقلی بحث حضرت مولنا شبیر احمد صاحب عثمانی کا قابل دید رسالہ ہے قیمت ۴/

الروح فی القرآن۔ قرآن کی روشنی میں روح پر بحث ۲/

از ملاء۔ اسپین کے ایک بڑے پادری کی فاضل لڑکی نے مذہب اسلام کو سچا اور واحد نجات دہندہ مذہب جان کر قبول کر لیا خاندان والوں نے اس پر بڑے سخت لرزہ خیز مظالم کئے مگر وہ ثابت قدم رہی بالآخر بڑے بڑے پادریوں نے جمع ہو کر اس سے مناظرہ کیا جس میں حق کو نہایت روشن فتح ہوئی ان واقعات کی دلچسپ تفصیل اور اس مناظرہ کی مکمل روداد اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیے۔　قیمت مجلد

نبوت محمدی کا عقلی ثبوت:- از مولنا سید ابو الاعلی مودودی۔　قیمت چار آنے ۴/

دینی جذبہ پیدا کرنے والی کتابیں

حیات المسلمین:- از حضرت حکیم الامت مولٰنا تھانوی حضرتؒ اپنی اس تالیف کے ذریعہ نجات ہونیکی خاص امید کرتے تھے عہ

تبلیغ دین:- یہ حضرت امام غزالیؒ کی کتاب "اربعین" کا سلیس اور بامحاورہ ترجمہ ہے۔ شریعت و طریقت کا جوہر اور حقیقت و معرفت کا عطر ہے جس پر عمل پیرا ہو کر انسان فی الحقیقت انسان بن سکتا ہے۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے عہ

خدا کی باتیں:- حدیث کے ذخیرہ میں جس قدر احادیث قدسیہ ملتی ہیں ان سب کو عام فہم اردو زبان میں اس کتاب میں جمع کیا گیا ہے قریباً ۰۰ احادیث کا یہ مجموعہ ہے قیمت ۱۲ر

رسول کی باتیں:- اسلام کے ضروری عقائد، توحید، رسالت، قیامت، عالم برزخ، عذاب قبر، تقدیر، کتب آسمانی، ملائکہ ان تمام ایمانی حقیقتوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث کا سلیس اور شگفتہ ترجمہ اس میں کیا گیا ہے۔ قیمت ہر دو حصہ ۱۲ر

جنت کی کنجی:- اس کتاب میں ۱۲۳۵ ایسی حدیثوں کا سلیس اور عام فہم ترجمہ کیا گیا ہے جن میں خاص خاص اعمال پر جنت کی خوشخبری دی گئی ہے گویا ترغیبی احادیث کا مکمل مجموعہ ہے۔ قیمت ۱۲ر

دوزخ کا کھٹکا:- اس میں ۴۴۰ ایسی حدیثیں آسان اردو میں جمع کی گئی ہیں جن میں برے اعمال کرنیوالوں کو جہنم کا خوف دلایا گیا ہے۔ قیمت ایک روپیہ چار آنہ عہ

صلاۃ و سلام:- (از مولٰنا احمد سعید صاحب دہلوی) درود و سلام کے فضائل کے متعلق جس قدر احادیث مروی ہیں عام فہم اردو زبان میں ان سب کو اس میں جمع کیا گیا ہے ۱۲ر

اماثل الاقوال:- ائمہ شریعت و طریقت کے نہایت مؤثر حالات و ارشادات قیمت حصہ اول ۶ر حصہ دوم ۸ر

تصانیف شیخ الحدیث حضرت مولٰنا محمد زکریا صاحب مدظلہ

فضائل نماز:- قرآن و حدیث سے نماز کی فضیلت اور جماعت اور خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھنے کی اہمیت کا بیان اس کتاب کا خاص موضوع ہے۔ پھر اس سلسلہ میں بزرگان دین کے بہت سے سبق آموز واقعات بھی لکھے گئے ہیں، جو دل پر بڑا اثر کرتے ہیں۔ قیمت صرف دس آنے ۱۰ر

فضائل رمضان:- اپنے موضوع پر نہایت جامع اور مؤثر رسالہ ہے۔ قیمت صرف آٹھ آنے ۸ر

فضائل قرآن:- قرآن مجید پڑھنے پڑھانے کے فضائل و برکات کے بیان میں جو احادیث روہوئی ہیں یہ ان کا نہایت مؤثر مجموعہ ہے۔ قیمت ۱۰ر

فضائل ذکر:- آیات و احادیث سے ذکر اللہ کے فضائل و برکات اور ان کی تاثیرات کے بیان میں اردو زبان میں غالباً پہلی جامع اور مفصل کتاب ہے قیمت ۱۲ر

فضائل تبلیغ:- تبلیغ کی فضیلت اور اہمیت کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے ارشادات کو اس میں جمع کیا گیا ہے۔ نیز تبلیغ کے اصول و آداب کے متعلق بھی نہایت ضروری ہدایات سپرد قلم کی گئی ہیں۔ قیمت ۴ر

حکایات صحابہ:- صحابہ کرام (مردوں، عورتوں اور بچوں) کے دینی حالات، ایمانی طاقت، ذوق عبادت، یاد آخرت، اللہ و رسول کی محبت، باہمی ہمدردی و غمخواری اور راہ خدا میں جانی و مالی قربانیوں کے نہایت مؤثر اور ولولہ انگیز سیکڑوں واقعات، تاریخ اسلام کے ہزاروں صفحات سے منتخب کر کے اس کتاب میں جمع کردیئے گئے ہیں۔ عہ

الاعتدال - اس زمانہ میں سیاسی اختلاف کی بنا پر جو بدعنوانیاں ہو رہی ہیں ان کے بارہ میں بے نظیر کتاب ہے۔ قیمت عہ

"زاد سفر"

اردو زبان میں احادیث نبویہ کا مستند مجموعہ جو اخلاق و اعمال اور تہذیب و معاشرت، بلکہ زندگی کے تمام انفرادی و اجتماعی معاملات میں مسلمانوں کی رہنمائی کے لیے کافی و وافی ہے۔ یہ در حقیقت مشہور محدث امام نووی متوفی ۶۷۶ھ کی کی مستند کتاب "ریاض الصالحین" کا سلیس اردو زبان میں ترجمہ ہے۔ حسب ضرورت حواشی میں مطالب کی مزید توضیح بھی کردی گئی ہے۔ ریاض الصالحین مسلم طور پر احادیث نبویہ کا بہترین اور نہایت جامع انتخاب ہے اور افادہ کے لحاظ سے یہ ترجمہ بالکل اصل کے قائم مقام ہے اور ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ایک ذی علم دینی بہن کے قلم سے ہے شروع میں مولٰنا سید سلیمان ندوی کا مقدمہ ہے۔ قیمت للعہ

نہایت مفید اور قابل مطالعہ چند کتابیں

قرآن اور سیرت سازی

از ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب استاذ اعلیٰ شعبۂ فلسفہ عثمانیہ یونیورسٹی دکن۔ نزول قرآن کی اصلی غایت تزکیۂ نفس اور فطری اصولوں پر انسانی سیرت کی تعمیر ہے یہ کتاب آپ کو بتائے گی کہ آپ کس طرح قرآن مجید کی روشنی میں اپنی سیرت کی تعمیر کریں مضامین کی افادیت کے علاوہ طرزِ بیان کی دلکشی اور تاثیر ایک مستقل جادو ہے قیمت مجلد ۲ روپیہ

اسلامی تقاریب

اردو زبان میں اپنی نوعیت کی غالباً یہ پہلی کتاب ہے جس میں سال بھر کی تمام اسلامی تقریبوں عیدین، میلاد النبی، معراج النبی، شب برات، شب قدر، یوم جمعہ، یوم شہادت حسین، اور خلفائے راشدین اور مشاہیر بزرگان دین کے ایام وفات پر مشاہیر اہل قلم مثلاً مولانا آزاد، علامہ اقبال، مولانا مودودی، مولانا گیلانی وغیرہ کے ۲۵ مضامین جمع کر دیئے گئے ہیں۔ سوا تین سو صفحات۔ قیمت مجلد عہ

رہنمائے قرآن

خصوصاً جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو قرآن مجید سے قریب اور اسکے فلسفۂ تعلیم سے آشنا کرنیکے لئے نہایت اچھی کتاب ہے اصل کتاب انگریزی میں لکھی گئی تھی یہ اسکا ترجمہ ہے۔ عہ

کائنات روحانی

از مولانا سید مناظر احسن گیلانی۔ اس کے دیکھنے سے آپکو معلوم ہوگا کہ قرآن مجید جو بظاہر ایک کتاب ہے درحقیقت وہ روحانی کائنات ہے جو انسانی روح کی تمام ضروریات کی کفیل ہے، کتابت و طباعت دیدہ زیب ۶

عہد نبوی کے میدان جنگ

از ڈاکٹر حمید اللہ صاحب پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی عہد نبوی میں جتنے غزوات ہوئے اس کتاب میں ان کے محل وقوع کے متعلق جغرافیائی اور تاریخی معلومات بڑی تحقیق سے فراہم کیا گیا ہے، نیز چند مقامات کے فوٹو بھی دیئے گئے ہیں۔ بہت ہی فاضلانہ کتاب ہے۔ قیمت عہ

رموز اقبال

از ڈاکٹر میر ولی الدین پی ایچ ڈی۔ اقبال نے دنیا اور اسلامی دنیا کو جو پیغام دیا ہے اس کتاب میں بڑی خوش اسلوبی سے اسکو پیش کیا گیا ہے۔ خصوصاً نوجوان مسلمانوں کے لیے صحیفہ ہدایت اور پیام زندگی ہے۔ قیمت عہ

کتب سماویہ پر ایک نظر

کتب سماویہ توراۃ و انجیل وغیرہ پر اس کتاب میں نہایت محققانہ علمی اور تاریخی بحث کرکے ثابت کیا گیا ہے کہ موجودہ حالت میں یہ کتابیں کسی طرح بھی قابل اعتماد نہیں ہیں، نیز پیغمبر اسلام کے متعلق جو پیشینگوئیاں اب تک ان کتابوں میں موجود ہیں ان پر بھی نہایت تفصیلی بحث کی گئی ہے اپنے موضوع میں بے نظیر کتاب ہے۔ قیمت ۱۲ر

نصرۃ الحدیث

انکار حدیث کی بلا نو تعلیم یافتہ طبقے میں عموماً پھیلتی جا رہی ہے اور اسکے علمبردار احادیث نبویہ کے متعلق نہایت وسیع پیمانے پر ملحدانہ شبہات کی اشاعت کر رہے ہیں۔ نصرۃ الحدیث میں ان تمام شبہات کا جواب دیا گیا ہے۔ قیمت ایک روپیہ بارہ آنے ۱۲ر

حقیقت نفاق

اس میں تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ دین کی وسیع اصطلاح میں نفاق کس حالت کا نام ہے اور آج کل مسلمانوں کی زندگی میں اس کا عنصر کتنا غالب ہے اور کس طرح اپنے کو اس سے پاک کیا جا سکتا ہے قیمت عہ

معرکۂ اسلام و جاہلیت

اسلام اور جاہلیت میں کیا بنیادی فرق ہے اور ان کے اصول و فروع میں کس طرح کا تضاد ہے؟ اس موضوع پر یہ ایک پڑھنے کے لائق مقالہ ہے۔ قیمت عہ

التشبہ فی الاسلام

کافروں اور فاسقوں فاجروں کے ساتھ تشبہ کے مسئلہ پر اردو میں پہلی محققانہ فاضلانہ کتاب ہے، پہلا حصہ عہ۔ دوسرا حصہ جسمیں لباس کی بحث نہایت مفصل اور مکمل ہے قیمت ۱۲ر

جواہر العلوم

اس کتاب کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہوگا کہ جدید تحقیقات و انکشافات نے قرآن مجید کی صداقتوں کو کس قدر آشکار کیا ہے، جدید فلسفہ کے ماہر اور عصر حاضر کے مشہور مفسر قرآن علامہ طنطاوی مصری کی فاضلانہ کتاب "جواہر العلوم عربی" کا یہ اردو ترجمہ ہے جو بڑی قابلیت سے لکھا گیا ہے۔ کاغذ طباعت وغیرہ نہایت اعلیٰ۔ قیمت ڈھائی روپیہ ۸ر

چند مفید تاریخی تنقیدی اور اصلاحی کتابیں

مسلمانوں کے تنزل سے دنیا کو کیا کیا نقصان پہنچا

(از مولانا سید ابو الحسن علی ندوی)

اس کتاب کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں کے برسر اقتدار آنے سے پوری دنیا میں کس طرح روحانیت اور ایمانداری غالب ہوگئی تھی اور تمام اقوام عالم کے اخلاق وافکار اور تہذیب و تمدن پر کتنا اچھا اثر پڑا تھا۔ اور پھر مسلمانوں کے زوال اور یوروپین اقوام کے برسر اقتدار آنے سے دنیا کی تہذیب اور اخلاق و رجحانات پر کیا اثر پڑا ہے اور انسانوں پر مادیت و حیوانیت کس قدر غالب آتی جارہی ہے۔ اور اب مسلمانوں کی ذمہ داری کیا ہے۔ بلاشبہ یہ تصنیف اس طرح کی کتابوں میں سے ہے جو قوموں میں بڑے بڑے انقلاب کی بنیاد بن جاتی ہیں۔ قیمت مجلد صرف تین روپے۔ سے

ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک

حضرت سید احمد شہید کی تحریک تجدید و جہاد کے متعلق عام طور سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مشہد بالاکوٹ پر اس کا خاتمہ ہوگیا تھا حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اس کے بعد قریباً ۵۰ برس تک اللہ کے کچھ صادق بندے اس علم کو بلند کئے رہے اور ہندوستان کے اندر اور اس کے باہر اسی جھنڈے کے نیچے اعلاء کلمۃ الحق کی راہ میں سب جان کی بازیاں لگاتے رہے۔ اس پورے سلسلۂ جہاد کی مستند تفصیل پہلی مرتبہ اس کتاب میں مرتب ہوکر پیش ہوئی ہے۔ قیمت عہ

محمد بن عبد الوہاب (نجدی) صحرائے نجد کے اس مظلوم اور بدنام مصلح کو اس کے سیاسی دشمنوں نے اسقدر پُر فریب طریقوں سے بدنام کیا ہے کہ اسکی اصل اصلاحی دعوت اور حقیقی کارناموں کو وہ لوگ بھی نہیں جانتے جو اس سے عناد نہیں رکھتے ہیں اردو زبان میں یہ پہلی محققانہ تصنیف ہے جس میں مستند تاریخی شہادتوں سے نجد کی اس دعوت اصلاح کو اسکی اصلی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ عہ

بچوں کی قصص الانبیاء

بچوں کی بھولی بھالی زبان میں انبیاء علیہم السلام کے وہ قصے اور صرف وہی واقعات جو قرآن پاک میں بیان ہوئے ہیں، بچوں کے ذہن کو ایمانی اور اسلامی ذہن بنانے کے لیے بہترین نسخہ ہے۔ فی الحال چار حصے تیار ہوئے ہیں حضرت نوح ؑ ۸ حضرت ہود ؑ ۸ حضرت صالح ؑ ۸ حضرت ابراہیم ؑ ۸

صحابہ کرام اور بزرگان دین

بچوں، کم علم عورتوں، معمولی پڑھے لکھے مردوں کو صحابہ کرام اور بزرگان دین سے واقف کرنے اور ان میں اچھے دینی جذبات پیدا کرنے کیلئے رسائل ذیل مطالعہ کرائیے، جن کی زبان آسان اور طرز بیان نہایت دلچسپ ہے اور جو خاص ایسے ہی لوگوں کے لیے لکھے گئے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ ۸، حضرت بلال ۸، حضرت ابو عبیدہ ۸، حضرت زبیر ۸، حضرت عبد اللہ بن عباس ۸، حضرت سلمان فارسی ۸، حضرت عبد اللہ ۸، خواجہ معین الدین چشتی ۸، حدیث نبوی ۸

اشاعت اسلام

ملقب بہ "دنیا میں اسلام کیوں کر پھیلا" یہ کتاب اپنی مقبولیت اور شہرت کے لحاظ سے تعارف سے بے نیاز ہے، عرصہ سے نایاب تھی حال ہی میں عمدہ کاغذ پر دیدہ زیب طبع ہوئی ہے عہ

تقاریر مولانا احمد سعید صاحب کی ۱۲ تقریریں اخبارات کے پرانے فائلوں سے حاصل کرکے اس مجموعہ میں جمع کی گئی ہیں فی الحقیقت اچھی ہوئی کتاب ہے چند تقریروں کے عنوان یہ ہیں، بدنصیب ہندوستان کی غلامی عارضی صلح، مسائل حاضرہ پر تبصرہ، کرسیوں کا لالچ چھوڑ دو، وحدت اسلامی کا پرجوش مظاہرہ، بھوک ہڑتال محمد علی ہمارا اور ہم محمد علی کے ہیں۔ قیمت مجلد عہ

مضامین یہ مولانا موصوف کے دلچسپ اصلاحی مضامین کا مجموعہ ہے یہ بھی پرانے اخبارات کے فائلوں سے مرتب کیا گیا ہے قابل مطالعہ ہے قیمت مجلد عہ

توبۃ النصوح ہر گھر میں پڑھے جانے کے قابل ڈپٹی نذیر احمد صاحب دہلوی مرحوم کی مشہور اصلاحی کتاب جس کا ہر صفحہ دنیا کی بے ثباتی کا مرقع اور آخرت کو یاد دلانے والا ہے قیمت ۸

تالیفات

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

- رسالۂ دینیات ۱۲ر
- اسلامی عبادات پر ایک نظر عہ
- قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں ۱۲ر
- تفہیمات ہے
- مسئلہ قومیت ۸ر
- مسئلہ جبر و قدر ۸ر
- سیاسی کشمکش اول ۱۲ر
- سیاسی کشمکش دوم ۱۲ر
- اسلام اور جاہلیت ۶ر
- دین حق ۶ر
- راہ عمل ۶ر
- سلامتی کا راستہ ۶ر
- ایک اہم استفتاء ۲ر
- انسان کا معاشی مسئلہ ۶ر
- نشان راہ ۶ر
- نیا نظام تعلیم ۶ر
- اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے ۶ر
- اسلام کا نظریہ سیاسی ۳ر
- جہاد فی سبیل اللہ ۶ر
- اسلام کا نظریہ سیاسی اور فلاح عالم ۸ر
- علماء اور اسلام ۱۲
- ذہنی زلزلے ۱۲ر
- ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ۱۲ر
- محمد بن عبد الوہاب (نجدی) ۱۲ر
- حقیقت شرک ۱۲ر
- ضبط ولادت ۱۲ر

مطبوعات

ندوۃ المصنفین دہلی

- قصص القرآن جلد اول صہ
- قصص القرآن جلد دوم للعہ
- قصص القرآن جلد سوم للعہ
- قصص القرآن جلد چہارم صہ
- لغات القرآن جلد اول ہے جلد دوم ہے
- نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم عہ
- خلافت راشدہ ہے
- خلافت بنی امیہ ہے
- اخلاق و فلسفہ اخلاق ہے
- اسلام میں غلامی کی حقیقت ہے
- غلامان اسلام عہ
- وحی الٰہی ۱۲ر فہم قرآن ۱۲ر
- قرآن اور تصوف ۱۲ر
- تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام ہے
- مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت کامل ہر دو جلد قیمت ہے
- اسلام کا نظام حکومت ہے
- اسلام کا اقتصادی نظام للعہ
- مسلمانوں کا عروج و زوال
- ہندوستان میں قانون شریعت کا نفاذ قیمت چار آنہ ۴ر
- بین الاقوامی سیاسی معلومات ۱۲ر
- شہنشاہیت ۱۲ر
- تاریخ انقلاب روس ۱۲ر
- سرمایہ ۱۲ر

مولانا ابوالکلام آزاد تنقید و تبصرہ کی نگاہ میں

مشہور صاحب قلم ابوسعید بزمی ایم اے کے قلم سے قیمت مجلد عہ

عربی زبان کو

آسان کرنے کی کامیاب کوشش

لوگ سمجھا کرتے تھے کہ عربی زبان میں دسترس حاصل کرنے کے لیے سالہا درکار ہیں لیکن جدید تجربہ نے بتلا دیا ہے کہ صرف مہینہ دو مہینے کی محنت سے آپ کو عربی کی اتنی واقفیت ہو سکتی ہے کہ آپ قرآن و حدیث سمجھ کر پڑھ سکیں۔ ذیل کی کتابیں اس سلسلہ میں آپ کی کافی رہنمائی کریں گی۔ بہت تھوڑی مدت میں عربی زبان سکھا دینے کا یہ مکمل نصاب ہے جو حال ہی میں مرتب کیا گیا ہے۔ بہت سے لوگ اس کا کامیاب تجربہ بھی کر چکے ہیں

- عربی کے دس سبق ۴ر

یہ کتاب دس دن میں ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد آپ

- قرآن مجید کی پہلی کتاب صہ

شروع کر دیں بعد ازاں

- قرآن مجید کی دوسری کتاب ۱۲ر

پڑھ لیں اور مطالعہ اور مشق وغیرہ کے لیے جو ہدایات ان دونوں کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں ان پر عمل کریں اس دوران میں کتب ذیل اپنے مطالعہ میں رکھیں۔

- تمرین الدروس حصہ اول ۴ر
- تمرین الدروس حصہ دوم ۷ر
- القصص الشہیرہ ۴ر

اس کے علاوہ ہمارے یہاں عربی کی دیگر کتب بھی دستیاب ہوتی ہیں

کتب رد شیعہ

از مولانا عبد الشکور صاحب

- مقدمہ تفسیر آیہ خلافت ۴ر
- تفسیر آیہ استخلاف ۴ر
- 〃 〃 تمکین ۲ر
- 〃 〃 قتال مرتدین ۲ر
- 〃 〃 مباہلہ ۲ر
- 〃 〃 میراث ارض ۲ر
- 〃 〃 اظہار دین ۲ر
- 〃 آیات فدک طالوت ۳ر
- 〃 آیہ تبلیغ ۲ر
- 〃 آیات امامت ۲ر
- 〃 〃 مذمت منافقین ۲ر
- 〃 〃 مدح مہاجرین ۵ر
- 〃 〃 آیہ رضوان ۲ر
- 〃 آیات حفاظت قرآن ۶ر
- 〃 آیات تقسیم فے ۶ر
- 〃 آیات متفرقہ ۲ر
- تنبیہ الحائرین ۵ر
- اول من المائتین ۶ر
- ثانی من المائتین ۶ر
- ثالث من المائتین ۴ر
- رابع من المائتین ۳ر
- خامس من المائتین ۶ر
- ابو الائمہ کی تعلیم ۴ر
- تنویر الایمان ۱۲ر
- فتح مبین ۴ر ذریت ابن ۶ر
- ہزیمت ایڈیٹر اصلاح ۳ر
- معجزۃ القرآن ۴ر
- قاتلان حسین کی خانہ تلاشی ۴ر
- دفع المجادلہ عن آیۃ المباہلہ از مولانا حبیب الرحمن اعظمی ۵ر

زمانہ قریب کے حضرات اکابر علما و مشائخ کی تصنیفات

تصانیف حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ

مصفٰی مسوی کامل عہ/
ترجمہ عقد الجید معہ متن ۱۴/
انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ۲ہ/
انفاس العارفین فارسی عگر/
القول الجمیل عربی ۲ہ/
جوامع شرح حزب البحر ۱۲/
شرح تراجم ابواب صحیح بخاری ۲ہ/
فیوض الحرمین ۲ہ/
تفہیمات الٰہیہ کامل نایاب معہ/
افادات شاہ ولی اللہ رحمہ ۲ہ/
کرامات عزیزی تذکرہ شاہ عبد العزیز صاحب رحمہ ۱۳/

تصنیفات حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمہ

ضیاء القلوب فارسی ۸/
ترجمہ اردو ضیاء القلوب ۱۲/
غذائے روح ۱۲/
جہاد اکبر ۲/
دردنامہ غمناک منظوم ۱/
گلزار معرفت ۳/
ارشاد مرشد مع ہفت مسئلہ ۳/

تصنیفات حضرت مولانا محمد قاسم رحمہ

تقریر دلپذیر ۲ہ/
حجۃ الاسلام ۸/
آب حیات عہ/
گفتگوئے مذہبی ۳/
سوانح حضرت مولانا محمد قاسم رحمہ ۳/

الابواب والتراجم از شیخ الہند رحمہ ۸/

بعض تصانیف حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمہ

تالیفات اشرفیہ ۸/
احکام التجلی ۳/
تعلیم الدین عہ/
اصلاح الرسوم عہ/
صفائی معاملات ۴/
مناجات مقبول مجلد ۱۲ہ/
السنۃ الجلیہ در احوال مشائخ چشتیہ ۲ہ/
الانتباہات المفیدہ ۹/
جمال القرآن محشی ۳/
زاد السعید: نبی کریم پر درود و سلام کے فضائل اور اس کے متعلق دیگر ضروری باتیں ۳/
قصد السبیل مع نتیجہ حاسہ باطنی گویا تصوف کا عطر ہے ۳/
تسہیل قصد السبیل ۶/
التعرف فی تحقیق التصوف ۱/
آئینہ تربیت: تھانوی کی جلیل القدر اصلاحی کتاب تربیۃ السالک کا خلاصہ ۶/
القول الصواب: پردہ کے مسئلہ پر یہ مختصر تحقیقی رسالہ ہے ۲/
الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد تقلید و عدم تقلید کی بحث میں یہ محققانہ اور منصفانہ رسالہ ہے ۵/
الاقتصاد فی الضاد: حرف ضاد کی تحقیق میں قابل قدر رسالہ ۲ہ/
القول البدیع: دیہات میں جمعہ کے مسئلہ پر محققانہ رسالہ ۲/
الادراک والتوصل ۱/
اغلاط العوام ۲/
تکمیل العرفان مع حفظ الایمان ۴/
سبق الغایات عربی: یہ حضرت کی بلند پایہ تصنیف ہے جس میں قرآن مجید کی سورتوں اور آیتوں کا باہمی ربط بیان فرمایا گیا ہے عہ/
آداب معاشرت: اس میں اسلامی معاشرت کے نہایت مفید اور ضروری اصول بیان فرمائے گئے ہیں ۴/
حق السماع: مسئلہ سماع کی شرعی اور فقہی تحقیق ۳/
حقوق البیت ۴/
حقوق العلم: اس میں بتلایا گیا ہے کہ علماء کے حقوق عام مسلمانوں پر کیا ہیں اور خود علماء پر کیا کیا ذمہ داریاں ہیں ۷/
آداب تبلیغ: اس میں بتلایا گیا ہے کہ دین کی تبلیغ کرنے والوں کو کن کن باتوں کا خاص طور سے لحاظ رکھنا چاہیے ۴/
خطبات الاحکام: پورے سال بھر کیلئے پچاس خطبے ہیں جن میں ہر مہینے کے ہر جمعہ کا خطبہ اس کے مناسب احکام و مضامین پر حاوی ہے۔ ان تمام خطبات کا عام فہم اردو زبان میں ترجمہ بھی کر دیا گیا ہے۔ عیدین وغیرہ کے خطبے بھی شامل ہیں عگر/

تنبیہات وصیت: حضرت کا مفصل وصیت نامہ ۳/

تصانیف میاں اصغر حسین صاحب مدظلہم

الجواب المتین ۵/
نبات بیان (الصالحات) ۶/
حیات خضر مولوی معنوی ۷/
علم الاولین قیمت ۲/
رحمۃ رضوان 〃 ۱۰/
دست غیب 〃 ۲/
خواب شیریں 〃 ۲/
چہل حدیث 〃 ۴/
مفید الوارثین 〃 عہ/
طہور المسلمین 〃 ۴/
فرحۃ الصائمین 〃 ۳/
القول المتین 〃 ۲/
تعبیر صادق 〃 ۱۰/
ناقابل اعتبار روایات 〃 ۲/
گلزار سنت 〃 ۲/

تصانیف مولانا محمد شفیع صاحب

دعا بعد نماز ۳/
آداب المساجد ۳۰/
آداب المعاشرت ۲۰/
آداب الشیخ والمرید ۳/
مساوات اسلامی کی حقیقت ۴/
کفر و اسلام کی حقیقت ۴/
تفصیل التفضیل لمسئلۃ التفضیل ۳/
چرخہ کاتنے کے فضائل ۱/
درس عبرت ۳/
لبہ الشیطان عند موت الانسان ۲/
چرم قربانی کے مسائل ۱/

مکتبہ الفرقان بریلی کی مطبوعات

"کلمہ طیبہ" (لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تشریح) ۵/
"نماز" (نماز کی عظمت و اہمیت اور اس کی حقیقت) ۱۲/
النبی الخاتم (از مولانا سید مناظر احسن گیلانی) مجلد عگ/
الدین القیم (از مولانا گیلانی) کاغذ قسم اول للع/
کاغذ قسم دوم ۱۲/
"حکمت ولی اللہی" حضرت شاہ ولی اللہ کی علمی خصوصیات
مولانا عبید اللہ سندھی کا بلند پایہ مقالہ جو شاہ
ولی اللہ نمبر میں بھی شائع ہوا تھا۔ قیمت ۸/
منصب تجدید کی حقیقت تجدید و احیاء دین کے موضوع پر مولانا ابو الاعلی
مودودی کا ٹھوس اور پر از معلومات مقالہ جو شاہ ولی اللہ
نمبر میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ قیمت آٹھ آنے ۸/
خطبات تبلیغی۔ مدیر الفرقان کی آٹھ تقریریں۔ عہ/
تدوین اصول فقہ (از قاضی عبد الرحمن (ایم اے عثمانیہ) فن اصول
فقہ کی تاریخ اور اسکے ممتاز مصنفین اور انکی تصانیف پر تبصرہ
کتاب کا موضوع ہے عجیب و غریب فاضلانہ تصنیف ہے ۱۲/
تحقیق مسئلہ ایصال ثواب۔ (از مدیر الفرقان) مردوں کو
زندوں کے دعاء و استغفار اور ایصال ثواب سے نفع پہنچنے
کے ثبوت میں قابل دید علمی و تحقیقی رسالہ ہے۔ ۶/
اسلام اور نظام سرمایہ داری قیمت ۸/
جدید تعلیم اور علمائے کرام۔ قیمت تین آنہ ۳/
نماز اور خطبہ کی زبان۔ (از مدیر الفرقان) ۳/
فتنۂ رفض و تفضیلیت کے خلاف حضرت مجدد الف ثانی کا جہاد ۱۲/
تعزیہ داری وغیرہ رسوم محرم سنی نقطۂ نظر سے قیمت ۱۲/

حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت
جدید ایڈیشن (زیر طبع) قیمت دو روپیہ آٹھ آنہ عگ/
میری زندگی کے تجربے (از مدیر الفرقان) ۶/
نصرت دین و صلاح مسلمین کی ایک کوشش ۸/
دعوت احیاء دین ۵/ تحریک ایمان (نظم) ۳/
تبلیغی جماعتوں کو ضروری مشورے۔ ۲/
بوارق الغیب حصہ اول کاغذ سفید چکنا۔ ۱۲/
حصہ اول کاغذ رف سفید عہ/
حصہ دوم کاغذ سفید چکنا۔ قیمت۔ عہ/
حصہ دوم۔ کاغذ رف سفید۔ قیمت ۱۲/
شارع حقیقی کاغذ چکنا قیمت چار آنے ۴/
کاغذ رف قیمت تین آنے ۳/
امعان النظر فی اذان القبر۔ قیمت تین آنے ۳/
احکام النذر لاولیاء اللہ و تفسیر ما اہل بہ لغیر اللہ ۳/
تیجہ اور دسویں وغیرہ کا شرعی حکم قیمت ۲/
حضرت مجدد الف ثانی اور زمانہ حال کے اہل بدعت ۴/
مسئلہ حیات النبی کی اصل حقیقت قیمت ۸/
خاکسار تحریک "کیوں قابل قبول نہیں" ۳/
عدم انجیل (اصلی انجیل کے دنیا سے ناپید ہونے کا ثبوت) ۲/
مباحثہ سماج بریلی "تناسخ اور الہام وید کے
موضوع پر ایک قابل دید سنجیدہ مناظرہ۔ قیمت ۴/
روداد مناظرہ بریلی مع ضمیمہ کاغذ سفید چکنا ۸/ کاغذ معمولی ۶/
مسئلہ علم غیب پر فیصلہ کن مناظرہ قسم اول ۸/ قسم دوم ۶/
روداد مناظرہ گیا قیمت ۸/ کوائف بمبئی قیمت ۳/

مکتبہ الفرقان بریلی میں

مطبوعات جماعت اسلامی نیز ندوۃ المصنفین دہلی، مکتبہ اسلام لکھنؤ اور مجلس علمی ڈابھیل اور دوسرے
مشہور دینی اداروں کی عمدہ اور مفید مطبوعات کے مہیا کرنے کا خاص اہتمام ہے۔

(ضروری نوٹ) فرمائش کے ساتھ اپنا پورا پتہ صاف اور خوشخط لکھئے، نیز دس روپیہ یا زیادہ کی فرمائش کے ہمراہ کم از کم دو روپے پیشگی ضرور بھیجئے (ناظم الفرقان)

رجسٹرڈ نمبر اے ۳۵۳

دینی انقلاب کا راستہ بتانے والی چند کتابیں

نصرت دین و اصلاح مسلمین کی ایک کوشش

(از جناب مولٰنا محمد منظور صاحب نعمانی مدیر الفرقان بریلی)

حضرت محمد الیاس رحؒ کی تبلیغی و اصلاحی تحریک کے مقاصد اور طریقہ کار کی توضیح میں یہ سب سے زیادہ مفصل اور جامع رسالہ ہے۔ اس میں تفصیل سے بتلایا گیا ہے کہ عہد نبوی سے اب تک امت میں کیا کیا اہم تغیرات ہوئے ہیں اور مولٰنا مرحوم کی شروع کردہ اس دعوت دینی کا اصل منشاء یہ ہے کہ ان تغیرات کی اصلاح کر کے امت کے بگڑے اور بھٹکے ہوئے قافلہ کو پھر اُس حالت پر پہنچایا جائے جس حالت میں کہ سالار قافلہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحرائے عرب سے اس کو رخصت کیا تھا۔ اس دینی دعوت کے اہم پہلوؤں اور اسکی خصوصیات کو سمجھنے کے لئے اس رسالہ کا مطالعہ نہایت مفید اور ضروری ہے۔ قیمت (۸ر)

حضرت مولٰنا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ

اور

اُن کی دینی دعوت

(از تالیف مولٰنا سید ابو الحسن علی ندوی)

یہ کتاب داعی الی اللہ حضرت مولٰنا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات ہے جس میں آپ کے بچپن سے وفات تک کے خاص حالات، خاندان، اخلاق، نشوونما، تعلیم و تربیت، سلوک و تزکیہ، تکمیل باطن اور خصوصی صفات و امتیازات کے علاوہ آپ کی دینی دعوت اور اصلاحی تحریک کو بھی تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اور بلاشبہ عصر حاضر کی سب سے بڑی اور سب سے زیادہ گہری دینی تحریک ہے اور جو اس چودھویں صدی میں دینی انقلاب کا ایک قابل عمل لائحہ پیش کرتی ہے۔ جدید ایڈیشن جس میں بہت کافی اضافہ کیا گیا ہے ضخامت تقریباً ساڑھے تین سو صفحات۔ قیمت ۱۲ر

(زیر طبع)

ایک اہم دینی دعوت

(از جناب مولٰنا سید ابو الحسن علی صاحب ندوی)

اسی دینی دعوت کی توضیح میں یہ نہایت جامع اور مفید مقالہ ہے۔ بانی تحریک کے خیالات و عزائم کی اس میں نہایت اعلیٰ اور کامیاب ترجمانی کی گئی ہے۔ جا بجا حضرت مرحوم کے ملفوظات و مکتوبات کے اقتباسات بھی درج ہیں اس دینی دعوت کی روح کو سمجھنے کے لئے مولٰنا محمد منظور صاحب نعمانی کی کتاب نصرت دین کے مطالعہ کے بعد اس مقالہ کو بھی ضرور پڑھنا چاہیئے۔

قیمت چھ آنے (۶ر)

دعوت احیاء دین

یا

دینی انقلاب کی ایک جدوجہد

(از مولٰنا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان)

اس میں بتایا گیا ہے کہ موجودہ مسلمان قوم ضروری درجہ کے دینی اوصاف سے بھی کس قدر محروم ہو گئی ہے اور اس کی اصلاح اور دین کے احیاء کے لئے کیا طریقہ کار صحیح ہے۔ مختصر ہونے کے باوجود نہایت بصیرت افروز مقالہ ہے۔

جدید ایڈیشن تقطیع خورد۔ قیمت پانچ آنہ ۵ر

تحریک ایمان

نظم

از جناب سید عبدالرب صاحب صوفی ایم اے

ترجمان حقیقت علامہ اقبال مرحوم کے طرز پر حضرت مولٰنا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی دینی دعوت اور تبلیغی و اصلاحی تحریک کی منظوم تشریح اور علماء امت و صلحائے ملت کو بالخصوص عمل اور احیاء دین کے لئے جدوجہد کی پرسوز دعوت۔ قیمت تین آنے ۳ر

ملنے کا پتہ: **مکتبہ الفرقان بریلی**

هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ

الفرقان

مرتبہ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

دفتر "الفرقان" گوئن روڈ لکھنؤ

مکتبہ الفرقان بریلی کی مطبوعات

کلمۂ طیبہ (لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تشریح) قیمت ۴ر

نماز (نماز کی عظمت و اہمیت اور اس کی حقیقت) قیمت ۱۲

النبی الخاتم (از مولانا سید مناظر احسن گیلانی) مجلد عہ

الدین القیم (از مولانا گیلانی) کاغذ قسم اول عہ

(از مولانا گیلانی) کاغذ قسم دوم ۱۲

حکمت ولی اللہی۔ حضرت شاہ ولی اللہ کی علمی خصوصیات مولانا عبید اللہ سندھی کا بلند پایہ مقالہ جو شاہ ولی اللہ نمبر میں بھی شائع ہو چکا تھا۔ قیمت آٹھ آنے ۸ر

منصب تجدید کی حقیقت تجدید و احیائے دین کے موضوع پر مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کا بہترین اور پر از معلومات مقالہ جو شاہ ولی اللہ نمبر میں بھی شائع ہو چکا ہے ۸ر

خطبات بمبئی مدیر الفرقان کی آٹھ تقریریں عہ

تدوین اصول فقہ۔ از قاضی عبد الرحمٰن (ایم اے عثمانیہ) فن اصول فقہ کی تاریخ اور اس کے ممتاز مصنفین اور ان کی تصانیف پر تبصرہ اس کتاب کا موضوع ہی عجیب و غریب فاضلانہ تصنیف ہے ۱۲

تحقیق مسئلہ ایصال ثواب (مدیر الفرقان) مردوں کو نذر و دعا و استغفار اور ایصال ثواب نفع پہنچنے کے ثبوت میں قابل دید علمی و تحقیقی رسالہ ۶ر

اسلام اور نظام سرمایہ داری ۸ر

جدید تعلیم اور علمائے کرام قیمت تین آنہ ۳ر

اذان و خطبہ کی زبان (از مدیر الفرقان) قیمت ۳ر

فتنہ رفض و تفضیلیت کے خلاف حضرت مجدد الف ثانی کا جہاد ۴ر

تعزیہ داری وغیرہ رسوم محرم سنی نقطۂ نظر سے ۴ر

حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت جدید ایڈیشن (زیر طبع) قیمت عہ

میری زندگی کے تجربے از مدیر الفرقان ۶ر

نصرت دین و اصلاح مسلمین کی ایک کوشش ۸ر

دعوت احیائے دین ۵ر تحریک ایمان (نظم) ۳ر

تبلیغی جماعتوں کو ضروری مشورے ۲ر

بوارق الغیب حصہ اول کاغذ سفید چکنا عہ کاغذ سفید عہ

حصہ دوم کاغذ سفید چکنا عہ کاغذ سفید ۱۲

شارع حقیقی کاغذ چکنا ۴ر کاغذ رف ۳ر

امعان النظر فی اذان القبر۔ تین آنے ۳ر

احکام النذر لاولیاء اللہ و تحقیق ما اہل بہ لغیر اللہ ۳ر

تیجہ اور دسویں وغیرہ کا شرعی حکم ۳ر

حضرت مجدد الف ثانی اور زمانہ حال کے اہل بدعت ۴ر

مسئلہ حیات النبی کی اصل حقیقت قیمت ۔ ر

خاکسار تحریک کیوں قابل قبول نہیں ۳ر

عدم انجیل (اصلی انجیل کے دنیا سے ناپید ہونے کا ثبوت) ۴ر

مباحثہ سماج بریلی تناسخ اور الہام وید کے موضوع پر ایک قابل دید سنجیدہ مناظرہ قیمت ۴ر

روداد مناظرہ بریلی مع ضمیمہ کاغذ سفید ۸ر کاغذ معمولی ۶ر

مسئلہ علم غیب فیصلہ کن مناظرہ قسم اول ۸ر قسم دوم ۶ر

روداد مناظرہ گیا قیمت ۸ر کوائف بمبئی قیمت ۳ر

مکتبہ الفرقان بریلی میں

مطبوعات جماعت اسلامی، نیز ندوۃ المصنفین دہلی، مکتبہ اسلام لکھنؤ اور مجلس علمی ڈابھیل اور دوسرے مشہور دینی اداروں کی عمدہ اور مفید مطبوعات مہیا کرنے کا خاص اہتمام ہے۔

(ضروری نوٹ) فرمائش کے ساتھ اپنا پورا پتہ صاف اور خوشخط لکھئے، نیز دس روپیہ یا زیادہ کی فرمائش کے ہمراہ کم از کم دو روپیہ پیشگی ضرور بھیجئے۔

ناظم الفرقان بریلی

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

جلد ۱۴ | بابتہ ماہ جمادی الاولیٰ و جمادی الاخریٰ ۱۳۶۶ھ | نمبر ۵-۶

فہرست مضامین

چند ضروری گزارشیں

۱۔ جیسا کہ گزشتہ رسالہ میں اطلاع دی جا چکی ہے رسالہ الفرقان کا صدر دفتر اور مکتبہ الفرقان" بریلی سے لکھنؤ آگیا ہے لہٰذا اب جملہ خط و کتابت، فرمائشات اور ترسیل زر وغیرہ کیلئے ذیل کا پتہ یاد رکھئے:-

دفتر الفرقان (یا مکتبہ الفرقان) گوئن روڈ۔ لکھنؤ

(گزشتہ رسالہ کے اعلان میں غلطی سے بجائے گوئن روڈ کے "سلیمان قدر لکھنؤ" لکھا گیا تھا اب اسے منسوخ سمجھئے)

۲۔ الفرقان کے لئے سفید چکنے کاغذ کے حاصل نہ ہو سکنے کی وجہ سے اب پھر مجبوراً اخباری کاغذ استعمال کیا جا رہا ہے ناظرین کرام اس میں ہم کو مجبور و معذور تصور فرمائیں۔

۳۔ بہ نسبت بریلی کے کتابت و طباعت میں یہاں جو سہولتیں ہیں انکی بنا پر ہمکو قوی امید ہے کہ انشاء اللہ دو تین مہینے کے بعد سے رسالہ ہر مہینہ بہ پابندی وقت شائع ہوا کرے گا۔

۴۔ جن حضرات کی خریداری اس پرچہ پر ختم ہوتی ہے یا جن کو وعدہ پر رسالہ جا رہا ہے اس رسالہ کے ساتھ ان حضرات کی خدمت میں منی آرڈر فارم بھی جا رہا ہے، براہ کرم وہ اس وقت اپنا اپنا چندہ بہت جلد روانہ فرما دیں انتقال دفتر کی وجہ سے اسوقت ہماری مالی مشکلات بہت زیادہ بڑھ گئی ہیں۔

ناظم دفتر الفرقان۔ گوئن روڈ لکھنؤ

محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے نامی پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان گوئن روڈ لکھنؤ سے شائع کیا

حمداً وسلاماً

باسمہٖ سبحانہ

نگاہِ اوّلیں

ہندوستان کا وہ سیاسی نزاع جس نے ادھر چند سال سے ملک کی فضا میں سخت تلاطم برپا کر رکھا تھا خدا خدا کر کے کسی طرح اس کا فیصلہ ہو گیا اور ملک کی تقسیم کو اصولاً تسلیم کر لیا گیا، اب ہندوستان دو حصوں میں بٹ جائیگا ایک چھوٹا سا حصہ پاکستان بن جائے گا، جہاں حکومت میں مسلمانوں کا اقتدار ہو گا اور باقی حصوں میں ہندو اکثریت کا اقتدار رہے گا، اس وقت پاکستانی علاقوں میں بسنے والے مسلمانوں کی تعداد پانچ کروڑ سے کچھ اوپر ہے اور اس سے کچھ ہی کم وہ ہندوستان کے غیر پاکستانی علاقوں میں ہیں۔

اس تقسیم کے مفاد و مضار کی تفصیلات سے قطع نظر، اس میں تو کوئی شبہ ہی نہیں کہ مسلمانوں کی غالب ترین اکثریت ملک کی تقسیم اور قیام پاکستان ہی کے حق میں تھی اور اگرچہ پنجاب و بنگال کی تقسیم کی وجہ سے ان کی مانگ اور امید و آرزو کے لحاظ سے ناقص اور کٹا پھٹا ہی پاکستان بنا، مگر بہر حال وہ بن گیا، اور پاکستان کا مطالبہ کرنے والی مسلم اکثریت نے اس فیصلہ کو اپنی فتح ہی سمجھا اور ہم بھی اس میں اس کو فتحیاب ہی سمجھتے ہیں ۔۔۔ لیکن اگر قیام پاکستان کا مقصد منتہا صرف یہی ہو کہ مسلم اکثریت والے علاقوں کے مسلمانوں کو ہندوؤں کے سیاسی و اقتصادی غلبہ سے نجات حاصل ہو جائے اور انکی ایک ایسی قومی حکومت قائم ہو جائے جس کے زیر سایہ وہ ویسی ہی آزادانہ مادی ترقیاں کر سکیں جیسی کر دنیا کی دوسری خود مختار قومیں کر رہی ہیں تو ہمیں اس حقیقت کے اظہار میں کوئی باک نہیں کہ ایک سچے مسلمان کے لئے دین و ایمان کے نقطۂ نظر سے اس میں کوئی بڑی خوشی کی بات نہیں ہے۔

خدا پرستوں اور دینِ اسلام پر حقیقی ایمان و یقین رکھنے والوں کے نزدیک اصل اور سب سے اہم سوال تو یہ ہے کہ مسلمانوں کی اس حکومت (پاکستان) کا اور اس کے چلانے والوں کا رویہ اللہ و رسول اور انکی ہدایات و تعلیمات کے بارہ میں کیا ہو گا؟ آیا وہ مقصد حکومت اور طرزِ حکومت میں ترکی و ایران وغیرہ کی طرح یورپ و امریکہ کی تقلید کریں گے اور ان ہی خدا ناشناس قوموں سے روشنی حاصل کریں گے یا اسلام کو صحیح ترین اور صالح ترین نظامِ زندگی یقین کرتے ہوئے اور اللہ کے احکام کی ازلی ابدی صداقت پر

ایمان رکھتے ہوئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے اسوۂ حسنہ سے روشنی حاصل کریں گے؟

——— افسوس! زمانہ کے بگڑے ہوئے حالات، اور قوم کے بگڑے ہوئے مزاج اور اسلام کی حقیقت اور اس کے تقاضوں سے عام قوم کی ناواقفیت بالخصوص اُس کے زعماء و قائدین کی حالت کو دیکھتے ہوئے اس امید کے لئے کوئی گنجائش نہیں معلوم ہوتی۔

ہاں مایوسی کی اسی شب تاریک میں روشنی کی ایک جھلک بھی ہے۔ اس وقت ہندوستان میں امت کی عام دینی اصلاح اور دعوت اسلام کے احیاء کی جو کوششیں مختلف شکلوں میں ہو رہی ہیں اگر ان کے مخلص کارکن اور دوسرے عام دیندار اور دین کا درد رکھنے والے مسلمان صورت حال کو صحیح طور سے سمجھ لیں اور عوام مسلمانوں کی دینی اصلاح تربیت اور ان میں صحیح اسلامی روح پیدا کرنے کے لئے محض لوجہ اللہ تعالیٰ اس طرح کی جاں فروشانہ کوششیں کریں، جیسا کہ اس مقصد کا حق ہے تو ہوا کا رُخ انشاء اللہ تعالیٰ پھر سکتا ہے، یہ زمانہ بادشاہی کا نہیں ہے بلکہ عوامی طاقت کا دور ہے۔

بلکہ ہندو اکثریت کے علاقوں میں رہنے والے مسلمانوں کی مشکلات کا حل بھی صرف یہی ہے کہ ان کو سچا مسلمان بنانے کی کوشش کی جائے۔ مسلمان اگر سچے اور سیرت و کردار کے مسلمان بن جائیں تو یقیناً دشمنوں کی دشمنی محبت و عقیدت سے بدل جائے، اور دوسرے ان کو اپنے واسطے ذریعہ برکت سمجھنے لگیں، اور اگر کسی ملک کی شریر فطرتیں صالح اور راست باز ایمان والوں کے ساتھ بھی بدی سے پیش آئیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی نصرت اپنا کام کرے گی ———

افسوس! ہم نے اسلام کو اور اسلام کے ساتھ اللہ کے معاملہ کو ابھی سمجھا ہی نہیں اگر ہم سچے مسلمان ہو جائیں تو بیسویں صدی کی خدا ناشناس دنیا بھی "معجزات" دیکھ سکتی ہے۔ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۔

کیا ابھی وقت نہیں آیا

کہ مسلمان اپنے طریق کار پر از سر نو غور کریں

ہندوستان کی سیاست جس رُخ پر نہایت تیز رفتاری سے جا رہی ہے اور اس سے جو نئے نئے حالات پیدا ہو رہے ہیں اور اس ملک کے بالخصوص مسلم اقلیت والے صوبوں میں مسلمانوں کا مسئلہ جس قدر نازک اور ان کا مستقبل جس قدر بھیانک ہوتا جا رہا ہے اس سے ہر باخبر اور صاحب فہم وفکر مسلمان کسی نہ کسی درجہ میں پریشان ہے اور مسلمانوں کے قومی مسائل سے تعلق دلچسپی رکھنے والی مختلف جماعتیں اپنی اپنی صوابدید کے مطابق ان مشکلات کو حل کرنے اور ان پر قابو پانے کے لئے مصروف جدوجہد بھی ہیں ـــــ لیکن خیالات و نظریات کے بڑے بڑے اختلافات کے باوجود ان سب کے طرز فکر اور طریق کار میں ایک عجیب وحدت اور یکسانیت بھی ہے اور وہ یہ کہ سب کے سب معاملہ پر صرف مادی پہلو ہی سے غور کرتے ہیں اور اس لئے جو کوششیں بھی اس سلسلہ میں ہماری مشہور اور قابل ذکر قومی جماعتوں کی طرف سے ہو رہی ہیں وہ سب مادی تدبیروں ہی کی مختلف صورتیں ہیں اور بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ اگر بالفرض اس ملک کی کسی دوسری قوم کو (جو خدا سے بالکل ناآشنا اور ایمان کی دولت سے محروم ہو بلکہ جو دشمن دین و ایمان ہو) ایسے حالات پیش آجائیں جو اس وقت ہم مسلمانوں کو درپیش ہیں تو یقیناً وہ قوم بھی وہی سب کچھ کرے گی جو ہماری قومی اور سیاسی جماعتیں عام طور سے اس وقت کر رہی ہیں اور اس کی پالیسی بالکل وہی ہوگی جو آج ہماری ہے ـــــ الغرض یہ بات خواہ کتنی ہی رنج و افسوس کے قابل ہو اور ہمارے قومی کارکنوں کو خواہ کتنی ہی کڑوی لگے مگر یہ ایک غیر مشتبہ حقیقت اور ناقابل انکار واقعہ ہے کہ ہماری قومی اور سیاسی پالیسی کا رشتہ انبیاء علیہم السلام کی رہنمائی سے گویا کہ کٹ چکا ہے اور کم از کم زندگی کے اس نہایت اہم شعبہ میں ہم دنیا کی خدا فراموش اور مادہ پرست قوموں کے پورے پورے پیرو ہو گئے ہیں۔ انہی کی طرح سوچتے ہیں اور انہی کے نقش قدم پر چلتے ہیں ـــــ اگر اس صاف گوئی سے

آپ کے دل پر چوٹ لگے یا اس حقیقت میں آپ کو کوئی شک شبہ ہو تو اللہ تھوڑی دیر کے لئے دل و دماغ کو ماحول کے اثرات اور جذبات سے صاف کر کے ہماری مندرجہ ذیل گزارشات پر غور کیجئے

ساری دنیا کی خدا نا آشنا قوموں اور نبوت کی روشنی سے محروم تمام طبقوں کا طریقہ یہ ہے کہ ان پر جو حالات آتے ہیں اور دنیا میں جو انقلابات برپا ہوتے رہتے ہیں وہ ان کا کوئی خاص تعلق اللہ کے ارادہ اور مشیت سے نہیں سمجھتے اور اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے جو خاص قوانین کارفرما ہیں (مثلاً قانون تکوین، قانون ابتلاء، قانون مکافات وغیرہ وغیرہ) وہ چونکہ ان کو بالکل نہیں جانتے، اور اس عالم کے تمام چھوٹے بڑے واقعات کو وہ سلسلۂ اسباب ظاہری ہی کا نتیجہ سمجھتے ہیں اس لئے صرف ظاہری تدبیروں اور مادی کوششوں ہی سے ان کا مقابلہ کرتے ہیں —— مثلاً ان میں سے کسی قوم پر کوئی دوسری طاقت اگر حملہ کر دے اور اس کو شکست دے کے اس کے ملک پر قبضہ کر لے تو اسکے رہنما اور مفکرین اس سانحہ پر صرف اس طرح سے غور کریں گے کہ ہمارے دشمن کی فوجیں تعداد میں ہم سے زیادہ اور زیادہ منظم اور زیادہ تربیت یافتہ تھیں، ان کے پاس سامان جنگ ہم سے زیادہ اور ہم سے بہتر تھا، بحری، بری اور ہوائی ذرائع رسل و رسائل میں ان کو برتری اور فوقیت حاصل تھی۔ میدان جنگ جغرافیائی حیثیت سے دشمن کے لئے سازگار اور ہمارے لئے ناسازگار تھا وغیرہ وغیرہ۔

الغرض دنیا کی تمام خدا ناشناس قومیں اپنی مغلوبیت اور شکست کے اسباب و وجوہ پر صرف اس طرح سے غور کرتی ہیں اور اس لئے اُن کی جدوجہد صرف ظاہری تدبیروں اسباب و وسائل کی تیاریوں اور مادی کوششوں ہی میں منحصر رہتی ہے —— اور کون باخبر اور حقیقت شناس اس سے انکار کر سکتا ہے کہ اس وقت ہم مسلمانوں کی قومی پالیسی بھی اصولاً بالکل یہی ہے۔ یہی ہمارے قائدین کا طرز فکر ہے اور یہی طریق عمل ہے اور ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا بتلایا ہوا طریقہ اس سے بالکل اور بنیادی طور پر مختلف ہے۔ ان کے فکر و نظر کا اولی اور اساسی نقطہ یہ ہے کہ اس دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اور کسی فرد یا کسی قوم پر جو اچھے بُرے حالات آتے ہیں اگرچہ بظاہر وہ سلسلہ اسباب ہی کے راستہ سے آتے ہیں لیکن درحقیقت وہ سب ایک علیم و خبیر اور حکیم و بصیر قادر مطلق ہستی کے حکم سے ہوتے ہیں لہذا دنیا کے ہر واقعہ کے متعلق ہمیں اسی یقین و اذعان کی

بنیاد پر سوچنا اور اسی کے مطابق طریق کار اختیار کرنا چاہیئے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اس کو باقی رکھنا یا ختم کر دینا یا بدل دینا صرف اسی کے دست قدرت میں ہے اور وہ اگر چاہے تو ظاہری اسباب و وسائل کی ناساعدت کے باوجود سب کچھ کر سکتا ہے ۔ وہ اسباب و وسائل کی کمی اور کمزوری کی تلافی اپنی غیبی مدد سے کر کے بہتوں کے مقابلہ میں تھوڑوں کو، زورآوروں کے مقابلہ میں کمزوروں کو، اسباب و وسائل میں برتری رکھنے والوں کے مقابلہ میں بے وسیلوں اور ساز و سامان سے تہیدستوں کو اپنی خاص مدد سے کامیاب کر سکتا ہے اور اس بارہ میں اس کی خاص سنت اور خاص قانون ہے ۔

اور انبیا علیہم السلام کی سچائی اور رہنمائی پر ایمان و یقین رکھنے والوں اور ان کے طریقہ پر کام کرنے والوں نے بارہا اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے اس خاص "قانون نصرت" کا تجربہ بھی کیا ہے ۔ قرآن مجید میں حضرات انبیا علیہم السلام اور ان کے زورآور اور سرکش مخالفوں اور فرعون و نمرود جیسے طاقتور حکمرانوں کے جو واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ درحقیقت اسی سنت اللہ کی مثالیں ہیں ۔

لیکن اللہ تعالیٰ کی اس سنت اور نصرت کی کار فرمائی کے لئے کچھ اصول اور شرائط ہیں، جن کا تعلق عقائد و خیالات، اعمال و اخلاق، سیرت و کردار غرض انسان کی پوری زندگی سے ہے اور جس کا ایک مختصر اور جامع عنوان "ایمان والی زندگی" ہے تو اگر کوئی قوم اور امت اجتماعی طور پر ان اصول پر کاربند ہو جائے اور انھیں اصولوں کے ماتحت جدوجہد کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ یہ اختصاصی معاملہ کرتا ہے کہ تعداد میں کمی اور اسباب و وسائل میں کمزوری کے باوجود اپنی غیبی مدد سے اس کو کامیاب اور فتحمند کر کے اس دنیا میں بھی عزت و سربلندی کا مقام عطا فرما دیتا ہے ۔

لیکن پھر اس کا دوسرا رخ یہ بھی ہے کہ اگر یہ قوم کسی وقت اس راہ سے منحرف ہو جائے اور اس کا طرز زندگی بدل جائے تو پھر اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی بدل جاتا ہے اول اول تو اس کو متنبہ کرنے اور چونکانے کے لئے اس پر مصیبتیں بھیجی جاتی ہیں، دکھوں اور تکلیفوں میں مبتلا کیا جاتا ہے لیکن اگر وہ ان انتباہی کارروائیوں سے بھی کوئی سبق نہ لے اور اپنے حال کو درست نہ کرے تو پھر اس کے لئے دنیا میں مستقل ذلت و پستی اور تباہ حالی کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے (یہودیوں کے متعلق قرآن مجید نے جو کچھ فرمایا ہے وہ اسی سنت اللہ کی مثال ہے)

بہر حال دنیا میں رونما ہونے والے واقعات اور قوموں کے اچھے برے حالات بالخصوص کتاب

وپیغمبر سے وابستگی رکھنے والی امتوں کے عروج وزوال کے متعلق یہ ہے انبیاء علیہم السلام کے طرز فکر اور طریق کار کا اوّلی اور اساسی نقطہ ـــــ بیشک وہ ترک اسباب اور ترک تدابیر کی تعلیم نہیں دیتے بلکہ حدود اللہ کے اندر تمام ممکن اسباب وتدابیر کے استعمال کا اور استطاعت کی آخری حد تک جدوجہد کا سبق دیتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کو ان اسباب سے بالاتر اور اس کے ارادہ اور مشیت کو اصل کارفرما یقین کرتے ہیں اور اس لئے اس کی رضا جوئی اور اس کی خاص مدد کے استحقاق کو سب سے بڑی اور بنیادی تدبیر اور اصل فیصلہ کن کوشش سمجھتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کے بتلائے ہوئے اس طرز فکر وطریق کار کو اور زیادہ مفصل اور واضح طور پر سمجھنے کے لئے قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات پر غور کیجئے:۔

(۱) قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (آل عمران ع ۳)

کہو اے اللہ ملک وبادشاہت کے حقیقی مالک تو جسے چاہے ملک دے اور جس سے چاہے ملک لے، جسے چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلت دے، تیرے ہی قبضہ میں ہے ہر بھلائی، تو بیشک ہر چیز پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے۔

(۲) اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (آل عمران ع ۱۷)

اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہ ہو سکے اور اگر وہ تمہاری مدد نہ کرے تو پھر کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کر سکے اور اللہ ہی پر اعتماد اور توکل کرنا چاہیے ایمان والوں کو۔

(۳) مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (فاطر ع ۱)

اللہ جس رحمت کا دروازہ لوگوں کیلئے کھولے تو پھر کوئی اس کو روکنے والا نہیں، اور وہ جس نعمت کو روک لے تو پھر کوئی اس کو بھیجنے والا نہیں اور وہ بڑے زور والا اور حکمت والا ہے۔

(۴) اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝

اس کا معاملہ تو بس یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو کرنا چاہتا ہے تو اس کو کہتا ہے کہ ہو جا بس وہ

فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ (یٰس ع ۵)

ہو جاتی ہے پس پاک ہے وہ ذات جس کے قبضہ میں ہر چیز کی بادشاہی اور فرماں روائی ہے اور تم سب (مرنے کے بعد) اسی کی طرف لوٹو گے۔

(۵) وَكَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِیْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِیْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ (بقرہ ع ۳۳)

اور کتنی ہی چھوٹی جماعتیں غالب آئی ہیں بڑی جماعتوں پر اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

ان آیات میں بتلایا گیا ہے کہ کسی فریق کو حکومت دے کر بالاتر کر دینا اور کسی سے حکومت چھین کے بالاتری کے مقام سے اس کو گرا دینا، کسی کو عزت اور برتری دینا اور کسی کو ذلیل اور پست کر دینا سب اللہ ہی کے حکم اور ارادہ سے ہوتا ہے اور ہر بھلائی اسی کے اختیار میں ہے اور اس کو سب کچھ کرنے کی قدرت حاصل ہے آج اس نے جس کو اونچا کیا ہے وہ کل اس کو نیچا بھی کر سکتا ہے اور جس کو آج اس نے کچھ دیا ہے وہ اس دینے کے بعد چھین لینے اور چھین لینے کے بعد پھر عطا فرما دینے پر بھی قدرت رکھتا ہے ۔۔۔۔ (۲) اور اگر وہ تمہاری مدد کرنا چاہے تو پھر دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت تمہاری کامیابی کو نہیں روک سکتی ۔۔۔۔ (۳) وہ اگر کسی کو اپنے انعام و رحمت سے نوازنا چاہے تو کسی کی ہستی نہیں جو اس میں حائل ہو سکے۔ (۴) وہ تمہارے سارے اسباب و وسائل سے بے نیاز ہے۔ اس کی مشیت کا ایک ادنیٰ اشارہ اور بس اس کا ارادہ ہی سب کچھ کر دے سکتا ہے۔ سب کچھ اس کے اختیار میں ہے (۵) بارہا اس دنیا میں ایسا ہوا ہے کہ اس کے حکم و ارادہ سے اور اس کی غیبی مدد سے بہت تھوڑے سے آدمیوں نے بہت بڑی بڑی فوجوں کو شکست دیدی ہے

اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس دنیا میں اس کے ارادہ اور مشیت کی کارفرمائی اور کسی کو حکومت دینے اور کسی سے حکومت چھین لینے اور اپنی مدد سے جس کو چاہے اس کو غالب کر دینے کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کی یہ شان بیان فرمانے کے ساتھ ساتھ قرآن کریم یہ بھی صاف صاف بتلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ خاص غیبی مدد کیوں کر حاصل ہوتی ہے اور اس کی خصوصی عنایات اور فضل و رحمت اور تائید و نصرت کے استحقاق کے کیا اصول اور کیا شرائط ہیں۔

مندرجہ ذیل آیات کو غور سے پڑھئے :۔

(۱) وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ (آل عمران ع۱۴)

اور (اپنی کمزوری اور اسباب و وسائل کی کمی کے خیال سے) ہمت نہ ہارو اور (اب تک تم پر جو گزر چکی اس کا) غم نہ کرو اور تم ہی بالاتر ہو گے اگر تم ہو ایمان والے۔[1]

(۲) وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ (الروم ع۵)

اور حق ہے ہم پر مدد ایمان والوں کی۔

(۳) إِنَّ اللّٰهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ ۝ (الحج ع ۵)

یقیناً اللہ تعالیٰ دفاع کرے گا اپنے ایمان والے بندوں کی طرف سے (یعنی ان کی حمایت کریگا دشمنوں کے مقابلہ میں) اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں اور نہ ماننے والوں کو نہیں چاہتا۔

(۴) وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَنْصُرُهُ إِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝ (الحج ع ۶)

اور یقیناً اللہ تعالیٰ مددگار ہوگا ان بندوں کا جو اس کے دین کی مدد کریں۔ بیشک اللہ تعالیٰ قوت اور غلبہ والا ہے

---

[1] واضح رہے کہ قرآن وسنت کی خاص اصطلاح میں "مومنین" سے مراد اللہ کے وہ خاص بندے ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی لاشریک الوہیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لائیں اور اس ایمان کے تقاضوں کے مطابق زندگی گزاریں ـــــ لیکن جو لوگ اپنے کو مسلمان کہیں اور اپنی زندگیوں کو اللہ و رسول کے احکام کے تابع نہ بنائیں (جیسا کہ آج کل اکثر مسلمانوں کا حال ہے) تو قرآن کی وسیع اصطلاح میں ایسوں کا نام "منافق" ہے۔ پس موجودہ مسلمان قوم کو "مومنین" کا مصداق سمجھ کر اس جیسی آیات کے وعدہ کا مستحق سمجھنا محاورات قرآن سے ناواقفی ہے۔ موجودہ مسلمان قوم تو اپنی اکثریت کے اعتبار سے ان آیات قہر کی مصداق ہے جن میں دین سے بے اعتنائی برتنے والوں اور خدا اور رسول کی نافرمانی کرنے والوں کو دنیا و آخرت میں ذلت و خواری کی سزا دینے کا اعلان فرمایا گیا ہے۔ اس نکتہ کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے۔

(۵) فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلٰىكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝ (الحج ع ۱۰)

پس قائم کرو نماز اور ادا کرتے رہو زکوٰۃ اور مضبوطی کے ساتھ وابستہ ہو جاؤ اللہ سے، وہ تمہارا کارساز ہے پس بڑا اچھا کارساز اور بڑا اچھا مددگار ہے۔

(۶) وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِىْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ط

(المائدہ ع ۳)

اور اللہ نے فرمایا ہے میں تمہارے ساتھ ہوں (یعنی میرا فضل اور میری مدد تمہارے ساتھ ہے) اگر تم قائم کرتے رہے نماز اور ادا کرتے رہے زکوٰۃ اور ایمان لائے میرے رسولوں پر اور ان کی تعظیم و توقیر کرتے رہے اور اپنا مال و دولت اللہ کے کاموں اور دین کی ضرورتوں میں خرچ کرتے رہے

(۷) وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ (النور ع ۷)

اور جو اطاعت کریں اللہ کی اور اللہ کے رسول کی اور ڈریں اللہ سے اور بچیں اس کی نافرمانی سے تو وہی کامیاب ہوں گے۔

(پھر دو آیتوں میں اس مضمون کو اور زیادہ مؤکد فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا گیا ہے)

(۸) وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۝ (النور ع ۷)

اللہ کا وعدہ ہے ان سے جو ایمان لاویں تم میں سے اور نیک اعمال کریں، ان کو ضرور زمین میں حکومت دیگا جیسا کہ ان سے پہلوں کو حکومت بخشی تھی اور ان کے لئے اُن کے اس دین (اسلام) کو قوت دیگا جو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے اور اُن کے خوف و خطر کو امن و اطمینان سے بدل دے گا۔

(۹) اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ط لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

جو لوگ ایمان لاویں اور تقویٰ اختیار کریں ان کے لئے (اچھی انجام والی زندگی کی) بشارت ہے دنیا میں اور آخرت میں، اللہ کی باتیں یقیناً پوری ہونے والی اور اٹل ہیں (دنیا اور آخرت میں یہ

(النحل رکوع ۴)

(۱۰) لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةٌ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ (النحل ع ۴)

(۱۱) مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً (النحل ع ۱۳)

(۱۲) وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ○ (بقرہ ع ۲۴)

(۱۳) اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ (النحل ع ۱۶)

(۱۴) وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ط وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ط قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ○

(الطلاق ع ۱)

(۱۵) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ط اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (بقرہ ع ۱۸)

(۱۶) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○

(آل عمران آخری آیت)

(۱۷) اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ (بقرہ ع ۲۷)

انعام والی زندگی ملنا) یہ بڑی کامیابی ہے۔

اور نیکوکاروں کے لئے اس دنیا میں بھی بہتری ہے اور دار آخرت تو ان کے لئے بہت ہی اچھا ہے۔

جو عمل صالح کریں مرد یا عورت اور وہ ایمان والے ہوں تو ہم ان کو اچھی زندگی بخشیں گے۔

اور اللہ سے ڈرو (اور اس کی نافرمانیوں سے بچتے رہو) یقیناً اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔

اللہ تعالیٰ تقوے والوں اور نیکوکاروں کے ساتھ ہے

اور جو اللہ سے ڈریں اور اسکی نافرمانی سے بچیں وہ ان کے واسطے نکالے گا کوئی راہ اور دیگا ان کو اپنی نعمتیں وہاں سے جہاں سے انھیں گمان بھی نہ ہوگا اور جو اعتماد کریں اللہ پر تو اللہ ان کو کافی ہے یقیناً اللہ جس طرح چاہے اپنا کام پورا کرنیوالا ہے اللہ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔

اے ایمان والو صبر و ثبات اور نماز سے قوت پکڑو یقیناً اللہ صبر و ثبات والوں کے ساتھ ہے۔

اے ایمان والو (مضبوطی سے حق پر اور راہ حق میں جمے رہو اور جمائے رہو اور گھات میں لگے رہو اور اللہ سے ڈرتے اور اس کے احکام کی خلاف ورزی سے بچتے رہو تاکہ تم فلاح یاب ہو جاؤ۔

بیشک یہی لوگ جو ایمان والے ہیں اور جنھوں نے ہجرت کی (یعنی دین کی خاطر اپنے گھر اور اپنے چین آرام کو چھوڑا) اور اللہ کے راستہ میں جدوجہد کی وہی اللہ کی خاص رحمت کی امید کریں۔

اور سورہ صف میں اللہ ورسول پر صحیح طریقہ سے ایمان لانے والوں اور راہ خدا میں جان و مال سے کوشش کرنے والوں کو جنت عطا کرنے کا وعدہ دینے کے بعد ارشاد فرمایا گیا ہے۔

(۱۸) وَأُخْرَىٰ تُحِبُّونَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ (الصف ع ۲)

اور (دار آخرت کی اس جنت کے علاوہ اور اس سے پہلے اس دنیا میں) ایک دوسری نعمت بھی تم کو عطا ہوگی جس کو تم بہت چاہتے ہو یعنی اللہ کی خاص مدد اور (اس کے نتیجہ میں ملنے والی) قریبی فتح اور اے رسول آپ ایمان لانے والوں کو اس کی خوش خبری سُنا دیجئے۔

(۱۹) وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (التوبہ ع ۹)

اور ایمان والے اور ایمان والیاں باہم ایک دوسرے کے رفیق ہیں (ان کے اوصاف یہ ہیں) حکم کرتے ہیں اچھائی کا اور روکتے ہیں بُرائی سے اور قائم کرتے ہیں نماز اور اطاعت کرتے ہیں اللہ ورسول کی، یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ عن قریب ہی اپنی خاص رحمت سے نوازے گا۔ بیشک اللہ پاک زور والا اور حکمت والا ہے۔

(۲۰) وَمَن يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ (والصافات ع ۵)

اور جو ساتھ پکڑلیں اللہ کا اور اللہ کے رسول کا اور ایمان والوں کا تو بس اللہ کی جماعت ہی غالب آنے والی ہے۔

(۲۱) وَإِنَّ جُندَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ (والصافات ع ۵)

اور بیشک ہمارا لشکر ہی غالب رہنے والا ہے

(۲۲) وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ (اعراف ع ۱۲)

اور اگر بستیوں والے ایمان اور تقویٰ کی راہ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔

(۲۳) وَأَنِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُمَتِّعْكُم مَّتَاعًا حَسَنًا إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى (هود ع ۱)

اور میں تمھیں پیغام دیتا ہوں کہ اپنے گناہ معاف کراؤ اپنے رب سے، پھر رجوع ہو جاؤ اس کی طرف وہ تم کو خوش عیشی دیگا ایک مقرر وقت تک۔

(۲۴) وَيَا قَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ

(اور حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم والوں سے کہا)

ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ ٥ (هود ع ٥)

اے میری قوم اپنے پروردگار سے اپنے گناہ معاف کراؤ پھر اس کی طرف رجوع کرو وہ تم پر خوب بارش برسادے گا (جس سے تمھاری بہت سی تکلیفیں دور اور بہت سی مشکلیں حل ہونگی اور پیداوار میں زیادتی ہوگی) اور اپنی خاص مدد سے تمھاری قوت میں اضافہ کردے گا اور دیکھو اس راہ سے نہ پھرو مجرم بن کر۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی قوم اللہ کے فضل و انعام اور اس کی خاص رحمت و نصرت اور اس کی غیبی تائید کی مستحق اس وقت ہوگی جب کہ اس میں یہ اوصاف ہوں — حقیقی ایمان۔ اللہ کے دین کی نصرت و خدمت۔ اقامت صلوٰۃ۔ ادائے زکوٰۃ۔ اللہ تعالےٰ کے ساتھ پوری پوری وابستگی، انبیاء علیہم السلام کی ہدایت و رہنمائی پر کامل یقین، ان کی تعظیم و توقیر اور ان کی ہدایت کے مطابق مال و دولت کو راہ خدا میں خرچ کرنے کی عادت، اللہ و رسول کی اطاعت، تقوےٰ والی زندگی، حسن عمل، اللہ کا خوف و خشیت، استعانت بالصبر والصلوٰۃ۔ دین کے واسطے اپنا گھر اور اپنا چین و آرام اور اپنی مرغوبات و مالوفات کو چھوڑنا، راہ خدا میں جدوجہد کرنا اور جان و مال کی قربانی سے دریغ نہ کرنا، بھلائیوں کو پھیلانے اور برائیوں کو مٹانے کی کوشش کرنا، اللہ و رسول کا ساتھ پکڑ لینا اور بس ان کی طرف اور ان کے زیر فرمان ہو جانا، ان ہی کے سپاہی بن جانا، سابقہ گناہوں سے معافی مانگ کے آئندہ کو اللہ ہی کی طرف رجوع ہو جانا۔

پس جس قوم اور جس امت میں بحیثیت مجموعی یہ اوصاف موجود ہوں اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ آخرت میں جنت اور نہایت راحت و سرور والی زندگی کے علاوہ اس دنیا میں بھی اس قوم کو عزت کی اور چین و امن کی زندگی اور اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں کامیابی اور برتری عطا ہوگی — بہر حال اللہ تعالیٰ کی اُس خاص غیبی مدد اور خصوصی عنایت و رحمت کے ظہور کے لئے (جو تعداد میں کمی اور اسباب و وسائل کی کمزوری کے باوجود کسی قوم کو غالب اور بالاتر کردیتی ہے) اس قوم میں ان مذکورہ بالا اوصاف کا ہونا ضروری ہے۔

اور ظاہر ہے کہ کسی قوم میں ان اوصاف کے ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ لاکھوں کی تعداد میں اگر دو چار بھی ان اوصاف کے حامل ہوں تو قوم ان اوصاف کی حامل سمجھی جائے گی، بلکہ جب تک

کسی قوم کی غالب اکثریت میں اور خصوصاً اس کے نمایاں عناصر اور سربرآوردہ افراد میں اور خاص کر جد وجہد کرنے والے طبقہ میں یہ اوصاف عام نہ ہوں اس وقت تک وہ قوم ان اوصاف والی قوم نہیں سمجھی جائے گی اور اس وجہ سے یہ انعامی وعدے اس کے حق میں پورے نہ ہوں گے اور عزت، وشوکت اور غلبہ وحکومت والی موعودزندگی اس کو حاصل نہ ہوگی ـــــ ہاں اُس کے صالح افراد کو آخرت میں اپنے صلاح وتقوے کا پورا پورا بدلہ مل جائے گا اور اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اس دنیا میں بھی ان کو انفرادی طور پر "حیوٰۃ طیبہ" اور نعمت ورحمت والی زندگی کسی شکل میں عطا فرما دے گا۔ چاہے دوسرے بے بصیرت اور حقیقت ناشناس لوگ اپنے حیوانی اور سراسر مادی نقطۂ نظر کی وجہ سے ظاہری فقیری میں ان کے شاہانہ چین واطمینان اور روحانی وقلبی راحت وسرور کا اندازہ نہ کرسکیں۔

بہرحال فضل وانعام کے طور پر کسی قوم کو من حیث القوم عزت کا مقام اور امن وچین والی بہتر زندگی اس وقت عطا ہوتی ہے جب کہ اس قوم کی زندگی مذکورۂ بالا ایمانی خصائص کی آئینہ دار ہو۔ قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کی سنت وعادت یہی بتلائی ہے۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللهِ تَبْدِيلًا ۝

نیز قرآن مجید ہی سے اللہ تعالیٰ کی اس سنت کا دوسرا پہلو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی قوم اللہ ورسول کو ماننے اور ان کے احکام کو تسلیم کرلینے کے بعد نافرمان ہوجائے یا اپنی خواہش اور مرضی سے دین کے کچھ حصوں پر عمل کرے اور کچھ کو پس پشت ڈال دے تو پھر وہ قہر وغضب کی مستحق ہوجاتی ہے اور اس عدول حکمی اور نافرمانی کی سزا میں اللہ تعالیٰ اپنی بہت سی نعمتیں اس سے چھین لیتا ہے اور طرح طرح کی بلاؤں اور مصیبتوں کو اس پر بھیجتا ہے اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کے دشمنوں سے اسے ذلیل اور پامال کراتا ہے۔ مندرجہ ذیل آیتوں پر غور کیجئے!

(۱) سورہ بقرہ کے دسویں رکوع میں بنی اسرائیل کے ایک گروہ کا یہ حال بیان فرمانے کے بعد کہ ہم نے ان کو یہ احکام دئے تھے اور انھوں نے ان احکام کو قبول کرلیا اور مان لیا تھا لیکن اس کے بعد اپنی ذاتی خواہش سے انھوں نے فلاں ایک حکم کی تو تعمیل کی مگر اس کے علاوہ دوسرے تمام احکام کے خلاف عمل کیا ـــــ (بہرحال اُن کی یہ روداد عمل بیان کرنے کے بعد) قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔

(۱) فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ (بقرہ ع ۱۰)

پس جو لوگ تم میں سے ایسا کریں تو اُن کی جزا سوا اس کے اور کیا ہے کہ ذلت و خواری ہو۔ اس دنیوی زندگانی میں اور قیامت کے دن ڈھکیل دیے جائیں گے نہایت سخت عذاب میں اور اللہ تعالیٰ غافل نہیں ہے تمہارے کرتب اور کردار سے۔

(۲) فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (النور ع ۹)

پس جو لوگ خلاف چلتے ہیں اس کے حکم سے انہیں ڈرنا چاہیے کہ آ جائے اُن پر کوئی بڑی مصیبت یا پہونچے انہیں سخت دکھ والا عذاب[1]۔

(۳) ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (انفال ع ۶)

یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نہیں ہے بدلنے والا کسی نعمت کا جو بخشی ہو اُس نے کسی قوم کو جب تک کہ نہ بدلیں وہ اپنے ذاتی اعمال۔

(۴) وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى (طٰہٰ ع ۷)

اور جو لوگ روگردانی کریں اور بے رُخی برتیں میری نصیحت سے تو ان کے واسطے (اس دنیا میں) زندگی ہے تنگی اور بے چینی اور بے اطمینانی کی اور قیامت کے دن اُٹھائیں گے ہم ان کو اندھا۔

(۵) وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ (سجدہ ع ۲)

اور کون زیادہ ظالم اور جفاکار ہے اس شخص سے جس کو نصیحت اور یاددہانی کی گئی اس کے رب کی آیات سے مگر اُس نے پھر بھی بے رُخی برتی۔ ہم مجرموں سے ضرور انتقام لینے والے ہیں۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے اسی دستور اور اس کی اسی سنت کا ذکر کیا گیا ہے کہ جب کوئی قوم اللہ کے بھیجے ہوئے دین حق کو مان لے، اس کے پیغمبروں کے لائے ہوئے احکام تسلیم کرلے اور

---

[1] اس کے بعد متصل یہ آیت ہے اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○ اس کے خط کشیدہ ٹکڑے سے صاف ظاہر ہے کہ اوپر والی آیت میں جس "فتنہ" اور "عذاب الیم" کا ذکر ہے اس سے مراد دنیوی عذاب اور دنیا میں آنے والے مصائب ہیں ۱۲۔

اس کے بعد عملاً اس کے خلاف چلے (جو موجودہ مسلمانوں کا عام حال ہے) تو مرنے کے بعد عالم آخرت کے سخت عذاب کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس دنیا میں بھی اس کو یہ سزا دی جاتی ہے کہ اس کے دشمنوں سے اس کو ذلیل اور پامال کرایا جاتا ہے اور طرح طرح کی مصیبتیں اور قسم قسم کے فتنے اس پر بھیجے جاتے ہیں اور اس کو جو نعمتیں پہلے ملی ہوتی ہیں (ایمانی طرز زندگی کے بجائے غیر ایمانی طریقہ زندگی اختیار کر لینے کے جرم میں) وہ نعمتیں اس سے چھین لی جاتی ہیں — اور اللہ کی ہدایت و نصیحت سے روگردانی اور اس کی ناقدری کی پاداش میں زندگی کی راہیں اس پر تنگ کر دی جاتی ہیں اور پھر بے چینی اور بے اطمینانی کے حالات اس پر مسلط کر دئے جاتے ہیں — اور جب کسی قوم کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ اللہ کی باتوں اور اللہ کے احکام کو بار بار یاد دلانے کے باوجود وہ ان سے اثر نہیں لیتی بلکہ بے رخی ہی برتتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی انتقامی شان کا ظہور ہوتا ہے اور پھر اس مجرم قوم کو اس کی خدا فراموشی کا مزہ چکھایا جاتا ہے۔

نیز قرآن مجید ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ عتاب ابتداءً اس لئے ہوتا ہے اور یہ مصائب اس واسطے بھیجے جاتے ہیں کہ غافل اور بدمست قوم ہوش میں آئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع و انابت اور توبہ و استغفار کر کے اللہ کو راضی کرنے والی زندگی اختیار کرے۔ سورہ سجدہ کی جو آیت اوپر نمبر (۵) پر نقل کی گئی ہے اس سے پہلی ہی آیت میں ہے

وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ (السجدہ ع ۲)	اور ہم آخرت کے بڑے عذاب کے علاوہ اور اس سے پہلے ضرور ان کو چکھائیں گے اس کم درجہ کا عذاب (اس دنیا ہی میں) شاید کہ وہ باز آجائیں۔

نیز سورۂ روم کی ایک آیت میں بھی خدا فراموشی اور بدکرداری کی سزا میں آنے والی بلاؤں کا یہی مقصد بیان فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہے:-

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝	پھیل گیا فساد خشکی اور تری میں آدمیوں کی بداعمالیوں سے تاکہ چکھا دے انھیں ان کی بعض بداعمالیوں کی سزا شاید وہ باز آجائیں۔

پھر قرآن مجید ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان عتابی کارروائیوں کے ظہور سے بھی قوم میں رجوع و انابت نہ پیدا ہو، اور وہ شیطانی اعمال اور غیر ایمانی طور طریقوں کو چھوڑ کر ایمان و اطاعت والی زندگی اختیار نہ کرے تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایسی بدنصیب قوم کو بالآخر ہلاک و برباد کر دیا جاتا ہے اور صفحۂ ہستی کو اس کے وجود سے پاک کر دیا جاتا ہے۔ سورہ انعام میں ایسی ہی غافل و بدمست رہنے والی بعض قوموں اور بلائیں اور مصیبتیں آنے پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہ ہونے والی امتوں کی بربادی اور تباہی کی داستان اس طرح بیان فرمائی گئی ہے۔

فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُمْ بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا وَلَٰكِنْ قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ ۝ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا ۚ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ (الانعام ع ۵)

پس جب آئی اُن پر ہماری طرف سے سختی تو وہ کیوں نہ گڑگڑائے (اور کیوں انھوں نے رجوع و انابت کی راہ اختیار نہ کی) و لیکن سخت ہو گئے اُن کے دل اور شیطان نے ان کی بداعمالیوں کو ان کی نظروں میں اچھا کر کے دکھلایا۔ پھر جب وہ (اپنی بدمستی اور طغیانی میں) بھول گئے اُن نصیحتوں کو جو انھیں کی گئی تھیں تو ایک دفعہ کھول دئیے ہم نے اُن پر ہر چیز کے دروازے یہاں تک کہ جب وہ خوب اترائے ان چیزوں پر جو انھیں دی گئی تھیں (اور ان کی غفلت و بدمستی حد کو پہونچ گئی) تو ہم نے دفعۃً انھیں اپنی سخت گرفت میں لے لیا تو وہ بالکل حیرت زدہ اور درماندہ ہو کے رہ گئے پھر اس عذاب سے اس ظالم قوم کی جڑ کٹ گئی اور وہ نیست و نابود کر دی گئی اور حمد ہے اللہ رب العالمین کے لئے۔

الغرض قوموں کے عروج و زوال، اُن کی خوشحالی و بدحالی اور ان کی بقا و فنا کے متعلق یہ ہے انبیاء علیہم السلام کا لایا ہوا خاص فلسفہ اور قرآن مجید کا بتلایا ہوا خاص راز کہ جب کوئی قوم ایمان و اطاعت والی وہ زندگی اختیار کر لیتی ہے جو اللہ کو محبوب ہے تو وہ قوم اللہ تعالیٰ کی

خصوصی رحمت وعنایت کی مستحق ہو جاتی ہے اور پھر حق تعالیٰ اس دنیا میں بھی اسکی خاص نصرت فرماتے ہیں جس کی وجہ سے اس کو عزت و وقار والی زندگی حاصل ہوتی ہے اور اس کے دشمن و بدخواہ اس کے مقابلہ میں زیر ہوتے ہیں ——— لیکن پھر یہی امت اگر خدا فراموش ہو جائے اور نافرمانی کی زندگی اختیار کرلے تو پھر اللہ تعالیٰ کا رویہ بھی اس کے ساتھ بدل جاتا ہے، اس کو طرح طرح کی مصیبتوں اور پریشانیوں میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ دشمنوں کے مقابلہ میں اس کی کوئی مدد نہیں کی جاتی۔ وہ ذلیل ہوتی ہے اور ٹھوکریں کھاتی ہے ——— پھر اگر ان آفتوں اور ذلتوں سے بھی وہ سبق نہ لے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع وانابت نہ کرے اور خدا فراموشی اور بدمستی ہی کی راہ پر چلتی رہے تو پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ بالکل تباہ و برباد کر دی جاتی ہے اور اس کی جڑ تک کاٹ دی جاتی ہے۔

افسوس! انبیاء علیہم السلام کی ہدایات سے ہماری دوری اور قرآنی تعلیمات سے ہماری بیگانگی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ نہایت مہیب اور لرزہ خیز قومی واقعات اور بڑے بڑے مصائب و ابتلاآت کے وقت بھی ہم کو انبیاء علیہم السلام کا یہ سبق یاد نہیں آتا اور اپنے قومی مسائل پر کبھی ہم اس روشنی میں غور نہیں کرتے ——— اس وقت بھی جب کہ یہ سطریں سپرد قلم کی جا رہی ہیں ہماری قوم کے سامنے نہایت اہم اور دور رس مسائل ہیں جن سے عہدہ برا ہونا مشکل نظر آ رہا ہے اور بڑے سخت خطرات کے سُرخ و سیاہ بادل سر پر منڈلاتے نظر آ رہے ہیں (اور بعض صوبوں میں یہ خطرات خونی واقعات بن کر بھی ظاہر ہو چکے ہیں) اور ہماری قوم کے تمام طبقے ان حالات سے متاثر اور سخت متفکر بھی ہیں لیکن اللہ سے دوری اور دل و دماغ کی گمراہی کا یہ عالم ہے کہ خالص مادہ پرست اور خدا ناآشنا قوموں کی طرح وہ تدبیریں تو سب کی جا رہی ہیں جو ہمارے مادہ پرست دماغوں میں آ رہی ہیں اور جو عصر حاضر کی ملحد قوموں سے ہم نے سیکھی ہیں لیکن انبیاء علیہم السلام نے ایسے حالات کے لئے جو کچھ بتلایا تھا ہماری قومی مجلسوں میں کبھی بھولے سے بھی اس کا تذکرہ نہیں آتا گویا کہ ایسے اہم معاملات کے متعلق اللہ اور اُس کے رسول اور اس کی کتاب نے ہم کو کچھ بتلایا ہی نہیں ہے یا (معاذ اللہ) ہماری دانائی اور سیاسی مہارت اتنی ترقی کر چکی ہے کہ اس دائرہ میں ہمیں ان سے رہنمائی

حاصل کرنے کی حاجت ہی نہیں رہی۔

موجودہ مسلمان قوم میں اگر کچھ لوگ گمراہی کے اس درجہ تک پہنچ چکے ہوں تو اُن سے تو بیشک کچھ کہنا نہیں ہے لیکن ہزار غفلتوں کے باوجود ہماری قوم کا سوادِ اعظم یقیناً اتنا گمراہ اور اللہ و رسول سے اس قدر دور نہیں ہوا ہے۔ اسی نیک گمانی کی بنیاد پر اس سے عرض کرنا ہے کہ اپنے قومی معاملات و مسائل میں آخر ہم کب تک اللہ و رسول کی ہدایت سے غافل و بے پروا رہیں گے اور قرآن مجید کی روشنی میں سوچنے سے ہم کب تک گریز کرتے رہیں گے؟ اور کیا بظاہر حالات اس کا کوئی بھی امکان ہے کہ اپنے موجودہ مادہ پرستانہ رویہ سے کبھی ہم ان مشکلات پر قابو پاسکیں گے اور اپنے مسائل کو اپنی منشاء کے مطابق طے کرالینے میں کامیاب ہوجائیں گے ——— کیا آپ اس بدیہی حقیقت سے بھی ناواقف ہیں کہ صرف ظاہری اسباب و تدابیر اور مادی کوششوں کے ذریعہ کامیابی حاصل کرنے کا امکان جب ہی ہوتا ہے کہ مادی اسباب و وسائل میں بالاتری یا کم ازکم برابری حاصل ہو اور ظاہر ہے کہ مسلمانانِ ہند (بالخصوص اقلیت والے صوبوں کے مسلمانوں) کو یہ پوزیشن حاصل نہیں ہے' وہ تعداد میں بھی بہت کم ہیں اور دولت و صنعت اور تنظیم و تعلیم وغیرہ کے لحاظ سے بھی نہایت پسماندہ ہیں اس لئے اگر صرف ظاہری تدابیر اور مادی کوششوں ہی پر انحصار رہا (جو آج تک ہماری قومی پالیسی ہے) تو ظاہر ہے کہ انجام دائمی ذلت و ناکامی کے سوا کچھ بھی نہ ہوگا۔ پس ہماری موجودہ مشکلات کا بھی کوئی حل اس کے سوا نہیں ہے کہ ہم دین کو مقصدِ حیات اور نجاتِ آخرت کو اصل مطمحِ نظر بنا کے قرآن مجید اور اسوۂ نبوی کی رہنمائی میں اپنی قومی پالیسی از سر نو مرتب کریں۔

اس سلسلہ میں سب سے اہم اور اولین فریضہ ہمارا یہ ہوگا کہ موجودہ مسلمان قوم میں وسیع پیمانہ پر دین و ایمان والی زندگی اور وہ اوصاف پیدا کرنے کی کوشش کریں جن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص عنایت و رحمت اور غیبی تائید و نصرت کا وعدہ ہے ——— اس کے بعد نہ صرف یہ کہ اللہ کی مدد سے موجودہ مصائب و ابتلاآت اور مستقبل کے خطرات ہی سے نجات پاسکیں گے بلکہ اللہ تعالیٰ کی سنتِ ازلیہ اور اس کے کھلے کھلے وعدوں پر ایمان رکھتے ہوئے ہمیں یقین کرنا چاہیے کہ پھر ہم ہی بالاتر کردیے جائیں گے اور تاریخ کا ورق ایک دم اُلٹے گا اور اس کی تکمیل کے لئے اس عالمِ اسباب میں جن اسباب و وسائل کی ضرورت ہوگی اللہ تعالیٰ دیکھتے ہی دیکھتے اپنی خاص

قدرت سے ان سب کو ہمارے لئے مہیا فرما دے گا جیسا کہ اپنے ایمان والے بندوں کے ساتھ اس دنیا میں بارہا وہ یہ معاملہ کر چکا ہے۔

ہماری اس گزارش سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہونا چاہیئے کہ ہمارے نزدیک دین کا اصل مقصد اس قسم کی دنیوی مشکلات و مصائب سے نجات حاصل کرنا اور اس حیات دنیا میں عزت و وقار والی زندگی تک پہنچنا ہے اور ہم انہیں مقاصد کے حصول کے واسطے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع و انابت اور دین کی طرف رجعت کا مشورہ مسلمانوں کو دے رہے ہیں۔ حاشا و کلاّ!

ہمارا ایمان ہے کہ دین کا اصل موضوع اور اولین مقصد اپنے خالق و مالک کی رضا جوئی اور مرنے کے بعد عالم آخرت میں نجات و فلاح حاصل کرنا ہے اور اللہ تعالےٰ کی طرف رجوع و انابت اور اس کی عبادت و اطاعت اور قوم میں اصلاحی کوشش اور دینی زندگی پیدا کرنے کی جدوجہد یہ سارے کام خالصاً لوجہ اللہ اور صرف اس لئے اور اسی نیت سے ہونے چاہئیں کہ مرنے کے بعد والی اُس ابدی زندگی میں جو کبھی ختم نہ ہوگی اللہ کے عذاب سے ہم بچ سکیں اور اس کی رضا اور مغفرت و رحمت کے مستحق ہو سکیں ——— بہرحال دینی زندگی اور دینی دعوت کا اصل موضوع و مقصد یہی ہے اور یہی ہونا بھی چاہیئے اور بلاشبہ انبیاء علیہم السلام نے نجات اُخروی ہی کے مسئلہ کو انسانیت کا سب سے اہم مسئلہ قرار دیا ہے اور اسی کو ان بزرگواروں نے دینی دعوت کی بنیاد بنایا ہے لیکن اسی کے ساتھ انھوں نے یہ بھی بتلایا ہے کہ جو قوم اللہ کی رضا جوئی اور نجات اُخروی کی فکر میں یہ دینی زندگی اختیار کرے گی تو اللہ تعالیٰ اس کو بخشش اور انعام کے طور پر آخرت کے طفیل میں اس دنیا میں بھی "حیات طیبہ" (عزت اور چین والی زندگی) عطا فرمائیں گے اور پردۂ غیب سے اس کی مشکلات حل فرماتے رہیں گے اور اس کے دشمنوں اور بدخواہوں کے مقابلہ میں اسکی نصرت و حمایت ہوتی رہے گی۔

پس ہم اپنی قوم کو اس کی موجودہ مشکلات و مصائب سے نجات حاصل کرنے اور حیات طیبہ اور عزت و وقار کے مقام تک پہنچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع و انابت اور دین کی طرف بازگشت کی جو دعوت دے رہے ہیں اس کی حیثیت صرف یہی ہے اور ہم واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ دینی زندگی اور دینی دعوت میں دینی ہونے کی شان اسی وقت ہے جب کہ اس سے اصل غرض اللہ کی رضا جوئی

اور نجات وفلاح اُخروی ہو، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت ونصرت کا وعدہ بھی اسی شرط کے ساتھ مشروط ہے ورنہ اگر کوئی قوم اور کوئی جماعت دنیوی فلاح وترقی اور اس حیات دنیا ہی میں عزت و برتری حاصل کرنے کے لئے اسلامی طور طریقوں کو اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں ایسے لوگ سخت مجرم ہیں جو دنیا ہی کو اصل مطمح نظر بنائیں یا آخرت کے مقابلہ میں اس کی زیادہ فکر کریں۔

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ۝ (القیامۃ ع ۱)

بس تم لوگ دنیا کو چاہتے ہو اور آخرت کو چھوڑے ہوئے ہو۔

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى (الاعلیٰ)

بلکہ تم دنیوی زندگی کو مقدم رکھتے ہو حالانکہ آخرت اس سے بدرجہا بہتر اور زیادہ باقی رہنے والی ہے۔

پس ہماری دینی دعوت کا پہلا مطالبہ اپنی مسلمان قوم سے یہ ہے کہ دنیا کی خدا نا آشنا، عقبیٰ فراموش اور دنیا پرست قوموں کی طرح صرف اس دنیا میں عزت وچین کی زندگی اور علو وبالاتری کا مقام حاصل کرنے کو جس طرح اس نے اپنا اصل مطمح نظر بنا لیا ہے اور تمام تر قومی وسیاسی مساعی کا نصب العین قرار دے لیا ہے اور صرف دنیوی مفادات پر دوسروں سے لڑنے جھگڑنے کی جو پالیسی اس نے اختیار کر رکھی ہے وہ اس کی شان ایمان واسلام کے قطعاً منافی ہے لہٰذا جلد سے جلد وہ اس سے دستبردار ہو جائے اور خالص دنیا پرستی کے اس محاذ سے ہٹ کر انبیاء علیہم السلام کی دعوت وتعلیم کے مطابق رضاء الٰہی اور فلاح اُخروی کو اپنا اصل مقصود ونصب العین بنا لے اور اسکے حصول کے لئے اللہ کی عبدیت اور ایمان واطاعت والی زندگی اختیار کرے اور اسی زندگی کی داعی اور پیامبر بن کر کل انسانیت کی ہمدردی وخیر خواہی کے صادق جذبہ کے ساتھ وہ اقوام عالم کے سامنے آئے اور پھر دیکھے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کیسی مدد کرتا ہے ——— اور جب تک یہ نہیں ہوتا اور موجودہ مسلمان قوم اپنی زندگی اور اپنی پالیسی میں یہ بنیادی تبدیلی نہیں کرتی تو پھر بہار اور گڈھ مکتیشر وغیرہ میں جو کچھ ہو چکا ہے اگر اس سے دس گنا بھی اور ہو جائے اور ہر ہر صوبہ میں ہو تو پھر اللہ کو ہماری کوئی پروا نہیں۔ اس کی ذات اس سے پاک اور بالاتر ہے کہ خالص دنیاوی اور مادی جھگڑوں میں ہماری مدد اور حمایت کرے۔

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

ارشادات

حضرت مولانا محمدؒ الیاس رحمۃ اللہ علیہ

[اس قسط کے تمام ملفوظات بھی حضرت کے مرض الوفات ہی کے ہیں۔ جو نوٹ پہلی قسطوں میں لکھا گیا تھا وہ ہر قسط میں ملحوظ رکھنا چاہیئے ——— مرتب]

(۱) فرمایا ——— ہماری یہ تبلیغی تحریک، دینی تعلیم و تربیت پھیلانے اور دینی زندگی کو عام کرنے کی تحریک ہے اور اس کے جو اصول ہیں بس ان ہی کی رعایت اور نگہداشت میں اس کی کامیابی کا راز مضمر ہے۔ ان اصولوں میں سے ایک اہم اصول یہ ہے کہ مسلمانوں کے جس طبقہ کا جو حق اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے اس کو ادا کرتے ہوئے اس دعوت کو ان کے سامنے پیش کیا جائے ——— مسلمانوں کے تین طبقے ہیں پسماندہ (غربا) اہل وقار، علماء دین، ان سب کے ساتھ جو معاملہ ہونا چاہیئے اس کو یہ حدیث جامع ہے

من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا ولم یبجل علمائنا فلیس منا (او کما قال)

پس قوم میں جو چھوٹے ہوں ان کا حق (رحم و خدمت) اور جو اصحاب وقار اور اہل وجاہت ہوں ان کا حق (توقیر) اور علمائے دین کا حق (تعظیم) ادا کر کے ان کو یہ دعوت دیجائے۔ "وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا"

---

(۲) دلی کے ایک تاجر ایک تبلیغی جماعت کے ساتھ کام کر کے سندھ سے واپس آئے تھے، وہاں کے کام کی رپورٹ ان سے سن کر حضرت نے فرمایا ——— "دوستو! ہمارا یہ کام (اصلاحی و تبلیغی جدوجہد) ایک طرح کا عمل تسخیر ہے [یعنی جو کوئی اس کام میں لگے گا اور اس کو اپنی دُھن بنا لے گا، اللہ تعالیٰ اس کے کام بناتا رہے گا] "مَن کان للہ کان اللہ لہ"۔ اگر تم اللہ کے کام میں لگو گے تو زمین و آسمان اور فضا کی ہوائیں تمہارے کام انجام دیں گی ——— تم اللہ کے کام میں گھر اور کاروبار چھوڑ کے نکلے تھے اب آنکھوں سے دیکھ لینا تمہارے کاروبار میں کتنی برکت ہوتی ہے

اللہ کی نصرت کر کے جو اس کی نصرت و رحمت کی امید نہ رکھے وہ فاسق اور بے نصیب ہے

[مرتب عرض کرتا ہے کہ آخری فقرہ آپ نے ایسے انداز اور اتنے جوش سے
کہا کہ حاضرینِ مجلس کے دل ہل گئے]

---

(۳) فرمایا ـــــ "ہمارے اس کام کی صحیح ترتیب تو یہی ہے کہ پہلے قریب قریب جایا جائے اور اپنے ماحول میں کام کرتے ہوئے آگے بڑھا جائے۔ مثلاً یہاں سے جماعتیں پہلے کرنال، پانی پت وغیرہ جائیں، پھر وہاں سے پنجاب اور ریاست بھاول پور کے علاقوں میں کام کرتی ہوئی سندھ جائیں ـــــ لیکن کبھی کبھی کارکنوں میں عزم اور پختگی کار پیدا کرنے کے لئے ابتداءً دور دور بھیجدیا جاتا ہے ـــــ اس وقت سندھ، بمبئی وغیرہ جماعتیں بھیجنے سے یہی مقصد ہے، ان طویل سفروں سے عزم اور کام کا عشق پیدا ہوگا۔"

---

(۴) ہمارے اس کام میں پھیلاؤ سے زیادہ رسوخ اہم ہے لیکن اس کام کا طریقہ ایسا ہو کہ رسوخ کے ساتھ ہی ساتھ پھیلاؤ بھی ہوتا جائے گا، کیونکہ رسوخ بغیر اس کے پیدا ہی نہیں ہوگا کہ اس دعوت کو لیکر شہروں اور ملکوں ملکوں پھرا جائے۔

---

(۵) ایک نیاز مند سے (جن کو مولانا کے تبلیغی کام سے بھی تعلق تھا اور اس کے علاوہ تحریر و تصنیف ان کا خاص مشغلہ تھا) ایک دن فرمایا ـــــ میں اب تک اس کو پسند نہیں کرتا تھا کہ اس تبلیغی کام کے سلسلہ میں کچھ زیادہ لکھا پڑھا جائے اور تحریر کے ذریعہ اس کی دعوت دیجائے بلکہ میں اس کو منع کرتا رہا ـــــ لیکن اب میں کہتا ہوں کہ لکھا جائے اور تم بھی خوب لکھو، مگر یہاں کے فلاں فلاں کام کرنے والوں کو میری یہ بات پہنچا کر ان کی رائے بھی لے لو ـــــ (چنانچہ ان نامزد حضرات کو حضرت مولانا کی یہ بات پہنچا کر مشورہ طلب کیا گیا، ان صاحبان نے اپنی یہ رائے ظاہر کی کہ اس بارہ میں اب تک جو طرزِ عمل رہا ہے وہی اب بھی رہے ہمارے نزدیک یہی بہتر ہے ـــــ حضرت مولانا کو جب اُن حضرات کی یہ رائے پہنچائی گئی تو فرمایا "ہم پہلے بالکل کس مپرسی کی حالت میں تھے۔ کوئی ہماری بات سنتا نہیں تھا اور کسی کی سمجھ میں ہماری بات آتی نہیں تھی، اُس وقت یہی ضروری تھا کہ

ہم خود ہی چل پھر کر لوگوں میں پہلے طلب پیدا کریں اور عمل سے اپنی بات سمجھائیں۔ اس وقت اگر تحریر کے ذریعہ عام دعوت دی جاتی تو لوگ کچھ کا کچھ سمجھتے اور اپنے سمجھنے کے مطابق ہی رائے قائم کرتے، اور اگر بات کچھ دل کو لگتی تو اپنی سمجھ کے مطابق کچھ سیدھی کچھ اُلٹی اس کی عملی تشکیل کرتے اور پھر جب نتائج غلط نکلتے تو ہماری اسکیم کو ناقص کہتے، اس لئے ہم یہ بہتر نہیں سمجھتے تھے کہ لوگوں کے پاس تحریر کے ذریعہ ہماری دعوت پہنچے ـــــ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی مدد سے اب حالات بدل چکے ہیں۔ ہماری بہت سی جماعتیں ملک کے اطراف میں نکل کر کام کا طریقہ دکھلا چکی ہیں اور اب لوگ ہمارے کام کے طالب بن کر خود ہمارے پاس آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہم کو اتنے آدمی دیدئیے ہیں کہ اگر مختلف اطراف میں طلب پیدا ہو اور کام سکھانے کے لئے جماعتوں کی ضرورت ہو تو جماعتیں بھیجی جا سکتی ہیں ـــــ تو اب ان حالات میں بھی کس مپرسی والے ابتدائی زمانہ ہی کے طریقہ کار کے ہر ہر جزء پر جمے رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ تحریر کے ذریعہ بھی دعوت دینی چاہیئے۔

---

(۶) فرمایا ـــــ " اب یہ کہنا چھوڑ دو کہ تین دن دو یا پانچ دن دو یا سات دن دو، بس یہ کہو کہ راستہ یہ ہے جو جتنا کرے گا اتنا پاوے گا، اس کی کوئی حد اور کوئی سرا نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام سب نبیوں سے آگے ہے اور حضرت ابو بکرؓ کی ایک رات اور ایک دن کے کام کو حضرت عمرؓ نہیں پا سکے۔ پھر اس کی غایت ہی کیا ہے۔ یہ تو سونے چاندی کی کان ہے جتنا کھودو گے اتنا نکالو گے۔

---

(۷) مادی منافع کیلئے دشمنان اسلام کا آلۂ کار بننے والے مسلمانوں کا ذکر کرتے ہوئے) فرمایا ـــــ اگر تم ان میں شکم پرستی اور غرض پرستی کے بجائے خدا پرستی کا جذبہ پیدا کر سکو گے تو پھر وہ پیٹ اور دوسری اغراض کی خاطر دشمنوں کے آلۂ کار کیوں بنیں گے۔ جذبات اور دل کا رُخ بدلے بغیر زندگی کے اشغال بدلوانے کی کوشش غلط ہے، صحیح طریقہ یہی ہے کہ لوگوں کے دلوں کو اللہ کی طرف پھیر دو، پھر ان کی پوری زندگی اللہ کے حکموں کے ماتحت ہو جائے گی، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا یہی مقصد ہے اور ہماری تحریک کی یہی بنیاد ہے۔

(۸) ایک دن حضرت نے غالباً یہ بیان فرماتے ہوئے کہ ہمارے اس کام کا بنیادی اصول یہ ہے کہ لوگوں میں پہلے ایمان یعنی اللہ و رسول کی باتوں پر حقیقی یقین اور دین کی قدر پیدا کرنے کی کوشش کی جائے اس کے بغیر دین کے تفصیلی احکام پیش کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ اس سے لوگوں کے اندر اور ڈھٹائی پیدا ہوگی۔ ایک طالب علم کا قصہ اس طرح بیان فرمایا:۔

"کسی طالب علم کو ان کے بزرگ اُستاد نے یہ یقین دلا رکھا تھا کہ دنیا میں سب سے زیادہ بیش قیمت چیز علم دین ہے اور اس کا ایک ایک مسئلہ ہزاروں لاکھوں روپیوں سے زیادہ قیمتی ہے۔ ایک دن اس طالب علم کو اپنا ٹوٹا ہوا جوتا گٹھوانے کی ضرورت پڑی، وہ چمار کے پاس گیا جب مزدوری کی بات چیت ہوئی تو اس طالب علم نے کہا کہ میں تجھ کو دین کا ایک مسئلہ بتلا دوں گا۔ اُس نے پہلے تو مذاق سمجھا لیکن جب اُسے اندازہ ہوا کہ یہ مذاق سے نہیں کہہ رہا ہے تو اس نے اپنی دوکان سے اٹھا دیا ـــــ وہ اپنے استاد کے پاس آیا اور کہا کہ آپ تو کہتے تھے کہ دین کا ایک مسئلہ ہزاروں لاکھوں سے زیادہ قیمت کا ہوتا ہے اور چمار تو اس کے بدلہ جوتا گانٹھنے پر بھی تیار نہیں ہوا، ان بزرگ نے (جو اُس شہر کے مشہور شیخ اور مرجع خلائق تھے) طالب علم کو ایک ہیرا دیا اور اس سے کہا کہ ترکاری بازار میں جاکر اس کی قیمت چکواؤ، وہ پہلے ایک بیر والی کے پاس گیا اور اس سے پوچھا کہ یہ پتھر تو کتنے میں لے گی؟ اس نے کہا کہ یہ میرے کس کام کا ہے چھٹانک بھر کا بھی تو نہیں کہ چھٹنکی بنالوں، خیر اگر تو دیوے ہی ہے تو پانچ بیر، اُس کے بدلہ میں تجھے دیدونگی میرا بچہ اس سے کھیل لیا کرے گا ـــــ اس کے بعد ایک دوسری بیر والی سے انھوں نے بات کی، اس نے بھی یہی کہا کہ یہ میرے کسی کام کا نہیں ہے۔ یہ اپنے استاد کے پاس واپس آئے اور بتلایا کہ وہاں تو اس کو بے کار بتلایا گیا، اور ایک بیر والی مشکل سے پانچ بیروں کے بدلہ لینے پر تیار ہوئی ـــــ انھوں نے کہا اب اس کو لے کر جوہری بازار جاؤ اور وہاں جوہریوں سے قیمت چکواؤ اور دینا کسی کو نہیں یہ گئے اور ایک جوہری کی دوکان پر جاکر انھوں نے وہ ہیرا دکھایا۔ دوکاندار نے اس طالب علم کی صورت دیکھ کر پہلے تو اس کو چور سمجھا لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ یہ فلاں بزرگ کا بھیجا ہوا ہے تو کہا کہ یہ ہیرا ہم نہیں خرید سکتے، اس کو تو کوئی بادشاہ ہی خرید سکتا ہے ـــــ انھوں نے آکر اپنے استاد کو اس کی خبر دی۔ انھوں نے کہا کہ جس طرح بیر والی

اس ہیرے کی قیمت کو نہیں جانتی تھی اور اس لئے وہ ایک پیسہ میں بھی اس کو لینے کیلئے تیار نہیں ہوئی۔ اسی طرح وہ چمار بھی نہیں جانتا تھا کہ دین کے مسئلہ کی کیا قیمت ہوتی ہے۔ غلطی تمہاری ہے کہ تم نے ناقدرداں کو قدرداں سمجھ لیا"۔

اس کے بعد اسی سلسلہ میں دین کی قدر جاننے والے ایک بادشاہ کا واقعہ اس طرح بیان فرمایا۔

"ایک دین دار اور دین کے قدر شناس بادشاہ نے اپنا لڑکا ایک مولوی صاحب کے حوالہ کیا کہ اس کو علم دین پڑھاؤ، اتفاق سے وہ لڑکا بڑا ہی کودن اور بے سمجھ تھا۔ مولوی صاحب نے بار بار بادشاہ کو اطلاع دی کہ یہ پڑھنے کے قابل نہیں ہے لیکن بادشاہ کا حکم یہی آتا رہا کہ اس کی بالکل پروا نہ کرو۔ اگر وہ اپنی کم سمجھی کی وجہ سے اخذ نہیں کر سکتا ہے تو تم عبور ہی کرا دو، چنانچہ بس عبور ہی ہوتا رہا جب یہ عبور پورا ہو گیا تو بادشاہ نے بڑی خوشی منائی اور لڑکے سے فرمائش کی کہ دین کی کوئی بات بیان کرو۔ اس نے کہا مجھے تو کچھ یاد نہیں۔ بادشاہ نے کہا کہ جو بھی مسئلہ تمہیں یاد ہو وہی بیان کرو، لڑکے نے اس وقت حیض کے متعلق ایک مسئلہ بیان کیا۔ بادشاہ نے بر سر مجلس کہا کہ اگر میری ساری سلطنت خرچ ہو کر بھی تمہیں صرف یہی ایک مسئلہ آجاتا تو بھی نفع ہی نفع تھا۔۔۔۔۔

بھائیو! لوگوں سے دین پر عمل کرانے کے لئے پہلے ان میں حقیقی ایمان، آخرت کی فکر اور دین کی قدر پیدا کرو، اللہ کی دہش بہت ہے مگر اس کے یہاں غیرت بھی ہے وہ ناقدروں کو نہیں دیتا۔۔۔۔۔

تم بھی اپنے بڑوں سے دین کو قدر کے ساتھ لو۔۔۔۔۔ اور اس قدر کا مقتضیٰ یہ بھی ہے کہ ان کو اپنا بہت بڑا محسن سمجھو اور پوری طرح ان کی تعظیم و توقیر کرو، یہی منشا ہے اس حدیث کا جس میں فرمایا گیا ہے من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ (جس نے اپنے محسن آدمیوں کا شکر نہ ادا کیا اس نے اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کیا)

---

(۹) اسی سلسلہ میں فرمایا۔۔۔۔۔ اس سلسلہ کا ایک اصول یہ ہے کہ آزادروی اور خودرائی نہ ہو بلکہ اپنے کو ان بڑوں کے مشوروں کا پابند رکھو جن پر دین کے بارہ میں ان اکابر مرحومین نے اپنا اعتماد ظاہر کیا جن کا اللہ کے ساتھ خاص تعلق معلوم و مسلم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام کا عام معیار یہی تھا کہ وہ انہی اکابر پر زیادہ اعتماد کرتے تھے جن پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاص اعتماد فرماتے

تھے اور پھر بعد میں وہ حضرات زیادہ قابل اعتماد سمجھے گئے جن پر حضرت ابو بکر اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہما) نے اعتماد فرمایا تھا۔ دین میں اعتماد کے لئے بہت تیقظ کے ساتھ انتخاب ضروری ہے ورنہ بڑی گمراہیوں کا بھی خطرہ ہے۔

---

(۱۰) فرمایا "اکبر کی گمراہی کا خاص سبب یہی تھا کہ ابتدا میں اس نے علماء پر بہت اعتماد کیا اور یہاں تک کیا کہ اپنی باگ ہی مجلس علماء کے ہاتھ میں دیدی اور علماء کے انتخاب کی صلاحیت و قابلیت بھی نہیں نتیجہ یہ ہوا کہ طالبان دنیا اور متنافسین کا جمگھٹا ہو گیا جب اکبر کو ان کی بدنیتی اغراض پرستی اور دنیا طلبی کا تجربہ ہوا تو وہ علماء سے سخت متنفر ہو گیا اور پھر تو بات یہاں تک پہنچ گئی کہ علماء سے اس نے کلی اجتناب اختیار کر لیا اور دوسرے مذاہب کے پیشوا اس پر قابو یافتہ ہو گئے۔ پھر اسلام کی جگہ "دین الٰہی" بننے لگا۔ لہ

---

(۱۱) فرمایا "میری اس بیماری اور کمزوری کی وجہ سے علماء اور اطباء کا متفق فیصلہ ہے کہ میں بات چیت بالکل نہ کروں حتیٰ کہ سلام و مصافحہ بھی نہ کروں، میں اس متفقہ فیصلہ کی خلاف ورزی صرف اس دینی فریضہ (اصلاح و تبلیغ) کے اجراء کے لئے کرتا ہوں جس کے متعلق مجھے معلوم ہے کہ اگر میں اس کو نہ کروں تو پھر یہ فریضہ اس وقت زندہ نہ ہو سکے گا۔ سورہ توبہ کی اس آیت سے میں نے یہ سمجھا ہے۔ مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُم مِّنَ الْأَعْرَابِ أَن يَتَخَلَّفُوا عَن رَّسُولِ اللَّهِ وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنفُسِهِمْ عَن نَّفْسِهِ ط اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی وقت دین کا کام کچھ لوگوں پر موقوف ہو تو پھر اُن کو اپنی جان کی پرواہ کرنا جائز نہیں۔

(۱۲) فرمایا "عام طور سے کام کرنے والے لوگ بڑے آدمیوں اور نمایاں ہستیوں کے پیچھے لگتے ہیں اور اللہ کے غریب اور خستہ حال بندے اگر خود بھی آجائیں تو ان کی طرف زیادہ متوجہ نہیں ہوتے۔ یہ مادیت ہے۔ خوب سمجھ لو۔ جو خود بخود تمہارے پاس آگیا وہ اللہ کا عطیہ اور اس کا بھیجا ہوا ہے اور جس کے پیچھے لگ کے تم اُسے لائے وہ تمہاری کمائی ہے جو اللہ کی خالص

لہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رح نے بھی اپنے بعض مکاتیب میں بالکل یہی چیز بیان فرمائی ہے، اور علماء دنیا ہی کو اس کی ضلالت کا سبب بتلایا ہے ۱۲۔ م

عطا ہو اس کی قدر اپنی کمائی سے زیادہ ہونی چاہیے۔ یہ شکستہ حال غریب میواتی جو یہاں پڑے رہتے ہیں ان کی قدر کرو۔ ذرا سوچو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تھی :-

اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِی مسکینا وامتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین (ترجمہ) اے اللہ مجھے مسکینی کی حالت میں زندہ رکھ اور مسکینی ہی کی حالت میں مجھے موت دے اور بروز قیامت مسکینوں کی جماعت میں مجھے اٹھا۔

---

(۱۳) فرمایا "حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اس دور کے قطب ارشاد اور مجدد تھے لیکن مجدد کے لئے ضروری نہیں ہے کہ سارا تجدیدی کام اسی کے ہاتھ پر ظاہر ہو بلکہ اُس کے آدمیوں کے ذریعہ جو کام ہو وہ سب بھی بالواسطہ اسی کا ہے جس طرح خلفاء راشدین بالخصوص حضرات شیخین کا کام فی الحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا کام ہے۔

---

(۱۴) فرمایا "دین کی نعمت جن وسائط سے ہم تک پہنچی، ان کا تشکر واعتراف اور انکی محبت نہ کرنا محرومی ہے "من لم یشکر الناس لم یشکر اللّٰہ" اور اسی طرح ان ہی کو اصل کی جگہ سمجھ لینا بھی شرک اور مردودیت کا سبب ہے۔ وہ تفریط ہے اور یہ افراط ہے اور صراط مستقیم ان دونوں کے درمیان ہے۔

---

(۱۵) فرمایا "اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات وعادات جو قرآن پاک میں بیان کی ہیں اُن پر اسی طرح ایمان رکھنا چاہیے، کسی کا بیان بھی اللہ کے اپنے بیان کو نہیں پہنچ سکتا۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :- اللّٰھم لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک

[حضرت گنگوہی (نور اللہ مرقدہٗ) کے نواسے حضرت حافظ محمد یعقوب صاحب گنگوہی زیارت وعیادت کے لئے تشریف لائے اُن کے ساتھ ان ہی کے گھرانہ کی کوئی خاتون بھی تھیں (غالباً ان کی صاحبزادی ہی تھیں) وہ بھی حضرت مولانا کی عیادت کے لئے تشریف لائی تھیں، حضرت نے

ان کو پس پردہ حجرہ ہی میں بلوا لیا، ان کو خطاب کرتے ہوئے جو کچھ اس وقت حضرت نے فرمایا تھا، اس کے چند فقرے قلمبند کر لئے گئے تھے جو درج ذیل ہیں]

(۱۶) فرمایا "من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ" مجھے دین کی نعمت آپ کے گھرانہ سے ملی ہے۔ میں آپ کے گھر کا غلام ہوں۔ غلام کے پاس اگر کوئی اچھی چیز آجائے تو اُسے چاہئے کہ تحفہ میں اپنے آقا کے سامنے پیش کر دے مجھ غلام کے پاس آپ ہی کے گھر سے حاصل کیا ہوا "وراثت نبوت" کا تحفہ ہے۔ اس کے سوا اور اس سے بہتر میرے پاس کوئی سوغات نہیں ہے جسے میں پیش کر سکوں۔

دین کیا ہے؟ ہر موقعہ پر اللہ کے اوامر کو تلاش کرتے ہوئے اور ان کا دھیان کرتے ہوئے اور اپنے نفس کے تقاضے کی آمیزش سے بچتے ہوئے ان کی تعمیل میں لگے رہنا اور اللہ کے حکموں کی تلاش اور دھیان کے بغیر کاموں میں لگنا ہی دنیا ہے۔

اس طریقہ سے چند روز میں وہ بات حاصل ہو سکتی ہے جو دوسرے طریقوں سے ۲۵ سال میں بھی حاصل نہیں ہوتی۔

میں مستورات سے کہتا ہوں کہ دینی کام میں تم اپنے گھر والوں کی مددگار بن جاؤ، انہیں اطمینان کے ساتھ دین کے کاموں میں لگنے کا موقع دو، اور گھریلو کاموں کا ان کا بوجھ ہلکا کر دو تاکہ وہ بے فکر ہو کر دین کا کام کریں، اگر مستورات ایسا نہ کریں گی تو "حبالۃ الشیطان"[ف] ہو جائیں گی۔

دین کی حقیقت ہے جذبات کو اللہ کے اوامر کے پابند کرنا، صرف دینی مسائل کے جاننے کا نام دین نہیں ہے، علماء یہود دین کی باتیں اور اپنی شریعت کے مسائل بہت جانتے تھے لیکن اپنے جذبات کو انہوں نے اوامر الٰہیہ کے پابند نہیں کیا تھا، اس لئے مغضوب و مردود ہو گئے۔

(اسی گفتگو کے اثناء میں کسی خاص معاملہ کے متعلق حضرت سے دعا کی درخواست کی گئی تو فرمایا)

جو کوئی اللہ کا تقوےٰ اختیار کرے یعنی جذبات کو اوامر الٰہیہ کے تابع کر دے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کی تمام مشکلیں پردہ غیب سے حل کرتے ہیں اور ایسے طریقوں سے اس کی مدد کرتے ہیں کہ خود

ف یعنی شیطان کے جال اور پھندے جن میں پھانس کے وہ آدمیوں کو دین کی راہ سے روکتا ہے۔

یہ مضمون ایک حدیث کا ہے ۱۲ م

اُسے وہم وگمان بھی نہیں ہوتا مَن یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَل لَّہٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ" ـــــــ اللہ کی خاص مدد حاصل کرنے کی یقینی اور شرطیہ تدبیر یہ ہے کہ اس کے دین کی مدد کی جائے اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ ـــــــ اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو تو ہلاک کرنے والی چیزیں تمہارے لئے زندگی اور راحت کا سامان بنجائیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی جان سے اللہ کے دین کی مدد کی تو اللہ نے آگ کو اُن کے حق میں گلزار بنا دیا، ایسے ہی حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کو اُس دریا نے جس کی خاصیت ڈبونا ہے سلامتی کے ساتھ ساحل تک پہنچا دیا۔

---

(۱۷) [آج بتاریخ ۲۔ جمادی الاول ۱۳۶۳ھ بروز چہارشنبہ رات میں دارالعلوم دیوبند کے طلبہ کی ایک جماعت آئی ہے، رات بوقت عشا حضرت کو اسہال کا ایک دورہ ہوگیا تھا جس سے ضعف انتہا کو پہنچا ہوا ہے، بات کرنے کی طاقت نہیں ہے بعد نماز فجر خاکسار مرتب کو بلایا اور ارشاد فرمایا]۔ "کان بالکل میرے لبوں سے لگادو اور سنو! ـــــــ یہ طلبہ اللہ کی امانت اور اس کا عطیہ ہیں ان کی قدر اور اس نعمت کا شکر یہ ہے کہ ان کا وقت ان کی حیثیت کے مناسب پورے اہتمام سے کام میں لگایا جائے اور ذرا سا وقت بھی ضائع نہ جائے یہ بہت کم وقت لے کے آئے ہیں۔ پہلے میری یہ دو تین باتیں انھیں پہنچا دو۔

(۱) اپنے تمام اساتذہ کی توقیر اور ان سب کا ادب واحترام آپ کا خصوصی اور امتیازی فریضہ ہے، آپ کو ان کی ایسی تعظیم کرنی چاہیے جیسی کہ ائمہ دین کی کی جاتی ہے، وہ آپ لوگوں کے لئے علم نبوی کے حصول کا ذریعہ ہیں اور جس شخص نے کسی کو دین کی ایک بات بھی بتلائی وہ اس کا مولیٰ ہو جاتا ہے۔ پھر علم دین کے مستقل اساتذہ کا جو حق ہے وہ سمجھا جا سکتا ہے ــــ بلکہ اگر ان کے درمیان کچھ نزاعات بھی ہوں تب بھی ادب و تعظیم کا تعلق سب کے ساتھ یکساں رہنا چاہیئے۔ خواہ محبت وعقیدت کسی کے ساتھ کم اور کسی کے ساتھ زیادہ ہو لیکن عظمت میں فرق نہ آنا چاہیئے اور دل میں ان کی طرف سے بدی نہ آنا چاہیئے۔ قرآن مجید نے تو ہر مومن کا یہ حق بتایا ہے کہ ان کی طرف سے اپنے دلوں کے صاف رہنے کی اللہ تعالیٰ سے دعا کی جایا کرے۔ فرمایا۔" وَلَا تَجْعَلْ فِیْ

قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں ایمان والوں کا کینہ) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے "لا یبلغنی احد عن احد شیئا فانی احب ان اخرج الیکم وانا سلیم الصدر" (تم میں سے کوئی مجھے ایک دوسرے کی باتیں نہ پہنچایا کرے، میں چاہتا ہوں کہ میں جب تمہارے پاس آؤں تو میرا سینہ سب کی طرف سے صاف ہو) اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنی وفات کی دعا اس وقت مانگی جب کہ امت بہت پھیلنے لگی اور آپ کو خطرہ ہوا کہ کہیں ناواقفی کی وجہ سے کسی کے دل میں میری طرف سے کوئی میل نہ آجائے اور مبادا پھر وہ برباد ہو جائے۔

(اسی سلسلہ میں فرمایا) ان چیزوں کا اجر (یعنی بڑوں چھوٹوں کے حقوق کی رعایت کا اجر جس کا وسیع نام اصلاح ذات البین ہے) ارکان سے کم نہیں ہے بلکہ زیادہ ہی ہے[۵] ارکان کی رکنیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے جو زندگی چاہتے ہیں وہ ان ارکان سے پیدا ہو سکتی ہے۔ نیز اس اصلاح ذات البین کا تعلق حقوق العباد سے ہے اور اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں کے حق میں شفیق و کریم اور رؤف و رحیم ہے اس کے کرم سے تو معافی ہی کی زیادہ امید ہے لیکن بندے تو ایسے ہی ہیں جیسے کہ تم خود ہو، لہذا ان کے حقوق کی ادائگی کا معاملہ نہایت اہم ہے اور پھر اس شعبہ میں علم دین کے اساتذہ کے حقوق کا معاملہ اور بھی زیادہ نازک ہے، تو ان طلبا کو میرا ایک پیغام تو یہ پہنچاؤ کہ اپنی زندگی کے اس پہلو کے اصلاح کی یہ خاص طور سے فکر کریں

(۲) اور دوسری بات یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اس فکر میں لگے رہیں اور اس فکر کے بوجھ کے ساتھ زندگی گزاریں کہ جو کچھ پڑھا ہے اور جو پڑھیں گے اس کے مطابق زندگی گزرے۔ علم دین کا یہ پہلا لازم حق ہے۔ دین کوئی فن اور فلسفہ نہیں ہے بلکہ زندگی گزارنے کا وہ طریقہ ہے جو انبیاء علیہم السلام لے کر آئے ہیں۔ اللہ کے رسول نے علم

---

[۵] ابوداؤد شریف کتاب الادب میں ایک صریح حدیث اس مضمون کی مروی ہے کہ اصلاح ذات البین کا درجہ نماز، روزہ وغیرہ عبادات سے زیادہ ہے۔ م

لا ینفع" سے (یعنی اس علم سے جو عمل پہ نہ ڈالے) پناہ مانگی ہے اور اس کے علاوہ بھی عالم بے عمل کے لئے جو سخت وعیدیں قرآن و حدیث میں آئی ہیں وہ آپ کے علم میں رہیں۔ یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ عالم کی بے عملی نماز نہ پڑھنا اور روزہ نہ رکھنا شراب پینا، یا زنا کرنا نہیں ہے۔ یہ تو عامیوں کے عام گناہ ہیں، عالم کا گناہ یہ ہے کہ وہ علم پر عمل نہ کرے اور اس کا حق نہ ادا کرے ——— "قربیاں را بیش بود حیرانی" قرآن مجید میں علماء اہل کتاب کے متعلق فرمایا گیا ہے "فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً"[1]

(۳) تیسری بات ان طلباء سے یہ کہی جائے کہ ان کا وقت بڑا قیمتی ہے اور وہ بہت تھوڑا وقت لیکر آئے ہیں، لہٰذا اس کا ایک لمحہ بھی یہاں ضائع نہ کریں۔ بلکہ یہاں کے اصولوں کے مطابق تعلیم و مذاکرہ کے کاموں میں لگے رہیں۔ پرانوں سے باتیں کریں اور ان کے ساتھ رہیں اور ان ہی کی معیت میں شہر (دہلی) کے عربی مدرسوں میں جا کے کام کریں۔

---

(۱۸) [دیوبند سے طلباء کی جو جماعت، رات آئی ہے پہلے تو اس کو مندرجہ بالا پیغام دیا۔ اس کے بعد جب چار پینے کے لئے مہمان حضرات حسب دستور حضرت کے قریب آکر بیٹھے تو حضرت نے ان طلباء سے خود بہ نفس نفیس گفتگو فرمانی چاہی اور نہایت نحیف آواز میں فرمایا] ——— "آپ لوگ یہاں کیوں آئے ہیں؟ دیوبند جیسے بڑے مدرسہ کے شفیق اساتذہ، اچھی شاندار عمارتوں والے اقامت خانے اور اپنا مانوس ماحول چھوڑ کے آپ یہاں کس واسطے آئے ہیں (پھر خود ہی اپنے اس سوال کا یہ جواب دیا) اس لئے کہ اللہ کی باتوں کو فروغ دینے کی کوششوں میں جان دینے کے شوق کو زندہ کریں اور اس کا طریقہ سیکھیں اور اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو وعدے ہیں یقین کے ساتھ ان سے امیدیں لگاتے ہوئے اور اس کے غیر سے بالکل امیدیں نہ لگاتے ہوئے بلکہ غیروں سے امیدیں منقطع کرتے ہوئے کام کرنا سیکھیں۔ "جَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ"

---

[1] ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔

(پھر اسی سلسلہ میں فرمایا) جتنی ضرورت اس کی ہے کہ اللہ ہی سے امیدیں رکھی جائیں اتنی ہی ضرورت اس کوشش کی ہے کہ غیر اللہ سے امیدیں نہ رکھی جائیں بلکہ ماسوا اللہ سے بالکل صرف نظر کرکے کام کرنے کی مشق کی جائے "اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ" ــــــ حدیث میں ہے کہ جو لوگ غیروں سے کچھ امیدیں رکھ کر اچھے کام کریں گے قیامت میں اُن سے کہہ دیا جائے گا کہ جاؤ انھیں سے جاکر اپنا اجر لو۔

---

(۱۹) (انھیں طلباء سے خطاب کرتے ہوئے) فرمایا ــــ اقامتِ صلوٰۃ ساری زندگی کو درست کرنے والی ہے لیکن اقامتِ صلوٰۃ کی تکمیل ہوگی ان اوصاف کے پیدا کرنے سے جن کا ذکر نماز کے سلسلہ میں قرآن مجید میں متفرق طور پر کیا گیا ہے۔ مثلاً فرمایا گیا "قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خٰشِعُوْنَ ۝" ــــ اور سورہ بقر کے پہلے رکوع میں "اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ الخ" کے بعد فرمایا گیا ہے "اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝" ان دونوں آیتوں کو ملانے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خشوع فی الصلوٰۃ بھی اقامتِ صلوٰۃ میں داخل ہے اور بغیر خشوع کے نماز پڑھنے والے "مقیمین صلوٰۃ" نہیں ہیں ــــ اور نمازوں میں خشوع پیدا کرنے کی ترکیب و تدبیر کی طرف دوسری آیت میں اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے حضوری کے یقین کو زیادہ سے زیادہ بڑھایا جائے۔ "وَاِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ اِلَّا عَلَی الْخٰشِعِیْنَ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّھِمْ وَاَنَّھُمْ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ۝" (فرمایا) مُلٰقُوْا رَبِّھِمْ کو آخرت سے مخصوص کرنے کی کوئی وجہ نہیں، اللہ کے بندوں کو نماز کی جیسی حالت میں جو حضوری نصیب ہوتی

(۲۰) (اسی سلسلہ میں فرمایا) ــــ "قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ اور اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ میں جس فلاح اور کامیابی کا وعدہ ہے اس کو صرف فلاح اُخروی ہی میں منحصر کرنے کی کوئی وجہ نہیں بلکہ دنیا اس کامیابی و کامرانی بھی اسی میں داخل ہے اور مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں میں یہ ایمانی اوصاف ہوں، ہماری غیبی مدد دنیا میں بھی ان کا راستہ صاف کرنے اور فلاح و کامرانی تک ان کو پہنچانے کی ذمہ دار ہے۔

ہے وہ اس کا نصب نقد ہے

(۲۱) اسی سلسلہ میں فرمایا ــــ "غیبی مدد اور غیبی طاقت جس چیز کا نام ہے وہ پہلے سے حوالہ نہیں کی جایا کرتی بلکہ عین وقت پر ساتھ کر دی جایا کرتی ہے گویا اللہ کے خزانہ میں جمع ہے، اور ایمان و توکل کی شرط یہ ہے کہ اس پر اعتماد اپنے ہاتھ کی مکسوبہ (حاصل کی ہوئی) طاقت سے زیادہ ہونا چاہئے"

---

(۲۲) اسی سلسلہ میں فرمایا ــــ "وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ" کو صرف مال و دولت سے مخصوص کرنے کی کوئی وجہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ظاہر و باطن کی جو قوتیں ہم کو دی ہیں، مثلاً فکر و رائے اور ہاتھ پاؤں یہ سب بھی اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہیں اور اللہ کے کاموں میں اور اس کے دین کے لئے ان چیزوں کا استعمال کرنا بھی اس میں شامل ہے۔"

---

(۲۳) ان طلباء ہی سے فرمایا ــــ "تم اپنی قدر و قیمت تو سمجھو، دنیا بھر کے خزانے بھی تمہاری قیمت نہیں، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی تمہاری قیمت نہیں لگا سکتا، تم انبیاء علیہم السلام کے نائبین ہو جو ساری دنیا سے کہہ دیتے ہیں "اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ" تمہارا کام یہ ہے کہ سب سے امیدوں کو منقطع کرتے ہوئے اور صرف اللہ کے اجر پر یقین و اعتماد رکھتے ہوئے تواضع اور تذلل سے مومنین کی خدمت کرو، اسی سے عبدیت کی تکمیل و تزئین ہوگی۔"

---

(۲۴) ایک مشہور دینی جماعت کے ممتاز کارکن اور رہنما عیادت اور زیارت کے لئے تشریف لائے۔ حضرت نے ان سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا ــــ "ہمارے ہاں حساب کتاب نہیں رہتا، دینی کام کرنے والوں کو بھی حساب کتاب کی ضرورت اس لئے ہوگئی ہے کہ وہ اعتماد اور اطمینان باقی نہیں رہا جس کے بعد کسی حساب کتاب کی ضرورت نہیں رہتی، اگر اپنے طرزِ عمل سے وہی اعتماد پھر پیدا کر لیا جائے تو حساب کتاب میں جو وقت صرف ہوتا ہے وہ خالص دینی کاموں ہی کے لئے بچ رہے۔"

---

(۲۵) ہندوستان کی ایک مشہور سیاسی و مذہبی مجلس کے ایک بڑے رہنما (جو ہندوستان کے بہت بڑے اور سحر بیان خطیب بھی ہیں) عیادت اور زیارت کو تشریف لائے، دو دن پہلے

حضرت پر نہایت سخت دورہ پڑ چکا تھا جس کی وجہ سے اس قدر ضعف ہو گیا تھا کہ اکثر اوقات لبوں پر کان رکھ کے بات سنی جا سکتی تھی، جب ان صاحب کی آمد کی اطلاع دی گئی تو اس ناچیز (مرتب ملفوظات) کو طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا مجھے ان سے بات کرنا ضروری ہے لیکن صورت یہ ہو گی کہ اپنا کان میرے منہ کے قریب کر دینا اور جو کچھ میں کہوں وہ ان سے تم کہتے جانا، چنانچہ وہ صاحب جب اندر تشریف لائے تو بات شروع تو میرے ہی ذریعہ سے فرمائی لیکن دو تین ہی منٹ بعد اللہ تعالیٰ نے اتنی قوت عطا فرما دی کہ قریباً آدھ گھنٹہ تک مسلسل تقریر فرماتے رہے، اس مجلس کے جو ارشادات قلمبند کئے جا سکے تھے وہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

فرمایا ــــ "مسلم کا مسلم سے ملنا بس اسلام کے فروغ کے لئے ہے ورنہ مسلموں اور غیر مسلموں کی ملاقاتوں میں کیا فرق ہے"؟

"آپ یہاں کچھ دن رہ کر ہمارے کام کا مطالعہ کریں، اس کے بغیر ہماری بات کا سمجھ میں آنا اور ہمارے مقصد کو پانا مشکل ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ تعلقات محمدیہ مردہ ہو چکے ہیں، ان کو زندہ کرنا ہے اور بس اسی کی کوششوں میں مرہنا ہے"۔

"میں نے شروع میں مدرسہ پڑھایا (یعنی مدرسہ میں درس دیا) تو طلبہ کا ہجوم ہوا اور اچھے اچھے صاحب استعداد طلبہ بکثرت سے آنے لگے۔ میں نے سوچا کہ ان کے ساتھ میری محنت کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہو گا کہ جو لوگ عالم بننے ہی کے لئے مدرسوں میں آتے ہیں مجھ سے پڑھنے کے بعد بھی وہ عالم مولوی ہی بن جائیں گے اور پھر ان کے مشاغل بھی وہی ہوں گے جو آج کل عام طور سے اختیار کئے جاتے ہیں، کوئی طب پڑھ کر مطب کریگا، کوئی یونیورسٹی کا امتحان دیکر اسکول کالج میں نوکری کریگا کوئی مدرسہ میں بیٹھ کر پڑھاتا ہی رہے گا اس سے زیادہ اور کچھ نہ ہو گا۔ یہ سوچ کر مدرسہ میں پڑھانے سے میرا دل ہٹ گیا ــــ اس کے بعد ایک وقت آیا جب میرے حضرت نے مجھ کو اجازت دیدی تھی تو میں نے طالبین کو ذکر کی تلقین شروع کی اور ادھر میری توجہ زیادہ ہوئی، اللہ کا کرنا آنیوالوں کو اتنی جلدی کیفیات اور احوال کا ورود شروع ہوا اور اتنی تیزی سے حالات میں ترقی ہوئی کہ خود مجھے حیرت ہوئی اور میں سوچنے لگا کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور اس کام میں لگے رہنے کا نتیجہ کیا نکلے گا، زیادہ سے زیادہ یہی کہ کچھ اصحاب احوال اور ذاکر شاغل لوگ پیدا ہو جائیں پھر لوگوں میں ان کی شہرت ہو جائے تو

کوئی مقدمہ جیتنے کی دعا کے لئے آئے، کوئی اولاد کے لئے تعویذ کی درخواست کرے، کوئی تجارت اور کاروبار میں ترقی کی دعا کرائے اور زیادہ سے زیادہ یہ کہ ان کے ذریعہ بھی آگے کو چند طالبین میں ذکر و تلقین کا سلسلہ چلے، یہ سوچ کر ادھر سے بھی میری توجہ ہٹ گئی اور میں نے یہ طے کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ظاہر و باطن کی جو قوتیں عطا فرمائی ہیں، ان کا صحیح مصرف یہ ہے کہ ان کو اسی کام میں لگایا جائے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوتیں صرف فرمائیں اور وہ کام ہے اللہ کے بندوں کو اور خاص کر غافلوں بے طلبوں کو اللہ کی طرف لانا اور اللہ کی باتوں کو فروغ دینے کے لئے جان کو بے قیمت کرنے کا رواج دینا بس یہی ہماری تحریک ہے اور یہی ہم سب سے کہتے ہیں۔ یہ کام اگر ہونے لگے تو اب سے ہزاروں گنے زیادہ مدرسے اور ہزاروں گنی ہی زیادہ خانقاہیں قائم ہو جائیں بلکہ ہر مسلمان مجسم مدرسہ اور خانقاہ ہو جائے اور حضور کی لائی ہوئی نعمت اس عمومی انداز سے بٹنے لگے جو اس کے شایانِ شان ہے۔

"حضرت! اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک قوت دی ہے اس سے میرا مطلب بیان و تقریر کی قوت نہیں ہے، بلکہ میرا مقصد یہ ہے کہ آپ ایک جماعت کے بڑے اور اس کے مطاع ہیں۔ ہزاروں آدمی آپ کی بات مانتے ہیں، آپ اللہ کی دی ہوئی اس قوت کی قدر کیجئے اور اس کو اللہ کے کاموں کے لئے اور اس کی باتوں کے فروغ کے لئے استعمال کیجئے جس کی صورت یہ ہے کہ جو لوگ آپ کی بات مانتے ہیں آپ ان کو متوجہ کیجئے کہ ہمارے آدمیوں کے ساتھ کچھ دنوں رہ کر وہ ہمارے کام کو سمجھیں اور سیکھیں اور پھر اپنے حلقوں میں یہ کام کریں اس سے انشاء اللہ وہ بہت کام کے بن جائیں گے۔"

حضرت! ایمان کے دو بازو ہیں، ایک اللہ و رسول کے دشمنوں پر غلظت و شدت اور دوسرے اللہ و رسول کے ماننے والوں اور محبوں پر شفقت و رحمت، اور ان کے مقابلہ میں فروتنی اور ذلت "اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ" "اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" ایمان والوں کی ترقی و پرواز کے لئے یہ دونوں بازو ضروری ہیں، ایک بازو سے کوئی جانور بھی نہیں اڑ سکتا۔

[ان صاحب نے جو حضرت سے عقیدت اور نیاز مندی کا بھی تعلق رکھتے ہیں حضرت کے یہ ارشادات سن کر عرض کیا کہ جوانی اور طاقت کا سارا زمانہ تو دوسرے کاموں میں صرف ہو گیا اس وقت کسی بزرگ نے نہ کھینچا اب میں بوڑھا ہو گیا اور کسی نئے کام کی ہمت و طاقت نہیں رہی تو حضرت مجھ سے

اپنا کام لینا چاہتے ہیں، اب میں کسی کام کا نہیں رہا ہوں]

حضرت نے ارشاد فرمایا —— "اگر فی الحقیقت آپ پہلے یہ سمجھتے تھے کہ آپ میں کچھ طاقت وقوت ہے اور آپ کچھ کر سکتے ہیں تو اُس وقت آپ اللہ کے کام کے قابل نہ تھے اور اگر اب آپ کو یہ یقین ہو گیا ہے کہ آپ میں کوئی قوت وطاقت نہیں ہے اور آپ کچھ بھی نہیں کر سکتے ہیں تو اب ہی آپ اللہ کے کام کے قابل ہوئے ہیں، اللہ کا کام کرنے اور اس کی مدد کے مستحق ہونے کے شرائط میں سے یہ ہے کہ آدمی اپنے کو بالکل عاجز ولاچار سمجھے اور صرف اللہ ہی کو کارساز یقین کرے اس کے بغیر مدد نہیں ہوتی۔ حدیث قدسی میں ہے "انا عند المنکسرۃ قلوبھم" (میں انہی کے ساتھ ہوں جن کے دل ٹوٹے ہوئے ہیں)

فرمایا —— "میں سیاسی کام کرنے والوں کا بھی ممنون ہوں، انھوں نے گورنمنٹ کو اپنی طرف متوجہ کئے رکھا جس کی وجہ سے میں اطمینان سے اتنے دنوں اپنا کام کر سکا۔

[آخر میں رخصت ہوتے وقت ان صاحب نے دعا کی درخواست کی تو اس پر فرمایا]

"حضرت! ہر مسلمان کے لئے اس کی غیبت میں دعا کرنا درحقیقت اپنے لئے دعا کرنا ہے حدیث میں ہے کہ جب کوئی مسلمان اپنے کسی مسلمان بھائی کیلئے خیر وفلاح کی دعا کرتا ہے تو اللہ کے فرشتے کہتے ہیں "ولك مثل ذلك" یعنی اے اللہ کے بندے یہی چیز اللہ تجھے بھی دے۔ پس ہر مسلمان کے لئے کسی بہتری کی دعا درحقیقت فرشتوں سے اپنے لئے دعا کرانے کی ایک یقینی تدبیر ہے۔

مال و دولت کے متعلق قرآن مجید کے احکام

اور اس کے صرف و استعمال پر اس کی حد بندیاں

(از مولانا سید ابوالحسن علی حسنی استاذ تفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

اس سلسلہ میں سب سے پہلی اور بنیادی حقیقت قرآن مجید نے یہ بتلائی ہے کہ مال و دولت در اصل اللہ کا عطیہ اور اس کی امانت ہے اور حقیقۃً اللہ کی ملکیت ہے، اس لئے اللہ کی چیز اور اللہ کی دی ہوئی دولت کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا انسان کا فریضہ اور اس کی سعادت ہے۔ قرآن مجید میں عموماً انفاق کی دعوت کے موقع پر یہی اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۝ (بقرہ ع ۳۴)

اے ایمان والو خرچ کرو (ہماری راہ میں) اس میں سے جو ہم نے تم کو دیا ہے قبل اس کے کہ آجاوے وہ دن جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی اور نہ دوستی اور نہ سفارش کچھ کام آئے گی۔

قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ۝ (ابراھیم ع ۵)

اے رسول میرے ایمان والے بندوں سے کہو کہ وہ قائم کریں نماز اور خرچ کریں (ہماری راہ میں) اس میں سے جو ہم نے ان کو دیا ہے خفیہ اور علانیہ قبل اس کے کہ آجاوے قیامت کا وہ دن جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی اور نہ دوستی و یاری کچھ کام آئے گی۔

غلاموں کی مکاتبت کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ

تم ان سے مکاتبت کا معاملہ کرو۔ اگر تم جانو ان میں بھلائی، اور دو ان کو اللہ کے اس مال

الَّذِیْٓ اٰتٰکُمْ (النور ع ۴) | میں سے جو اس نے تم کو دے رکھا ہے۔

اس آیت میں صاف طور پر کہدیا ہے کہ درحقیقت یہ اللہ کا مال ہے جو اس نے تم کو دے رکھا ہے اس لئے اللہ کے مال سے اللہ کے بندوں کو آزاد کرانے میں تم کو تامل نہ ہونا چاہیئے۔

دنیا کے ایک بہت بڑے سرمایہ دار (قارون) سے کہا گیا۔

وَابْتَغِ فِیْمَآ اٰتٰکَ اللّٰہُ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ وَلَا تَنْسَ نَصِیْبَکَ مِنَ الدُّنْیَا وَاَحْسِنْ کَمَآ اَحْسَنَ اللّٰہُ اِلَیْکَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ ۝ (القصص ع ۸)

اور اللہ نے تجھے جو دولت دے رکھی ہے تو اس میں تلاش کر (یعنی اس کے ذریعہ سے حاصل کر) دار آخرت کا ثواب اور نہ بھول اپنا حصہ لے جانا دنیا سے، اور احسان کر بندگان خدا پر جیسے احسان کیا اللہ نے تجھ پر اور نہ خواہاں بن زمین میں فساد کا، اللہ نہیں چاہتا فسادیوں کو۔

انسان اس مال ودولت میں مالک حقیقی کا نائب اور اس کا امین ہے اس لئے مالک حقیقی کے حکم واشارہ سے اس کے خرچ کرنے میں اسے کیا پس وپیش ہو سکتا ہے۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَکُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْہِ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَاَنْفَقُوْا لَھُمْ اَجْرٌ کَبِیْرٌ ۝ (حدید ع ۱)

ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور اس نے جس مال میں تم کو قائم مقام بنایا ہے اس میں سے خرچ کرو اس کی راہ میں پس جو لوگ ایمان لائے تم میں سے اور خرچ کیا راہ خدا میں ان کے واسطے بڑا اجر ہے

اسی لئے کہا گیا ہے کہ جن لوگوں کی اس حقیقت پر نظر ہوتی ہے ان کو جب کوئی جانی یا مالی نقصان پہنچتا ہے تو وہ صبر کرتے ہیں اور یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ہم اور ہماری تمام چیزیں اللہ ہی کی ہیں اور ہم کو اللہ ہی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ (بقرہ ع ۱۹)

اور خوشخبری دو ان لوگوں کو جن کا حال یہ ہے کہ جب انھیں کوئی مصیبت پہونچتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کے جانے والے ہیں۔

انسان کا اپنے مال سے جو تعلق ہے وہ قرآن مجید میں کسب کے لفظ سے بیان کیا گیا ہے۔

یعنی انسان اس مال کا حقیقی مالک نہیں بلکہ کاربّ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ (بقرہ ع ۳۷)	اے ایمان والو خرچ کرو ہماری راہ میں ان اچھے اموال میں سے جو تم نے کمائے ہیں

پھر اس کسب کے بارہ میں بھی قرآن مجید یہ کہتا ہے کہ اس میں بھی تمہاری دانش و حکمت اور ہنرمندی و محنت ہی کو دخل نہیں ہے بلکہ خدا کی رہنمائی اور اس کی بخشی ہوئی دانائی اور اس کی کارکشائی ہی نے تم سے یہ کسب کرایا ہے۔ چنانچہ جن لوگوں نے اس بات کا دعویٰ کیا کہ ان کو جو کچھ حاصل ہوا، وہ ان کی ذاتی عقل و دانائی اور ہنروری سے حاصل ہوا ہے۔ اس کی تردید کی گئی۔ قرآن مجید میں قارون کا یہ قول نقل کیا گیا ہے:۔

قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِندِي	اس نے کہا کہ یہ جو کچھ مجھے دولت ملی ہے میرے اپنے ہنر سے ملی ہے۔

اس کا یہ زعم باطل نقل کرکے قرآن مجید میں فرمایا گیا۔

أَوَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِن قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَأَكْثَرُ جَمْعًا وَلَا يُسْأَلُ عَن ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ ۝ (القصص ع ۸)	کیا وہ جانتا نہیں کہ اللہ نے اس سے پہلے گزشتہ امتوں میں ایسے ایسوں کو ہلاک کر ڈالا تھا جن کی قوت بھی اس سے زیادہ تھی اور جن کا جتھا بھی زیادہ بڑا تھا اور مجرموں سے ان کے گناہوں کی تحقیق نہیں کی جائے گی۔

ایک دوسرے موقع پر فرمایا گیا ہے:۔

فَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ إِذَا خَوَّلْنَاهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ (زمر ع ۵)	جب انسان کو کوئی دکھ پہنچتا ہے تو وہ ہم کو پکارتا ہے پھر جب ہم اس کو نعمت عطا کرتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ مجھ کو اپنے علم اور اپنے ہنر سے ملی ہے (نہیں) بلکہ وہ اس کے لئے آزمائش ہے ولیکن ان میں سے بہت سے جانتے نہیں ہیں۔

اس کے بعد فرمایا جاتا ہے:۔

اَوَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝ (زمر ع ۵)	کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ جس کو چاہتا ہے رزق میں وسعت دیتا ہے اور تنگی کر دیتا ہے اس میں ایمان والوں کیلئے بڑی نشانیاں ہیں۔

لیکن اس کے باوجود قرآن پاک انسان کے کسب حلال، اس کے شرعی توارث اور انتقال ملکیت کے جائز طریقوں کو تسلیم کرتا ہے اور اس بنا پر وہ انسان کی ملکیت کو صحیح سمجھتا ہے اور کبھی کبھی اموال کی نسبت انسان سے اس طرح کرتا ہے جس طرح ملکیت کی نسبت ہوتی ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا (النساء ع ۱)	اور کم عقلوں اور بے سمجھوں کو اپنے وہ مال نہ دیدو جن کو اللہ نے تمہاری زندگی کا سہارا بنایا ہے

لیکن قرآن مجید انسان کو ایسا مستقل اور دائمی یتیم اور سفیہ (ناسمجھ اور بدسلیقہ) تصور نہیں کرتا جس کی ملکیت و دولت مستقل طور پر کسی دوسرے کے انتظام و تولیت میں ہو اور اس کو اپنی اس ملکیت اور مال میں کسی قسم کا حق تصرف حاصل نہ ہو۔ اس کے نزدیک انسان کے لئے مرتبۂ کمال اور شرف انسانیت اور عقل کے شایان شان یہ ہے کہ انسان آزاد اور با اختیار ہو وہ اپنے مال میں جائز تصرف کر سکے۔ چنانچہ فرماتا ہے:-

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ یُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا (ع)	بیان کی اللہ نے مثال ایسے غلام کی جو دوسرے کا مملوک ہے اور کسی چیز پر اسکا اختیار نہیں اور ایک وہ بندہ ہے جس کو ہم نے عطا کی اچھی روزی پس وہ اس میں سے خفیہ اور علانیہ (جیسے چاہتا ہے) خرچ کرتا ہے۔

ایک طرف نہ وہ انسان کو اتنا بے دست و پا اور مسلوب الاختیار سمجھتا ہے کہ اس سے ایک بیجان مشین اور بے عقل جانور کی طرح محنت لی جائے اور دولت و سامان پیدا کرنے کے لئے استعمال کیا جائے لیکن اس کو اس دولت و سامان کے استعمال کرنے کی صحیح آزادی کبھی نہ دی جائے اس لئے کہ یہ اس کے مرتبۂ انسانیت سے فروتر ہے اور انسان کا جماداتی تصور ہے اسی سے کسب معیشت کے محرکات نفسی مفقود ہو جاتے ہیں اور کسب معیشت کا وہ جائز و معتدل جذبۂ مسابقت

فطری جوش و نشاط اور زندگی کا تنوع جو تمدن کے لئے ضروری ہے مردہ ہو جاتا ہے ۔۔۔ دوسری طرف وہ انسان کو اپنے ان اموال و املاک میں تصرف کرنے اور ان کے استعمال اور ان کے انتفاع میں بالکل آزاد و بے مہار بھی نہیں چھوڑتا۔ اس کے لئے اس نے جو وسیع انتظامات کئے ہیں اُن کی نوعیت یہ ہے:۔

(۱) سب سے پہلے اس نے یہ اعتقاد پیدا کیا کہ انسان مال و دولت کا حقیقی مالک نہیں ہے مالک حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اس کے فضل و توفیق سے یہ مال و ملکیت اس کو نصیب ہوئی ہے وہ اس کا امین ہے، لہٰذا اس کے صرف و استعمال میں اس کی مقرر کی ہوئی حدوں کا اس کو پابند رہنا چاہیے:۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ (یونس ع ۳)	پھر ان کے بعد ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کس طرح کام کرتے ہو۔

(۲) یہ یقین پیدا کیا کہ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی ہے جس میں اس کو اس زندگی کے تمام مال و دولت کا حساب اس کے مالک حقیقی کے سامنے دینا ہوگا اور دیکھا جائے گا کہ اس نے اس کی خلافت نیابت اور امانت کا کیسا حق ادا کیا (قرآن مجید کا یہ خاص مضمون ہے اور صدہا آیات میں بہت ہی مؤثر اور دل نشین طریقہ پر اس یقین کے پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے)

(۳) اس نے بہت ہی قوت کے ساتھ اس عقیدہ اور ذہنیت کو پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ دنیا دار العیش نہیں ہے دار الامتحان ہے، یہاں کا مال و دولت اور سامان آرائش و راحت سب آزمائش کے لئے ہے، یہ زندگی ایک مختصر یا طویل فرصت عیش نہیں ہے۔ بلکہ فرصت عمل ہے یہ مال و دولت اس لئے نہیں ہے کہ اس سے عیش و عشرت کے اسباب اور لہو و لعب کا سامان پیدا کیا جائے بلکہ یہ آخرت کی جنس ثواب اور رضائے الٰہی کے لئے دنیا کا سکہ ہے، یہ زندگی لذت و تمتع کا اصل مقام نہیں ہے اس کا اصل مقام اس زندگی کے بعد کی جنت ہے۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝ (کہف ع ۱)	ہم نے اس زمین کے اوپر کی چیزوں کو اس کے واسطے زینت و رونق کا سامان بنایا ہے تاکہ ہم ان کی آزمائش کریں کہ کون ان میں سے اچھے عمل کرتا ہے

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔ (ملک)	وہی ہے جس نے بنایا موت و حیات کا نظام تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ کون تم میں اچھے اعمال کرتا ہے
وَلَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْکَ اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِہٖ اَزْوَاجًا مِّنْھُمْ زَھْرَۃَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا لِنَفْتِنَھُمْ فِیْہِ وَرِزْقُ رَبِّکَ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی (طٰہٰ)	اور ہرگز ان چیزوں کی طرف آپ آنکھ اٹھا کر نہ دیکھئے جن سے ہم نے کفار کے مختلف گروہوں کو ان کی آزمائش کے لئے متمتع کر رکھا ہے کہ محض دنیوی زندگی کی رونق ہے اور آپ کے رب کا

عطیہ (جو آخرت میں ملے گا) بدرجہا بہتر ہے اور دیرپا ہے۔

اُن منکرین کو خطاب ہوگا جنھوں نے دنیا کی زندگی کو اصل سمجھ کر یہاں جی کھول کر داد عیش دی اور سارے شوق یہیں پورے کرلئے اور آخرت کے لئے کچھ نہ کیا۔ اُن سے کہا جائے گا:۔

اَذْھَبْتُمْ طَیِّبٰتِکُمْ فِیْ حَیٰوتِکُمُ الدُّنْیَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِھَا فَالْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْھُوْنِ (احقاف)	تم اپنی لذت کی چیزیں دنیوی زندگی میں حاصل کر چکے اور ان کو خوب برت چکے (حتیٰ کہ ہم کو بھی بھول گئے) سو آج تم کو ذلت کی سزا دیجائیگی

(۴) اس نے یہ بھی ضروری قرار دیا کہ دولت جائز، پاک اور غیر ظالمانہ طریقوں سے پیدا کی جائے، اس کیلئے کسب پر کچھ قانونی اور اخلاقی پابندیاں عائد کیں، انسان کو اجازت نہیں دی گئی کہ وہ دھوکہ، چوری، قمار بازی، سنگدلی اور شقاوت سے مال پیدا کرے۔ خیانت، غصب، فریب دہی، غش وغرر، سٹہ بازی جیسے تمام ذرائع کو حرام قرار دیدیا گیا اور یہی وہ ابواب ہیں جن سے دولت کی بڑی مقدار دفعۃً بغیر کسی محنت اور جائز مبادلہ کے ہاتھ آجاتی ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُمْ رَحِیْمًا ۝ (النساء)	اے ایمان والو مت کھاؤ ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے مگر یہ کہ تجارت ہو آپس کی رضامندی سے اور نہ قتل کرو اپنے نفوس کو اللہ تمہارے ساتھ بڑا رحیم ہے۔

(۵) تجارت کو جائز اور پسندیدہ قرار دیا اور سود کو مطلقاً حرام کردیا۔

اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (البقرۃ)	اللہ نے حلال کی خرید و فروخت اور حرام کردیا سود کو۔

اس لئے کہ سود سے جماعت کی دولت چند افراد کے پاس مجتمع ہو جاتی ہے۔ جماعت بحیثیت اجتماعی مفلوک الحال اور پریشان ہوتی ہے اور افراد بحیثیت افراد (خواہ وہ اپنی جماعتیں کمپنیاں اور ادارے بنا لیں) قارون بن جاتے ہیں، سرمایہ داروں اور دولت مندوں کی تھوڑی سی دولت جس سے وہ سود کا کاروبار شروع کرتے ہیں۔ ساری جماعت اور سارے شہر یا ملک کی انفرادی دولتوں کو اس طرح کھینچ لیتی ہے جس طرح الف لیلہ کا کوہ مقناطیس جہازوں اور کشتیوں کے جوڑ بند اور کیلوں کو کھینچ کر ان کے تختوں اور مسافروں کو ڈوبنے کے لئے چھوڑ دیا کرتا تھا، وہ ان کے وسائل معاش اور ان کے وقت اور قوت پر قبضہ کرتے ہیں اور بلا کسی محنت اور صحیح مبادلہ کے روپیہ سے روپیہ پیدا کرتے رہتے ہیں اور اس طرح ان کا روپیہ بکھرنے اور پھیلنے کے بجائے ایک جگہ پر پھولتا پھلتا رہتا ہے۔

(۶) اپنے مال میں خواہ وہ کسی مقدار بلکہ کثیر المقدار ہو فضول خرچی ممنوع کر دی گئی، فرمایا!

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ ( )	کھاؤ اور پیو اور اسراف نہ کرو اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔
وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل ع ۳)	اور اپنے قرابتداروں کا حق ادا کرو اور مسکینوں اور مسافروں کو جو دینا چاہیئے وہ دو اور فضول خرچی بالکل نہ کرو، بلا شبہ فضول خرچ لوگ شیاطین کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔
وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۝ (فرقان ع ۶)	(اور اللہ کے اچھے بندے وہ ہیں جن کا حال یہ ہے کہ) جب وہ خرچ کرتے ہیں تو اسراف نہیں کرتے اور نہ بخل و تنگی سے کام لیتے ہیں اور ان کا خرچ اس افراط و تفریط کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔
لَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ	اور نہ تو اپنا ہاتھ گردن ہی سے باندھ لینا چاہیئے اور نہ بالکل ہی کھول دینا چاہیئے ورنہ الزام خوردہ

مَلُوۡمًا مَّحۡسُوۡرًا ٥ (بنی اسرائیل ع ۳) | تہی دست ہو کر بیٹھ رہو گے۔

(۷) کچھ چیزیں اس کے لئے مستقل طور پر حرام کر دی گئی ہیں اور یہ عموماً وہ چیزیں ہیں جو بالعموم اسراف کے بغیر ممکن نہیں اور جن سے طبعی اور لازمی طور پر دوسروں کی حق تلفی، غفلت، ظلم و قساوت اور جماعت و معاشرہ میں بد نظمی و ابتری اور جرائم کا نشو و نما ہوتا ہے مثلاً شراب اور عام مسکرات، قمار، زنا اور فسق و فجور کی تمام قسمیں، سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا اور خاص مردوں کے لئے ریشمیں لباس اور ہر طرح کے زیورات، مصوری اور بت تراشی، سو یہ تمام چیزیں حرام قرار دیدی گئی ہیں، بعض چیزیں ایسی ہیں جن کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا گیا، مثلاً موسیقی، کھانے اور لباس میں بہت زیادہ تکلف اور تنوع، غیر ضروری تعمیرات کا شوق اور اس میں مقابلہ اور مسابقت، بہت زیادہ تنعم اور راحت کی زندگی۔

اس طرح سے مال و دولت کا ایک بڑا حصہ غیر ضروری اور بالعموم مضر مصارف اور شخصی و عارضی اور بے نتیجہ تفریحات اور لذتوں میں صرف ہونے سے محفوظ رہتا ہے اور اجتماعی مفاد و مصالح یا شخصی ضروریات کے کام آسکتا ہے — اگر ان تفریحات اور شوق کی چیزوں میں ظاہری اور قانونی طور پر کسی کا حق غصب نہ کیا جائے اور کسی ظلم و جور اور خیانت و بد دیانتی سے وہ روپیہ حاصل نہ کیا جائے جو ان مشاغل کی تکمیل کے لئے ضروری ہے تو بھی ان تفریحات و مشاغل کی انجام دہی، حق تلفی، جماعتی مفاد کے ضیاع اور سنگ دلی و بے دردی سے خالی نہیں ہیں اس لئے کہ مال و دولت میں ہر انسان کا حصہ بقدر ایک فرد کے ہے اور ایک فرد کے حصہ میں (خصوصاً جب کہ دوسرے افراد کو پیٹ بھرنے کے لئے روٹی اور تن ڈھکنے کے لئے کپڑا بھی میسر نہ ہو) یہ گنجائش نہیں کہ اس سے اپنی ذاتی تفریحات اور لذتوں کا سامان کیا جائے اور اس طرح در حقیقت ہر غیر ضروری تفریح میں اور ہر اسراف کے اندر وسیع معنی میں کوئی نہ کوئی حق تلفی ضروری ہوتی ہے۔ کسی عرب حکیم کا مقولہ ہے:۔

"ما رأیت من تبذیر الا وفی جنبه حق مضیع" | میں نے کوئی فضول خرچی ایسی نہیں دیکھی جس کے ساتھ کوئی حق تلفی نہ ہو۔

قرآن مجید نے نہایت لطیف اور حکیمانہ طریقہ پر جہاں رشتہ دار، مساکین اور مسافر کو ان کا

حق دینے کی تلقین کی ہے، وہیں ساتھ ہی فضول خرچی سے منع کیا ہے، اس لئے کہ یہ دونوں چیزیں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں، کیونکہ جو شخص اپنے اوپر یا اپنے اہل و عیال پر غیر ضروری مصارف کریگا وہ دوسرے مستحقین پر ضروری مصارف کرنے سے عاجز رہے گا۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل ع ۳)

اور قرابت دار کا حق ادا کرتے رہو اور مساکین اور مسافروں کو دیتے رہو اور فضول نہ اُڑاؤ، فضول اُڑانے والے شیطانوں کے بھائی بند ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔

(۸) روپیہ جمع کرنے اور اس میں سے خدا کے راستہ میں کچھ خرچ نہ کرنے پر سخت وعید ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝

(التوبہ ع ۵)

اور جو لوگ سینت سینت کے رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور ان کو خرچ نہیں کرتے ہیں اللہ کی راہ میں اے رسول آپ ان کو بشارت دیدیجئے دردناک عذاب کی

پس قرآن مجید، روپیہ کو گاڑ کر رکھنے اور جمع کرنے کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتا اور قرآن و احادیث کے تتبع اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ روپیہ جمع کرنا اسلام میں دوسرے درجہ کا کام ہے جس کیلئے صرف اجازت ہی نکل سکتی ہے اور یہ بھی اس شرط پر کہ اس کے حقوق (زکوٰۃ وغیرہ) ادا کئے جاتے رہیں۔

(۹) انفاق فی سبیل اللہ غمخواری و مواسات ایثار و ہمدردی کی بکثرت و شدت ترغیب دی گئی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ (البقرہ ع ۳۷)

اے ایمان والو نیک کاموں میں خرچ کیا کرو عمدہ چیز کو اپنی کمائی میں سے اور عمدہ چیز کو اس میں سے جو کہ ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کیا۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ

جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں اُن کے خرچ کئے ہوئے مالوں کی

كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۗ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (البقرۃ ع ۳۶)

مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ جس سے (فرض کرو) سات بالیں نکلیں اور ہر بالی کے اندر سو دانے ہوں اور اللہ جس کے لئے چاہے یہ افزونی کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور سب جاننے والا ہے۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (البقرۃ ع ۳۸)

جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال راہ خدا میں دن میں اور رات میں پوشیدہ اور آشکارا، پس ان لوگوں کو ان کا اجر ملے گا ان کے رب کے پاس جاکر اور نہ ان پر کوئی خطرہ واقع ہونیوالا ہے اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝ (الدھر ع ۱)

اور وہ کھلاتے ہیں کھانا محض اللہ کی محبت سے مسکینوں اور یتیموں اور قیدیوں کو (اور دل و زبان سے کہتے ہیں کہ) ہم تم کو محض لوجہ اللہ کھانا کھلاتے ہیں ہم تم سے اس کا کوئی بدلہ اور کوئی شکریہ نہیں چاہتے۔

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر ع ۱)

اور وہ مقدم رکھتے ہیں (دوسرے اہل حاجت کو) اپنے اوپر اگرچہ خود ان کو فاقہ ہو۔

(۱۰) یہ تصور پیدا کیا کہ ہر فرد کی ملکیت سے جماعت کے کچھ حقوق اور منافع متعلق ہیں اس لئے نتیجۃً ہر انفرادی ملکیت، اجتماعی ملکیت ہے، اس کے ضائع ہونے سے جماعت کی حق تلفی ہوتی ہے۔ پس ہر وہ پیسہ جو ایک فرد بے محل صرف کرتا ہے یا ضائع کرتا ہے وہ جماعت کے بہت سے منافع اور بہت سے اجتماعی فوائد کو ضائع کرتا ہے اور جماعتی ملکیت میں ناجائز تصرف کرتا ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِىْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا (النساء ع ۱)

اور مت دو کم عقلوں اور بے سمجھوں کو اپنے وہ اموال جن کو اللہ نے تمھاری دنیوی زندگی کا سہارا بنایا ہے

یہاں پر ناسمجھ یتیموں اور بے سلیقہ جوانوں کے ذاتی اموال واملاک کو جو ان کو ترکہ میں ملی ہوں، جماعت کا مال قرار دیا ہے اور اس کو جماعت کی زندگی اور معیشت کا دارمدار بتایا گیا ہے اور اسی بنا پر ان کے حوالے کرنے سے منع کیا گیا ہے اگرچہ وہ ان کی ذاتی ملکیت ہے۔

(۱۱) آخر میں قانون وراثت کے ذریعہ ہر چھوٹی سے چھوٹی دولت اور ہر معمولی سے معمولی ملکیت کو بھی بہت سے لوگوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص جو رقم، اثاثہ اور املاک چھوڑ کر مرے وہ اس کے وارثوں میں حصہ رسد تقسیم ہو جاتا ہے۔ اس طرح یہ ناممکن ہے کہ کوئی دولت اور ملکیت اپنی اصلی حالت پر ایک نسل سے زیادہ قائم رہے۔ البتہ جو مالیت یا املاک عام اسلامی مصالح، رفاہ عام یا کسی اور کار خیر کے لئے وقف کر دئے جائیں وہ اپنی اصلی حالت پر قائم رہیں گے، اس سے وقف کرنے والے اور اس کے ورثاء کے حقوق منقطع ہو جائیں گے، اس کا ہبہ کرنا اور بیع کرنا ناجائز ہوگا۔

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ۚ (النساء ع ۵)	اور ہر ایسے مال کے لئے جس کو والدین اور رشتہ دار لوگ چھوڑ جائیں ہم نے وارث مقرر کر دئے ہیں۔
يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ الآیۃ (النساء ع ۵)	اللہ حکم کرتا ہے تم کو تمہاری اولاد کے بارہ میں کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کی برابر ہو۔

مال غنیمت بھی مسلمانوں میں تقسیم ہوگا۔ اس کی تقسیم اس طرح ہوگی۔

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۚ (الانفال ع ۵)	اور جاننا چاہیے کہ جو مال غنیمت تم کو حاصل ہو تو اس میں کا پانچواں حصہ اللہ کیلئے ہے اور اسکے رسول کے لئے اور قرابتداروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے۔

البتہ وہ زمین اور غیر منقولہ جائداد جو اسلامی فتوحات میں مسلمانوں کے ہاتھ آئے، اُس کی حیثیت وقف کی ہوگی۔ سورہ حشر میں ہے:۔

وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْهُمْ	اور جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو ان سے

فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا
رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ
عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيْرٌ ۝ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ
مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ
وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ
وَابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً
بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۭ وَمَآ اٰتٰىكُمُ
الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىكُمْ
عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝
لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ
اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ
يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا
وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰٓئِكَ
هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ
تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ
قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ
وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً
مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓي
اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ
وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ

دلوایا سو تم کو اس میں کوئی مشقت نہیں پڑی،
تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے، اور نہ اونٹ
لیکن اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ اپنے رسولوں کو
جس پر چاہے (خاص طور پر) مسلط فرما دیتا ہے
اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے
جو کچھ اللہ نے اسی طور پر اپنے رسول کو
دوسری بستیوں کے لوگوں سے دلوایا ہے
سو وہ بھی اللہ کا حق ہے اور رسول کا اور
آپ کے قرابت داروں کا اور یتیموں کا اور
غریبوں کا اور مسافروں کا اور یہ حکم اس لئے
مقرر کیا تاکہ سارا مال تمہارے مالداروں ہی کے
قبضہ میں نہ آجائے اور رسول تم کو جو کچھ دیدیا کریں
وہ لے لیا کرو اور جس چیز کے لینے سے تم کو روک
دیں اس کے لینے سے تم رک جایا کرو اور اللہ سے
ڈرو، بیشک اللہ تعالیٰ (مخالفت کرنے پر) سخت
سزا دینے والا ہے ــــــ اور ان حاجتمند
مہاجرین کا زیادہ خصوصی حق ہے، جو اپنے گھروں
سے اور اپنے مالوں سے جبراً اور ظلماً جدا کر دئے
گئے اور اس ہجرت سے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور
رضامندی کے طالب ہیں اور وہ اللہ اور اسکے
رسول کے دین کی مدد کرتے ہیں اور یہی لوگ ایمان
کے سچے ہیں ــــ اور نیز ان لوگوں کا بھی حق ہے
جو دار الاسلام (یعنی مدینہ میں ان مہاجرین) کے

مِنۢ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ

(الحشر ع ۱ و ۲)

آنے سے قبل کے قرار پکڑے ہوئے ہیں۔ جو ان کے پاس ہجرت کر کے آتا ہے اس سے یہ لوگ محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے اس سے یہ انصار اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے اور بلکہ کھلانے پلانے میں ان کو اپنے سے مقدم رکھتے ہیں،

اگرچہ ان پر فاقہ ہی ہو اور جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اور ان لوگوں کا بھی اس مال میں حق ہے جو ان کے بعد آئے اور جو ان مذکورین کے حق میں اس طرح دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ ہونے دیجئے"!

چنانچہ اس آیت کی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق کی زمین کو اسوقت کے مسلمانوں پر (اصحاب غنیمت پر) تقسیم کرنے سے عذر کیا اور کہا کہ یہ مسلمانوں کا مشترکہ مال ہے جس میں نہ صرف اس وقت ہی کے مسلمانوں کا حصہ ہے بلکہ بعد میں آنے والوں کا بھی حق ہے، اگر میں اس کو فوج اور "موجودہ مستحقین" ہی پر تقسیم کر دوں تو اس نسل کے بعد جو مسلمان آئیں گے اُن کو کیا ملے گا۔ صحابہ کرام نے ان کی اس رائے سے اتفاق کیا اور اسی پر عمل ہوا[۵۱]۔

(۱۲) افراد کی دولت اور ان کے سرمایہ کو جماعت کے لئے نفع بخش بنانے کی سب سے آخری اور حتمی تدبیر یہ کی کہ ہر شخص جس کے پاس اُس کے ضروری مصارف سے زائد دو سو درم (۵۲ ½ روپیہ) جمع ہو جائیں ایک سال اس پر گزر جانے پر اس میں سے چالیسواں حصہ (۲ ½ فیصدی) راہ خدا میں نکالے نیز غلہ پیداوار اور جانوروں سے بھی زکوٰۃ کا حصہ ادا کرے اسکا نام قرآن مجید کی اصطلاح میں "زکوٰۃ اور صدقات" ہے[۵۲] یہ زکوٰۃ اسلامی نظام کی نہایت اہم دفعہ ہے بلکہ اسلام کا تیسرا رکن ہے۔ قرآن مجید نے اس کے متعلق جو اصول تبلائے ہیں اور اس کی حکمتوں کی طرف جو اشارات کئے ہیں انشاء اللہ کسی قریبی صحبت میں ہم اس پر تفصیلی کلام کریں گے۔

---

[۵۱] احکام القرآن للجصاص الرازی جلد ثالث صفحہ ۵۳

[۵۲] زکوٰۃ کے شرائط وجوب اور تفصیلی مسائل حدیث اور فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

نماز اور خشوع

(از مولانا حافظ مجیب اللہ صاحب رفیق دار المصنفین اعظم گڈھ)

جس طرح ہر جاندار کے لئے جسم کے ساتھ روح کا ہونا ضروری ہے کہ اسی پر اسکی زندگی کا مدار ہے اور روح کے بغیر وہ ایک لمحہ بھی زندہ نہیں رہ سکتا، بالکل یہی حال انسانی اعمال کا ہے کہ اس کے ہر عمل کی ایک روح ہوتی ہے، اگر کوئی عمل اس روح سے خالی ہے تو اس کی نہ کوئی قیمت ہے اور نہ اہمیت،

روح صرف انسانی اعمال میں ہوتی ہے

لیکن انسان اور حیوان کے اعمال میں بڑا فرق ہے۔ حیوانات چونکہ علم و عقل اور فہم و تدبر سے محروم ہیں، اس لئے وہ کسی کام کے مکلف نہیں، اُن سے افعال کا صدور طبعی طور پر ہوتا ہے، تشریع کو اس میں دخل نہیں ہوتا، اس لئے اُن کے اعمال کے صحیح غیر صحیح، یا روح و بے روح ہونے کا بھی کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا، لیکن انسان ...... کا حال ایسا نہیں ہے، چونکہ اسے علم و عقل اور فہم و تدبر عطا کیا گیا ہے، اس لئے اسکے افعال کے صدور میں تکوین سے زیادہ تشریع کو دخل ہے، اس کے افعال کی نوعیت وہ نہیں ہے جو حیوانات کی ہے، اس کا ہر عمل طبعی طور پر تشریع کی پابندیوں سے جکڑا ہوا ہے، اس لئے عمل کے صحیح و غیر صحیح اور باروح و بے روح ہونے کا سوال صرف انسان ہی کے اعمال میں پیدا ہوتا ہے اور وہی اس کا مکلف ہے۔

کافر و مومن کے اعمال کا فرق

جس طرح حیوان اور انسان کے افعال میں بہت بڑا فرق ہے اسی طرح انسان کے دو گروہوں مومن و کافر کے اعمال میں بھی کافی فرق ہے۔

انسان کے ایک فرد ہونے کی حیثیت سے گو کافر بھی تکلیف شرعی کا مورد ہے اور اسکی تمام پابندیوں میں جکڑا ہوا ہے، لیکن چونکہ عملاً اس کی زندگی میں تشریع کی کارفرمائی نہیں ہوتی، اور اپنے کو کسی کے سامنے جواب دہ نہیں سمجھتا، اس لئے اسے اپنے اعمال کے صحیح خالص اور باروح ہونے کی بھی کوئی پرواہ نہیں ہوتی، لیکن مومن کا حال ایسا نہیں ہے، وہ اپنے کو بالقوہ اور

بالفعل دونوں طرح تشریع کے حدود و قیود میں محسوس کرتا ہے۔ اس لئے اسے ہر عمل کے وقت اس بات کی بھی فکر ہوتی ہے کہ اس کا یہ عمل تشریعی پابندیوں کے ساتھ صحیح ہوا یا نہیں؟ وہ جو عمل کر رہا ہے اس میں روح بھی پڑ رہی ہے یا نہیں؟ وہ عند اللہ مقبول بھی ہوں گے یا نہیں؟ اس بنا پر کافر و مومن کے اعمال میں بھی عملاً وہی فرق ہے جو انسان و حیوان کے افعال و اعمال میں ہے۔

اس سے یہ بات ذہن نشین ہو گئی ہوگی کہ جس طرح انسان کا جسم بغیر روح کے بے حقیقت ہے اسی طرح اس کا عمل بھی بغیر اس کی روح کے لاشے ہے۔

نماز ایک امر تشریعی ہے، اس کے لئے بھی جسم و روح ہے، اس کی ادائگی کے بہت سے ارکان و شرائط اور اس کے مقبول و صحیح ہونے کے بہت سے اسباب و ذرائع ہیں اس لئے ایک مومن کا فرض ہے کہ وہ جب بارگاہ قدوسی میں حاضر ہو تو ان ضوابط اور ذرائع کا لحاظ رکھے تاکہ اس کا یہ عمل ضائع نہ ہونے پائے اور وہ عند اللہ مقبول بھی ہو، یوں تو نماز کے مقبول اور صحیح ہونے کے لئے بہت سے شرائط و ارکان اور ضوابط ہیں مگر سب کی حیثیت یکساں نہیں ہے بعض کی حیثیت اصل کی ہے، بعض کی فرع کی، بعض جز کی حیثیت رکھتے ہیں، بعض برگ و بار کی، لیکن نماز میں جس چیز کو سب سے زیادہ مرکزی حیثیت حاصل ہے اور جس کے گرد سارے دوسرے ارکان گردش کرتے ہیں، وہ "صفت خشوع" ہے، اس کو نماز سے وہی نسبت اور تعلق ہے جو روح کو جسم اور غذا کو زندگی سے ہے، اگر نماز اس خشوع سے خالی ہے، تو خدائے قدوس کے یہاں اس کی کوئی قیمت نہیں۔

ہم کو قرآن و حدیث اور فقہ و تصوف کی روشنی میں اس کی حقیقت و ماہیت، اہمیت و فضیلت اور اس کے حصول کے ذرائع معلوم کرنا چاہئیں، اس کے بعد یہ دیکھنا چاہیے کہ اس صفت سے متصف ہونے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا کیا مقامات اور درجات ہیں۔

خشوع کے لغوی معنی ہیں بدن جھکانا، آواز پست ہونا، نظر نیچی ہونا اور قلب میں خوف کا پیدا ہونا (لسان العرب)، یعنی ہر عضو سے عجز و انکسار کا اظہار ہو رہا ہو، قرآن نے خشوع کو ان تمام معنوں میں استعمال کیا ہے۔

وَلَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ — اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو اس کو تو

لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا (حشر ۳)

دیکھتا کہ خدا کے خوف سے دب جاتا۔

وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا (طٰہٰ ۱۱)

اور تمام آوازیں اللہ تعالیٰ کے سامنے (مارے ہیبت کے) دب جاوینگی سو تو بجز پاؤں کی آہٹ کے کچھ نہ سنے گا،

خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ (قمر ۱)

اُن کی آنکھیں جھکی ہوں گی،

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ (حدید ۲)

کیا ایمان والوں کے لئے اس بات کا موقع نہیں آیا کہ ان کے دل خدا کی نصیحت کے اور جو دین حق نازل ہوا ہے اس کے سامنے جھک جاویں،

مگر یہ سب تو خشوع کے مظاہر ہیں، خشوع کا اصلی مقام قلب ہے، اعضاء و جوارح سے اس کا تعلق صرف اسی قدر ہے کہ قلب کی اس کیفیت کا اظہار ان ہی کے ذریعہ ہوتا ہے۔ قلب میں خشوع و خضوع خوف و رجاء، ہیبت و جلال کی جو کیفیت پیدا ہوگی، اعضاء سے اسی کا اظہار ہوگا، ایک شخص نماز کے اندر اپنی داڑھی سے کھیل رہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا کہ:۔

لو خشع قلبہ خشعت جوارحہ

یعنی اگر اس کے دل میں خوف ہوتا تو اس کے اعضا سے بھی خشیت ظاہر ہوتی۔

بعض علماء نے خشوع کی تعریف میں لکھا ہے:۔

(الخشوع) ھو معنی یقوم بالنفس یظھر عنہ سکون فی الاطراف

خشوع ایک ایسی کیفیت ہے کہ جو دل میں قائم ہوجاتی ہے اور اس کے ذریعہ اعضاء سے سکون و طمانیت ظاہر ہوتی ہے

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

الخشوع قیام القلب بین یدی الرب لخضوع والذل والجمعیۃ علیہ

خشوع یہ ہے کہ بارگاہ قدوسی میں دل کو عجز و نیاز اور جمعیت و سکون سے حاضر رکھا جائے۔

خشوع کا پورا مفہوم کسی ایک لفظ سے ادا نہیں کیا جاسکتا، اس کو اس طرح سمجھئے کہ اگر آپ کسی پر ہیبت و جلال شخص کے سامنے کھڑے ہو جائیں تو اس وقت آپ کے ذہن و جسم پر جو اثر مترتب ہوگا یا جو کیفیت طاری ہوگی اسی کو عربی میں خشوع کہتے ہیں۔ نماز میں بقیہ ۱۵ پر دیکھئے

سب سے بڑے مالک الملک کے سامنے کھڑا ہوتا ہے، اس سے زیادہ پُر ہیبت و پُر جلال ذات کون سی ہو سکتی ہے؟ اس لئے اس کے ذہن و جسم، قلب و دماغ پر اسوقت اس کیفیت کا طاری ہونا یا طاری کرنا ضروری ہے، عبادت کا سب سے بڑا مقصد بھی یہی ہے کہ جب عبد اپنے معبود کے سامنے کھڑا ہو تو اس کی ہر ادا سے عبدیت کا اظہار ہو، جس کا تقاضا عجز و نیاز تواضع و خاکساری ہے۔

نماز میں جن لوگوں پر یہ کیفیت طاری ہوتی ہے اور جو اس صفت سے متصف ہوتے ہیں خدا تعالیٰ نے انہی کے لئے دین و دنیا کی فلاح اور جنت الفردوس کا وعدہ کیا ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ .... اُولٰٓئِکَ هُمُ الْوَارِثُوْنَ ہ الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِیْهَا خَالِدُوْنَ (مومنون ۱)

یقیناً ان مسلمانوں نے فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع و خضوع رکھتے ہیں، اور ایسے ہی لوگ وارث ہونے والے ہیں جو جنت الفردوس کے وارث ہوں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں،

خاشعون، خائفون، ساکنون

یعنی خاشعین فی الصلوٰۃ وہ لوگ ہیں جن کے دل خشیت الٰہی سے لبریز ہوں اور جسم پر سکون و طمانیت کی کیفیت طاری ہو۔

حضرت ابو درداؓ اس کی تفسیر کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:۔

اعظام المقام واخلاص المقال والیقین التام وجمع الاھتمام یتبع ذالك ترك الالتفات

جب اس کے سامنے کھڑے ہوا جائے تو اسکی عظمت سے دل معمور ہو جو اس سے کہا جا رہا ہو اس میں اخلاص ہو، دل یقین کی دولت سے مالا مال ہو، جمعیتہ خاطر اور اہتمام ہو، پھر اسی کے ضمن میں ترک التفات بھی ہو۔

ایک دوسری جگہ قرآن نے جہاں مومنین کے بہت سے صفات بیان کئے ہیں اور ان صفات سے متصف ہونے والوں کے لئے جنت کا وعدہ کیا ہے ایک صفت خشوع بھی ہے

وَالصَّابِرِیْنَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِیْنَ وَالْخَاشِعَاتِ ......

صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور خشوع رکھنے والے مرد اور خشوع رکھنے والی

اَعَدَّ اللّٰہُ لَہُمْ مَّغْفِرَۃً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝ (احزاب ۶)	عورتیں ..... ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

بعض لوگوں پر یہ کیفیت صرف نماز ہی میں نہیں طاری ہوتی بلکہ ہر وقت طاری رہتی ہے۔ جہاں محبوب حقیقی کا ذکر چھڑا، ان کے دل میں خشیت طاری ہو گئی، جہاں ان کا کلام پڑھا گیا وہ لرزہ براندام ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ ان ہی کے بارے میں فرماتا ہے

اِذَا یُتْلٰی عَلَیْہِمْ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۝	جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہیں سجدہ میں ....
وَیَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ یَبْکُوْنَ وَ یَزِیْدُہُمْ خُشُوْعًا (بنی اسرائیل ۱۲)	اور ٹھوڑی کے بل گرتے ہیں روتے ہوئے اور یہ قرآن ان کا خشوع اور بڑھا دیتا ہے

سورہ انبیاء میں انبیاء کے ذکر کے بعد ان کے متعلق بھی یہی ارشاد ہے کہ :-

وَیَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَہَبًا وَّکَانُوْا لَنَا خَاشِعِیْنَ، (انبیا ۵)	اور وہ لوگ (انبیاء) امید و بیم کے ساتھ ہماری عبادت کرتے ہیں اور ہمارے سامنے دب کر رہتے ہیں

صفت خشوع و خضوع پیدا کرنے کے لئے کوشش و مجاہدہ

مگر اس مقام کے حصول کے لئے مسلسل کوشش اور مجاہدہ کی ضرورت ہے، جب ذہن و جسم قلب و دماغ پر پورے طور سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ہیبت و جلال کا تصور چھا جائے اس وقت یہ مقام حاصل ہوتا ہے، چنانچہ صحابہ کرام کو بھی اس وقت تک اس کا مکلف نہیں بنایا گیا، جب تک ان میں اس کی پوری صلاحیت پیدا نہیں ہو گئی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود اس آیت

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُہُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ (حدید ۲)	کیا ایمان والوں کے لئے ابھی اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل خدا کی نصیحت اور جو دین حق نازل ہوا ہے اسکے سامنے جھک جائیں

کی تفسیر کے سلسلہ میں فرماتے ہیں،

ما كان بين اسلامنا وبين عتابنا الله تعالى بهذه الاية الا اربع سنين

یعنی ہمارے قبول اسلام اور اس آیت کے ذریعہ خشوع کے نہ پیدا کرنے والوں کے بارے میں عتاب کے درمیان چار سال کا فصل ہوا۔

حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں:۔

ان الله استبطاء قلوب المؤمنين فعاتبهم على راس ثلاث عشرة سنين من نزول القرآن[۱]

اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ قلوب مومنین میں خشوع پیدا ہونے میں دیر ہو رہی ہے تو نزول قرآن کے تیرہ برس بعد انھیں یہ عتاب فرمایا

برائیوں کے زہر سے بچنے کے لئے نماز سب سے بڑا تریاق ہے۔ انسان دنیا کے کاروبار میں لگا ہوتا ہے، اس کے خیالات پراگندہ ہوتے ہیں، عین اسی حالت میں جب وہ نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو اس کے دل و دماغ اور جسم و اعضاء پر ہر قسم کی پابندی عائد ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس پر نماز کی ادائگی بڑی ہی شاق ہوتی ہے، لیکن جو لوگ اس کیفیت خشوع سے سرشار ہوتے ہیں ان کے لئے یہ تمام دشواریاں آسان ہو جاتی ہیں۔

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝

اور مدد لو صبر اور نماز سے اور بیشک وہ نماز دشوار ضرور ہے، مگر جن کے قلب میں خشوع (کی دولت) ہو ان پر کچھ بھی دشوار نہیں، وہ خاشعین وہ لوگ ہیں جو خیال رکھتے ہیں اس کا کہ وہ بیشک ملنے والے اپنے رب سے اور اسی کی طرف واپس جانے والے ہیں

اس آیت میں یہ بات قابل غور ہے کہ خاشعین کی صفت اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ لائی گئی ہے، جس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نماز میں خشوع پیدا کرنے کیلئے

---

[۱] پہلی روایت میں حضرت عبد اللہ بن مسعود نے اپنے اسلام اور نزول آیت کے درمیان کا فصل بتایا ہے اور حضرت عبد اللہ بن عباس نے نزول قرآن اور اس آیت کے نزول کے درمیان کا فصل بتایا ہے اس لئے دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

یہ بھی ضروری ہے کہ بندہ کے ذہن پر جزائے اعمال اور قیامت کی ہولناکیوں کا تصور پورے طور پر چھایا ہوا ہو اور اسے اس بات کا پورا یقین ہو کہ ایک دن اسے مالک یوم الدین کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ جب تک یہ تصور اس کے ذہن پر چھایا ہوا نہ ہوگا، اس پر خشوع کی پوری کیفیت کا پیدا ہونا مشکل ہے، اس لئے کہ جب اس کا پورا اذعان ہو کہ ہم سے جو اعمال صادر ہوتے ہیں، ایک دن ان کا محاسبہ ہوگا اور ہمیں اس کی جزا یا سزا ملے گی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمارے ذہن پر عجز و نیاز، خوف و خشیت کی کیفیت طاری اور ہماری ساری ذہنی و جسمانی توجہ اسی عمل کی طرف مبذول ہو جائے گی اور ہم کو محسوس ہوگا کہ ہم اپنے مالک الملک کے سامنے کھڑے ہیں خشوع کا یہی مقصد اور اس کی یہی روح ہے کہ بندہ ماسوا سے بالکل کٹ کر پوری عبدیت کے ساتھ خدائے وحدہٗ لاشریک کے سامنے سجدہ ریز ہو جائے۔

خشوع کے بارے میں ایک نکتہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں کہ خشوع کا مطالبہ تو انسان کے ہر فرد سے ہے۔ مومن دنیا میں اپنے عجز و انکسار ذلت و مسکنت اور نیاز مندی سے (خشوع کے) اسی مطالبہ کو پورا کرتا ہے، اس لئے قیامت میں وہ اس کی جزا میں عزت و وقار اور انعام الٰہی سے سرفراز ہوگا لیکن کافر دنیا میں اس مطالبہ کو پورا نہیں کرتا، اس لئے مومن کی یہ اختیاری ذلت و مسکنت اسکی (کافر کی) طرف منتقل کر دی جائے گی اور اس سے یہ مطالبہ قہر و غضب کے ساتھ پورا کرایا جائے گا۔ مومن سے دنیا میں اس اختیاری ذلت کا مطالبہ عقبیٰ کی عزت کیلئے کیا گیا تھا، کافر نے چونکہ اس کو پورا نہیں کیا، اس لئے اس سے قیامت میں یہ مطالبہ اس کی روسیاہی و رسوائی کی صورت میں پورا کرایا جائے گا[۱]۔ چنانچہ قرآن نے اسے بار بار بیان کیا ہے۔

خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ	(قیامت کے روز) انکی (کفار کی) آنکھیں جھکی ہوں گی
خَاشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ،	مارے ذلت کے جھکے ہوں گے، شکستہ نگاہ سے دیکھتے ہوں گے،
وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ	بہت سے چہرے اس روز ذلیل ہوں گے۔

حدیث و آثار میں خشوع کی اہمیت و فضیلت اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نماز میں اپنی ڈاڑھی

---

[۱] فتوحات مکیہ

سے کھیل رہا تھا یہ فعل چونکہ خشوع کے منافی تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

لو خشع قلبہ لخشعت جوارحہ[۱]	اگر اس کا قلب خشوع سے متاثر ہوتا تو اس کے اعضاء پر بھی اس کے آثار نمایاں ہوتے،

ایک مرتبہ آپ جماعت کے ساتھ نماز ادا فرما رہے تھے کہ کچھ لوگوں سے نماز میں ایسے افعال سرزد ہوئے جو خشوع کے منافی تھے، آپ نے نماز کے بعد ارشاد فرمایا کہ

واللہ لا یخفی علیّ رکوعکم وخشوعکم[۲]	خدا کی قسم مجھ سے تمہارا رکوع وخشوع پوشیدہ نہیں ہے۔

مسند احمد ابن حنبل میں فضیل ابن عباس سے ایک روایت ہے جس سے خشوع کے مظاہر کی پوری تصویر سامنے آجاتی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:۔

الصلوٰۃ مثنیٰ مثنیٰ[۳] تشھد فی کل رکعتین وتضرع وتخشع وتمسکن ثم تقنع یدیك الی ربك ..... تقول یارب یارب فمن لم یفعل ذلك فقال فیه قولا شدیدا[۴]	رات کی نماز دو دو رکعت پڑھو، پھر چاہیے کہ ہر دو رکعت پر تشہد پڑھو، اور گریہ وزاری خشوع و خضوع کے ساتھ اپنے رب سے ہاتھ اٹھا کر کہو اے میرے رب، اے میرے پروردگار اور جو شخص ایسا نہیں کرتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں بڑی سخت وعید فرمائی ہے۔

اس حدیث کی تشریح کے سلسلہ میں ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ لفظ "تخشع" سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی کے اندر یہ کیفیت نہ پیدا ہو تو بہ تکلف اسے یہ کیفیت پیدا کرنا چاہیئے۔ ایک حدیث میں ہے

لا صلوٰۃ لمن لم یتخشع[۵]	جو شخص نماز میں بہ تکلف بھی خشوع نہ پیدا کرے اس کی نماز نہیں ہوتی،

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے قریب دلوں سے جو پہلی چیز اٹھالی جائے گی وہ خشوع ہے[۶] دوسری روایت میں ہے کہ

---

[۱] روح المعانی [۲] بخاری باب الخشوع فی الصلوٰۃ [۳] اس سے مراد رات کی نماز ہے جیسا کہ بخاری میں ابن عمر سے روایت ہے [۴] مسند فضیل بن عباس ترمذی [۵] الفتح الربانی بتویب مسند احمد [۶] مسند الفردوس الجامع الصغیر،

اول شیٔ یرفع من ھذہ الامۃ الخشوع حتی لا تری فیھا خاشعًا۔	اس امت سے پہلی چیز جو سلب کی جائے گی وہ خشوع (کی دولت) ہے، یہاں تک کہ امت میں کوئی خشوع والا نظر نہ آئے گا۔

صحاح میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ یہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ:۔

اللّٰھم انی اعوذ بک من قلب لا یخشع[1]	اے اللہ میں غیر خاشع قلب سے پناہ چاہتا ہوں

آپ رکوع میں اکثر یہ الفاظ فرمایا کرتے۔

خشع لک سمعی و بصری و مخی وعظمی	اے اللہ تیرے لئے میرے کان، آنکھیں دماغ اور ہڈیاں سب جھک گئے ہیں۔

ان روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں خشوع پیدا کرنے کی بار بار ترغیب و تاکید فرماتے اور صحابہ کو اس کے سلب ہو جانے سے خوف دلایا کرتے تھے اور قلب غیر خاشع سے پناہ مانگا کرتے تھے۔

ہمیں اپنی نمازوں کا بھی جائزہ لینا چاہیے کہ اس میں یہ صفتیں پیدا ہو رہی ہیں یا نہیں، اور ہم اس کے بدلہ اجر و ثواب، فلاح و سعادت کے مستحق ہوں گے، یا زجر و توبیخ، عذاب و عتاب کے۔

صحابہ اور خشوع قرآن و حدیث کے احکام کے سامنے سر نیاز جھکا دینا، کمال ایمان کی دلیل اور سب سے بڑی سعادت ہے، صحابہ کرام کی سب سے بڑی خصوصیت اور فضیلت یہی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی زبان سے جو کچھ اور جس طرح سنتے تھے، اپنی زندگی کو اسی کے مطابق ڈھال لیتے تھے، ادھر کوئی آیت نازل ہوئی، ادھر صحابہ کے عمل سے اس کی تفسیر ہونے لگی، کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، صحابہ نے اسے عملی جامہ پہنا دیا، زبان مبارک سے کوئی حکم صادر ہوا اور صحابہ اس کا نمونہ بن گئے، اب ہم کو صحابہ کرام کی عملی زندگی میں اسی خشوع کی تفسیر دیکھنی چاہیے، کہ ان کی نمازوں میں اس صفت خشوع کی کہاں تک کارفرمائی تھی، اور ان کی پوری زندگی پر اس کا کیا اثر تھا، اور پھر غور کریں کہ عملی تعلیمات کے علاوہ انھوں نے نظری تعلیمات کے

---

[1] ترمذی نسائی و الجامع الصغیر،

کیا کیا نقش چھوڑے ہیں،

مجاہد روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک لکڑی کا ٹکڑا یا ستون ہے جو بے حس و حرکت کھڑا ہے اس حالت کو دیکھ کر وہ کہا کرتے تھے، کہ

وکان یقال ذلک الخشوع[1]

اسی کو خشوع کہا جاتا ہے،

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے متعلق روایت ہے کہ جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ایک کپڑا ہے جو زمین پر ڈال دیا گیا ہے "کانه ثوب ملقی"

انہی کے متعلق دوسری روایت ہے کہ

کان اذا قام الی الصلوٰة فغض فیها صوته و بدنه وبصره

جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے، تو بدن آواز آنکھ ہر چیز سے تواضع و خشوع کا اظہار ہوتا تھا۔

حضرت عامر بن عبداللہ کے متعلق مروی ہے کہ وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے اور لڑکیاں دف بجایا کرتی تھیں مگر ان کو بالکل خبر نہیں ہوتی تھی[2]

حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے متعلق مشہور ہے کہ ان پر ہر وقت آثار خشوع طاری رہتے تھے

حضرت حذیفہؓ فرمایا کرتے تھے کہ:۔

اول ما تفقدون من دینکم الخشوع واخر ما تفقدون الصلوٰة وتنقض عری الاسلام عروة عروة[3]

تم اپنے دین سے پہلی چیز جو ضائع کرو گے وہ خشوع ہے اور سب آخر میں نماز کی ظاہری صورت اسی طرح آہستہ آہستہ اسلام کی تمام بنیادی چیزیں ترک ہو جائیں گی۔

ایک دوسری روایت میں ہے۔

ورب مصل لاخیر فیه اوشك ان تدخل مسجد الجماعة فلاتری

بہت سے نمازیوں میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی اور قریب ہی ایک زمانہ آئے گا کہ تم مسجد میں جماعت

---

[1] فتح الباری ص۱۱۲، [2] مجمع الزوائد جلد ۲ ص۱۳۶، [3] حاکم اور احمد نے روایت کی ہے روح المعانی تفسیر سورہ مومنون۔

فیہ خاشعا	کے ساتھ نماز پڑھیں گے اور پوری جماعت میں ایک شخص بھی خشوع رکھنے والا نہ ہوگا۔

حضرت عبادہ بن صامت سے بھی اسی قسم کی ایک روایت ہے حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ ایک شخص ہے کہ اسلام کی حالت میں اس کے بال سفید ہو گئے ہیں، مگر ایک وقت کی نماز بھی اس نے اللہ کے لئے مکمل نہیں پڑھی، لوگوں نے پوچھا یہ کیسے؟ آپ نے فرمایا

لا یتم خشوعھا و تواضعھا و اقبالہ علی اللہ عز و جل فیھا[1]	وہ نماز میں خشوع و خضوع پورے طور سے پیدا نہیں کرتا اور نہ اپنی پوری توجہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف مبذول رکھتا ہے۔

خشوع کا تعلق قلب سے اوپر عرض کیا گیا ہے کہ خشوع قلبی کیفیت کا نام ہے، اعضاء سے اس کا تعلق صرف اسی قدر ہے کہ وہ اس کیفیت کے مظاہر ہیں صحابہ کے اقوال سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔

حضرت عمر نے ایک شخص کو دیکھا کہ گردن جھکائے ہوئے نماز پڑھ رہا ہے آپ نے فرمایا کہ:-

یا صاحب الرقبہ ارفع رقبتک لیس الخشوع فی الرقاب وانما الخشوع فی القلوب[2]	اے گردن نیچی کرنے والے اپنی گردن کو اٹھا خشوع گردن کے اندر نہیں ہے بلکہ وہ دلوں میں ہوتا ہے[3]

یعنی خشوع کا تعلق قلب سے ہے اس میں تواضع، خاکساری اور عاجزی ہونی چاہئیے گردن و جسم کے جھکانے اور توڑنے مروڑنے سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

حضرت عائشہؓ نے چند نوجوانوں کو دیکھا کہ وہ بیماروں کی طرح بہت جھک کر چل رہے ہیں، آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں، لوگوں نے کہا کہ "نساک" اور "زہاد" کہے جاتے ہیں آپ نے فرمایا:-

---

[1] احیاء العلوم صفحہ ۲۶ جلد ۱ [2] مدارج السالکین صفحہ ۲۹۵ جلد ۱ [3] "الفرقان" غالباً یہ شخص گردن کو بہت زیادہ جھکائے ہوئے ہوگا، ورنہ کسی قدر سر جھکا کے نماز پڑھنا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی۔ ملاحظہ ہو زاد المعاد ۱۲ م

کان عمر بن الخطاب اذا مشی اسرع واذا قال اسمع واذا ضرب اوجع واذا اطعم اشبع وکان ھو للناسک[1] حقًا	عمر بن خطاب جب چلتے تھے تو تیز چلتے تھے جب بولتے تو بلند آواز سے کہ سامع سُن لے۔ اگر کسی کو سزا دیتے تھے تو سخت سزا دیتے تھے اگر کھانا کھلاتے تھے تو پیٹ بھر کھلاتے تھے، اور وہ یقیناً ناسک تھے

خشوع نفاق اگر کسی کے قلب میں خشوع نہ پیدا ہوا اور محض اپنے اعضاء وجسم سے صرف ریا کے لئے اس کا اظہار کرتا ہو تو احادیث و آثار میں ایسے خشوع کو خشوع نفاق سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس سے پناہ مانگی گئی ہے۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

تعوذوا باللہ من خشوع النفاق[2]	خشوع نفاق سے اللہ کی پناہ مانگو

صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ خشوع نفاق کیا چیز ہے، آپ نے ارشاد فرمایا،

خشوع البدن ونفاق القلب[3]	بدن جھکا ہوا ہو مگر قلب میں نفاق ہو۔

حضرت حذیفہ فرمایا کرتے تھے کہ خشوع نفاق سے بچو، لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ خشوع نفاق کیا ہے، آپ نے فرمایا:۔

ان تری الجسد خاشعا والقلب لیس بخاشع[4]	تم دیکھو کہ بدن سے تو خشوع کا اظہار ہو رہا ہے مگر قلب میں یہ خشوع نہ ہو۔

حضرت ابودرداء سے بھی اسی قسم کی ایک روایت ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ لوگوں سے کہا۔

استعیذوا باللہ من خشوع النفاق[5]	خشوع نفاق سے اللہ کی پناہ مانگو،

خشوع کے منافی افعال اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کا تعلق خشوع کے مقام، اس کی اہمیت اور فضیلت سے تھا، آئندہ سطروں میں خشوع کے مظاہر بیان کئے جاتے ہیں اور یہ کہ کون کون سے افعال منافی خشوع ہیں کہ ان کے کرنے سے نماز کی اس کیفیت میں فرق آتا ہے۔

---

[1] مدارج السالکین جلد ۱ صفحہ ۲۹۵، [2] درمنثور تفسیر سورۂ مومنون [3] ایضاً، [4] درمنثور تفسیر سورہ مومنون [5] مدارج السالکین

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے مرض الموت میں نزع سے کچھ دیر پہلے لوگوں سے کہا کہ مجھے بٹھاؤ، میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک امانت رکھ گئے تھے اسے میں تم لوگوں تک پہنچا دینا چاہتا ہوں۔ پھر آپ نے یہ الفاظ فرمائے۔

لا یلتفت احدکم فی صلوٰتہ فان کان لابد بہ فاعلا ففی غیر ما افترض اللہ تعالیٰ علیہ وتوک العبث شیئاً اوشیٔ من جسدٖ وانکار منافاتہ للخشوع [۱]	نمازی کو چاہیئے کہ نماز میں ادھر ادھر متوجہ نہ ہو اگر اسے مجبوراً ایسا کرنا پڑے تو پھر غیر فرض نماز میں کر سکتا ہے اور کپڑے یا بدن سے نہ کھیلے اور اس کے علاوہ جتنی چیزیں خشوع کے منافی ہیں ان سے گریز کرے

مستدرک حاکم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ابتداء سے نماز میں آسمان کی طرف نظر اٹھایا کرتے تھے اس پر آیت نازل ہوئی۔

اَلَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِہِمْ خٰشِعُوْنَ	جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں

اس کے بعد آپ اور صحابہ کرام نظریں سجدہ گاہ کی طرف رکھنے لگے اور سر کا اٹھانا کر... اِدھر دیکھنا وغیرہ بھی چھوڑ دیا۔

مستدرک حاکم اور بیہقی میں ایک دوسری روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی آیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔

الخشوع فی القلب وان تلین کنفک للمرء المسلم ولا تلتفت فی صلوٰتک	خشوع کا مقام قلب ہے اور خشوع کا مظہر یہ بھی ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کیلئے نرم ہو جاؤ اور نماز میں ادھر ادھر نہ دیکھو

اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں ادھر ادھر دیکھنا، کسی چیز سے شغل کرنا اور اپنی توجہ کو دوسری طرف منعطف کرنا، یہ سب خشوع کے منافی افعال ہیں اور اسی کے برعکس نگاہ نیچی رکھنا، اپنی توجہ اللہ کی جانب رکھنا، اعضاء پر سکون کی کیفیت طاری کرنا یہ سب اس کے مظاہر ہیں۔

ام رومان فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے ایک روز مجھے نماز میں ادھر ادھر مائل ہوتے دیکھا تو اتنے زور سے ایک کو نچا دیا اور ڈانٹا کہ قریب تھا کہ میں اپنی نماز توڑ دیتی، پھر انھوں نے کہا۔

---

[۱] روح المعانی در منثور

سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا قام احدکم فی الصلوٰۃ فلیسکن اطرافہ لا یتمیل تمیل الیہود فان سکون الاطراف فی الصلوٰۃ من تمام الصلوٰۃ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز کے لئے کھڑا ہو تو چاہیئے کہ اپنے اعضاء کو پرسکون رکھے، یہود کی طرح نماز میں ادھر ادھر مائل نہ ہو اسلئے کہ سکونِ اعضاء تکملات نماز میں سے ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے ایک روز فرمایا۔

انی احب لک ما احب لنفسی لا تفرقع اصابعک وانت تصلی

میں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں، وہ تمہارے لئے بھی پسند کرتا ہوں، نماز میں اپنی انگلیاں نہ چٹخایا کرو۔

صاحب البدائع والصنائع اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:-

لان فیہ ترک الخشوع

اس لئے کہ یہ فعل خشوع کے منافی ہے۔

اس سے پہلے کہا جا چکا ہے کہ خشوع کا تعلق تو قلب سے ہے، مگر چونکہ اعضاء و جوارح سے اس قلبی کیفیت کا اظہار ہوتا ہے، اس لئے اعضاء و جوارح سے بھی کوئی ایسا فعل سرزد نہیں ہونا چاہئے جو اس قلبی کیفیت کے خلاف ہو، بلکہ نماز میں سارے اعضاء پر وہی کیفیت طاری ہونی چاہیئے جو ایک غلام پر اپنے آقا کے حضور میں عرض حاجت کے وقت ہوتی ہے، ذہن حاضر، نظریں نیچی اعضاء پُرسکون و سکوت، غرض کہ سارے بدن سے ذلت و مسکنت، عاجزی و خاکساری کے آثار نمایاں ہونے چاہئیں۔ عرض حاجت کے وقت تضرع و زاری اور التجا، کا پیکر بنجائے روئے گڑگڑائے، اگر کسی شخص پر یہ کیفیت نہ بھی طاری ہو تو وہ بہ تکلف اس کے پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ (باقی)

آداب گفتگو

(از جناب مولانا محمد ایوب صاحب اصلاحی جامعۃ الہیات کانپور)

[مولانا موصوف اسلامی اخلاق و آداب پر ایک بسیط مضمون لکھ رہے ہیں، اس سلسلہ کی پانچ قسطیں "الفرقان" میں پہلے شائع ہو چکی ہیں۔ چھٹی قسط آج ہدیۂ ناظرین کرام ہے۔ ——— مدیر]

اطاعت و فرمانبرداری اور سرکشی و نافرمانی کے اعتبار سے اعضاء انسانی کا جائزہ لیجئے تو سب سے زیادہ گستاخ اور نافرمان عضو، زبان ثابت ہوتی ہے، وجہ یہ ہے کہ انسان کو زبان چلانے میں نہ محنت پڑتی ہے اور نہ کوئی تکلیف و مشقت، یہ آئے دن کا مشاہدہ ہے کہ بہت سے لوگ اپنی زبان کی تباہ کاریوں سے بے پروا ہو کر اپنی ایک ہی جنبش لب میں ہلاکت و بربادی کا شکار، و مصائب و آلام میں گرفتار ہو جاتے ہیں، بات دراصل یہ ہے کہ زبان ایک ایسا عظیم الشان فتنہ اور ایسا ہولناک خطرہ ہے جس سے ادنیٰ سی غفلت بھی ہلاکت کیلئے کافی ہے۔ اس سے سلامتی و حفاظت کا راستہ صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ اس کی باگ شریعت کے ہاتھ میں دیدی جائے کہ اس کے منشاء کے خلاف ذرہ برابر بھی جنبش نہ کر سکے یعنی انسان شریعت کے ان حدود کی پوری پابندی کرے جو زبان کے لئے قائم کی گئی ہیں اور گفتگو کے اصول و قواعد اور مواقع کو ہر آن اور ہر حالت میں پیش نظر رکھے اور یہ بات پورے طور پر ذہن نشین کر لے کہ جب تک کسی دنیوی ضرورت یا دینی مصلحت کا تقاضا بولنے کے لئے نہ ہو۔ اس وقت تک اپنی زبان کو ہرگز استعمال نہ کرے اور ایسے مواقع پر ہمیشہ خاموش رہے جہاں جلد یا بدیر مضرت کا اندیشہ ہو، اس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان حتی الامکان اپنی زبان کو بے سود اور لاطائل باتوں سے محفوظ رکھے اور بُرے کلمات اور گندے الفاظ سے آلودہ نہ کرے اور ناحق کسی بندۂ خدا کا دل دکھانے والے یا اللہ کو ناراض کرنے والے اقوال سے

اپنی زبان کی پوری حفاظت کرے لیکن جب حق کی حمایت سچائی کے اظہار، باطل کی تردید، حکمت و معرفت کی تشریح اور شکر نعمت کے بجالانے کا موقع ہو اور اس کے لئے بولنا ضروری ہو تو پھر خاموش بھی نہ رہے مگر زبان کو اسی حد تک استعمال کرے اور گفتگو ایسی نپی تُلی کرے جو اظہار مدعا کے لئے کافی ہو، زبان کی تیزی اور قوت گویائی سے ناجائز فائدہ اٹھانے اور اپنے زور بیان سے بیجا طور پر غالب آنے کی کوشش نہ کرے بلکہ ضرورت سے زیادہ سرِمو آگے نہ بڑھے۔

اپنی ہمہ دانی کے اظہار کے لئے خواہ مخواہ دوسروں کی باتوں میں بول اٹھنا (جس سے آجکل بڑی حد تک بے پروائی برتی جاتی ہے) اخلاق و تہذیب کی نگاہ میں بڑا عیب ہے۔

گفتگو میں فرق مراتب کا لحاظ بھی آداب گفتگو کا ایک نہایت ضروری اور اہم جز ہے، یعنی انسان ہر شخص کی حیثیت کے مطابق گفتگو کا انداز اختیار کرے، مخاطب کے فہم اور مرتبہ کو ہرگز نظر انداز نہ کرے، مثلاً عوام سے ہم کلام ہو تو ان سے گفتگو کا پہلو ان کے حسب حال اور ان کے فہم و ادراک کے مطابق اختیار کرے اور اگر اہل وقار، واصحاب وجاہت سے شرف کلام حاصل ہو تو پیرایۂ گفتگو ان کے خلاف مزاج اور شان کے منافی نہ ہونے دے۔

انسان کو اس بات کا پابند ہونا بھی ضروری ہے کہ جب تک اس سے گفتگو کی خواہش اور ضرورت ظاہر نہ کی جائے یا وہ خود ضرورت اور منفعت محسوس نہ کرے خاموش رہے کیونکہ بلا ضرورت بولنا خلاف تہذیب ہی نہیں بلکہ ایک طرح کا ہذیان بھی ہے۔

جھوٹ، غیبت اور چغلی جیسے بدترین عیبوں سے زبان و گفتگو کو پاک رکھنا ضروری ہے جو گویا انسان کے لئے سخت خطرہ اور تباہی کے گڑھے ہیں، اور یہ ایسی عادتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہیں اور لوگوں کی نگاہوں میں غایت درجہ معیوب، اس لئے اخلاق کے ان جرائم سے بچنا لازم ہے۔ خصوصاً تعریف یا مذمت کے موقع پر انسان جھوٹ کا نادانستہ طور پر مرتکب ہو جاتا ہے، اس لئے کسی کے سراہنے یا مذمت کرنے میں میانہ روی کا پورا پورا لحاظ رکھے اور کبھی کسی کی تعریف و تنقیص میں حد اعتدال سے نہ بڑھے، ورنہ جھوٹ اور مبالغہ سے سلامت نہ رہ سکے گا۔

غیر متعلق معاملات میں نہ بولنا بھی اخلاق کا تقاضا ہے اس لئے جن معاملات سے انسان کو

تعلق نہ ہو ان میں خاموشی ہی اختیار کرے اور جن معاملات سے اس کو کوئی لگاؤ ہو ان میں بھی موقع دیکھ کر بولے، موقع شناسی، جس کو گفتگو کیا ہر معاملہ میں بڑی اہمیت حاصل ہے گفتگو کے معاملہ میں نظر انداز کرنا خلاف تہذیب و ادب ہے۔ سب سے نمایاں موقع شناسی یہ ہے کہ انسان کبھی اس طرح گفتگو نہ کرے جو مخاطب کے لئے وجہ تکلیف ہو، مثلاً متانت و سنجیدگی اور شرافت سے بے پروا نہ ہو اور بزرگوں سے گفتگو کرے تو پہل خود نہ کرے اور آواز کو پست رکھے شریعت کا یہی حکم ہے جس کو ہر سنجیدہ اور ذی عقل انسان نے اختیار کیا ہے۔

اگر انسان اپنی گفتگو میں ان تمام امور کو جن کی تفصیل پیش کر دی گئی ہے ملحوظ رکھے اور اپنی زبان کو ہر جگہ، ہر وقت اور ہر حالت میں ان آداب کا پابند رکھے تو پوری توقع ہے کہ وہ دنیا اور آخرت میں کامیاب ہوگا، سعادت مند، ہر دلعزیز اور محبوب ہوگا اور اس کی شرافت و حسن اخلاق کا چرچا زبان زد خاص و عام ہوگا علاوہ ازیں اس کی عادات و اطوار میں پاکیزگی اور عقل میں پختگی پیدا ہوگی، کیونکہ زبان ہی وہ آئینہ ہے جس میں انسان کی عقل اور اخلاق کی تصویر صاف صاف نظر آسکتی ہے اور عقل و اخلاق کا کوئی عیب یا ہنر چھپ نہیں سکتا، خود مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ زبان ہی عقل انسانی کا معیار ہے۔

لسان العاقل من وراء قلبہ فاذا اراد الکلام رجع الی قلبہ فاذا کان لہ تکلم وان کان علیہ امسک وقلب الجاھل من وراء لسانہ یتکلم بکل مایعرض لہ۔

عقلمند کی زبان اس کے قلب کے ماتحت ہوتی ہے جب وہ بولنا چاہتا ہے تو اپنے قلب کی طرف رجوع کر لیتا ہے اگر بولنا اس کے لئے مفید ہوتا ہے تو بولتا ہے اور اگر بولنا اس کے لئے وبال ہوتا ہے تو خاموش رہتا ہے اور جاہل کا قلب اس کی زبان کے ماتحت ہوتا ہے جو کچھ زبان پر آتا ہے کہہ ڈالتا ہے۔

لیکن نقصان و فائدہ اور موقع و محل کی قوت تمیز چونکہ ہر شخص میں فطری طور پر یکساں ودیعت نہیں کی گئی، اسلئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک ایسی راہ بتادی ہے جس پر چل کر ہر شخص زبان و گفتگو کی تمام بیہودگیوں سے بچ سکتا ہے اور محاسن کلام کی پوری رعایت کر سکتا ہے۔ پس گفتگو میں شگفتگی اور پاکیزگی اور آواز میں نرمی، موقع شناسی اور خوش اخلاق لوگوں سے

ہم کلامی وغیرہ کا خیال رکھنا اور رذیلوں سے اخلاق سے گری ہوئی گفتگو کرنے، جھوٹ بولنے غیبت کرنے، چغلی کھانے اور لایعنی باتوں سے بچتے رہنا، اخلاق کی ان زریں تعلیمات میں سے ہے جو ہر آن اور ہر شان میں قابل لحاظ ہیں اور جن کو قرآن نے ایک ایک کر کے بیان کر دیا ہے، چنانچہ گفتگو کا پہلا اور بنیادی اصول یہ بتایا ہے کہ شُستہ، نرم اور شیریں باتیں کرنا مستحسن ہے اور سختی سے گفتگو کرنا قابل پرہیز ہے، اس کا فلسفہ بھی بتا دیا ہے کہ شیریں کلامی دلوں میں محبت والفت کی روح پھونکتی ہے اور سخت کلامی اعراض ونفرت اور حسد و عداوت کی آگ لگاتی ہے۔

وقل لعبادی یقولوا التی ھی احسن ان الشیطان ینزغ بینھم ان الشیطان کان للانسان عدوًا مبینًا۔ (بنی اسرائیل)

اور آپ میرے بندوں سے کہئے کہ وہ ایسے طریقہ سے بات کیا کریں جو زیادہ بہتر ہو، کیونکہ اس کے ماسوا طرز گفتگو کی بدولت شیطان ان کے درمیان فساد ڈالدیتا ہے، شیطان ہے بھی انسان کا کھلا ہوا دشمن۔

آیت کریمہ میں حُسن کلام یعنی شیریں، شُستہ اور نرم الفاظ و محاورات استعمال کرنے، نرم و ملائم پیرایۂ گفتگو اختیار کرنے اور ترش کلامی سے اعراض کرنے کی جو تاکید کی گئی ہے اس کا اس سے زیادہ اچھا نتیجہ اور قیمتی فائدہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ شیطان جو انسان کا صریح اور پیدائشی دشمن ہے لوگوں کے مابین نفرت وعداوت پیدا کرنے اور جدائی وتفرقہ ڈالنے کی اپنی ان توقعات اور تدبیروں میں ناکام ہو جائے جن کیلئے وہ ہر موقع پر اور خلوت وجلوت کی ہر حالت میں سرگرم رہتا ہے ایسے زوردار دشمن کو جو لبوں کی ذرا سی جنبش میں بھی باہمی نزاع پیدا کرنے کا موقع نکال لیتا ہے۔ شکست دینے کا اس سے بہتر اور کیا ذریعہ ہو سکتا ہے کہ انسان اپنی گفتگو میں کوئی ایسا موقع نہ آنے دے جس کے ذریعہ شیطان اس کے دل و دماغ پر قبضہ جما کر ان کی باگ جدھر چاہے گھماتا رہے اور اپنی من مانی تمنائیں پوری کر سکے اور باتوں باتوں میں مخالفت ونا اتفاقی کا طوفان اُبھار کر لوگوں کو مصیبتوں میں ڈال دے۔ یہ آیت کریمہ شیطان کی انہی گھاتوں سے ہوشیار کر رہی ہے، اب انسان کا یہ کام ہے کہ ان سے ہوشیار رہے اور ایک لمحہ کے لئے بھی بے پروانہ ہو۔ کیونکہ گفتگو اور محاورات میں مذکورہ بالا اصولوں سے بے پروائی اور غفلت، ہی شیطان کے لئے نفاق اور عداوت

پھیلانے کا بہترین حربہ ہے۔

لایعنی، عبث اور بے سود باتیں کرنا اور بے ضرورت کھود کرید اور خواہ مخواہ سوالات کرنا جس کا سوء اخلاق میں سے ہونا بتایا جا چکا ہے مندرجہ ذیل آیت میں ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَ اِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ۔ (مائدہ)

اے ایمان والو ایسی باتیں مت پوچھو جو تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہاری ناگواری کا سبب ہوں اور اگر ایسے وقت پوچھو گے جب قرآن نازل ہوتا ہو تو وہ باتیں تم پر ظاہر کر دی جائیں گی اور اللہ تعالیٰ نے تم کو ان سے معاف رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ ہے بڑا بخشنے والا بُردبار۔

احکام الٰہی کا احترام اصول اخلاق کا اہم ترین جز ہے، یہاں اسی کی تاکید کی جا رہی ہے کہ احکام بیان کرنیکے وقت لوگ خاموش سُنتے رہیں، یہ ممانعت بہت سی آسانیوں پر مبنی ہے، جن چیزوں کو مخفی رکھنا ہی اور انسان پر ان کی ذمہ داری نہ ڈالنا ہی شارع کے نزدیک مناسب ہو، ان پر کسی قسم کا سوال کرنا تباہی اور عتاب الٰہی کا پیش خیمہ ہے، بایں طور کہ فرائض و واجبات اگرچہ تمام کے تمام خداوند عالم کی خوشنودیوں اور برکتوں کے حصول کا ذریعہ ہیں لیکن ان امور میں جن کی ذمہ داری انسان اپنے مطالبہ اور سوال سے اپنے اوپر اوڑھ لے، اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ یہ ہے کہ ان کی بجا آوری میں کوتاہی سرزد ہو تو عذاب الٰہی آلیتا ہے اور کوئی چیز اس سے روک نہیں سکتی، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے متنبہ کر دیا کہ جو چیز خدا و رسول بیان نہ کریں اس کے متعلق ہرگز سوال نہ کرو، خدائے کارساز خود ہی مصلحت شناس اور ہر چیز کا سچا علم رکھتا ہے اس لئے یقین رکھو کہ جس چیز کو ہم بیان کرنے کے قابل نہ سمجھتے ہوں اس کے مخفی رکھنے ہی میں ہماری بہتری ہے۔ پس سوالات سے روکنے کی مصلحت جو سرتاسر رحمت ہے، یہی ہے کہ آسانیاں قائم رہیں عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا کے الفاظ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

قرآن نے انسان کو نرم اور شیریں گفتگو کرنے اور سخت کلامی ترک کرنے اور اس سے نفرت کرنے کی ترغیب اس طور پر دی ہے کہ بنی اسرائیل کا عہد و پیمان یاد دلایا ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا (بقرہ)

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے قول وقرار لیا کہ سوائے اللہ کے کسی کی عبادت نہ کرنا اور والدین اور قرابت مندوں، یتیموں اور غریبوں کے ساتھ اچھی طرح پیش آنا اور عام لوگوں سے خوش خلقی سے بات چیت کرنا۔

یہاں کئی اہم اصولوں پر زور دیا جا رہا ہے جن کو پورا کرنا ضروری ہے اور جن کی اہمیت کا حال یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو نہ صرف ان کا حکم دیا گیا بلکہ ان پر عہد بھی لیا گیا۔ اس حقیقت کو جان لینے کے بعد ان کے قابل تقلید ہونے کے بارہ میں کچھ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

سب سے پہلے اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ انسان عبادت اور پرستش اس اکیلے خدا کی کرے اور صرف اس ذات واحد کے سامنے اپنا سر جھکائے جو صرف اس کا ہی نہیں تمام کائنات کا خالق، تمام مخلوقات کا رازق، کونین کا مالک ہے اور جو ہر حالت میں ہر وقت اور ہر موقع پر نوازتا رہتا ہے، پھر عبادت اور خالص عبادت کا مستحق اس کے ماسوا کون ہو سکتا ہے؟ اس لئے انسان کا سب سے پہلا کام اس ذات پاک کی عبادت و بندگی اور شکر گزاری ہے جس نے بے حساب نعمتیں عطا کی ہیں۔

دوسرا اخلاقی فریضہ، جس کی ادائی پر بنی اسرائیل کو متوجہ کیا گیا، والدین کے حقوق کی پاسداری اور ان کے احترام و بزرگی کو برقرار رکھنا ہے، انسان کے لئے عقلاً اور واقعتہً ضروری ہے کہ اپنے والدین کا اچھی طرح خدمت گزار ہو، ان سے تواضع اور نرمی سے پیش آئے، ان کو جہاں تک ہو سکے آرام اور راحت پہنچائے، ان کے ہر حکم کی تعمیل کرے بشرطیکہ کوئی حکم حکم الٰہی سے نہ ٹکرائے، اور ان کی تمام ضروریات پوری کرے، اذیتوں سے بچائے اور ہر طرح خوش و مطمئن رکھنے کی کوشش کرے، خواہ عقیدہ کے اعتبار سے وہ کچھ ہی کیوں نہ ہوں۔

اس حکم کی اہمیت کا اندازہ کرنے کے لئے بس اتنا جان لینا کافی ہے کہ خداوند عالم کی عبادت و بندگی کے بعد انسان کی سب سے پہلی ذمہ داری والدین کا احترام، حسن سلوک اور ان کے حقوق ہیں، مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے حکم کے بعد والدین کی خدمتگزاری کا

حکم ہے، وجہ یہ ہے کہ تخلیق انسانی کے مادی اسباب یہی ماں باپ ہیں۔ قرآن نے بیشمار مواقع پر اس حقیقت کو اسی طرح پر بیان کیا ہے کہ عبادت الٰہی کے بعد والدین کی فرمانبرداری اور خدمت گزاری واجب ہے، چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے۔

اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ	یہ کہ میرا شکر اور اپنے والدین (کا حق) ادا کرو اور میری ہی طرف لوٹنا ہے۔

دوسری جگہ اس سے زیادہ صاف لفظوں میں ارشاد ہوتا ہے:۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا	تمھارے رب نے طے فرمایا کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو اور والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔

اللہ کی توحید و عبادت اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کے بعد تیسرا عہد بنی اسرائیل سے یہ لیا گیا تھا کہ اپنے عام قرابت داروں کے ساتھ ان کا رویہ نہایت بہتر رہے۔

بعد ازاں یتیموں کی ہمدردی، ان کے حقوق کا لحاظ رکھنا اور ان کی بے دریغ اعانت و حاجت روائی کرنا، انسان کے سب سے اہم فرائض میں ہے۔ جن بچوں کے سروں پر سے بچپن ہی میں باپ کا سایہ اٹھ گیا ہو، ان کی تربیت و تعلیم، ان کی ضروریات کی کفالت، انکی حمایت و ہمنوائی اور ہر طرح سے ان کو نفع پہنچانے کی تدبیر انسان پر لازم ہے۔ چنانچہ والدین اور اہل قرابت کے حقوق کی ادائگی کے بعد اس اہم فریضہ کا عہد لیا گیا تھا۔

اور پھر ان مسکینوں اور غریبوں کی دلجوئی اور دامے درمے ان کی اعانت بھی واجبات انسانی میں ہے جو اپنی ضروریات پوری کرنے کے سہارے اور معاشی بےفکری اور فارغ البالی سے محروم ہوں اس کی ذمہ داری اہل ثروت پر ہے کہ ایسے حاجت مندوں کی اعانت اور ان سے فیاضانہ سلوک کرنا اور اتنی نوازش کرنا ضروری ہے جو ان کو دریوزہ گری کی ذلت اور دست سوال پھیلانے کی مجبوری سے بے نیاز کر دے۔ چنانچہ بنی اسرائیل سے چوتھا عہد اسی بارہ میں لیا گیا تھا

سب سے آخر میں حسن خلق کے اس جامع پہلو پر زور دیا گیا ہے جس کے بغیر زندگی اخلاقی خوبیوں سے مزین نہیں ہو سکتی، اسی بناء پر آخر میں اس کی ترغیب دی گئی ہے کہ انسان کے اخلاق

عادات کا تکملہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک وہ خوش کلامی اور بات چیت کا انداز غایت درجہ نرم اور شگفتہ اختیار نہ کرے اور گفتار و کردار دونوں حالتوں میں نرم روی کی رعایت نہ کرے وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا" کے الفاظ یہی کہہ رہے ہیں کہ حسن کلام کا طریقہ یہ اختیار کرو کہ بات چیت میں خوش بیانی کے ساتھ ساتھ آواز میں بھی نرمی اور آہستگی اختیار کرو اور سخت آواز سے بولنا ترک کر دو اور گفتگو کے ہر اس انداز سے گریز کرو جو سننے والوں کے لئے باعث اذیت ہو لیکن آواز اتنی پست بھی نہ ہو کہ دہرائے بغیر سنی نہ جا سکے، بلکہ میانہ روی اختیار کرو جو دلخوشکن ہے اور نیکی اور بھلائی کی ترغیب اور برائیوں کی روک تھام کے لئے بھی گفتگو کا یہی طریقہ پسندیدہ اور کامیاب ہے۔

آہستہ اور پست آواز سے باتیں کرنے کے فوائد ایک دو نہیں بیش از بیش ہیں جن میں سے ہم ایک آدھ بیان کر چکے ہیں، اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ یکسوئی اور سکون حاصل ہوتا ہے اور ذہنی انتشار پیدا نہیں ہوتا، برخلاف اس کے بلند آواز پُرسکون فضا کو مکدر کر دیتی ہے اور مزید برآں ناگواری بھی ہوتی ہے۔

وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۝	اپنی آواز کو پست کرو سب سے بری آواز گدھے کی ہے۔

یہ حکم حضرت لقمان علیہ السلام کی ان حکیمانہ اور سبق آموز نصیحتوں میں سے ایک ہے، جن کو خاص اہمیت دی گئی ہے، قرآن حکیم نے اس کی ترغیب کتنے مؤثر اور دلنشین پیرایہ میں دی ہے کہ سخت آواز کی ناگواری کو گدھے کی آواز سے اور بلند آواز سے بولنے والے کو گدھے سے تشبیہ دے کر طبیعت میں ایک طرح کی نفرت پیدا کر دی ہے، کیونکہ گدھے کی آواز سے زیادہ ناگوار اور مکروہ آواز دوسری نہیں، جس کو ہر شخص اچھی طرح محسوس کرتا ہے اور جو حد درجہ قابل حذر ہے

غیبت کرنا زبان کا سب سے بڑا نقص اور عیب ہے۔ غیبت کی حقیقت کیا ہے؟ اسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں سنئے، آپ ایک سوال کے جواب میں اس کو اس طور پر بیان فرماتے ہیں:

ھی ذکرك اخاك بما یکرہ قیل افرأیت ان کان فی اخی ما اقول فقال صلی اللہ علیہ وسلم ان کان فیہ ما تقول فقد غبتہ وان لم یکن ما تقول فقد بھتہ

غیبت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کا ذکر اس طور پر کرو جو اس کو ناگوار ہو، پوچھا گیا، پھر اس کے لئے آپ کیا فرماتے ہیں کہ اگر اس میں وہ چیز موجود ہو جو میں کہوں (کیا وہ بھی غیبت ہے؟) فرمایا اگر وہ چیز جو تم کہو اس میں پائی جاتی ہو تو یہ تمہارا غیبت کرنا ہوا، اور اس میں وہ بات موجود نہ ہو تو یہ تمہارا اس پر بہتان ہے۔"

اب آئیے اس فعل کی شناعت کو قرآن کی روشنی میں دیکھئے ارشاد ہے :-

وَلَا یَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضًا اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْہِ مَیْتًا فَکَرِھْتُمُوْہُ وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ ۝

(الحجرات)

اور تم میں سے کوئی کسی کی پیٹھ پیچھے برائی نہ کرے، کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ وہ مردہ بھائی کا گوشت کھائے (یقیناً) تم اس کو گوارا نہ کرو گے (تو پھر غیبت کرنا کیسے پسند کرتے ہو) اللہ سے ڈرو، اللہ تو بہ قبول کرنیوالا مہربان ہے۔

آیت کا حرف حرف بول رہا ہے کہ سب سے ناپاک گفتگو اور زبان کا سب سے بڑا گناہ غیبت ہے، حتیٰ کہ یہ فعل اس درجہ مذموم ہے کہ اس کو مردہ انسان بلکہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے کے برابر قرار دیا گیا ہے، وجہ بالکل ظاہر ہے جس طرح مرے ہوئے آدمی کو کچھ خبر نہیں کہ اس کی بوٹیاں کہاں کہاں سے نوچی جارہی ہیں، اسی طرح سے وہ شخص بھی کچھ نہیں جانتا جس کے پیٹھ پیچھے اس کی عزت و ناموس کی تکا بوٹی کی جاتی ہو۔ مردار کھانے کے معاملہ ہی پر گفتگو کرنا ایک شرمناک فعل ہے اور مردار کھانا تو اس سے زیادہ شرمناک، جس کی ناگواری ہر پاکیزہ طبیعت محسوس کر سکتی ہے۔ غیبت کی حقیقت بھی اس سے کچھ کم نہیں، پھر تعجب ہے انسان غیبت کرنے سے کیوں نہیں بچتا، جب کہ یہ معلوم ہے کہ غیبت کرنا حقیقت میں کسی کی عزت پر اسکی لاعلمی میں حملہ آور ہونا ہے۔ اور اخلاق کا نہایت سنگین جرم ہے جس کو قدرت کبھی معاف نہیں کر سکتی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے اس کی سزا بھی بیان فرمادی ہے۔

یامعاشر من اٰمن بلسانہ ولم یدخل

اے وہ لوگو! جو زبان سے ایمان لائے اور قلب

الایمان قلبہ لا تغتابوا المسلمین ولا تتبعوا عوراتھم فان من اتبع عوراتھم یتبع اللہ عورتہ ومن یتبع اللہ عورتہ یفضحہ فی بیتہ

میں ایمان نہیں پہنچا، مسلمانوں کی غیبت نہ کرو اور نہ ان کی پردہ کی باتوں کے پیچھے پڑو کیونکہ جو شخص ان کی پردہ کی باتوں کے پیچھے پڑتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی پردہ کی بات کے پیچھے پڑ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ جس کے پیچھے پڑ جائے اُس کو اُس کے گھر میں رسوا کر کے چھوڑتا ہے۔

غور کر لیجئے کہ کتنی عادلانہ اور عبرت ناک سزا ہے اسی لئے متنبہ کر دیا گیا ہے کہ اس سے لوگ بچتے رہیں۔

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ "جب پُر آشوب زمانہ آجائے تو تم لوگوں کی بدگمانیوں سے خوب بچتے رہنا۔ پس انسانیت و اخلاق کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی شخص غیبت کرنے والے کی معذرت پر یقین نہ لائے اور اس کی اعانت نہ کرے، اگرچہ اسکی معذرت صداقت پر اور اس کی غیبت خلوص پر مبنی ہو کیونکہ یہ فعل اخلاق، غیرت، شرم و حیا ہر چیز سے گرا ہوا ہے۔ اس لئے کہ مخفی عیب کو کھولنا، پردہ اٹھا دینا، راز کو ظاہر کر دینا اور فعل ممنوع کا ارتکاب کرنا نتیجہ ہے اپنی ذمہ داری کی پاسداری اور احترام و وقار کی حفاظت سے بے پروائی کا جو رذیلوں ہی کا شیوہ ہو سکتا ہے۔ عربی کی ایک ضرب المثل ہے" اللئیم اذا غاب عاب واذا حضر اغتاب" (کمینہ وہ ہے جو پیچھے عیب جوئی کرتا ہے اور سامنے غیبت۔

اس تفصیل سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو چکی ہے کہ غیبت مردار کھانے سے بھی زیادہ مذموم، بدتر اور قابل نفرت فعل ہے، اسی لئے اللہ تعالےٰ نے اس کی اور اس کے مثل دوسری بدگوئیوں کی ممانعت فرما کر تقویٰ اور خوف الٰہی پیدا کرنے کی ہدایت کر دی ہے اور "وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ" کے الفاظ کے ذریعہ ترغیب دی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے تم کو جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے اور جن چیزوں کے کرنے سے روکا ہے ان کی بجا آوری میں اللہ تعالیٰ کا خوف کرتے رہو، اس کو حاضر و ناظر سمجھو اور فروگزاشتوں پر اسی کے سامنے اپنا سر جھکا کر توبہ کرو کہ وہ توبہ کی طرف توجہ کرے گا۔ غیبت سے توبہ کرنا یہ ہے کہ انسان غیبت کرنے کا قصد تک نہ کرے اور جس شخص کی جن

مواقع پر اور جن لوگوں سے غیبت کی ہو اس کی خوبیاں بیان کرے حتیٰ کہ اس کے قلب کی کدورت زائل ہو جائے۔

چغلیاں کرنا، لگانا، بجھانا اور ادھر کی ادھر کہنا، زبان کے بلاخیز طوفانوں میں سے ہے اس کو روکنے کے لئے قرآن نے ہدایت دی ہے:-

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۝ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ ۝ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ۝ (القلم)

اور آپ کسی ایسے شخص کی بات نہ مانیں جو زیادہ قسمیں کھاتا ہو، بے وقعت ہو، طعنہ دیتا ہو، چغلیاں کرتا ہو، بخل کرتا ہو، حد سے گزرنے والا اور گناہ کرنے والا ہو۔

ان سات قسم کے بداطوار و بدخصال لوگوں سے کنارہ کش رہنا اور ان کی باتوں پر عمل نہ کرنا واجبات اخلاق میں خاص اہمیت رکھتا ہے جن کی تفصیل قرآن نے پیش کر کے گوناگوں خطرات سے آگاہ کر دیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی بلاخیزی درج ذیل ہے۔

جو شخص زیادہ قسمیں کھاتا ہے، عام اس سے کہ حق یا ناحق کے لئے قسم کھائے۔ وہ کم و بیش جھوٹ اور مبالغہ سے کام لیتا ہے اور عموماً سچائی اور راست بازی سے بے پروا ہوتا ہے اور اپنے جھوٹ پر خدائے پاک کو شاہد بنانے میں ذرہ برابر خوف نہیں کرتا، پس ایسے افراد جو قسمیں کھانے میں بے باک اور خوف الٰہی سے بے پروا ہوتے ہیں دروغ بیانی کی ایسی عادت ڈال لیتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے تمام جرائم، تمام عیبوں اور ساری ہی اخلاقی خرابیوں کی جڑ قرار دیا ہے اسی لئے ایسے لوگوں سے کنارہ کش رہنا، ان کی صحبت سے بچنا اور میل ملاپ نہ رکھنا ازبس ضروری ہے۔

جو افراد ناقص الرائے اور بے وزن ہوں ان کے مشوروں پر جو ان کی دانست میں خیر خواہی پر مبنی ہوں عمل پیرا ہونا بسا اوقات تباہی کا پیش خیمہ ہوتا ہے اور بُرے راستہ پر لگاتا ہے پس ایسے لوگوں کے مشوروں کو وقعت دینا سراسر خلاف دانش ہے۔

جو لوگ عیب جوئی اور طعنہ زنی کے خوگر ہوں، ان کو ان کی بے اعتمادی کی وجہ سے قابل نذر بتایا گیا ہے ان پر کچھ بھروسہ نہیں کہ آج وہ جس کے خیر خواہ ہیں کچھ بعید نہیں کہ کل اسی کے درپے آزار ہو جائیں نیز ان کی باتوں پر اعتماد کرنا اور ان کی سننا ایک حیثیت سے خود بھی اس

بدخصالی میں شرکت کرنے اور اس فعل مذموم کے ارتکاب سے کچھ کم نہیں جو اخلاق کی ایک بڑی کمزوری اور طبیعت کا کمینہ پن ہے۔

لگانے بجھانے والے اور چغلیاں کرنے والے چاہتے ہیں کہ لوگوں میں پھوٹ ڈال دیں آپس میں نفرت وعداوت کی آگ بھڑکا دیں، دلوں میں کدورت پیدا کر دیں اور فتنہ وفساد کا بازار گرم کر دیں، پس ان سے بچنا واجب، ان کی باتوں پر اعتماد کرنا ممنوع اور ان کی صحبت سے دور رہنا اخلاقاً فرض ہے، اس لئے کہ ان کی صحبت دھوکے سے، ان کی اطاعت نقصان سے اور ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا خطرہ سے کسی حالت میں خالی نہیں۔

اور بخیل چونکہ خود اپنی اور اپنے متعلقین اور دوسرے حاجت مندوں کی حقیقی ضرورتیں بھی پوری کرنے سے دریغ کرتا ہے جس سے سنگدلی، بے مروتی اور خود غرضی جیسی رذیل عادتیں انسان میں پیدا ہوتی ہیں، بلکہ بخیلوں میں لازمی طور پر یہ صفتیں پائی جاتی ہیں، اس لئے ایسے لوگوں کی صحبت سے بچنا اور پناہ مانگتے رہنا ضروری ہے۔

اخلاق وعادات کی خوبیوں سے مزین ہونے کے لئے اور گفتگو کو پاکیزہ اور زبان کو مبرا رکھنے کے لئے سب سے آخری اور بنیادی اصول ہے جھوٹ اور غلط گوئی سے کلی طور پر اجتناب کرنا جو ام الجرائم اور تمام اخلاقی کوتاہیوں کی تمہید ہے۔ قرآن نے اس کی مضرتوں کو نہایت جامع الفاظ میں بیان کیا ہے۔

قُلْ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ (یونس)	اے نبی کہئے کہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ افترا پردازی کرتے ہیں وہ فلاح نہیں پائیں گے۔

یہ آیت کھلا ہوا اعلان ہے اس امر کا کہ دروغ کا انجام کار فلاح وبہبودی نہیں، ناکامی ومحرومی ہے کسی چیز کے مذموم ہونے کے لئے اتنا کافی ہے کہ اس کا نتیجہ نامرادی، عاقبت کی بربادی اور ذلت ہو، جھوٹوں کی ناکامی اور سزاؤں سے دوچار ہونے کی تفصیل دوسری بہت سی آیتوں میں بیان کی گئی ہے، لیکن اس جامع آیت کے بعد اور آیات کے پیش کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔

معارف الاحادیث

گزشتہ سے پیوستہ

(۱۴) عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لمعاذ بن جبل حین بعثہ الی الیمن انک ستاتی قوماً من اہل الکتاب فاذا جئتھم فادعھم الی ان یشھدوا ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ، فان ھم اطاعوا لک بذالک فاخبرھم ان اللہ قد فرض علیکم خمس صلوات فی کل یوم ولیلۃ فان ھم اطاعوا لک بذالک فاخبرھم ان اللہ قد فرض علیکم صدقۃ توخذ من اغنیائھم فترد علی فقرائھم، فان ھم اطاعوا لک بذالک فایاک وکرائم اموالھم واتق دعوۃ المظلوم فانہ لیس بینہ وبین اللہ حجاب“ (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معاذ بن جبل کو یمن کی طرف بھیجا تو (رخصت کرتے ہوئے) ان سے فرمایا تم وہاں اہل کتاب میں سے ایک قوم کے پاس پہونچو گے پس جب تم ان کے پاس جاؤ تو (سب سے پہلے) ان کو اس کی دعوت دینا کہ وہ شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ پس اگر وہ یہ شہادت ادا کر کے تمہاری اطاعت کریں تو پھر تم ان کو بتلانا کہ اللہ نے دن رات میں تم پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں، پھر جب وہ اس میں بھی تمہاری اطاعت کریں تو اس کے بعد تم ان کو بتلانا کہ اللہ نے تم پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو قوم کے مالداروں سے لی جائے گی اور اس کے فقراء ومساکین کو دے دی جائے گی، پھر اگر وہ تمہاری یہ بات بھی مان لیں تو پھر (زکوٰۃ میں چھانٹ چھانٹ کے) ان کے نفیس نفیس اموال نہ لینا اور مظلوم کی بددعا سے بہت بچنا، کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے“۔

تشریح:۔ امام بخاری وغیرہ بعض علماء کی تحقیق کے مطابق ۱۰ھ میں اور اکثر علماء سیر و اہل مغازی کے نزدیک ۹ھ ہجری میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تھا اور رخصت کرتے وقت، اہل یمن کو اسلام کی دعوت دینے کے متعلق آپ نے اُن کو یہ ہدایات دی تھیں ــــ بعض لوگوں کو اس حدیث کے متعلق یہ اشکال ہوا ہے کہ اس میں حضورؐ نے صرف نماز اور زکوٰۃ کا ذکر فرمایا۔ حالانکہ اس وقت روزہ اور حج بھی فرض ہو چکا تھا۔ شارحین نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق اس کی مختلف توجیہیں کی ہیں۔ راقم کے نزدیک ان میں سب سے زیادہ قرین قیاس توجیہہ یہ ہے کہ حضرت معاذ کو آپ نے جو ہدایت دی اس سے آپ کا مقصد اسلام کے ان تمام احکام و فرائض کو بتلانا نہ تھا جو اسلام لانے کے بعد ایک مسلمان پر عائد ہوتے ہیں بلکہ آپ کا مقصد و مطلب صرف یہ تھا کہ دین کی دعوت اور اسلام کی تعلیم میں داعی اور معلم کو جو ترتیب اور تدریج اختیار کرنی چاہیئے وہ حضرت معاذ کو بتلا دیں اور وہ یہ ہے کہ ایک دم سارے اسلامی احکام و مطالبات اور شریعت کے تمام اوامر و نواہی، لوگوں کے سامنے نہ رکھے جائیں، اس صورت میں اسلام کو قبول کرنا اُن کے لئے بڑا مشکل ہوگا، بلکہ سب سے پہلے ان کے سامنے توحید و رسالت کو پیش کیا جائے۔ جب وہ اس کو مان لیں، تو انہیں بتلایا جائے کہ اللہ تعالیٰ جو ہمارا اور تمہارا واحد رب اور لاشریک مالک و مولیٰ ہے اس نے ہم سب پر پانچ وقت کی نماز فرض کی ہے پھر جب اس میں وہ تمہاری اطاعت کرنے لگیں تو ان کو بتلایا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے مالوں میں زکوٰۃ بھی فرض کی ہے جو مالداروں سے وصول کی جائے گی اور قوم کے حاجت مند طبقہ میں تقسیم کر دی جائیگی ــــ بہرحال حضرت معاذ کو یہ ہدایت دینے سے حضورؐ کا مقصد دعوت و تعلیم میں ترتیب و تدریج کا حکیمانہ اصول ان کو بتلانا تھا، باقی اسلام کے ضروری احکام اور ارکان حضرت معاذ کو معلوم ہی تھے، اس لئے اس موقع پر سب کے بیان کرنے کی ضرورت نہ تھی ــــ آج بھی دین کے داعیوں اور معلموں کے لئے ضروری ہے کہ اس حکیمانہ ترتیب کو وہ بھی اپنا دستور العمل بنائیں۔

علاوہ ازیں اس میں بھی شبہ نہیں کہ اسلام کے ارکان و فرائض میں نماز اور زکوٰۃ ہی سب سے

زیادہ اہم ہیں اور قرآن مجید میں ان ہی دو پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے جس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جو شخص ان دو کو ادا کرنے لگے اس کے لئے باقی تمام ارکان و فرائض کا ادا کرنا آسان ہو جاتا ہے، جیسا کہ تجربہ اور مشاہدہ بھی ہے نفس انسانی کی تربیت میں ان دونوں کو بہت خاص دخل ہے ___ اور غالباً اسی واسطے کتاب و سنت میں بہت سے مقامات پر صرف ان ہی دو رکنوں کا ذکر کیا جاتا ہے.... مثلاً وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ حُنَفَآءَ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوا الزَّکٰوۃَ وَذٰلِکَ دِیْنُ الْقَیِّمَۃِ اور سورہ توبہ میں فرمایا گیا۔ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ ___ اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے" امرت ان اقاتل الناس حتی یشھدوا ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ ویقیموا الصلوٰۃ ویؤتوا الزکوٰۃ"۔ پس اس قسم کی آیات و احادیث میں ارکان اسلام میں سے صرف نماز اور زکوٰۃ ہی کے ذکر کی ایک توجیہ یہ بھی ہے، واللہ اعلم۔

اسلام کی دعوت و تعلیم کے متعلق یہ ہدایت دینے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو ایک نصیحت یہ فرمائی کہ جب زکوٰۃ کی وصولی کا وقت آئے تو ایسا نہ کیا جائے کہ لوگوں کے اموال (مثلاً پیداوار اور چوپایوں میں سے بہتر بہتر زکوٰۃ میں لینے کے لئے چھانٹ لئے جائیں بلکہ جیسا مال ہو اسی کے اوسط سے زکوٰۃ وصول کی جائے

سب سے آخری نصیحت آپ نے یہ فرمائی کہ دیکھو مظلوم کی بد دعا سے بچنا (مطلب یہ ہے کہ کبھی کسی پر ظلم اور زیادتی نہ کرنا) کیونکہ مظلوم کی دعا اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہے وہ قبول ہو کے رہتی ہے

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن
اجابت از در حق بہر استقبال می آید

بلکہ مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی مروی ہے

دعوۃ المظلوم مستجابۃ وان کان فاجرا ففجورہ علی نفسہ (فتح ج ۳ ص ۲۱۸)	مظلوم کی دعا قبول ہی ہوتی ہے اور اگرچہ وہ بدکار بھی ہو تو اس کی بدکاری کا وبال اسکی ذات پر ہے

(یعنی فسق و فجور کے باوجود ظالم کے حق میں اس کی بد دعا قبول ہوتی ہے)

اور مسند احمد ہی میں حضرت انس کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں:۔

دعوۃ المظلوم مستجابۃ وان کان کافراً لیس دونہ حجاب (عمدۃ)

مظلوم کی بد دعا قبول ہوتی ہے اگرچہ وہ کافر ہی کیوں ہو اس کے سامنے کوئی روک نہیں ہے۔

(ف) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانا اور آپ کی لائی ہوئی شریعت پر چلنا اہل کتاب کے لئے بھی ضروری ہے اور اپنے سابقہ ادیان پر قائم رہنا انکی نجات کیلئے کافی نہیں — آئندہ حدیث میں یہی مسئلہ اور زیادہ صراحت اور وضاحت سے بیان فرمایا گیا ہے

---

(۴۴) عن ابی ھریرۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال والذی نفس محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بیدہٖ لا یسمع بی احد من ھذہ الامۃ یھودی ولا نصرانی ثم یموت ولم یؤمن بالذی ارسلت بہ الا کان من اصحاب النار۔ (رواہ مسلم) **ترجمہ**:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے اس امت کا (یعنی اس دور کا) جو کوئی بھی یہودی یا نصرانی میری خبر سن لے (یعنی میری نبوت و رسالت کی دعوت اس کو پہنچ جائے) اور پھر وہ مجھ پر اور میرے لائے ہوئے دین پر ایمان لائے بغیر مر جائے تو ضرور وہ دوزخیوں میں ہوگا۔

ف:۔ اس حدیث میں یہودی اور نصرانی کا ذکر صرف تمثیل کے طور پر اور یہ ظاہر کرنے کے واسطے کیا گیا ہے کہ جب یہود و نصاریٰ جیسے اہل کتاب بھی خاتم الانبیاء پر ایمان لائے بغیر اور انکی شریعت کو قبول کئے بغیر نجات نہیں پا سکتے تو دوسرے کافروں مشرکوں کا انجام اسی سے سمجھ لیا جائے — بہرحال حدیث کا مضمون عام ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس دور محمدی میں (جو حضور صلعم کی بعثت سے شروع ہوا ہے اور قیامت تک جاری رہے گا) جس شخص کو آپ کی نبوت و رسالت کی دعوت پہونچ جائے اور وہ اس پر ایمان لائے بغیر مر جائے تو وہ دوزخ میں جائے گا اگرچہ وہ کسی سابق پیغمبر کے دین اور اس کی کتاب و شریعت کا ماننے والا کوئی یہودی یا نصرانی ہی کیوں نہ ہو۔ الغرض خاتم الانبیاء صلعم کی بعثت کے بعد آپ پر ایمان لائے اور آپ کی شریعت کو قبول کئے بغیر نجات ممکن نہیں۔ ہاں جس بیچارہ کو آپ کی نبوت کی اطلاع اور اسلام کی دعوت ہی نہ پہنچی ہو وہ معذور ہے — یہ مسئلہ دین اسلام کے قطعیات اور بدیہیات میں سے ہے جس میں شک و شبہ رسول اللہ صلعم کی نبوت و رسالت کی حیثیت کو نہ سمجھنے ہی سے ہو سکتا ہے

”کلمہ طیبہ“

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

کی ایمان افروز تشریح

اس مقالہ میں کلمہ طیبہ کے دونوں جز (توحید الٰہی اور رسالت محمدی) کی نہایت محققانہ اور وجد انگیز تشریح و توضیح کچھ ایسے انداز میں کی گئی ہے کہ مطالعہ کے وقت ایمان تازہ اور قلب نور یقین سے معمور ہو جاتا ہے اور بسا اوقات آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگتے ہیں۔ انشاء اللہ اس کو پڑھ کر اپنے ایمان و یقین میں آپ بھی کھلی ترقی محسوس کریں گے

قیمت ۵/

”نماز“

کی عظمت و اہمیت اور اس کی حقیقت

نماز کے موضوع پر کم از کم اردو زبان میں اپنی شان کی یہ پہلی تالیف ہے جس کے متعلق بجا طور پر امید کی جا سکتی ہے کہ جو مسلمان اپنی غفلت اور بدبختی سے نماز نہیں پڑھتے ہیں وہ اگر اس کا مطالعہ کریں تو انشاء اللہ نماز پڑھنے لگیں گے اور جن کی نمازیں بے روح اور رسمی ہیں وہ اگر کبھی کبھی اس رسالہ کو پڑھتے رہا کریں تو انشاء اللہ اپنی نمازوں کی کیفیت میں حیرت انگیز ترقی محسوس کریں گے۔ قیمت ۱۲/

میری زندگی کے تجربے

مدیر الفرقان مولانا محمد منظور نعمانی کی یہ دلچسپ نہایت سبق آموز مختصر آپ بیتی ہے جس میں بچپن اور ابتدائی تعلیم سے لے کر اپنی عمر کے چالیس سال پورے ہونے تک کے اپنے نہایت کارآمد علمی و دینی نفسیاتی اور اخلاقی تجربے لکھے ہیں۔ آخر میں قرآن و حدیث کی سو دعاؤں والا مجموعہ بھی شامل ہے۔ قیمت ۶/

تدوین اصول فقہ

(از قاضی عبد الرحمٰن ایم اے عثمانیہ)

فن اصول فقہ کی تاریخ اور اس کے ممتاز مصنفین اور ان کی تصانیف پر تبصرہ اس کتاب کا موضوع ہے عجیب و غریب فاضلانہ تصنیف ہے۔ قیمت

الدین القیم

(مصنفہ)

(مولانا سید مناظر احسن گیلانی)

دین کے مہمات اور ان مشکل مسائل پر جنہیں آج نافہمی سے مشکل سمجھا جاتا ہے حضرت مصنف نے ایسے اچھوتے فلسفیانہ انداز میں روشنی ڈالی ہے کہ خود منکروں اور مشکل کہنے والوں ہی کی عقلوں پر ہنسی آنے لگتی ہے۔ ظاہری لحاظ سے کتاب اگرچہ بہت بڑی نہیں ہے۔ لیکن ملاحظہ فرمانے کے بعد آپ اندازہ فرمائیں گے کہ مصنف نے اس چھوٹے سے کوزہ میں کتنے وسیع سمندروں کو بند کرنے کی کوشش کی ہے اور عقائد کے ساتھ تصوف کے بھی کتنے اہم اور دقیق مسائل کو اس کتاب میں حل کر دیا گیا ہے

کاغذ عمدہ قیمت ۔۔ کاغذ معمولی ۔۔

النبی الخاتم

(مصنفہ)

(مولانا سید مناظر احسن گیلانی)

اس عدیم النظیر کتاب میں سیرت نبوی کے متعلق تقریباً ساڑھے چار سو عنوانات کے ماتحت بحث کی گئی ہے جن میں سے بیس سے زائد عنوانات کا تعلق ان جدید نظریات سے ہے جن کی طرف سیرت کے باب میں اس سے پہلے غالباً کسی مؤلف سیرت نے توجہ نہیں کی۔ اس کتاب کو دیکھ کر ہر صاحب عقل و بصیرت انسان اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک اور مقدس زندگی ہی آپ کی صداقت کی روشن ترین دلیل ہے جس کے بعد کسی دلیل و برہان کی قطعاً حاجت نہیں۔ قیمت مجلد ۔۔

ملنے کا پتہ: مکتبہ الفرقان بریلی

دینی انقلاب کا راستہ بتانے والی چند کتابیں

نصرت دین و اصلاح مسلمین کی ایک کوشش

(از جناب مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدیر الفرقان بریلی)

حضرت محمد الیاسؒ کی تبلیغی و اصلاحی تحریک کے مقاصد اور طریقہ کار کی توضیح میں یہ سب سے زیادہ مفصل اور جامع رسالہ ہے۔ اس میں تفصیل سے بتلایا گیا ہے کہ عہد نبوی سے اب تک امت میں کیا کیا اہم تغیرات ہوئے ہیں اور مولانا مرحوم کی شروع کردہ اس دعوت دینی کا اصل منشا یہ ہے کہ ان تغیرات کی اصلاح کر کے امت کے بگڑے اور بھٹکے ہوئے قافلہ کو پھر اس حالت پر پہنچایا جائے جس حالت میں کہ سالار قافلہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحرائے عرب سے اس کو رخصت کیا تھا۔ اس دینی دعوت کے اہم پہلوؤں اور اس کی خصوصیات کو سمجھنے کے لئے اس رسالہ کا مطالعہ نہایت مفید اور ضروری ہے۔ قیمت (۸/)

ایک اہم دینی دعوت

(از جناب مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی)

اسی دینی دعوت کی توضیح میں یہ نہایت جامع اور مفید مقالہ ہے۔ بانی تحریک کے خیالات و عزائم کی اس میں نہایت اعلیٰ اور کامیاب ترجمانی کی گئی ہے۔ جا بجا حضرت مرحوم کے ملفوظات و مکتوبات کے اقتباسات بھی درج ہیں۔ اس دینی دعوت کی روح کو سمجھنے کے لئے مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کی کتاب نصرت دین کے مطالعہ کے بعد اس مقالہ کو بھی ضرور پڑھنا چاہیئے۔ قیمت چھ آنے (۶/)

حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ

اور

اُن کی دینی دعوت

(از سید مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

یہ کتاب داعی الی اللہ حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات ہے جس میں آپ کے بچپن سے وفات تک کے خاص حالات، خاندان، ماحول، نشوونما تعلیم و تربیت، سلوک و تزکیہ، تکمیل باطن اور خصوصی صفات و امتیازات کے علاوہ آپ کی دینی دعوت اور اصلاحی تحریک کو بھی تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اور بلاشبہ عصر حاضر کی سب سے بڑی اور سب سے گہری دینی تحریک ہے اور جو اس چودھویں صدی میں دینی انقلاب کا ایک قابل عمل لائحہ پیش کرتی ہے۔

جدید ایڈیشن جس میں بہت کافی اضافہ کیا گیا ہے ضخامت تقریباً ساڑھے تین سو صفحات۔ قیمت عہ

(زیر طبع)

تحریک ایمان

نظم

از جناب سید عبدالرب صاحب صوفی ایم اے

ترجمان حقیقت علامہ اقبال مرحوم کے طرز پر حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی دینی دعوت اور تبلیغی و اصلاحی تحریک کی منظوم تشریح اور علماء امت و صلحائے ملت کو بالخصوص عمل اور احیاء دین کے لئے جد و جہد کی پرسوز دعوت۔ قیمت تین آنے ۳/

دعوت احیاء دین

یا

دینی انقلاب کی ایک جد و جہد

(از مولانا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان)

اس میں بتایا گیا ہے کہ موجودہ مسلمان قوم ضروری درجہ کے دینی اوصاف سے بھی کس قدر محروم ہو گئی ہے اور اس کی اصلاح اور دین کے احیاء کے لئے کیا طریقہ کار صحیح ہے۔ مختصر ہونے کے باوجود نہایت بصیرت افروز مقالہ ہے۔

جدید ایڈیشن تقطیع خورد۔ قیمت پانچ آنے ۵/

ملنے کا پتہ: مکتبۃ الفرقان بریلی

ملنے کا پتہ:- کتب خانہ "الفرقان" گوئن روڈ لکھنؤ

هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ

جلد ۱۴ نمبر (۷) ماہ رجب سنہ ۱۳۶۶ھ

تبلیغی ماہنامہ

الفرقان لکھنؤ

مدیر مسئول

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

یاد رکھئے! "الفرقان" اور "کتبخانہ الفرقان" بریلی سے لکھنؤ منتقل ہو گئے ہیں لہٰذا جملہ خط و کتابت اور فرمائشات وغیرہ کیلئے ذیل کا پتہ یاد رکھئے!

دفتر "الفرقان" گوئن روڈ لکھنؤ (یو-پی)

چندہ سالانہ چار روپیہ نمونہ کا پرچہ چھ آنہ

جلد (۱۴) | بابت ماہ رجب المرجب ۱۳۶۶ھ | نمبر (۷)

بعض حضرات کی خدمت میں:۔ یہ پرچہ دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں بھی بھیجا جائے گا اُن سے گذارش ہے کہ براہِ کرم کم از کم اس کے ابتدائی دو تین مضمون ضرور ملاحظہ فرمالیں۔

(محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے نامی پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان گوئن روڈ لکھنؤ سے شائع کیا)

اہم گزارشات

(ناظم دفتر الفرقان لکھنؤ)

(۱) دفتر الفرقان کو لکھنؤ منتقل ہوئے ڈیڑھ دو مہینے سے زیادہ گزر گئے اور ہمیں افسوس ہے کہ الفرقان کی اشاعت کو وقت پر لانے کیلئے ہمارا جو منصوبہ تھا ہم ابتک اُسمیں کامیاب نہ ہوسکے۔ جسکی خاص وجہ یہ ہے کہ نئی جگہ کے نئے انتظامات کی تکمیل میں اندازہ سے زیادہ دیر لگ گئی بلکہ بعض انتظامات تو ابتک نامکمل ہیں ۔ ورنہ ہمارا ارادہ تھا کہ دو ڈھائی مہینے میں ہم لگاتار چار پانچ پرچے نکال دیں یعنی ہر پندرہ روز میں ایک ماہ کا رسالہ شائع ہوجایا کرے۔

اب یہ رجب کا پرچہ ہے جو انشاء اللہ رمضان مبارک کے آخر میں ناظرین کرام تک پہنچ سکے گا۔ شعبان و رمضان کے پرچہ کی کتابت قریبًا مکمل ہے اور اُمید ہے کہ انشاء اللہ وسط شوال میں وہ شائع ہوجائے گا۔ پھر شوال کا رسالہ یا تو آخر شوال ہی میں ورنہ انشاء اللہ اوائل ذیقعدہ میں خدا نے چاہا تو نکل جائے گا۔

---

(۲) رسالہ اس وقت بمجبوری اخباری کاغذ پر شائع کیا جارہا ہے حالانکہ اس کاغذ کے مقررہ نرخ اور سفید اچھے کاغذ کے مقررہ نرخ میں کوئی خاص اور معتد بہ فرق نہیں ہے۔ ہم اس کی پوری کوشش میں ہیں کہ ہماری ضرورت کے بقدر سفید کاغذ کا کوٹہ منظور ہوجائے تو "الفرقان" اُسی پر شائع ہوا کرے۔

---

(۳) رسالہ کا دیر سے شائع کرنا تو بیشک ہمارا قصور ہے جس کا ہمنے ہمیشہ اعتراف کیا ہے۔

لیکن رسالہ کی روانگی ہم اپنی حدتک پوری احتیاط سے کرتے ہیں۔ اس کے باوجود جن صاحب کو رسالہ نہیں پہنچتا ان کو سمجھنا چاہیئے کہ اس میں زیادہ تر قصور ڈاک خانہ کے عملہ کا ہوتا ہے۔ تاہم رسالہ کے بروقت شائع نہ کرسکنے کی وجہ سے ہم نے یہ اصول مقرر کر رکھا ہے کہ جب بھی کوئی صاحب رسالہ نہ پہنچنے کی شکایت لکھتے ہیں ہم دوبارہ ان کو وہ رسالہ بلا قیمت ہی بھیجدیتے ہیں، اگر دفتر میں وہ رسالہ ہی ختم ہوجائے تو مجبور رہتے ہیں۔

---

(۴) بعض حضرات کو جب ختم مدت خریداری کی اطلاع دی جاتی ہے یا اطلاع کے بعد وی، پی کیا جاتا ہے تو وہ شکایت فرماتے ہیں کہ انھیں قبل از وقت اطلاع دیدی گئی یا وقت سے پہلے وی، پی کردیا گیا۔ اُن حضرات سے گزارش ہے کہ وہ ادائیگی چندہ کی تاریخ کے علاوہ اس پر بھی غور فرمایا کریں کہ ان کے پاس سب سے پہلا رسالہ کس مہینے کا پہنچا تھا، اور اُن کو بارہ مہینے کے رسالے بھی مل چکے ہیں یا نہیں —— نیز بہت سے خریدار حضرات وہ بھی ہیں جن کا چندہ گزشتہ سال کے دوران میں بحساب تین روپئے وصول ہوا تھا، لیکن اس سال کے شروع سے جب چندہ چار روپئے کیا گیا تو اسی کے حساب سے انکی مدت خریداری میں بھی کمی کردی گئی۔

بہرحال ان سب چیزوں پر غور فرمانے کے بعد بھی اگر ہمارے حساب میں غلطی معلوم ہو تو ضرور مطلع فرمایا جائے یہ آپ کا ہم پر احسان ہوگا۔ ہم اپنے حساب پر نظر ثانی کرکے آپ کے شکریہ کے ساتھ اس کی اصلاح اپنا فرض سمجھیں گے۔ والسلام

آپ کا خادم

ناظم دفتر الفرقان لکھنؤ

۱۹ رمضان ۱۳۶۶ھ

نوٹ:- خط و کتابت اور ترسیل زر کے وقت اپنا نمبر خریداری ضرور لکھئے، ورنہ عدم تعمیل کی شکایت بیجا ہوگی۔ ۱۲

نگاہِ اوّلیں

"الفرقان" کا دورِ جدید

مقصد اور دعوت

الفرقان کا دورِ اوّلیں اب سے ساڑھے تیرہ سال پہلے محرم ۱۳۵۳ھ میں "الفرقان" جاری ہوا تھا، اس وقت اپنے سامنے مسلمانوں کی اصلاح اور خدمتِ دین کا ایک مخصوص اور محدود دائرہ تھا، یعنی مسلمانوں کے بعض خاص طبقوں کی اعتقادی اور عملی غلطیوں پر سنجیدہ بحث وتحیص اور مدلل تنقید، اور دین کے بارہ میں اُن کے افراط وتفریط کی تغلیط وتردید کرتے ہوئے صراطِ مستقیم کی طرف دعوت، الغرض اُس ابتدائی دور میں یہی الفرقان کا خاص موضوع تھا۔

چند سال تک الفرقان اسی خصوصیت کے ساتھ جاری رہا اور تحدیثاً بالنعمۃ کہا جا سکتا ہے کہ اُس زمانہ میں جن خاص مسائل پر الفرقان میں بحث کی گئی، غالباً اب آئندہ ان پر کسی مزید غور وبحث کی ضرورت نہ ہوگی اور الفرقان میں جو کچھ لکھا جا چکا ہے وہی انشاء اللہ ان مسائل ومباحث میں "حرفِ آخر" رہے گا۔

نقطۂ نظر میں تبدیلی اور الفرقان کی موجودہ دعوت لیکن اپنے تجربات میں اور اُمت کے حالات سے واقفیت میں جیسے جیسے اضافہ ہوتا گیا یہ حقیقت منکشف ہوتی رہی کہ موجودہ مسلمان قوم کا بہت بڑا حصہ اور اس کا غالب تر عنصر اصل دین ہی سے اس قدر دُور اور اتنا بیگانہ ہو چکا ہے کہ اسلام کے نام اور جاہلی قسم کی ایک قومی عصبیت کے سوا اُس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے، اُس کو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ ہمارے مسلمان ہونے کا

مطلب کیا ہے اور اسلام ہم سے کیا چاہتا ہے ——— اسی کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کا ایک خاص کرم یہ ہوا کہ سیاسی ترقیات اور اقتصادی تحریکات کے پہلو بہ پہلو مادیت اور لادینی کے جو رجحانات نہایت تیزی سے ہمارے ملک میں اور خصوصاً ہماری قوم میں آرہے ہیں، اُن کو اور اُنکی تیز رفتاری کو اور دین وایمان کے خلاف پڑنے والے اُن کے اثرات ونتائج کو بہت پہلے سے سمجھنے کی اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق دی ——— انہی چیزوں کا یہ اثر ہوا کہ شروع میں مسلمانوں کی اصلاح کا جو محدود تصور تھا اور خدمتِ دین کے بارہ میں جو ایک مخصوص زاویۂ نظر اور ایک خاص ذوق تھا وہ آپسے آپ بدلنے لگا اور اُس کے بجائے حکمتِ نبویؐ کے اصول پر دعوت وتبلیغ کے ذریعہ عام مسلمانوں میں پہلے صحیح دینی شعور اور حقیقی ایمان کو عام کرنے اور عبدیت واطاعت والی اسلامی زندگی کے بنیادی اصول کو ان میں رواج دینے کی اور اس کے لئے جدوجہد کرنے کی ضرورت کا احساس دل ودماغ پر غالب آتا گیا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کا پورا پورا الیقین نصیب فرمادیا کہ اس وقت دین کی اہم ترین اور بنیادی خدمت یہی ہے، اسی راہ سے مسلمانوں کی اصلاح اور نئے پرانے تمام فتنوں سے اُن کے دین وایمان کی حفاظت ہوسکتی ہے اور اسی بنیاد کے استحکام پر ہمارے تمام تکمیلی کام اور ہماری تمام ترقی اور فلاح موقوف ہے اور اس کے بغیر صلاح وفلاح کے تمام دروازے گویا اُمتِ محمدیہ پر بند ہیں۔

اپنے نقطۂ نظر کی اس تبدیلی کے ساتھ ساتھ اور اسی رفتار سے الفرقان کی روش بھی بدلتی گئی اور ناظرین کرام کو بھی اندازہ ہوگا کہ ادھر چند برسوں سے اب اس کی اصل دعوت وپکار صرف یہی رہ گئی ہے ——— کہ

یاایھا الذین آمنوا آمنوا	اے مسلمانو سچے مومن بن جاؤ۔

اور ———

یاایھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ ولا تتبعوا خطوات الشیطان انہ لکم عدو مبین ۰	اے مسلمانو! پورے پورے اسلام میں آجاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو، یقیناً وہ تمہارا بڑا کھلا ہوا دشمن ہے۔

اور ———

جاھدوا فی اللہ حق جھادہ	دین کیلئے کوشش کرو راہ خدا میں جیسا کہ اس کا حق ہے۔

اور واقعہ یہ ہے کہ اگر اس مقصد اور اس دعوت کا تقاضا "الفرقان" جاری رکھنے کیلئے نہ ہوتا، یا دعوت و تبلیغ کا جو کام خاص اسی سلسلہ میں الفرقان کے ذریعہ ہو رہا ہے اگر اس کے لئے کوئی دوسرا راستہ نکل آتا تو غالباً میں اس کو بھی اب سے بہت پہلے بند کر چکا ہوتا — اِدھر چند سالوں سے الفرقان کا نظام جس قدر ابتر اور میرے قابو سے باہر ہو رہا ہے اور اُس سے میں جس قدر عاجز اور تنگ آچکا ہوں، اور کتابت و طباعت وغیرہ کی اُجرتوں میں دن بدن کی ہوش رُبا گرانی کی وجہ سے خصوصاً امسال اُس کے مصارف میں جو ناقابل برداشت اضافہ ہوگیا ہے اور اُس کی وجہ سے میں جس قدر زیر بار ہوتا چلا جا رہا ہوں، اِن سب باتوں کا تقاضا یہی تھا کہ اس کو بند ہی کر دیا جاتا، یا حالات کی سازگاری تک کیلئے اس کی اشاعت کو ملتوی کر دیا جاتا۔ لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا کہ دین کی جس دعوت و خدمت کو مقصد حیات اور زندگی کی غایت قرار دے لیا گیا ہے چونکہ اس کے لئے بھی الفرقان کا جاری رہنا ضروری ہے، اور عام تحریری دعوت کا اپنے ہاتھ میں صرف وہی ایک ذریعہ ہے اس لئے مذکورۂ بالا مشکلات اور پریشانیوں کے باوجود اس کو جاری ہی رکھنے کا فیصلہ ہے۔

الفرقان کے قیام و بقا میں آپ حضرات کا حصہ

ہاں بڑی ناسپاسی اور ناشکری ہوگی اگر اسی موقع پر میں یہ بھی ظاہر نہ کر دوں کہ اِن نامساعد حالات اور سخت ترین مالی و انتظامی مشکلات کے باوجود الفرقان کے اب تک جاری رہنے اور آئندہ بھی اس کو جاری رکھنے کے اس عزم کا ایک ظاہری سبب اُن اخوان دینی کا اخلاص اور الفرقان کے اُن محترم ناظرین کی قدردانی بھی ہے جو برسوں سے الفرقان کی اشاعتی بدنظمی کے باوجود اُس کے خریدار اور محب ہیں اور وقت پر نہ پہنچنے کی ہمیشہ ہی تکلیف اُٹھانے کے باوجود اُس سے اپنا تعلق منقطع نہیں کرتے، اس زمانہ میں کسی خالص دینی رسالہ کے اگر دو چار خریدار بھی ایسے قدردان اور صاحب وفا ہوں تو بڑے قابل قدر اور بڑے مبارک ہیں اور الحمد للہ کہ حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے **الفرقان** اور اس عاجز مدیر الفرقان کے ایسے قدردان اور صاحب اخلاص و وفا محب چند سو ہیں۔ بہرحال مجھے اعتراف ہے کہ **الفرقان** کے قیام و بقا میں اِن حضرات کے اس مخلصانہ اور پائیدار اشتراک عمل کو بھی کسی قدر دخل ضرور رہا۔ اللہ تعالیٰ ان مخلصین کو اُن کے اس خالص دینی تعلق اور للّہی محبت کی بہتر سے بہتر جزا دے اور مجھے اُنکی قدرشناسی اور حقوق محبت کی ادائیگی کی توفیق بخشے۔

تاہم یہ حقیقت اپنی جگہ پر ہے کہ دل کو افسردہ اور دماغ کو پریشان کر دینے والی چند در چند اُن مالی اور انتظامی مشکلات کے باوجود جن کی طرف اوپر کی سطروں میں میں نے کچھ اشارہ کیا ہے۔ الفرقان کے جاری رہنے اور جاری رکھنے کی اصل وجہ اور حقیقی سبب دین کی اُس دعوت اور اصلاح اُمت کی اُس کوشش کا اقتضا ہی ہے جس کے بارہ میں مجھے اور میرے اُن بزرگوں اور رفیقوں کو، جن کے پیچھے یا جنکے ساتھ چلنے کا مجھے شرف حاصل ہے، کامل یقین ہے کہ اِس وقت وہی دین کا سب سے اہم اور بنیادی کام ہے ــــــ بالخصوص ہندوستان کے تازہ ترین سیاسی فیصلہ کے بعد اُس کی اہمیت و ضرورت اور بھی زیادہ بڑھ گئی ہے۔

کاش اللہ تعالیٰ اس کی قدرت دیتا کہ اپنے دل کے اس یقین کو ہم کسی طرح آپ کے سینوں کی طرف بھی منتقل کر سکتے کہ اللہ و رسولؐ سے وفادارانہ تعلق اور دین حق کی خدمت کا شوق و جذبہ رکھنے والوں کیلئے جدوجہد اور اپنا عہد پورا کرنے کی یہ خاص گھڑی ہے۔ ملک کی دو بڑی قوموں یا کہنا چاہئے کہ دو بڑی سیاسی پارٹیوں کے سیاسی اختلافات اور ان کی باہمی جنگ کی ایک خاص رفتار نے اور اس سے پیدا ہونے والے نتائج نے اِسوقت ہمارے لئے ایک ایسی صورت حال پیدا کر دی ہے اور ایک ایسی فضا بنا دی ہے کہ اگر اللہ و رسولؐ پر حقیقی ایمان اور دین سے سچّا تعلق رکھنے والے اللہ کے بندے، وقت کی اہمیت کو پہچان کے اُٹھ کھڑے ہوں اور جان توڑ کوشش کر کے اس وقت عام مسلمانوں میں صحیح دینی شعور اور ایمانی جذبہ کو بیدار کر سکیں اور دین کی عمومی دعوت اور ٹھوس اصلاحی کوششوں کے ذریعہ مسلمانوں میں اللہ و رسولؐ کے ساتھ صحیح ایمانی تعلق اور دین کے کم از کم اصولی تقاضوں سے واقفیت کو عام کر سکیں اور کسی درجہ میں بھی اصل اسلامی زندگی کی ایک عام فضا پیدا کر سکیں تو انشاء اللہ العزیز مجوزہ "پاکستان" مستقبل قریب ہی میں صحیح معنی کر ایک "اسلامی حکومت" بن سکتا ہے اور مجوزہ "ہندوستان" کے مسلمان "ہندوستان" ہی میں رہتے ہوئے بھی عزّت و وقار کی زندگی حاصل کر سکتے ہیں اور پہلے ہی مرحلہ میں "ہندوستان" اُن کے لئے انشاء اللہ ایک اچھا دارالامن بن سکتا ہے ــــــ بہرحال مسلمانوں میں اصلاحی کوشش کرنے اور ان میں دینی علم و عمل اور صحیح قسم کے دینی جذبات کو عام کرنے کی جدوجہد کا یہ خاص الخاص وقت ہے اور انشاء اللہ

ان حالات میں تھوڑے وقت کی کوششوں سے وہ نتائج نکل سکتے ہیں جو عام حالات میں قرنوں اور صدیوں کی کوششوں سے بھی نکلنے مشکل ہوتے ہیں ——— العجل، العجل! الساعۃ الساعۃ!! الوحاء الوحاء۔

گوئے توفیق وسعادت درمیاں افگندہ اند
کس بمیداں درنمے آید سواراں راچہ شد

اور جس طرح اس وقت کی جاں توڑ دینی اور اصلاحی کوششوں سے ان نتائج کا پیدا ہونا انشاء اللہ یقینی ہے اسی طرح یہ بھی یقینی ہے کہ اگر ہم نے اس خاص وقت کی قدر نہ کی اور اس کو بھی غفلت میں گنوا دیا اور عام مسلمانوں میں دینی اصلاح، دینی بیداری اور دینی زندگی کو عام کرنے کی پوری جدوجہد ہم نے نہ کی اور جمہور مسلمان دین اور دینی تقاضوں سے اسی طرح بیگانہ رہے جیسے کہ وہ آج ہیں تو پھر یہ بھی بالکل یقینی اور حتمی ہے کہ "پاکستان" میں تو متجددین کے ہاتھوں اسلام کا وہ حشر ہوگا، جو ٹرکی میں ہو چکا ہے کہ اگرچہ وہاں ایک "مسلمان قوم" حکمراں ہے، مگر **اسلام** اتنا مظلوم ہے کہ بعض ممالک کی خالص کفر کی حکومتوں میں بھی غالباً وہ اتنا مظلوم نہیں ہے۔

اور دوسری طرف ہندوستان کے "مسلمانوں" کو یا تو اپنی بچی کھچی قومی خصوصیات سے دستبردار ہو کے "ہندی قومیت" کے دریا میں قطرے بن کے گم ہو جانا پڑے گا، یا اسلامی نظام اور اسلامی نظریۂ حیات کے اس وقت کے سب سے بڑے حریف نظام اجتماع و تمدن یعنے کمیونزم یا سوشلزم کو اپنا دین بنانا پڑے گا ——— اور اگر انھوں نے اپنی موجودہ روش ہی پر قائم رہنے پر اصرار کیا اور "ہندی قومیت" کے دریا میں گم ہونے اور کمیونزم کے سیلاب کے ساتھ بہنے کے لئے وہ آمادہ نہ ہوئے (اور انھوں نے اپنے آپ کو سچا مسلمان بھی نہ بنایا) تو پھر ان کا انجام اس ملک میں وہی ہوگا جو کبھی سسلی اور اندلس میں ہو چکا ہے۔

میں کوئی کشف وکرامت والا آدمی نہیں ہوں، بلکہ مستقبل کے متعلق اوپر کی سطروں میں جو امیدیں اور جو خطرے میں نے ظاہر کئے ہیں، میرے نزدیک وہ بالکل ایسی ہی صاف سیدھی بات ہے جیسے کہ صبح صادق

کے آثار دیکھ کر کوئی آنکھوں والا یہ کہے کہ اب عنقریب صبح ہونے والی ہے اور سورج نکلنے والا ہے، یا کسی دریا کا بند کھل جانے کی اطلاع پاکر کوئی شخص لوگوں کو یہ بتلائے کہ سیلاب آنے والا ہے۔

بہرحال جو کچھ اوپر عرض کیا گیا ہے وہ نہ تو الہام ہے اور نہ وساوس ہیں بلکہ اس ملک کے مسلمانوں کی موجودہ حالت اور اس وقت کی سیاسی تبدیلیوں کی معلوم رفتار کا بالکل منطقی اور بدیہی نتیجہ ہے۔

پھر چونکہ ہم لوگوں کے نزدیک یہ نتائج بالکل یقینی اور یہ حقیقتیں فلق صبح کی طرح روشن اور غیر مشکوک ہیں، اس لئے اس وقت ہمارے دلوں کا شدید داعیہ اور ہمارے سروں کا سودا یہی ہے کہ کسی طرح اس ملک کے ہر ایک خدا پرست اور دیندار مسلمان کے دل میں اس وقت یہ یقین اور اس فریضہ کا احساس اس درجہ پیدا ہو جائے کہ اس کو اس مقصد کے واسطے جدوجہد کے لئے بےچین کر دے۔

کاش اللہ تعالیٰ ہم ضعفا کو ایسے وسائل نصیب فرماتا کہ اللہ و رسولؐ سے صحیح ایمانی تعلق اور دین کا درد رکھنے والے ایک ایک مسلمان تک ہم اپنی آواز پہنچا سکتے، اور اس محاذ پر جدوجہد کیلئے ان کو پکار سکتے ——— یا حسرتا!۔

اپنی بےبسی اور ناتوانی کو دیکھ دیکھ کے زبان پر بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ دعائیہ کلمات آتے ہیں۔ اللھم الیک اشکو ضعف قوتی وقلۃ حیلتی۔ الخ۔

الفرقان کی دعوت کا محدود دائرہ

ہم ضعیفوں ناتوانوں کو اللہ تعالیٰ نے اس مقصد کی دعوت و تبلیغ کے بہت ہی محدود اور کمزور دو ذریعے دے رکھے ہیں، ایک اپنی اپنی زبانیں ہیں جن کے ذریعہ ہم صرف اپنے اُن مخاطبین تک اپنی آواز پہنچا سکتے ہیں جن کے پاس چل کر ہم خود جائیں یا ہماری دعوت پر وہ کسی مجلس اور اجتماع میں تشریف لے آئیں۔ دوسرا ذریعہ یہ **الفرقان** ہے، جس کی تبلیغ کا دائرہ بہ نسبت زبان کے ضرور کچھ وسیع ہے۔ لیکن ضرورت کے لحاظ سے وہ بھی کتنا ناکافی ہے اس کا اندازہ بس اس سے کیا جاسکتا ہو کہ اس وقت اُس کی اشاعت ایک ہزار سے کچھ زیادہ ہے (جن میں نوسو سے کچھ اوپر خریدار ہیں) اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ ہر پرچہ کو اوسطاً دو چار آدمی دیکھ لیتے ہوں گے تو اس کا نتیجہ بس اتنا ہی تو ہوگا کہ الفرقان کے ذریعہ اس ملک کے مختلف حصوں میں دو چار ہزار مسلمانوں تک اپنی آواز اور اپنی

دعوت پہنچائی جاسکتی ہے ——— پورے ہندوستان میں قریباً دس کروڑ مسلمان ہیں اور اُن میں دیندار اور دین کا درد رکھنے والے اگر صرف ایک فی صدی بھی فرض کئے جائیں تو سمجھئے کہ اُن کی تعداد بھی دس لاکھ ہوتی ہے۔ اب آپ خود ہی سوچئے کہ دین کی جو دعوت دس کروڑ یا کم از کم دس لاکھ مسلمانوں تک پہنچنی چاہئے، اگر صرف دو چار ہزار مسلمانوں تک ہی وہ پہنچ رہی ہے تو کام کس طرح چل سکتا ہے۔

اب وقت نہیں کہ کام کی اس سست رفتاری پر قناعت جائز ہو ——— لہذا آج میں الفرقان کے ذریعہ اُس کے تمام ناظرین اور رفقاء کار اور احباب مخلصین کی خدمت میں دین کی اس دعوت و تبلیغ کی مقدار اور قوت کو فوراً بڑھا دینے کیلئے چند تجویزیں پیش کرتا ہوں۔

(۱) دین کی دعوت و تبلیغ اور مسلمانوں کی اصلاح کے سلسلہ میں جو کوشش اور جتنی دوڑ دھوپ اور چلت پھرت اب تک آپ کرتے رہے ہیں فوراً اس کی مقدار کم از کم دوگنی کر دیجئے اور اسی تناسب سے تبلیغ کی قوت کو بھی بڑھائیے اور اس مقصد یعنی مسلمانوں کی اصلاح اور دین کے فروغ کیلئے جتنی دعائیں اور جس قدر التجائیں اب تک آپ اللہ تعالیٰ سے کیا کرتے تھے اُن میں بھی اسی قدر اضافہ کیجئے ——— بہرحال جد وجہد اور دعا والتجا دونوں کی مقدار کم از کم پہلے کے مقابلہ میں دوگنی ضرور کر دیجئے!۔

(۲) دعوت کی قوت اور صلاحیت پیدا کرنے اور بڑھانے کیلئے خود اپنی تربیت اور اصول دعوت کو سیکھنے کی طرف بھی خاص توجہ کیجئے اور اس کیلئے مستقل وقت نکالئے۔ دنیا کا کوئی معمولی کام بھی بغیر سیکھے نہیں آتا، دین کی دعوت و تبلیغ کے اصول اور اس کا سلیقہ بھی سیکھنے ہی سے آتا ہے۔

(۳) اگر بالفرض آپ اب تک اس سلسلہ میں کوئی عملی حصہ نہیں لے رہے تھے تو خدا کیلئے اب کمر ہمت کس کے کھڑے ہو جائیے۔ اس وقت اللہ کی رضا دوسرے تمام اچھے کاموں سے زیادہ اس مقصد کیلئے جد وجہد میں ہے، دین کا مستقبل ہمارے اس ملک میں بظاہر حالات اب اس کوشش ہی سے وابستہ ہے، اگر ہم نے اس وقت اس جد وجہد کا حق ادا کیا اور اللہ نے مدد فرمائی تو نتیجہ انشاء اللہ وہ ہوگا جس کو ہم اور آپ دیکھیں گے اور اگر وقت کے اس خاص تقاضے کو ہم نے نہ سمجھا اور غفلت میں

یہ آخری وقت بھی گزار دیا تو (خدا نہ کرے) اس ملک میں (پاکستان اور ہندوستان دونوں میں) دین کا اور ہمارے دینی مرکزوں (دینی مدارس اور خانقاہوں) کا وہی حشر ہوگا جو ترکی یا سمرقند و بخارا میں ہو چکا ہے

"الفرقان" کے حلقۂ دعوت کو وسیع کرنے کیلئے بھی اِس وقت پوری کوشش کیجئے!

(۴) جیسا کہ عرض کیا گیا اس دینی دعوت کو وسیع کرنے اور دیندار مسلمانوں کو اس فریضہ کی طرف توجہ دلانے کا ایک ذریعہ الفرقان بھی ہے ـــــــ ابتک اس سلسلہ میں ایک بڑی مشکل یہ تھی کہ گورنمنٹ کی طرف سے اس کے واسطے کاغذ کی جو مقدار مقرر کی گئی تھی اُس میں صرف ہزار گیارہ سو کی تعداد ہی میں رسالہ چھپ سکتا تھا، اسی لئے ناظرین کو یاد ہوگا کہ گذشتہ سال ایک دفعہ الفرقان میں یہ اعلان بھی کرنا پڑا تھا کہ اب ہم نئے خریداروں کو الفرقان جاری نہیں کر سکتے ـ لیکن چند مہینے ہوئے کہ گورنمنٹ نے اخباری کاغذ سے کنٹرول اُٹھالیا ہے اور اب ہمارے لئے آزادی اور گنجائش ہے کہ رسالہ اخباری کاغذ پر جس تعداد میں چاہیں چھاپ سکتے ہیں۔

لہٰذا آج میں الفرقان کے اُن ناظرین اور اپنے اُن تمام احباب مخلصین سے جو اس وقت کی خاص نزاکت اور ہماری دینی جدوجہد کی خاص اہمیت اور ضرورت کو سمجھتے ہیں ایک اپیل یہ بھی کرتا ہوں کہ وہ اس دینی دعوت کے حلقہ کو وسیع کرنے اور زیادہ سے زیادہ مسلمانوں تک اس پیغام کو پہنچانے اور اس جدوجہد میں انھیں شریک کرنے ہی کی نیت سے الفرقان کی توسیع اشاعت کیلئے بھی اس وقت خاص کوشش کریں، ایسے صاحبِ استطاعت مسلمانوں کو جو سال میں چار روپیہ ادا کر سکتے ہوں اس کی خریداری کی ترغیب دیں اور جو صاحبِ استطاعت نہ ہوں یا الفرقان جاری کرانا نہ چاہتے ہوں انھیں مطالعہ کیلئے اپنا پرچہ عاریتہً دیدیا کریں، اس کے علاوہ اُس کے خاص خاص تبلیغی مضامین، مسجدوں اور مجلسوں میں پڑھ پڑھ کر سنایا کریں اور مضامین سنانے کے بعد لوگوں کو اس سلسلہ میں عملی کام کیلئے آمادہ کرنے کی کوشش کیا کریں کہ اصل مقصود اس سارے سلسلہ کا یہی ہے اور اس کے بغیر صرف مضمونوں سے لطف لینا ایک غیر ایمانی خصلت ہے۔

اگر اس وقت کی آپ حضرات کی کوششوں سے الفرقان کی اشاعت صرف دو ہزار بھی ہو جائے اور ہر ایک منگوانے والے دوست دو چار پڑھے لکھے دیندار مسلمانوں کو اپنا پرچہ دیکھنے کے واسطے دیدیا کریں اور خدا توفیق دے تو مساجد و مجالس میں اس کے مضامین سنانے کا سلسلہ بھی شروع ہو جائے تو صرف الفرقان کے ذریعہ ہر مہینہ ہزاروں ہزار مسلمانوں تک دین کی یہ دعوت پہنچ سکتی ہے اور پھر اس دعوت و تبلیغ سے متاثر ہو کر اگر صرف ہزار دو ہزار نئے آدمی بھی ہر مہینہ دین کی اس جد و جہد میں عملی حصہ لینے لگیں اور خود داعی اور مبلغ بن جائیں، اور اب تک جو اللہ کے بندے اس میں حصہ لے رہے ہیں وہ اپنی کوششوں کو میری گذارش کے مطابق اس وقت دو چند کر دیں تو انشاء اللہ چند مہینے میں لکھوکھا مسلمانوں کو اس کام پر لگایا جا سکتا ہے ——— یہ کوئی خواب و خیال نہیں ہے بلکہ کام کرنے والے جب ایسے کام کیا کرتے ہیں تو ایسے ہی نتائج نکلا کرتے ہیں اور دیئے سے دیا جلتا چلا جایا کرتا ہے۔

الفرقان کی ملکیت کا تعلق چونکہ اس وقت تک میری ذات سے ہے اور آج مجھے "دعوت و تبلیغ" کی ضرورت سے اس کی توسیع اشاعت کی اپیل آپ حضرات سے کرنی پڑی ہے اس لئے یہاں ایک خاص بات کو صفائی سے عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اس وقت تو کتابت و طباعت وغیرہ کی اجرتوں میں بہت ہی زیادہ اضافے ہو جانے کی وجہ سے سالانہ چندہ چار روپئے کر دینے کے باوجود الفرقان بہت زیادہ خسارے کے ساتھ چل رہا ہے، اور اس لئے وہ کافی مقروض بھی ہے، لیکن اگر آپ حضرات کی کوششوں سے اس کی اشاعت میں اس وقت کچھ زیادہ اضافہ ہو جائے تو بہت ممکن بلکہ اغلب ہے کہ آمد و خرچ برابر ہونے کے علاوہ اسکے منافع سے کچھ روپیہ فاضل بھی بچنے لگے گا جس کے متعلق یہ طے کر لیا گیا ہے کہ انشاء اللہ وہ سب ایک خاص اصول کے ماتحت اس دعوت و تبلیغ ہی کی راہ میں صرف ہوا کرے گا۔

الفرقان کے دورِ جدید میں نظم و اشاعت کے متعلق ہماری توقع

اب تک کے ساڑھے تیرہ سال تو لسٹم پسٹم کسی طرح گذر گئے ——— اور اگرچہ الفرقان کی اشاعت کو پابند وقت کرنے کی کوششیں بارہا کی گئیں اور کبھی کبھی امید بھی بندھ بندھ گئی، مگر بہت کم ایسا ہوا کہ یہ کوششیں بار آور اور یہ امیدیں پوری ہوئی ہوں، اب اس سلسلہ کی

شاید آخری کوشش دفتر الفرقان کا بریلی سے لکھنؤ آجانا ہے، یہاں چند ایسے مخلص احباب بھی ہیں جن سے قلمی اعانت کی توقعات ہیں جو انشاء اللہ پوری ہوں گی اور کتابت و طباعت کی مشکلات بھی بہ نسبت بریلی کے کسی درجہ میں ضرور کم ہیں، اس لئے ہماری یہ توقع غالباً غلط نہ ہوگی کہ انشاء اللہ دو تین مہینے کے بعد سے "الفرقان" ماہ بماہ بہ پابندی وقت شائع ہونے لگے گا ـــــ اگرچہ اس سلسلہ میں اپنی ناکامی اور بے بسی کا جو مسلسل تجربہ ہوتا رہا ہے اُس کا خیال کرتے ہوئے اس توقع کے اظہار سے بھی اب ڈر لگتا ہے۔ اللھم انت المستعان و علیک التکلان

ہمارے مسائل اور ہماری مشکلات کا واحد حل
اور ہماری طاقت کا اصلی سرچشمہ

(از جناب مولانا محمد ناظم صاحب ندوی استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مسلمانوں کی غالب اکثریت کے نقطۂ نظر سے اُن کی قومی جد وجہد کا ایک دور کامیابی کے ساتھ ختم ہوگیا اور اس کے نتیجہ میں پاکستان قائم ہوگیا ـــــ ہماری قوم کا بڑا طبقہ خوش ہے کہ شمال مغربی اور شرقی گوشوں میں مسلمانوں کی خود مختار ریاستیں قائم ہوگئیں اور اس طرح ان کی وہ دیرینہ تمنا جو سات آٹھ سال سے دلوں میں پرورش پارہی تھی پوری ہوگئی ـــ اس نتیجہ پر خوش ہونے والے اس جم غفیر ہی میں ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو پاکستانی علاقوں کے مسلمانوں کے مستقل اقتدار سے جتنا خوش ہے اتنا ہی باقی ہندستان کے مسلمانوں کے غیر محفوظ مستقبل سے متفکر اور پریشان بھی ہے۔

ان کے علاوہ ایک چھوٹا سا گروہ مسلمانوں میں وہ بھی پایا جاتا ہے جس کو تقسیم ہند کے اس فیصلہ سے مسرت بالکل نہیں ہوئی ہے بلکہ اس کی فکر و تشویش میں کچھ اضافہ ہی ہوا ہے، اس کا خیال ہے کہ اس تقسیم نے ہندوستان و پاکستان کے مسلمانوں کی راہ ایک دوسرے سے جدا کردی ـــــ اور پنجاب و بنگال کی تقسیم نے کمزور پاکستان کو اور کمزور کر دینے کے علاوہ، مزید ایک کروڑ سے زیادہ مسلمانوں کا سیاسی مستقبل اس ہندستان سے وابستہ کردیا جہاں پہلے ہی سے مسلمانوں کی بڑی تعداد زبردست ہندو اکثریت کے سیاسی و معاشی غلبہ سے فکرمند تھی اور جنھیں ہموطنوں کے عدل و انصاف اور رواداری پر اعتماد نہ تھا اور اسی بے اطمینانی اور بے اعتمادی کا نتیجہ مطالبۂ پاکستان کی شکل میں ظاہر ہوا تھا ـــــ اس کے علاوہ اس گروہ کو یہ بھی اندیشہ ہے کہ موجودہ پاکستان اپنے وسائل کی کمی اور کمزوری کی وجہ سے دوسری بڑی طاقتوں کا محتاج و دست نگر رہے گا، اور

بیرونی طاقتوں کو زیادہ سے زیادہ مراعات حاصل کرنے کے مواقع ملیں گے ــــ نیز اس گروہ کا خیال ہے کہ پاکستان جغرافی اور جنگی نقطۂ نظر سے اگرچہ غیر معمولی اہم ہوگا کہ ہندوستان کے شمالی اور مشرقی فاتحین کی شاہراہ کا یہی پاسباں اور نگراں ہوگا، لیکن اقتصادی لحاظ سے ایک عرصہ تک بہت کمزور رہے گا، لوہا اور دوسری اہم دھاتیں جن کے بغیر اس زمانہ میں کوئی حکومت مضبوط نہیں ہوسکتی، پاکستان میں بہت کم ہیں بلکہ نہ ہونے کے برابر ہیں اس لئے وہ سامان جنگ باہر سے خریدنے پر مجبور ہوگا، وہاں کے باشندے ہندوستان کے مقابلہ میں زیادہ خوشحال بھی نہ ہوں گے، نیز بنگال کی تقسیم سے پاکستان بہت سے کارخانوں، ملوں کانوں اور ایک بہترین بندرگاہ اور بہت بڑی تجارت کی منڈی (کلکتہ) سے محروم ہوگیا ہے جس کی وجہ سے مشرقی پاکستان کی خوشحالی کو سخت صدمہ پہنچے گا ــــ اور سب سے بڑی فکر و تشویش کی بات یہ ہے کہ اس تقسیم کے بعد غیر پاکستانی علاقوں کے قریباً پانچ کرور مسلمان خالص ہندو اقتدار کے تحت آجائیں گے اور ان کی مشکلات پہلے سے بہت زیادہ بڑھ جائیں گی ــــ بہرحال مسلمانوں کے ایک بہت چھوٹے سے گروہ کے خیالات یہ بھی ہیں اور تقسیم ہند سے اس کو یہ سب خطرے اور اندیشے ہیں۔

ممکن ہے کہ ان میں سے بعض اندیشے زیادہ وزن دار اور زیادہ اہم نہ ہوں لیکن کوئی معقولیت پسند اور صاحب بصیرت اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ ان میں سے بیشتر اندیشے ناقابل انکار حقیقتیں ہیں ــــ بلکہ ہم کو تو اس میں بھی شبہ نہیں کہ اگر بالفرض پنجاب و بنگال کے حصے بخرے نہ بھی ہوئے ہوتے اور یہ دونوں خوشحال صوبے پورے کے پورے پاکستان ہی میں رہتے اور فرض کر لیجئے کہ ان کے علاوہ پورا آسام بھی اس میں شامل ہوتا تب بھی ہمارے نزدیک مسلمانوں کے لئے خاص کر اقلیتی علاقوں کے مسلمانوں کے لئے اس قسم کے بہت سے مشکلات اور خطرات باقی رہتے۔

علیٰ ہذا ہمیں اس میں بھی شک نہیں ہے کہ ہندوستان کے سیاسی نزاع کا فیصلہ اگر ان قوم پرور مسلمانوں کی آرزوؤں کے مطابق بھی ہوتا جو چاہتے تھے کہ ہندوستان غیر منقسم ہی رہے مگر ہر صوبہ کو اپنے اندرونی نظم و نسق میں کامل آزادی حاصل ہو اور مرکز کے پاس صرف محدود

مصرحہ اختیارات ہوں اور ہندوؤں اور مسلمانوں کی نمائندگی مرکز میں مساوی یعنی ۴۵۔
۴۵ فی صدی ہو۔ بہرحال ہمیں یقین ہے کہ اگر ہندوستان کے سیاسی نزاع کا فیصلہ اس شکل
میں بھی ہو تا تب بھی مسلمانوں کے لئے اس قسم کے خدشے اور خطرے ضرور باقی رہتے۔

اس حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے مسائل اور ان کی ضرورتیں دنیا کی دوسری قوموں
سے بالکل ممتاز اور بہت مختلف ہیں اس لئے وہ ان تدابیر اور ان فیصلوں سے پوری طرح
حل نہیں ہو سکتیں، جن سے دیگر اقوام عالم کی ضروریات و مشکلات حل ہو جاتی ہیں، ہماری
طاقت کا سرچشمہ ناخدا شناس قومی زندگی سے نہیں پھوٹتا ہے اور نہ حقوق و تحفظات کی
نہ ختم ہونے والی جنگ ہمارے دین و مذہب، ہماری تہذیب اور ہمارے خصائص ملی
کی حفاظت کر سکتی ہے۔ ہمیں یقین ہے اور اسلام کی تیرہ سو سالہ تاریخ ہمارے اس یقین پر
گواہ ہے کہ ہماری اصلی طاقت جس کو دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی مادی طاقت بھی شکست نہیں
دے سکتی، ایمان و یقین کی طاقت اور اسلامی زندگی کی طاقت ہے "اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَ
مَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" سے پیدا شدہ طاقت کو کوئی خطرہ نہیں اور صرف یہی
طاقت ہمارے تمام مسائل و مشکلات کو صحیح طور پر حل کر سکتی ہے۔ اس طاقت کے مقابلہ میں
جو آئے گا اس کی شکست یقینی ہے۔

افسوس! مسلمانوں نے اپنا اصل موقف بھلا دیا، عالم میں ان کی کیا حیثیت اور کیا ڈیوٹی
ہے، یہ ان کی نظروں سے اوجھل ہے، اُمت دعوت اور پیغام الٰہی کی امین و علمبردار جماعت ہو کر
بھی وہ دنیا کی دوسری خدا ناشناس قوموں کی طرح ہی اپنے مسائل و مقاصد کو سوچتے ہیں
اور ان ہی کی سراسر مادی میزان میں اپنے آپ کو تولتے ہیں، اسی کا یہ نتیجہ ہے اور بالکل قدرتی
نتیجہ ہے کہ وہ تمام خطرات ان کی قومی زندگی کو پیش آرہے ہیں جو دنیا کی ناخدا شناس اقلیتوں کو
پیش آتے ہیں، خصوصاً ایسے ماحول میں جہاں ان کے مادی وسائل ہر اعتبار سے کم ہیں اور
ان کی تعداد بھی بہت کم ہے اور پھر اکثریت نہایت تنگ حوصلہ اور تنگ ظرف ہے اور باہم

نفرت و عناد کی آگ بھی مشتعل ہے۔

ہم پورے یقین و اذعان کے ساتھ کہتے ہیں کہ اگر ہمارا طریق فکر یہی رہا اور ان احوال میں گرفتار ہونے والی دنیا کی دوسری قوموں کی طرح اُن ہی کی لائنوں پر قیامت تک بھی ہم سر توڑ جد وجہد کرتے رہے تب بھی ہمارے یہ مسائل اطمینانی طریقہ پر حل نہ ہو سکیں گے بلکہ ہر فیصلہ اور ہر تبدیلی کے ساتھ ہمارے لئے نئی نئی مشکلات پیدا ہوتی رہیں گی۔

ہمارے لئے ایک اور صرف ایک ہی راہ ہے اور وہ یہ کہ قومی مفاد کے جاہلی تصور کو خیرباد کہہ کر اور مادہ پرستانہ قومی تنازع کے میدان سے ہٹ کر ہم دعوت دین کے اپنے اُس اصلی موقف پر آئیں جہاں ہم کو ہمارے ہادئ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑا کر گئے تھے پھر اپنی ذات یا اپنے خاندان یا اپنی قوم نے مادی منافع کے بجائے اعلاء کلمۃ اللہ اور اقامت دین اور تمام بنی آدم کی ہدایت و رہنمائی اور خیر خواہی اور خیر اندیشی ہمارا نصب العین ہو، اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور اپنی نجات ہمارا اصل مقصد ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ کا اسوۂ حسنہ ہماری عملی شاہراہ ہو۔

دراصل امت محمدیہ کی تخلیق اسی مقصد کے لئے ہوئی ہے اور اللہ کی خاص مدد اور اُس کی نگاہ کرم اسی شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ امت اس فریضہ کو ادا کرے اور اس شرط کو پورا کرے ـــــ اللہ تعالیٰ خود ضامن ہے کہ مسلمان جب کبھی اپنی اس تخلیقی غرض وغایت کے لئے جد وجہد کریں گے اور اس راہ میں اگر وہ بفرض درست موت کے سمندر میں بھی کود یں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو زندگی اور کامیابی بخشے گا اور یہ داد غیب سے ان کی مشکلات کو حل اور ان کی ضروریات کو پوری کریگا۔

آج کی مادہ پرستانہ فضا اور اسباب پرستی کے موجودہ ماحول میں یہ صدا بہت سوں کو نامانوس اور "غریب" معلوم ہوگی لیکن حق یہی ہے۔

وَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ فَاَنّٰی تُصْرَفُوْنَ ۝

مسلمانوں میں اصلاح و تبلیغ کا کام

(اور)

حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کا طریق کار

ہندوستان کے جدید سیاسی فیصلہ کے بعد سے دین دار اور دین کا فکر رکھنے والے مسلمانوں کے عام حلقوں میں بڑی شدت اور قوت کے ساتھ یہ احساس پیدا ہو رہا ہے کہ دین سے ناواقف اور مذہب سے غافل قسم کے مسلمانوں کی دینی اصلاح کے کام کی طرف خاص توجہ دی جائے اور اس کے لئے زیادہ سے زیادہ جد و جہد کی جائے ___ پاکستانی علاقوں میں تو اس کام کی ضرورت، خاص طور سے اس لئے محسوس کی جا رہی ہے کہ اگر وہاں کے عام مسلمانوں میں دینی بیداری اور اسلامی تقاضوں سے صحیح واقفیت وسیع پیمانہ پر نہ پیدا کی گئی اور اسلامی اصولوں کے مطابق وہاں کی رائے عامہ کی اصلاح و تربیت نہ کی جا سکی تو خطرہ ہے ...... کہ وہاں کی حکومت مسلمانوں کے ہاتھ میں ہونے کے باوجود اپنے نظام و قانون کے لحاظ سے "غیر اسلامی" بلکہ لادینی رہے اور خدانخواستہ اسلام "اپنی اس حکومت" میں بھی ویسا ہی مظلوم و محکوم اور اسی کس مپرسی کی حالت میں رہے جیسا کہ وہ نا مسلمانوں کی حکومت میں رہا۔ یہ ایک بدیہی بات ہے کہ اسلامی حکومت جب ہی قائم ہو سکتی ہے کہ رائے عامہ پوری سلوک کا ہو۔

اور باقی ہندوستانی علاقوں کے مسلمانوں میں اس کام کی ضرورت خاص کر اس وقت اس لئے محسوس کی جا رہی ہے کہ اگر ان میں دین سے صحیح تعلق و واقفیت اور مضبوط اسلامی سیرت عام طور سے پیدا نہ کی گئی اور حقیقی اسلام سے اُن کی بیشتر آبادی کی جہالت و غفلت اور دین سے ان کی بے تعلقی ویسی ہی رہی جیسی کہ اب ہے تو اس کا قوی خطرہ ہے کہ مستقبل کے بدلے ہوئے حالات میں دنیوی مفاد اور حقیر مادی مقاصد کی خاطر یا کسی وقت خطرناک حالات سے

دوچار ہو کر خدانخواستہ کہیں وہ اپنی اُس برائے نام اسلامیت کو بھی ختم نہ کر دیں جس کو اب تک وہ محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔

بہر حال یہی وہ حالات اور خطرات ہیں جن کے پیش نظر عام دینی حلقوں میں اس وقت "مسلمانوں میں اصلاح و تبلیغ" کے کام کی ضرورت کا احساس شدت سے پیدا ہو رہا ہے اور بہت سے وہ ادارے اور وہ حلقے بھی جو ابھی تک اس کام کی طرف زیادہ متوجہ نہ تھے اب متوجہ ہو رہے ہیں، تجاویز سوچی جا رہی ہیں اور خاکے بن رہے ہیں۔

اس ضرورت کا احساس کرنے والے اور اس مقصد کے لئے تجاویز اور طریق کار سوچنے والے ان حضرات میں بعض تو وہ ہیں جن کے سامنے تبلیغ کے وہی معروف عام ڈھنگ اور وہی متعارف طریقے ہیں جو مدت دراز سے رائج ہیں، کہ مبلغین مقرر کئے جائیں جو شہروں شہروں، دیہاتوں دیہاتوں دورے کریں، وعظ کہیں، تبلیغ کریں اور ناواقف مسلمانوں کو دین کے احکام و مسائل بتلائیں ——— اس کے علاوہ اسلامی مکاتب اور دینی تعلیم کے مدرسے کثرت سے کھولے جائیں، اور ہو سکے تو کاروباری اور مزدور پیشہ لوگوں کی تعلیم کے لئے شبینہ مکاتب بھی قائم کئے جائیں، نیز مذہبی رسالے اور کتابیں شائع کی جائیں۔

دوسرے بعض حضرات وہ ہیں جو نئی دنیا اور اس کی نئی ترقیوں اور جدتوں سے واقف ہیں اور اُن کے سامنے کسی ازم اور کسی مسلک کو پھیلانے اور کسی قوم اور کسی گروہ میں کوئی تبدیلی پیدا کرنے کے وہ نئے ڈھنگ اور تحریکوں کے پروپیگنڈے کے وہ جدید طریقے بھی ہیں جو زمانۂ حال کی مادّی اور لادینی تحریکات کو پھیلانے میں بہت کارگر ثابت ہوئے ہیں یہ حضرات مسلمانوں میں دینی اصلاح و تبلیغ کے اس کام کے لئے بھی ان ہی جدید طریقوں کو زیادہ مفید اور کارگر سمجھتے ہیں

اسلام کا درد اور دین کی خدمت کا جذبہ رکھنے والے یہ دونوں طبقے ہی انشاء اللہ اپنے اپنے عمل اور اخلاص کے مطابق عنداللہ اجر کے مستحق ہوں گے ——— لیکن جی

چاہتا ہے کہ خلوص کے ساتھ ان حضرات کی خدمت میں ایک مشورہ عرض کیا جائے

حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی اصلاحی دعوت

ان سطور کے پڑھنے والے حضرات میں غالباً کوئی ایک صاحب بھی ایسے نہ ہوں گے جو حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت سے ناواقف ہوں، مولانا مرحوم نے اپنی عمر کا وہ سارا حصہ جس میں انسان کی خداداد صلاحیتیں اور قوتیں پختہ ہو کر کسی بڑے کام کے قابل ہوتی ہیں (۳۵-۴۰ سال سے لیکر ۶۰ سال تک) صرف اس کام پر صرف کیا، پھر اس کام سے ان کو صرف اس طرح کی دلچسپی ہی نہ تھی جو کسی صاحب تحریک کو قدرتی طور پر اپنی تحریک سے ہوتی ہے بلکہ جن لوگوں کو ان سے قریب رہنے کا اور ان کی جلوت وخلوت سے واقف ہونے کا موقع ملا وہ جانتے ہیں کہ ان کو اس کام سے حقیقی عشق تھا، یہی ان کے دل کا درد اور یہی ان کے سر کا سودا تھا، اپنی قوت استطاعت کی آخری حد تک اس کام میں کوشش کرنا وہ اپنے لئے فرض عین جانتے تھے، اپنی ذات کے بارہ میں ان کا فیصلہ تھا کہ صحت اور زندگی کے خیال سے بھی اس دعوت اور اس جد وجہد میں کچھ کمی کر دینا یا سستی کرنا میرے لئے جائز نہیں ہے۔ وہ تنہائیوں میں بیٹھ بیٹھ کے اس کام کی راہیں اور اس کے نشیب وفراز سوچتے تھے اور اسلام کی پچھلی تاریخ اور اپنے تجربوں سے نتائج اخذ کر کے طریق کار میں وہ تبدیلی وترمیم بھی کرتے تھے اور جب کام میں کوئی نقص اور رخنہ محسوس ہوتا یا راستہ نہ کھلتا بڑے ابتہال اور اضطراب کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے رہنمائی اور اصلاح حال کے لئے دعائیں بھی فرماتے تھے، بلکہ ایسے مرحلے بھی آئے کہ آپ کی فکر وتدبیر عاجز ہو گئی اور تجربات نے مایوس کیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف تبتل اور انقطاع کی راہ اختیار کر لی اور طویل طویل اعتکاف کئے اور شب وروز حق تعالیٰ سے رہنمائی اور دستگیری کی فریادیں کیں استخارے کئے اور پھر غور وفکر کے بعد جو طریق کار سمجھ میں آیا اس کو اختیار کیا۔

بہر حال یہ واقعہ ہے کہ یہ کام جس قدر غیر معمولی استقلال وانہماک سے اور جتنی یکسوئی کے ساتھ مولانا مرحوم نے کیا اور ۲۰-۲۵ سال کی طویل مدت میں تجربوں کی جتنی منزلوں سے وہ گزرے جہاں تک ہمیں علم ہے یہ اس دور میں ان کا خاص حصہ تھا۔ ہمارا یہ دعویٰ نہیں کہ مولانا مرحوم اس زمانہ کے سب سے بڑے عالم عارف سب سے بڑے شیخ ومصلح تھے یا دین کے فہم وتفکر میں وہ تمام

اہل زمانہ پر فائق تھے۔ لیکن اُن سے اور ان کے اس کام سے واقفیت کے بعد ہمیں اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ دین کے اس خاص شعبہ (یعنی اصلاح مسلمین اور تجدید و احیاء دین) کے متعلق اللہ تعالیٰ نے جو کام ان سے لیا اور ان کی بصیرت پر اس کام کے جو دقیق اصول منکشف فرمائے اُن میں وہ بالکل متفرد تھے۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر مولانا مرحوم کی اس دعوت کو اجتماعی دینی کاموں کا اچھا سلیقہ رکھنے والے اہل علم و بصیرت حضرات کی ایک معتد بہ تعداد اپنا لیتی اور اپنی خداداد صلاحیتوں کو وہ اس پر لگا دیتی تو زمانہ کے بڑے بڑے زعیم اور مفکر حیران رہ جاتے کہ ایک حجرہ نشین مولوی بھی ایک پوری امت کی اصلاح اور اس میں مکمل تبدیلی پیدا کرنے کی ایک ایسی ممکن العمل اسکیم سوچ سکتا اور ایسا لائحہ پیش کر سکتا ہے جو تحریکات کے آج کل کے مروجہ طور طریقوں سے بالکل الگ ہو۔

لیکن ہمیں بڑے رنج و قلق کے ساتھ اپنی اس ناکامی کا اعتراف ہے کہ اب تک بھی اس دعوت اور اس تحریک کو ایسے حضرات کی کسی قابل ذکر تعداد کا تعاون حاصل نہ ہو سکا بلکہ ایسے حضرات نے ابھی تک اس کو سمجھنے کی بھی کوشش نہیں کی، جس طرح کے عام افراد اب تک اس کام میں لگے ہیں بس ان ہی کے درجہ اور ان ہی کی سطح کا کام ہو رہا ہے[1] اور اس لئے عام نظروں کو اس میں کوئی غیر معمولی پن محسوس نہیں ہوتا، بلکہ بہت سے حضرات تو اپنی سرسری اور اوپری معلومات کی بنا پر اس کو صرف کلمہ و نماز کی ایک تحریک سمجھتے ہیں، کیونکہ انھیں اتنا ہی معلوم ہی اور انھوں نے صرف اتنا ہی دیکھا ہے کہ اس سلسلہ کی تبلیغی جماعتیں اپنے "تبلیغی گشت" میں غافل و ناواقف عوام کو کلمہ طیبہ اور نماز ہی کی تبلیغ و تلقین کرتی ہیں حالانکہ اس دعوت و تحریک کے متعلق یہ اندازہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کہ کوئی شخص کسی بڑے دارالعلوم کے صرف ابتدائی مکتبی درجہ کو دیکھ کر (جس میں کوئی میاں جی یا حافظ جی بچوں کو قرآن شریف اور قاعدہ بغدادی پڑھا رہے ہوں) یہ رائے قائم کرے کہ اس دارالعلوم میں تو بچوں کو صرف قاعدہ بغدادی اور قرآن شریف ہی پڑھایا جاتا ہے۔

ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی حالت دینی لحاظ سے اس وقت جس قدر بگڑ چکی

---

[1] بلکہ یہ بھی واقعہ ہے کہ اہل حضرات کی کمی کی وجہ سے بسا اوقات بے اصولیوں اور بے عنوانیوں کا بھی تجربہ ہوتا ہے اور بہت سے حضرات [illegible]

ہوئی ہے اور ان کے مختلف طبقات کی اصلاح کے لئے جس قدر جامع اور ہمہ گیر طریق کار کی ضرورت ہے اور جس ترتیب اور جس حکمت سے کام ہونا چاہیئے، مولانا مرحوم کے طریق کار میں ان سب ہی چیزوں کی رعایت ہے۔

مگر افسوس معاصرت بڑا حجاب ہے اور مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی حلقہ بندیوں نے ان کو بڑے بڑے فیوض سے محروم رکھا ہے اور ہم محسوس کرتے ہیں کہ مولانا محمد الیاس مرحوم کی دینی دعوت اور اس کے طریق کار کے خاص نکات کو سمجھنے میں یہ دو چیزیں بھی بہت سے اہل حضرات کے لئے رکاوٹ بنی ہوئی ہیں ۔۔۔ ہمیں یہ دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا ہے کہ بعض اچھے خاصے علم و صلاحیت والے حضرات صرف اس لئے مولانا مرحوم کی دعوت کو سمجھنے اور اس پر غور کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے کہ وہ مولانا کے معصر ہیں اور خود عالم دین ہیں، یا اسلئے کہ وہ کسی خاص "جماعت" یا خاص حلقہ یا کسی خاص "سلسلہ" سے تعلق و وابستگی رکھتے ہیں اور شعوری یا غیر شعوری طور پر اُن کے دلوں میں یہ خیال راسخ ہو گیا ہے کہ ہر طرح کی خیر اور ہر قسم کی اچھائی صرف ہماری ہی جماعت اور ہمارے ہی حلقہ اور ہمارے ہی سلسلہ میں منحصر ہے اور اس لئے اپنے خاص دائرہ سے باہر کی کسی شخصیت سے بھی ہمیں کوئی اچھی بات نہیں مل سکتی ۔۔۔ حالانکہ یہ ذہنیت نہایت ہی غلط ہے اور یہ غلط فہمی بہت ہی بڑا حجاب ہے ۔۔۔ مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ تو ایک صاحب علم و معرفت اور صاحب دل بزرگ تھے، میں تو کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص اس مرتبہ اور اس مقام کا نہ بھی ہو وہ بھی اگر کسی نیک مقصد کے پیچھے اس طرح پڑ جائے اور اپنی ہستی کو اس میں اس طرح فنا کر دے جیسا کہ اصلاح و تبلیغ کے اس کام میں مولانا مرحوم کا حال تھا تو ہمارے لئے ضروری ہوگا کہ جب ہم اس مقصد کے لئے قدم اٹھائیں تو اس بندہ کے افکار اور تجربات سے فائدہ اٹھائیں اور اگر ہم ایسا نہ کریں گے تو اپنا ہی نقصان کریں گے

بہر حال جو مخلصین اس وقت اس مقصد کے لئے نئے جوش سے اُٹھ رہے ہیں اور "مسلمانوں میں اصلاح و تبلیغ" کا کام کرنا چاہتے ہیں (اللہ تعالیٰ ان کے عزم اور

ان کے عمل میں برکت دے اور مدد فرمائے) اُن کی خدمت میں خلوص اور دل سوزی سے صرف اتنا عرض کرنے کو جی چاہتا ہے کہ

جب اللہ کے ایک بندہ نے (جس کو اُس نے دین کا علم و فہم بھی دیا تھا، اور اس کے ساتھ "دل روشن" اور "ذہن ثاقب" بھی عطا فرمایا تھا) ایک مقصد کے پیچھے اپنی ہستی کو فنا کر دیا اور مختلف تجربوں کے بعد وہ ایک طریق کار پر مطمئن ہوا تو......

ہمارے اور آپ کے لئے ضروری ہے کہ اگر ہم اس مقصد کے لئے کچھ کرنا چاہتے ہیں تو اُس راہ میں مر مٹنے والے اس بندۂ خدا کے افکار و تجربات سے فائدہ اُٹھانے کی ضرور کوشش کریں، ورنہ یقیناً ہم اپنا بہت سا وقت ضائع کریں گے۔

مولانا مرحوم نے اس کام کے لئے کوئی خاص جماعت، یا جمعیۃ، یا انجمن نہیں بنائی بلکہ آپ نے مسلمانوں کے تمام طبقات کو ایک عمومی دعوت دی کہ جس طرح ہر دیندار اپنا فرض سمجھ کر نماز، روزہ ادا کرتا ہے اسی طرح اپنا اپنا فرض سمجھ کر سب مسلمان اس کام کو بھی کریں، خواہ ان کا تعلق کسی جماعت اور کسی انجمن سے بھی ہو اور خواہ وہ کسی بھی حلقہ یا سلسلہ سے وابستہ ہوں، چنانچہ یہ کام اب بھی جہاں کہیں ہو رہا ہے اسی دعوتی طرز پر ہو رہا ہے، لہٰذا اس عاجز کی خواہش اور گزارش بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ آپ حضرات اس دعوت کی حقیقت، اُس کے اصول اور طریق کار کے خاص نکات کو سمجھنے کی کوشش فرمائیں اور حسب توفیق اپنی ذمہ داری پر اور اپنے طور پر کام کریں ع

صلائے عام ہے یاراں نکتہ داں کے لئے

البتہ مولانا مرحوم کا یہ طریق کار چونکہ زیادہ تر عمل سے تعلق رکھتا ہے اور صرف مضامین یا رسائل پڑھ لینے سے اس کے تمام پہلو اور اس کی دقیق رعایتیں پوری طرح سمجھ میں نہیں آتیں بلکہ اس کے لئے کم از کم چند روز عمل میں شرکت و معیت اور عمل کا مطالعہ و مشاہدہ اور اُس کے تجربہ کاروں اور واقف کاروں سے بار بار کا مذاکرہ ضروری ہے، لہٰذا اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ اس کام کو سمجھنے کا ارادہ کرنے والے حضرات چند روز کے لئے بستی نظام الدین (دہلی) تشریف لیجائیں جہاں اس دینی دعوت کا مرکز ہے، امید ہے کہ وہاں کے

چند روزہ قیام میں انشاء اللہ اس کام کے خاص خاص اصول اور اہم اہم پہلو نگاہ میں آجائیں گے، پھر اگر اس سلسلہ کی جزئیات و کلیات سے آپ متفق الرائے نہ بھی ہو سکیں گے تب بھی انشاء اللہ اس کام کے سلسلہ میں بہت کچھ بصیرت آپ حاصل کر سکیں گے اور اس مقصد کے متعلق انشاء اللہ آپ کو بہت کچھ روشنی حاصل ہو سکے گی، اور جن حضرات کیلئے کسی وجہ سے دہلی جانا مشکل ہو اور وہ وہاں نہ جا سکیں اور لکھنؤ آ سکتے ہوں تو وہ —— اس عاجز سے پہلے خط و کتابت کر کے —— یہاں بھی تشریف لا سکتے ہیں، چھوٹے سے پیمانہ پر یہاں بھی یہ کام ہو رہا ہے۔

اور جو حضرات اس غرض اور اس مقصد کے لئے سفر کرنے پر آمادہ ہی نہ ہوں تو اُن کے لئے کم سے کم درجہ یہ ہے کہ اس دینی دعوت اور اُس کے خاص نکات کو سمجھنے کے لئے اور اس پر غور کرنے کے لئے وہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی کتاب ——

"مولانا محمد الیاس رح اور اُنکی دینی دعوت"

—— کا غور سے مطالعہ فرمائیں اور خصوصاً اس کے آخری باب پر ایک دفعہ سے زیادہ غور فرمائیں، اگرچہ یہ واقعہ ہے کہ یہ مطالعہ اس مقصد کے لئے کافی نہ ہوگا، مگر تاہم کچھ نہ کچھ واقفیت انشاء اللہ اس سے بھی حاصل ہو ہی جائے گی جو شاید مزید واقفیت حاصل کرنے کا داعیہ بھی پیدا کر سکے۔

مال و دولت کے متعلق قرآن مجید کے احکام

(از مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی استاذ تفسیر دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

(گزشتہ سے پیوستہ)

زکوٰۃ

سرمایہ کے متعلق قرآن مجید نے جو خاص احکام دئے ہیں ان میں ادائگی زکوٰۃ کا حکم سب سے اہم ہے۔ یہ اسلام کا تیسرا رکن ہے، آج کی صحبت میں اسی کے متعلق قرآن مجید کے نقطۂ نظر کی ہم کچھ وضاحت کرنا چاہتے ہیں۔

زکوٰۃ کے معنی عربی میں پاکی کے ہیں۔ آیات ذیل میں یہ مادہ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے:-

هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (الجمعہ ع ۱)

وہی اللہ ہے جس نے کھڑا کیا ان پڑھوں کی قوم میں ایک رسول انہی میں سے، وہ پڑھتا ہے اُن کے سامنے اللہ کی آیات اور پاک صاف کرتا ہے ان کو اور ان کو سکھاتا ہے کتاب اور حکمت کی باتیں اور بلاشبہ وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّىْ مَنْ يَّشَآءُ (النور)

اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل اور اسکی رحمت تم پر تو پاک نہ ہوتا تم میں سے کوئی بھی، ولیکن اللہ جس کو چاہتا ہے پاک صاف کر دیتا ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ (الشمس)

بہ تحقیق کامیاب ہے وہ جس نے اپنے نفس کو پاک صاف کیا۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى (الاعلیٰ)	بیشک وہ فلاح یاب ہے جس نے پاکیزگی اختیار کرلی۔

پس زکوٰۃ کو اسی واسطے زکوٰۃ کہا جاتا ہے کہ گویا اس کے ذریعہ نفس اور مال کی طہارت ہوتی ہے، مال کی محبت اور بخل قلب کا ایک ایسا مرض ہے جو اندر ہی اندر دل پر چھا جاتا ہے اور اس پر ایسا قبضہ کرلیتا ہے کہ انسان پھر کسی دوسرے اعلیٰ مقصد کا طالب نہیں رہ سکتا اور اس کے لئے قربانی نہیں کرسکتا اسی لئے فرمایا:-

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۝ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝ (العٰدیٰت)	یقیناً انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے اور اس حقیقت پر وہ خود گواہ ہے اور مال کی محبت میں (اور اس کے حاصل کرنے میں) وہ بڑا ہی سخت جان ہے۔

اس ایک نفسانی مرض سے ہزاروں اخلاقی امراض پیدا ہوتے ہیں شریفانہ خصائل، عالی حوصلگی، کریم النفسی، ایثار و قربانی، سلوک و ہمدردی اور انسانیت کے اعلیٰ خصائص فنا ہو جاتے ہیں اور رذالت، تنگ دلی، تنگ ظرفی، خود غرضی، سنگ دلی و بے دردی اور بزدلی و کمزوری پیدا ہو جاتی ہے اور یہ کیفیات تمام روحانی ترقیات اور ہر قسم کی خیر و برکات کے لئے حجاب ہیں۔ اسی لئے فرمایا:-

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (الحشر ع۲)	اور جو لوگ اپنے نفس کی حرص اور بخل سے محفوظ رہیں وہی فلاح پانے والے ہیں

زر پرستوں کی سیرت و اخلاق کو قرآن مجید نے جابجا بیان کیا ہے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۨالَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۝ (همزہ)	خرابی ہے ہر طعنہ دینے والے عیب چننے والے کی جس نے جوڑا مال اور گن گن رکھا وہ خیال کرتا ہے کہ اس کا مال سدا اس کے ساتھ رہے گا۔
وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ	اور بات نہ مانو کسی زیادہ قسمیں کھانیوالے

هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ ٥ مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ٥ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ٥ أَن كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ ٥

(القلم ع ۱)

بے وقار آدمی کی، جو طعنے دیتا، چغلیاں لگاتا پھرتا ہے، اچھے کاموں سے روکنے والا حد سے بڑھنے والا اور عادی گنہگار ہے، اُجڈ ہے اور اس سب کے پیچھے بدنام ہے (اور یہ بُری عادتیں اس میں اس واسطے ہیں) کہ وہ مال و اولاد والا ہے۔

ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ٥ وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّمْدُودًا ٥ وَبَنِينَ شُهُودًا ٥ وَمَهَّدتُّ لَهُ تَمْهِيدًا ٥ ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ (المدثر ع ۱)

مجھے چھوڑ دو اور اس کو جس کو میں نے پیدا کیا اکیلا، اور دیا اس کو مال پھیلا ہوا اور بیٹے ساتھ رہنے والے، اور تیار کر دیا اُس کو خوب تیار، پھر وہ لالچ رکھتا ہے کہ میں اس کو اور دوں۔

اسی طرح وہ مال جو ضروریات پوری ہونے کے بعد بھی بچ رہا اور ضرورت سے فاضل ہے۔ وہ قرآن مجید کی نظر میں ایسا مال ہے جس کو پاک کرنے کی ضرورت ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اُس کا ایک حصہ اللہ کے بتائے ہوئے راستہ پر صرف کیا جائے اس سے نفس و مال دونوں کی پاکی، اور طہارت ہو جائے گی اسی لئے فرمایا:۔

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا ٥ (التوبۃ)

وصول کیجئے آپ ان کے مالوں میں سے زکوٰۃ، جس کے ذریعہ آپ ان کو پاک و صاف کریں اور اُن کا تزکیہ ہو۔

راہ خدا میں خرچ کرنے والے کے لئے فرمایا:۔

وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ٥ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ ٥ (واللیل)

اور بچایا جاوے گا اس (دوزخ کی آگ سے) وہ زیادہ ڈرنے والا جو اپنا مال اس واسطے راہ خدا میں دیتا ہے کہ اس کا دل پاک ہو۔

نفس کی یہی وہ تربیت ہے جس کے متعلق فرمایا:۔

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِیْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ (البقرۃ)

جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال راہ خدا میں اللہ کی رضا جوئی کے واسطے اور اپنے دلوں کو ٹھیک کرنے کے لئے۔

یہ زکوٰۃ اور نماز نفس کا ایک ایسا مجاہدہ و ریاضت، ایک ایسی اصلاح و تربیت اور روح و قلب کی ایک ایسی اندرونی طاقت ہے جس کے حصول کے بغیر کسی قسم کے جانی و مالی جہاد و قربانی کی توقع بیکار ہے اور اس کا حکم قبل از وقت ہے، اسی لئے جہاد کے فرض ہونے سے پہلے اس کی تعلیم دی گئی اور اس کی تاکید کی گئی کہ یہ سفر جہاد کی پہلی اور ضروری منزل ہے اور جو اس منزل سے نہیں گزرا وہ آگے کی منزل کی ہمت نہیں رکھتا۔[1] یہودیوں کی سازشوں اور شرارتوں پر مدینہ کی ابتدائی زندگی میں جو مسلمان مشتعل ہوتے تھے اور جہاد کی اجازت طلب کرتے تھے ان کو کچھ دنوں کے لئے صبر و ضبط کی ہدایت کی گئی اور نماز و زکوٰۃ کی پابندی کی تاکید کی گئی۔

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ

دل سے چاہتے ہیں بہت سے اہل کتاب کہ تمہارے ایمان کے بعد تم کو دین سے پھیر دیں، محض اپنے دلوں کے حسد کی وجہ سے بعد اس کے کہ کھل گیا اُن کے واسطے حق، سو تم درگزر کرو اور خیال میں لاؤ یہاں تک کہ بھیجے اللہ اپنا حکم، اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور قائم کرو نماز اور

(۱) اس کا یہ مطلب نہیں کہ جہاد کی منزل شروع ہونے کے بعد یہ فرائض ساقط ہو جاتے ہیں یا یہ کہ یہ فرائض محض تربیت اور مشق جہاد کے لئے ہیں۔ مقصود صرف یہ ہے کہ یہ فرائض اپنے مقصود بالذات ہونے کے علاوہ جہاد و قربانی کے لئے بھی تیار کرتے ہیں اور ان کے ذریعہ خدا سے ایسا تعلق اور ایسی روحانی طاقت پیدا ہوتی ہے جو راہ خدا میں شدائد کی برداشت اور جاں نثاری کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ اگر کوئی شخص ان فرائض کا پابند نہیں تو اس کے بلند بانگ دعاوے محض فریب نفس ہیں۔

وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ مِنْ خَیْرٍ تَجِدُوْہُ عِنْدَ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ○ (البقرۃ ع ۱۳)	ادا کرتے رہو زکوٰۃ اور تم اپنے واسطے جو نیکی بھی یہاں کرلوگے تم اس کو اللہ کے ہاں ضرور پالوگے، یقیناً اللہ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔

اسی زمانہ کے متعلق کہا گیا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ قِیْلَ لَھُمْ کُفُّوْٓا اَیْدِیَکُمْ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ (النساء)	کیا تم نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جن سے کہا گیا کہ روکے رکھو اپنے ہاتھ اور قائم کرتے رہو نماز اور ادا کرتے رہو زکوٰۃ

یہ زکوٰۃ پچھلی اُمتوں اور دوسرے پیغمبروں کی شریعتوں میں فرض تھی ــــ بنی اسرائیل کو خطاب ہے۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ ○ (البقرۃ ع ۵)	اور قائم کرو نماز اور ادا کرتے رہو زکوٰۃ، اور جھکو ساتھ جھکنے والوں کے

ان سے جن باتوں کا عہد لیا گیا اُن میں سے زکوٰۃ بھی ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْکُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○ (البقرہ ع ۱۰)	اور جب ہم نے اقرار لیا بنی اسرائیل کا کہ بندگی نہ کریو مگر اللہ کی اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک اور قرابت والوں اور یتیموں اور مسکینوں سے اور کہنا لوگوں سے اچھی بات، اور قائم کرو اور ادا کرو زکوٰۃ، پھر تم پھر گئے مگر تھوڑے سے تم میں سے اور تم بے پرواہی کرتے ہو۔

اسی بنا پر ان سے نصرت کا وعدہ کیا گیا تھا

وَقَالَ اللّٰہُ اِنِّیْ مَعَکُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّکٰوۃَ الآیۃ (مائدہ)	اور کہا (اُن سے) اللہ نے میں تمہارے ساتھ ہوں اگر قائم کرتے رہے تم نماز اور ادا کرتے رہے زکوٰۃ

بنی اسرائیل میں سے "راسخین فی العلم" کے جس گروہ کو مستثنیٰ کیا گیا اُس کے عمل میں سے زکوٰۃ کا ذکر کیا گیا ہے۔

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ (النساء)

لیکن اُن میں سے جو راسخین فی العلم ہیں اور ایمان والے ہیں وہ ایمان رکھتے ہیں اس پر جو نازل کیا گیا تم پر اور جو نازل کیا گیا تم سے پہلے اور نماز قائم کرنے والے اور زکوٰۃ ادا کرنے والے۔

حضرت ابراہیمؑ کے صاحبزادہ اور پوتے کے متعلق فرمایا۔

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَ اِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ (الانبیاء ع ۵)

اور ہم نے بنایا اُن کو پیشوا رہنمائی کرتے ہیں وہ ہمارے حکم سے اور وحی سے ہم نے انھیں حکم دیا نیکیاں کرنے کا اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا اور وہ ہماری ہی بندگی اور عبادت

اور حضرت اسمٰعیلؑ کے تذکرہ میں فرمایا

وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا (مریم ع ۴)

اور وہ اپنے اہل وعیال کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم کیا کرتے تھے اور اپنے پروردگار کے نزدیک وہ پسندیدہ تھے۔

حضرت عیسیٰؑ اپنے متعلق فرماتے ہیں:۔

وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا (مریم ع ۲)

اور وصیت کی مجھے (اللہ نے) نماز اور زکوٰۃ کی جب تک میں زندہ رہوں۔

ابتدا اسلام سے (ہجرت سے پہلے ہی) مسلمانوں کو زکوٰۃ کی ترغیب دی گئی۔ سورہ مومنون (مکی) میں ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِیْ صَلٰوتِهِمْ خٰشِعُوْنَ (الی) وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ (مومنون ع ۱)

یقیناً فلاح پائی اُن ایمان والوں نے جو اپنی نمازوں میں خشوع کرتے ہیں (آگے فرمایا) اور وہ جو زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں۔

سورہ نمل (جو مکی سورہ ہے) اس طرح شروع ہوتی ہے۔

طٰسٓ ۔ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۔ هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۔ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (النمل ع ۱)

یہ آیتیں ہیں قرآن کی اور کتاب مبین کی ۔ ہدایت اور بشارت کے لئے اُن ایمان والوں کے واسطے جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور آخرت پر وہ یقین رکھتے ہیں ۔

سورہ لقمان (مکی) کی ابتدا بھی اسی طرح ہے :-

هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔ (لقمان ع ۱)

ہدایت اور رحمت ہے اُن نیکوکاروں کے لئے جو نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں وہی ہدایت پر ہیں اپنے پروردگار کی طرف سے اور وہی ہیں فلاح پانے والے ۔

سورہ حٰمٓ سجدہ (مکی) میں ہے ۔

وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۔ (ع ۱)

بڑی خرابی ہے اُن مشرکوں کی جو زکوٰۃ نہیں دیتے ہیں اور جو آخرت کے منکر ہیں ۔

ان آیات میں صراحۃً لفظ زکوٰۃ آیا ہے ، باقی انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر تو مکی سورتوں میں جا بجا ہے ۔ لیکن اس زکوٰۃ کا مفہوم عام صدقہ و خیرات سے زیادہ نہ تھا اور ان کی سورتوں میں اس کے قواعد، اُس کی تقسیم کا طریقہ اور اس کے مصارف بیان نہیں کئے گئے تھے ۔ ۹ھ میں سورۂ براءت نازل ہوئی اُس میں متعدد جگہ زکوٰۃ کا ذکر ہے اُسی میں یہ آیت نازل ہوئی ۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ

" الصدقات " فقراء کے لئے ہیں اور مسکینوں کے لئے اور اُس کی وصولی وغیرہ کا کام کرنے والوں کے لئے مؤلفۃ القلوب کے لئے (علاوہ اِن مصارف کے) وہ صرف کئے جائیں، غلاموں کے آزاد کرانے میں اور قرضداروں کے

اللّٰہِ وَ اللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ۝

(براۃ ع ۸)

قرضہ ادا کرانے میں اور راہ خدا میں اور مسافروں پر، یہ مقرر کیا ہوا ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ سب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔

چنانچہ اس کے بعد ہی زکوٰۃ کا پورا نظام مرتب ہو گیا اور اس کے تفصیلی احکام و مسائل منضبط ہو گئے اور اس کی وصولی کے لئے تمام ملک میں عامل و محصل مقرر کر دئے گئے، اس کے بعد زکوٰۃ ایک ایسا فریضہ بن گیا جس کی قبولیت اور ادائی کے بغیر کوئی شخص اسلامی جماعت میں شامل اور دائرۂ اسلام میں داخل نہیں ہو سکتا، سورۂ براۃ میں جن فرائض و مطالبات کی قبولیت پر قتال کے اختتام اور مصالحت کا حکم ہے وہ قبول اسلام کے بعد دو ہی عملی فرائض ہیں۔ اقامت صلوٰۃ [1] اور ایتاء الزکوٰۃ [2]

فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَخَلُّوْا سَبِیْلَھُمْ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

(براۃ ع ۱)

پس اگر وہ تائب ہو جائیں (کفر و شرک سے) اور قائم کریں نماز اور ادا کرنے لگیں زکوٰۃ تو چھوڑ دو اُن کا راستہ اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

ان ہی دونوں فرائض کو قبول کر کے آدمی اسلام کی عالمگیر برادری میں داخل ہو سکتا ہے اور اخوت دینی کے رشتہ میں منسلک ہوتا ہے

فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ وَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝

(براۃ ع ۲)

پس اگر وہ تائب ہو جائیں اور قائم کرنے لگیں نماز اور ادا کریں زکوٰۃ تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور ہم تفصیل کرتے ہیں احکام کی جاننے والے لوگوں کے لئے۔

اسلامی جماعت کے یہی اہم ترین ارکان اور عناصر ترکیبی ہیں جن کے بغیر کسی جماعت پر اسلامی جماعت اور ایمانی گروہ کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَاۗءُ بَعْضٍ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ

اور ایمان والے باہم ایک دوسرے کے رفیق ہیں، حکم دیتے ہیں اچھائیوں کا، اور روکتے ہیں برائیوں سے اور قائم کرتے ہیں

الزَّكٰوةَ وَيُطِيعُوْنَ اللّٰهَ وَ	نماز، اور ادا کرتے ہیں زکوٰۃ اور اطاعت کرتے
رَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ	ہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی یہی ہیں
اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝	جن پر رحمت کریگا اللہ، بیشک اللہ زور
(براءۃ ع ۹)	والا اور حکمت والا ہے

خدا اور رسول کی ولایت (سرپرستی وحمایت) کا وعدہ اسی بنا پر ہے۔

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَ	بس تمہارا رفیق وصاحب اللہ ہے اور
الَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ	اس کا رسول، اور ایمان والے، جو نماز قائم
وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ ۝	کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ
وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَ	جھکنے والے ہیں اور جو ساتھ پکڑ لے اللہ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ	ورسول کا اور ایمان والوں کا تو یقیناً
هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ (المائدۃ ع ۸)	اللہ کا گروہ ہی غالب ہونے والا ہے۔

قرآن مجید کے الفاظ میں یہ زکوٰۃ ان دینی ودنیاوی منافع وبرکات کی جامع ہے جس کے قائم مقام کوئی انسانی تدبیر اور معاشی انتظام نہیں ہو سکتا۔ زکوٰۃ کے ذریعہ جماعت کی زائد دولت کا ایک حصہ جو اس کی ضروریات سے فاضل ہوتا ہے (اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ سال بھر خرچ نہیں ہوا) ضرورت مند افراد کو پہونچ جاتا ہے جن کے پاس اپنی ضروریات زندگی کا سامان نہیں۔

توخذ من اغنیائهم وترد	زکوٰۃ قوم کے دولت مندوں سے وصول
علی فقرائهم	کی جائے گی اور انہی کے حاجت مندوں کو
(بخاری ومسلم)	دی جائے گی۔

اس سلسلہ میں یہ چند باتیں قابل لحاظ ہیں جو نظام زکوٰۃ کی خصوصیات ہیں۔

۱۔ زائد دولت کا کم سے کم معیار مقرر کیا گیا (یعنی دو سو درم یا ساڑھے ۷ ½ تولہ سونا یا ۵۲ ½ تولہ چاندی یعنی ساڑھے باون روپیہ جس پر پورا سال گزر جائے) اس طرح جماعت کی دولت کا بڑا حصہ غریبوں کے کام آجاتا ہے اور بہت تھوڑی شخصی مالیت اس جماعتی

شرکت سے بچتی ہے

۲ - اس دولت زر زکوٰۃ کی مقدار بہت کم رکھی گئی جو ان مالکوں کے لئے ہر طرح قابل برداشت ہے یعنی چالیسواں حصہ (۲ ۱/۲ فی صدی)

۳ - ضرورتمندوں کا دائرہ بہت وسیع رکھا گیا اور ان میں سے ان کے ممتاز اقسام اور گروہوں کو مشخص کر دیا گیا، جو ہر اجتماعی زندگی اور تمدن کے ہر دور میں پائے جاتے ہیں یعنی فقراء و مساکین، مقروض اشخاص، غلام، مسافر اور کچھ وہ جو انتظامی یا تبلیغی حیثیت سے ضروری ہیں یعنی محصلین زکوٰۃ (العاملین علیہا) اور مؤلفۃ القلوب، پھر اس دائرہ کو وَفِی سَبِیلِ اللّٰہِ کہہ کر اور عام کر دیا (۱)

۴ - ان ضرورتمندوں کے لئے اسلام اور احتیاج کے علاوہ کوئی شرط نہیں لگائی گئی (۲)۔ یعنی نہ یہ شرط کہ وہ زکوٰۃ حاصل کرنے کے لئے کوئی فیس ادا کریں اور نہ یہ شرط کہ بیت المال میں پہلے سے ان کا کوئی روپیہ جمع ہو اور نہ یہ کہ وہ اس امداد کو کسی اضافہ کے ساتھ یا اصل بلا اضافہ ادا کریں گے (۳)۔ بلکہ یہ ان کا حق ہے اور امام اور جماعت اسلامی کا فرض ہے کہ وہ ان کا حق ان کو دے، اگر انھوں نے اس میں کوتاہی یا ناجائز تصرف کیا تو وہ گنہگار اور غاصب ہوں گے

۵ - زکوٰۃ کی رقم مستحقین کو دیکر زکوٰۃ دینے والوں کا اس رقم سے ہر قسم کا مالکانہ تعلق منقطع ہو جائیگا اور ان کے اور اس کا انتظام کرنے والوں کے (امارت اور بیت المال کے) کوئی حقوق اور تحفظات نہیں ہوں گے نہ ان کے لئے سودی قرض کی طرح کسی قسم کا انتفاع جائز ہوگا، یہاں تک کہ اس کا کسی ایسے شخص کو دینا بھی صحیح نہیں جس کو دے کر وہ مال اپنے ہی استعمال میں آجائے، جیسے ماں، باپ، اولاد، بیوی۔ زکوٰۃ لینے والا اس کے لینے کے بعد ایسا ہی آزاد ہوگا جیسے لینے سے پہلے تھا، اس کو کسی طرح اور کسی شکل میں اس کا واپس کرنا یا اس کا بدل کرنا ضروری نہیں، بخلاف سود کے جس کا لینے والا ایک عرصہ تک کے لئے (اور بعض اوقات ہمیشہ کے لئے) ایک جال میں پھنس جاتا ہے۔

۶ - زکوٰۃ ان اموال میں ہے جن میں نمو (افزائش) کی صلاحیت ہے جیسے نقد روپیہ، سونا چاندی

مال تجارت، پیداوار اور جانور، اس لئے کہ وہی ہر سال کی اس کمی کا بدل کر سکتے ہیں اور بڑھتے رہتے ہیں، باقی روزمرہ کے استعمال اور ضرورت کی چیزیں، جیسے پہننے کے کپڑے، کھانے کے برتن، سکونت کے مکانات، سواری کے جانور اور اثاث البیت وغیرہ ان میں زکوٰۃ نہیں۔ اسی طرح زکوٰۃ کا وقت سال کا اختتام رکھا ہے، ایک سال کی مدت اس مال سے استفادہ کرنے کی کافی اور طویل فرصت ہے، اس مدت میں نرخوں کے گھٹنے بڑھنے اور مختلف موسموں اور...

۷۔ زکوٰۃ کا نظام فی الاصل اجتماعی ہے یعنی اگر کوئی خاص عارض نہ ہو تو ہونا یہ چاہیے کہ اجتماعی طور پر امارت اسلامی کے انتظام سے وصول کی جائے اور اجتماعی طور سے اس کی طرف سے تقسیم ہو۔ اس طرح کوئی ایک فرد کسی ایک فرد کا شخصی طور پر ممنون نہیں ہوتا، نہ یہ علم ہونا ضروری ہے کہ فلاں شخص کو زکوٰۃ دی گئی، اس طرح بہت سے سفید پوش مستورالحال غیور انسان جو کسی شخص سے اپنی حالت کا اظہار پسند نہیں کرتے اور اس کی شہرت نہیں چاہتے، ایک عام اور اجتماعی نظام میں معاشی امداد حاصل کر سکتے ہیں۔

۸۔ ایک کم ہمت مسلمان کو بھی اپنی زندگی میں اس کا اطمینان رہتا ہے کہ اگر دفعۃً اس کی آنکھ بند ہو گئی یا کسی وجہ سے وہ اپنی اولاد کے لئے کوئی دولت نہ چھوڑ سکا تو زکوٰۃ کے نظام کی وجہ سے وہ ننگے اور بھوکے نہیں رہیں گے۔ اس کی وجہ سے اس پر موت کا اسقدر خوف طاری نہیں رہتا اور وہ اُن دینی اور جماعتی کاموں میں بے خوف وخطر حصہ لے سکتا ہے جن میں جان کا خطرہ ہے، وہ اطمینان قلب کے ساتھ جہاد و ہجرت، اور حج اور سفر کرتا ہے کہ اس کی پشت پر ایک ایسا خزانہ ہے جو شخصی اور انفرادی نہیں، اور جو اس کے بعد اس کی کمزور اور یتیم اولاد اور اس کی بے یار و مددگار بیوی (بیوہ) کا متکفل ہے۔

اسی طرح اس کو اطمینان ہے کہ سفر میں اگر اس کا زادِ راہ ختم ہو جائے، اس کو کوئی حادثہ پیش آ جائے تو گویا ہر جگہ اس کے لئے سرمایہ محفوظ ہے اور وہ وطن میں واپس آ سکتا ہے۔

۹۔ بنی ہاشم کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی، اس طرح مسلمانوں میں خاندانی و نسلی مفت خوروں کے طبقہ کے پیدا ہونے کا دروازہ بند کر دیا گیا، اور دوسرے تمام مستحقین زکوٰۃ کی امداد کا دروازہ ہمیشہ کے لئے کھلا رکھا گیا جو بنی ہاشم کی عالی خاندانی کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے عملاً محروم ہو جاتے (۱)۔

(۱) جیسے ہندوؤں میں برہمنوں اور یہودیوں میں یہود کی اولاد کی وجہ سے عام لوگوں کے لئے خیرات و صدقات کا دروازہ تنگ تھا۔

۱۰۔ زکوٰۃ کا روپیہ ایک مسلمان کے پاس سے نکل کر اُسی جماعت کے دوسرے فرد کے پاس پہونچ جاتا ہے اس طرح گویا اُسی کے پاس واپس آجاتا ہے، اس طرح زکوٰۃ خود اپنی ہی امداد ہے گویا ایک دریا سے چھوٹی چھوٹی نہریں نکالی گئی ہیں تاکہ سب کی کھیتیاں سینچی جاسکیں اور سب درختوں کو پانی پہونچے، پھر وہ پانی اسی دریا میں واپس آجاتا ہے، ایک منظم جماعت میں افراد کا ایک دوسرے سے اور جماعت سے ایسا گہرا تعلق ہوتا ہے اور ان کے اغراض و مصالح باہم دگر اس طرح مربوط ہوتے ہیں کہ ان میں سے کوئی ایک فرد یا چند افراد اس وقت تک خوشحال اور مطمئن نہیں ہو سکتے جب تک کہ جماعت بحیثیت مجموعی خوشحال اور مطمئن نہ ہو یہ زکوٰۃ اجتماعی خوشحالی کا ذریعہ ہے، اس لئے زکوٰۃ نہ دینا، اس سے ہاتھ روکنا، خود اپنے اوپر ظلم اور اپنے حق میں بخل ہے۔ قرآن مجید نے نہایت حکیمانہ انداز سے راہ خدا میں نہ خرچ کرنے کو خودکشی قرار دیا ہے۔

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ○ (البقرۃ)

اور خرچ کرو اللہ کی راہ میں اور نہ ڈالو اپنی جان کو ہلاکت میں اور نیکی کرو، اللہ چاہتا ہے نیکی کرنے والوں کو

زکوٰۃ اور سود کا یہی بہت بڑا فرق ہے۔ سود خواری اور نظام سرمایہ داری میں چند افراد بہت بڑی دولت اور وسائل دولت کے مالک بن جاتے ہیں، اور دوسرے افراد وسائل زندگی تک سے محروم ہو جاتے ہیں، لیکن یہ ان افراد کی حقیقی خوشحالی نہیں ہے، کوئی شخص یا چند افراد کسی جماعت میں تنہا خوشحال نہیں ہو سکتے۔ جس طرح کوئی شخص کسی جنگل میں یا تنہا شہری زندگی نہیں گزار سکتا۔ زکوٰۃ کا روپیہ جماعت کو خوشحال کرتا ہے اور سود جماعت کو مفلس محتاج بنا کر ایک فرد یا چند افراد کو بہت بڑی دولت کا مالک بنا دیتا ہے زکوٰۃ وہ تخم ہے جو زمین میں پڑ کر ایک دانہ سے سیکڑوں دانے تک پیدا کر دیتا ہے

مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ حَبَّۃٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ کُلِّ سُنْبُلَۃٍ مِّائَۃُ حَبَّۃٍ

جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال خدا کی راہ میں اُن کی مثال اس دانہ کی طرح ہے جس سے اُگیں سات بالیں، ہر بال میں

وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ (البقرہ) — سود انے اور اللہ بڑھاتا ہے جس کے واسطے اللہ چاہے۔

اور سود دوسروں کی کھیتیوں کو کاٹ کران کو دانے دانے کا محتاج بنا دیتا ہے اور ایک شخص کے کھلیان کو بھر دیتا ہے۔ زکوٰۃ اور سود کے اس فرق کو قرآن نے اپنے معجزانہ بلیغ انداز میں اس طرح بیان کیا ہے

یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیْمٍ (البقرہ) — اللہ مٹاتا ہے سود اور بڑھاتا ہے خیرات اور اللہ نہیں چاہتا کسی ناشکرے گنہگار کو

دوسری جگہ فرمایا ہے۔

وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَاْ فِیْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰہِ وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَکٰوۃٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْہَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ○ (الروم ع ۴) — اور جو تم دیتے ہو بیاج تاکہ بڑھتا رہے لوگوں کے مال میں، سو وہ نہیں بڑھتا اللہ کے ہاں اور جو تم دیتے ہو زکوٰۃ جس سے تم چاہتے ہو رضا اللہ کی، سو وہی ہیں دونے کرنے والے۔

۱۱۔ زکوٰۃ کے اس نظام میں کوئی خلاف فطرت چیز نہیں، جس کو جاری کرنے کے لئے کسی خونریزی یا ہنگامہ خیزی کی ضرورت ہو اور جس سے انسانی فطرت بار بار بغاوت کرے، اس میں انسانوں کے مختلف مراتب اور معاشی طبقات کو بالجبر برابر کرنے کی کوشش نہیں کی گئی، نہ انسانوں کو ان کے جائز سرمایہ سے جو ان کی فطری صلاحیت یا محنت کا نتیجہ ہے محروم کیا گیا ہے، بلکہ اس اختلاف کو واقعی اور طبعی تسلیم کیا گیا ہے۔

وَاللّٰہُ فَضَّلَ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ فَمَا الَّذِیْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّیْ — اور اللہ نے بڑائی دی تم میں ایک کو ایک پر روزی میں، پس جن کو بڑائی دی گئی وہ اپنا

(۱) المحق النقصان وذھاب البرکۃ وشیٔ ماحق ذاھب قال الازھری نقول محقہ اللہ فانمحق وامتحق ای ذھب خیرہ وبرکتہ قال ابن سیدہ وکل شیٔ ابطلتہ حتی لا یبقی منہ شیٔ فقد محقتہ ..... قال اللہ تعالیٰ یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ ای یستاصل اللہ الربوا فیذھب ریعہ وبرکتہ (ابن الاعرابی) المحق ان یذھب الشیٔ کلہ حتی لا یریٰ منہ شیٔ (لسان العرب)

بِرَادِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَاءٌ (النحل)	حصہ اپنے غلاموں کو نہیں دیدیتے ہیں کہ پھر وہ سب اس میں برابر ہو جائیں
نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ○ (زخرف ع ۳)	ہم نے تقسیم کر دی ہے اُن کے درمیان ان کی روزی، دنیوی زندگی میں اور بلند کئے درجے ایک کے ایک پر کہ بناتا ہے ایک دوسرے کو ماتحت۔ اور تیرے رب کی رحمت اُس سے بہتر ہے جو وہ جوڑتے ہیں۔

البتہ یہ ضروری قرار دیا ہے کہ انسانی ضروریات ہر فرد کو میسر ہوں اور جماعت کو اس کا ذمہ دار قرار دیا ہے کہ اس میں کوئی ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے۔

یہ زکوٰۃ کا وہ الٰہی نظام ہے جو ہر طرح مکمل پورے طور پر متوازن و متناسب اور انتہائی طریق پر عادل و معتدل ہے، اس کے کسی گوشہ اور کسی حصہ میں کوئی خلا، کوئی کمی زیادتی اور کوئی بے ترتیبی نظر نہیں آتی۔ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِىْ اَتْقَنَ كُلَّ شَىْءٍ

نماز اور خشوع

بقیہ مضمون صفحہ ۴۶

خیر مقدم کرے، بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ نگاہ کو ادھر اُدھر دیکھنے سے روک دینا ہی خشوع ہے۔ محمد بن علی الترمذی فرماتے ہیں کہ خاشع وہ شخص ہے جس کے خواہشات کا آتش کدہ ٹھنڈا اور اس کے قلب کا دھواں (ہیجان ولولہ) سرد ہو جائے اور اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا نور چمک جائے۔ جب یہ کیفیت پیدا ہو جائے گی تو اس کی خواہش مردہ اور دل زندہ ہو جائے گا، اور پھر اس کے نتیجہ میں اس کے اعضاء پر بھی تواضع و خاکساری طاری ہو جائے گی۔ حسن بصری فرماتے ہیں کہ دل میں پورے طور پر اللہ تعالیٰ کے خوف کے بیٹھ جانے کو خشوع کہتے ہیں۔ (رسالہ قشیریہ صفحہ ۱۰۰)

(باقی)

نماز اور خشوع

(از مولانا حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دار المصنفین اعظم گڈھ)

(گزشتہ سے پیوستہ)

علماء وصوفیہ کے نزدیک خشوع کی تعبیر اوپر قرآن و حدیث اور آثار صحابہ سے خشوع کے مفہوم کو واضح کیا گیا ہے۔ آئندہ دیکھنا ہے کہ علماء وصوفیہ کے نزدیک خشوع کا مفہوم کیا ہے؟

خشوع کا تعلق پوری زندگی سے صوفیہ کے نزدیک خشوع کا تعلق صرف نماز ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق زندگی کے ہر شعبہ اور ہر لمحۂ حیات سے ہے، تسلیم ورضا، انابت و خشیت، عاجزی وانکساری تواضع وتذلل کی جو کیفیت نماز کے وقت ہوتی ہے وہی اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، کھاتے پیتے ہونی چاہیئے اور اس کا ثبوت، اسوۂ نبی اور آثار صحابہ سے بھی مل سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایک صحابیہ بیان فرماتی ہیں

رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المتخشع فی الجلسۃ ارعدت من الفرق۔ (شمائل ترمذی)	میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عاجزانہ گوٹ مارے بیٹھے دیکھا تو رعب سے کانپ اٹھی

اس سے معلوم ہوا کہ خشوع صرف نماز ہی میں نہیں ہوتا بلکہ اس کا تعلق زندگی کے ہر ہر لمحہ سے ہے۔

صحابہ کرام کے متعلق بھی احادیث وآثار میں کان خاشعاً علیہ اثر الخشوع، وغیرہ کا جو لفظ آتا ہے اس سے بھی خشوع کا یہی عام مفہوم مراد ہوتا ہے حضرت عبداللہ بن سلام کے متعلق حضرت ابوہریرہ صحابی بیان فرماتے ہیں کہ میں مدینہ آیا تو عبداللہ بن سلام کو دیکھا کہ وہ مجلس میں بہت ہی تواضع وانکساری کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، ابوہریرہ کے اصل الفاظ یہ ہیں جالسا فی حلقۃ متخشعا علیہ سیما الخیر[1]

[1] اصابہ ذکر عبداللہ بن سلام

حضرت علیؓ هُمْ فِی صَلٰوتِہِمْ خَاشِعُوْنَ[1] میں فرماتے ہیں۔

ھو الخشوع فی القلب وان	خشوع یہ ہے کہ قلب میں خوف وخشیت
تلین کنفك للمرء المسلم وان	اور مسلمانوں سے نرم خوئی رکھو (اور اس کا ایک
لا تلتفت فی الصلوٰۃ ،	گوشہ یہ ہو کہ) نماز میں ادھر ادھر نہ دیکھو۔

صوفیہ کرام نے جو اس صفت کے علمی نمونہ ہیں، خشوع کی اسی روح کو سمجھ کر اسکی ایسی تعبیر کی ہے کہ اس کے اندر زندگی کا ہر کام حقوق اللہ سے متعلق ہو، خواہ حقوق العباد سے آجاتا ہے لیکن چونکہ اس کا اصلی محور نماز ہی ہے اور اس کی پوری مشق دربار الٰہی کی حاضری کے بعد ہی ہوتی ہے۔ اس لئے اس کی تشریح بھی اسی کے ضمن میں ہوتی ہے۔

اس لئے یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ اگر کوئی شخص خشوع کی اس عام تشریح سے دھوکا کھاکر بغیر نماز ادا کئے ہوئے اس کو پیدا کرنے کی کوشش کرنے لگے تو وہ اس صفت سے متصف نہیں ہوسکتا، اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے نمازوں میں یہ کیفیت پیدا کی جائے اس کے بعد آگے قدم بڑھایا جائے۔ ورنہ اس کی مثال اس شخص کی ہوگی جو بغیر کسی زینے اور سہارے کے مکان کی اوپری منزل پر جانے کی کوشش کرتا ہے۔

اب علماء وصوفیہ اور ائمہ کے اقوال اور ان کی عملی زندگی سے اسکی تشریح کی جاتی ہے امام احمد بن حنبل اپنے رسالہ الصلوٰۃ و مایلزم فیہا میں تحریر فرماتے ہیں:۔

ویستحب للرجل اذا اقبل الی	جب کوئی شخص مسجد میں آنے کا ارادہ
المسجد ان یقبل بخوف و وجل	کرے تو اُسے چاہیئے کہ خوف وخشیت
وخشوع وخضوع ،	تواضع وانکسار کے ساتھ آئے۔

پھر اسی رسالہ میں دوسری جگہ اس کی اور تصریح فرماتے ہیں:۔

ان العبد اذا خرج من منزلہ	جب کوئی بندہ اپنے گھر سے مسجد آنے
یرید المسجد انما یاتی الجبار	لگے تو اُسے سمجھنا چاہیئے کہ وہ خدائے وحدہٗ
الواحد القہار العزیز وان	لاشریک کے سامنے آرہا ہے اور یہ بھی سمجھنا

[1] وہ اپنی نمازوں میں خشوع رکھتے ہیں۔

كان لا يغيب عن الله حيث
كان ولا يعزب عنه تبارك
وتعالى مثقال حبة من خردل
ولا اصغر من ذلك ولا اكبر
فى الارضين السبع ولا فى
السمٰوٰت السبع ....
... وانما ياتى بيتا من بيوت
الله يجب ان توقع ويذكر فيها اسمه
..... فاذا خرج من منزله فليحدث
نفسه تفكرا وادبا غير ما كان
فيه قبل ذالك ...... وليخرج
بوقار فان النبى صلى الله
عليه وسلم امر بذالك
....
..... فانه كلما تواضع
لله عز وجل وخشع وخضع
وذل لله عز وجل كان
ازكى لصلاته واحرى
لقبولها۔

...... فاذا قام احدكم
فى صلاته فليعرف الله
عز وجل فى قلبه بكثرة نعمه

چاہیئے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہوگا، خدا سے پوشیدہ
نہیں ہو سکتا، اور نہ آسمان و زمین کا کوئی
ذرہ یا اس سے بڑی یا چھوٹی چیز اس کی
قدرت و علم سے باہر ہو سکتی ہے ......
(اور اسے یہ بھی غور کرنا چاہیئے کہ) وہ اللہ
کے گھروں میں سے ایک گھر میں آرہا ہے۔
جس میں ضروری ہے کہ اسی کا ذکر اور
اسی کا چرچا کیا جائے،
(جب وہ ایسے پُر عظمت مقام پر جارہا
ہے تو اسے اپنے مکان سے نکلتے ہی اپنے
دل و دماغ کو دنیاوی تفکرات سے جس میں
وہ اس سے پہلے پڑا تھا ہٹا لینا چاہیئے
(اور اپنے تمام ارادوں اور اپنی توجہات کو
اس ذات قدوسی کے صفات کمال میں
لگا دینا چاہیئے) اور ارشاد نبوی کے
مطابق پورے وقار اور سنجیدگی کے ساتھ وہاں
پہنچنا چاہیئے، اس لئے کہ جو جتنا ہی خشوع
و خضوع کے ساتھ اس دربار میں حاضری
دیگا، اتنی ہی اس کی نماز بہتر اور قبولیت
سے قریب ہوگی

اور جب وہ نماز کے لئے کھڑا ہو تو اسے
سمجھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے احسان
و اکرام سے اُسے سرتاپا ڈھانک لیا ہے اور

علیہ واحسانہ الیہ و ان اللہ عز وجل قد وفرہ نعما وانہ اوقر نفسہ ذنوبا فلیبالغ فی الخشوع والخضوع للہ عز وجل

اس نے ہر نعمت سے نوازا ہے، گو خود اس گناہوں سے اپنے نفس کو نہایت کثیف اور بوجھل کر دیا ہے، پس ان دونوں پہلوؤں پر نظر ڈالتے ہی اُسے خشوع و خضوع و انکسار کا پیکر بن کر اُس سے مغفرت طلب کرنا چاہیئے۔

وقد جاء الحدیث ان اللہ اوحیٰ الی عیسیٰ بن مریم اذا قمت بین یدی فقم مقام الحقیر الذلیل الذام لنفسہ فانھا اولی بالذام فاذا دعوتنی فادعنی واعضاؤک تنتقض وقد جاء الحدیث ان اللہ اوحی الی موسیٰ نحو ذالک

حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام سے یہ فرمایا کہ جب تم میرے سامنے عبادت کے لئے کھڑے ہو تو اپنے نفس کو پورے طور پر حقیر و ذلیل سمجھو اور جب مجھ سے دعا کے لئے ہاتھ اٹھاؤ تو اس وقت سارے اعضاء تواضع کی وجہ سے گویا بے حس و حرکت ہو جائیں اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے متعلق بھی ایک حدیث میں آیا ہے۔

ابو اسمٰعیل ہرویؒ (متوفی ۴۸۱ھ) نے منازل السائرین میں اور حافظ ابن قیمؒ (متوفی ۷۵۱ھ) نے اس کی شرح مدارج السالکین میں خشوع کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، اس کا خلاصہ ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔

حافظ ابن قیم منازل السائرین کی ایک عبارت کی تشریح میں فرماتے ہیں۔

قلب میں جس کی عظمت و ہیبت ہوتی ہے اس کے سامنے طبیعت کی ہر خواہش ختم اور نفس کا ہر انبساط اسی میں فنا ہو جاتا ہے، بس خشوع اسی کا نام ہے کہ بندہ کی ہر خواہش اللہ کی عظمت اور اس کی مرضی کے تابع ہو جائے،

اس خشوع کے تین درجے ہیں، پہلا درجہ یہ ہے کہ بندہ اپنے کو ہر وقت عاجز و

سکین سمجھے اور حکم الٰہی شرعی ہو، خواہ قدری اس کے سامنے سر نیاز خم کر دے اور وہ یہ بھی محسوس کرتا رہے کہ قلب کی ہر کیفیت اور اعضاء کی ہر حرکت کو اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔ اس استحضاری کیفیت کو وہ جتنا ہی زیادہ کرے گا، صفت خشوع سے متصف ہوتا جائے گا۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ بندہ ہر وقت اپنے نفس کے عیوب اور اعمال کے نقائص پر نگاہ رکھے اور اس بات کی پرواہ نہ کرے کہ لوگ اس کے ساتھ کیسا سلوک کر رہے ہیں وہ لوگوں کے ساتھ نیک برتاؤ اور ان کے حقوق ادا کرتا رہے۔ یہی کیفیت اسے درجۂ فنا تک لے جانے کا سبب بن جائے گی۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ جب بندہ کو مکاشفہ وغیرہ کی کیفیت حاصل ہو جاتی ہے تو اس کی طبیعت میں بڑا انبساط اور بعض وقت عُجب پیدا ہو جاتا ہے، ایسے وقت میں اُسے پورے طور پر نفس کی دیکھ بھال رکھنی چاہیے، تاکہ اس کا آئینۂ دل عجب و ریا کے گرد و غبار سے میلا نہ ہونے پائے، اس لئے کہ ایسے موقع پر ان عیوب کے پیدا ہو جانے کا بڑا خطرہ ہوتا ہے، پھر اس تصور کو بھی ذہن میں جا گزیں رکھے کہ فضل و کرم بخشش و مغفرت سب اسی ذات قدوسی کے دست قدرت میں ہے، وہ بندوں پر بغیر کسی سبب کے بھی فضل و کرم کی بارش کر سکتا ہے[1]۔

اوپر "خشوع" کی جو عمومی تشریح کی گئی ہے، صاحب منازل کی اس عبارت سے اس کی مزید توضیح ہو گئی، کہ خشوع کی کیفیت صرف نماز ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ وہ پوری زندگی میں للّٰہیت پیدا کرنے کا ایک معیار ہے۔

حکیم اُمت امام غزالیؒ نے بھی احیاء العلوم میں خشوع پر بہت تفصیل سے بحث کی ہے اور اس کے شرائط و ارکان، اس کے پیدا کرنے کی صورتیں، اس کے باطنی اثرات اور مظاہر وغیرہ کو علیحدہ علیحدہ بہت واضح طور سے بیان کیا ہے۔ ہم مختصراً ذیل میں درج کرتے ہیں فرماتے ہیں

"اللہ تعالیٰ سے خشوع کی تعبیر تعظیم سے کی جاتی ہے، لیکن جب تک جلال الٰہی کی معرفت کے ساتھ اپنے نفس کی حقارت کی معرفت بھی شامل نہ ہو، اس وقت تک

[1] مدارج، ج ۱، ص ۲۹۶

خشوع و تعظیم کی حالت منتظم نہیں ہوتی ہے[1]

دوسری جگہ فرماتے ہیں :-

اللہ تعالیٰ نے اس آیت قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ[2] میں ایمان کے بعد ایک مخصوص نماز کی وجہ سے مومنین کی مدح کی ہے اور یہ مخصوص نماز وہ ہے جو خشوع کے ساتھ پڑھی گئی ہو، پھر ان فلاح یافتہ مومنین کے اوصاف گنانے کے بعد بھی ایک مخصوص نماز کا ذکر کیا ہے، چنانچہ فرمایا وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُونَ[3] ۔ پھر ان صفات کے نتیجہ میں فرمایا کہ وہی لوگ ہیں جو جنۃ الفردوس کے وارث و مالک ہوں گے، غرضیکہ نماز میں خشوع رکھنے والے مومنین کو پہلے فلاح یافتہ بتایا، پھر اس کے نتیجہ میں انھیں جنۃ الفردوس کے وارث بنانے کا وعدہ فرمایا"۔

پھر ایک دوسری جگہ خشوع کی عمومی تشریح کرنے کے بعد صوفیہ اور ائمہ کے اقوال و اعمال سے بھی اس پر استدلال کرتے ہیں، فرماتے ہیں :-

" جاننا چاہیئے کہ خشوع ایمان کا ثمرہ اور جلال الٰہی کے تصور سے جو یقین حاصل ہوتا ہے اس کا نتیجہ ہے۔ جو شخص اس کیفیت سے لطف اندوز ہو جاتا ہے' وہ نماز میں ہو خواہ نماز سے باہر ہر وقت اس پر خشوع و خضوع کی حالت طاری رہتی ہے' بلکہ وہ تنہائی اور رفع حاجت کے وقت بھی اس حالت سے علیحدہ نہیں ہوتا، اس لئے کہ خشوع کا اصلی سبب خدا کی عظمت و توقیر کی معرفت اور اپنی ذلت و تقصیر کا علم ہے اور اسی علم و معرفت کے تصور سے خشوع کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور ظاہر بات ہے کہ یہ چیز صرف نماز کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر وقت اور ہر آن اس کا حصول ممکن ہے چنانچہ بعض لوگوں کے متعلق مروی ہے کہ اُنھوں نے خدا سے شرم و حیا اور اسکی عظمت کے تصور کے استیلاء کی وجہ سے چالیس چالیس برس تک آسمان کی طرف سر نہیں اُٹھایا

---

[1] احیاء العلوم ج ۱، ص ۱۱۰، [2] بیشک وہ لوگ فلاح یافتہ ہیں جو اپنی نماز میں خشوع رکھتے ہیں۔

[3] اور وہ لوگ جو نماز پابندی سے ادا کرتے ہیں۔

ربیع بن خثیم (مشہور تابعی ہیں، ۶۳ھ یا ۶۱ھ میں وفات پائی) کو ان کے غض بصر اور اعضاء کے جھکاؤ کی وجہ سے بعض لوگ اندھا سمجھتے تھے، وہ چالیس برس تک ابن مسعودؓ کے مکان پر آتے جاتے رہے۔ جب وہ آتے تو ابن مسعودؓ کی لونڈی اُن سے کہتی کہ آپ کا اندھا دوست آگیا، ابن مسعودؓ جب ان کی طرف دیکھتے تو آیت کا یہ ٹکڑا پڑھتے وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ (احکام الٰہی کے سامنے سر نیاز خم کر دینے والوں کو خوشخبری دیجئے) اے ربیع خدا کی قسم اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو دیکھتے تو خوش ہوتے"۔ دوسری روایت میں ہے کہ "تم سے محبت کرتے"۔

ایک روز وہ ابن مسعودؓ کے ساتھ لوہاروں کے محلہ میں گئے، جب انھوں نے بھٹی کو جلتے اور آگ کو بھڑکتے دیکھا تو لرزہ براندام ہو گئے اور غش کھا کر وہیں گر پڑے۔

عامر بن عبد اللہ بھی ان لوگوں میں سے تھے جو نہایت ہی خشوع و خضوع اور توجہ الی اللہ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، ان پر خشوع کے غلبہ کا یہ حال تھا کہ جب وہ نماز پڑھنے لگتے تو بسا اوقات ان کی لڑکی دف بجایا کرتی اور عورتیں گھر میں بے تکلفی سے گھریلو باتیں کرتی رہتیں اور انھیں بالکل خبر تک نہ ہوتی۔

اُن سے لوگوں نے کہا کہ کیا آپ کو بھی نماز میں وسوسہ اور پراگندہ خیالی ہوتی ہے۔ انھوں نے فرمایا مجھ پر نیزوں کی پے در پے بارش مجھے اس بات سے زیادہ محبوب ہے کہ جس طرح تم لوگ نماز کے وقت پراگندہ خیال رہتے ہو، میں بھی رہوں۔

مسلم بن یسار بھی ان ہی لوگوں میں تھے کہ مسجد کا ایک ستون گر پڑا، اور وہ نماز پڑھتے رہے، انھیں اس کی خبر تک نہ ہوئی۔

بعض صوفیہ کا قول ہے کہ نماز کا تعلق آخرت سے ہے، جب تم اس میں داخل ہو گئے تو دنیا کی باتوں سے علیحدہ ہو جانا چاہیے"۔

پھر چند حکایات نقل کرنے کے بعد امام غزالیؒ آخر میں فرماتے ہیں کہ:۔

اوپر جس کیفیت کے ساتھ نماز پڑھنے کا ذکر کیا گیا ہے خاشعین فی الصلوٰۃ کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔ یہ تمام حکایات، روایات اور اس سلسلہ میں جو کچھ بیان

کیا گیا، اس بات کی دلیل ہے کہ نماز میں اصل چیز خشوع اور حضور قلب ہے حضور قلب کے بغیر یعنی غفلت قلب کے ساتھ محض اعضاء کی حرکت سے نماز پڑھنے کا آخرت میں بہت کم اجر و ثواب ہے۔"

شیخ عبدالقادر جیلانی (متوفی ۵۶۱ھ) نے غنیۃ الطالبین میں ابوحازم تابعی سے ایک روایت نقل کی ہے، جس سے "خشوع" کی پوری حقیقت سامنے آجاتی ہے۔

ابوحازم فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ سے ایک صحابی سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے مجھ سے اور چیزوں کے علاوہ نماز کے بارہ میں بھی بہت سے سوالات کئے اور میں ان کو جواب دیتا گیا، آخر میں انھوں نے پوچھا کہ:۔

عبادت کے وقت تمھاری کیا نیت ہوتی ہے، میں نے کہا کہ عبودیت، انھوں نے کہا کہ کس چیز سے نماز کی ابتدا کرتے ہو، میں نے کہا تکبیر سے، انھوں نے کہا نماز کی دلیل و برہان کیا ہے، میں نے کہا اس کی قراءت، انھوں نے کہا' نماز کا اصل جوہر کیا ہے' میں نے کہا تسبیحات جو اس میں پڑھی جاتی ہیں، انھوں نے کہا نماز کو زندہ کرنے والی کون سی چیز ہے، میں نے کہا خشوع و خضوع، پھر انھوں نے پوچھا کہ اس کا وقار کیا ہے، میں نے کہا سکون و طمانیت، تمام سوالات کے بعد ان صحابی نے فرمایا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح نماز ادا کرتے تھے"[۱]

امام ابوالقاسم قشیری (متوفی ۴۶۵ھ) اپنے رسالہ قشیریہ میں خشوع کے متعلق لکھتے ہیں:

"خشوع نام ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کا... بعض صوفیہ سے خشوع کے متعلق دریافت کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے دل کے لگے رہنے کو خشوع کہتے ہیں... سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ جس کا دل خشوع سے لبریز ہو جائے اس کے قریب شیطان نہیں آسکتا...... بندہ میں خشوع کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ ہے کہ جب اس پر غصہ کیا جائے، یا اس کی مخالفت کیجائے۔ یا اس کی کسی بات کو رد کیا جائے تو اس وقت وہ خندہ پیشانی اور حلم و ضبط کے ساتھ اس کا

(باقی مضمون ص۳۵ پر لاحظہ کیجئے)

[۱] غنیۃ ج ۲ ص ۱۰۹

آداب مجلس

(از جناب مولانا محمد ایوب صاحب اصلاحی جامعہ الٰہیات کانپور)

[اسلامی اخلاق و آداب پر مولانا ایک بسیط مضمون لکھ رہے ہیں جس کی پانچ قسطیں اس سے پہلے الفرقان میں شائع ہو چکی ہیں، آج چھٹی قسط ہدیۂ ناظرین کرام ہے ——— مدیر]

اخلاق و تہذیب کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے پاس آنے والے کا خندہ پیشانی کے ساتھ خیر مقدم کرے، اس کے بیٹھنے کے لئے کافی جگہ دے، اگر آنے والا اس سے سن و سال میں، یا علم و عمل، یا فضل و کمال میں کسی چیز میں بھی بڑا ہو خصوصاً اس کے والدین یا اساتذہ میں سے کوئی ہو تو اس کے سامنے ادب و تہذیب کا پورا خیال رکھے اور اٹھنے بیٹھنے اور تمام حرکات و سکنات میں سنجیدگی اور متانت کا دامن ذرا بھی ہاتھ سے نہ چھوٹنے دے، آنیوالے کا پرتپاک استقبال کرے اور جب وہ بیٹھ جائے اور گفتگو کرنا چاہے تو اس کی طرف پورے طور پر متوجہ رہے اور اسکی باتیں شوق سے سنے، بزرگوں کی صحبت میں انسان اس بات کا کامل لحاظ رکھے کہ ان کے سامنے اس کی نشست ایسی نہ رہے جو بے ادبی میں داخل ہو، مثلاً پاؤں کو پھیلانا، یا ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں پر رکھ کر بیٹھنا اور اسی طرح کی دوسری حرکتیں جو انکی ناراضی کا باعث ہوں۔ اگر کبھی ناک صاف کرنے، تھوکنے، یا جمائی لینے کی ضرورت ہو تو باہر جا کر اس ضرورت کو پوری کرے، جمائی لیتے وقت منہ پھیرنے اور اس پر ہاتھ رکھ لے۔

ان امور کا ہر شخص کو پابند بننا چاہیئے کہ اخلاقی محاسن میں ان کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور ان کی خلاف ورزی ناشائستگی کی علامت اور ایک مہذب سوسائٹی اور قانون اخلاق کی نگاہ میں اخلاقی جرم ہے، اسی لئے قرآن عظیم نے مجلس کے حدود و آداب مقرر کر دئے ہیں جو نہایت حکیمانہ اور مفید مصالح پر مبنی ہیں، چنانچہ پہلا اصول جو اس باب میں سب سے اہم ہے اور بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے یہ ہے:۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِى الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ (سورۂ مجادلہ ع)

مومنو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں وسعت اور کشادگی پیدا کرو تو کشادگی پیدا کر دیا کرو، اللہ تعالیٰ تم کو کشادگی بخشے گا اور جب تم سے کہا جائے کہ اُٹھ کھڑے ہو تو اُٹھ کھڑے ہوا کرو، اللہ تم میں سے ان لوگوں کے درجے بلند کریگا جو صاحب ایمان ہیں اور جن کو علم عطا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی پوری خبر ہے۔

یعنی جب کسی جگہ کچھ لوگ جمع ہوں اور وہاں کچھ لوگ اور بھی آجائیں اور بیٹھنا چاہیں تو گو وہاں تنگی اور جگہ کی کمی ہو، اہل مجلس کا اخلاقی فرض ہے کہ ان کے بیٹھنے کے لئے مناسب گنجائش نکالیں، خواہ یہ اجتماع کسی طرح کا بھی ہو، وعظ و نصیحت کا ہو، نماز کے لئے، درس و تدریس کے لئے ہو، ہر حال میں آنے والوں کے لئے تا بحدِ امکان گنجائش نکالنا ضروری ہے

اس اصول کی حکیمانہ مصلحت پر غور کیجئے، اس وسعت اخلاق کے مظاہرہ کا نتیجہ یہ ہوگا کہ محبت و یکجہتی پیدا ہوگی اور دلوں سے کدورتیں نکلتی جائیں گی، یہ فائدہ اور نتیجہ تو اسی دنیا میں حاصل ہوگا جو اُس کامیابی کے مقابلہ میں ہر حال بالکل ہیچ ہے جس کا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ میں وعدہ کیا گیا ہے کہ جو لوگ اس اخلاق پر پوری طرح کاربند ہوں گے اور خود کھسک سمٹ کر دوسروں کو کشادہ جگہیں بیٹھنے کے لئے خالی کر دیں گے ان کو صلہ بھی ایسا ہی ملے گا یعنی اللہ تعالےٰ ان کو دل کی، سینہ کی، رزق کی، قبر کی اور عالم آخرت کی قیام گاہوں (یعنی بہشت) کی غرض ہر شے کی کشادگی عطا فرمائے گا۔

مجلس میں آنے والوں کے لئے کشادہ جگہ دینا تو اخلاقاً ضروری ہے مگر کسی آنے والے کے لئے تعظیماً اُٹھنا اسلامی قانون اخلاق اور اصول تہذیب کی نگاہ میں کیسا ہے؟ سو علماء کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

بعض علماء نے اس صورت میں کھڑا ہونا جائز اور مناسب قرار دیا ہے جب آنیوالا اہل مجلس کے

نزدیک قابل احترام اور بلند مرتبت ہو، ان حضرات کا خیال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کے لئے کھڑے ہونے کا حکم دیا تھا اور فرمایا تھا قوموا الی سیدکم (اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ)

لیکن اکثر علماء کے نزدیک کھڑا ہونا جائز نہیں، شارع علیہ السلام نے اس پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے اور اپنے لئے ایسا چاہنے والوں کو تو عذاب جہنم کی وعید سنائی ہے:۔

من احب ان یتمثل له الناس	جو یہ خواہش رکھتا ہو کہ لوگ اس کیلئے کھڑے
قیاما فلیتبوأ مقعدہ من	رہا کریں تو اس کو اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنانا
النار	چاہیئے۔

علماء کی تیسری جماعت کا فیصلہ یہ ہے کہ دو موقعوں پر کھڑا ہونا جائز ہے، ایک تو سفر سے آنے والوں کے خیر مقدم کے لئے، دوسرے حاکم کے لئے جب کہ وہ اپنے ماتحت اور زیر حکومت علاقہ میں داخل ہو رہا ہو۔ ان حضرات کے نزدیک حضرت سعد بن معاذ کے لئے کھڑے ہونے کے حکم کی توجیہہ یہی ہے کہ اُس وقت وہ ایک حاکم یعنی حکم کی حیثیت سے آرہے تھے۔

پس ان موقعوں کے علاوہ کسی موقع پر بھی کسی کے استقبال کے لئے کھڑا ہونا جائز نہیں، چنانچہ خود صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے وقت کھڑے نہیں ہوتے تھے، حالانکہ ان کے لئے آپ سے زیادہ محبوب دنیا کی کوئی ہستی نہیں تھی اور نہ ان کے دلوں پر آپ کے رعب و جلال سے بڑھ کر کسی دوسرے کا رعب تھا لیکن چونکہ ان کو معلوم تھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے کسی کا تعظیماً اٹھ کھڑا ہونا ناپسند فرماتے ہیں اس لئے وہ آپ کے لئے ایسا کرنے سے باز رہتے تھے۔

جس طرح کسی کی یہ خواہش قابل مذمت اور بری ہے کہ لوگ اس کے لئے کھڑے ہوا کریں اسی طرح اگر کوئی کسی کو اٹھا کر خود اس کی جگہ بیٹھنا چاہے تو اس کو اخلاق، عقل اور شریعت تینوں ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور کھلا شریعت کا حکم اس بارے میں یہ ہے۔

لا یقیم الرجل الرجل	کوئی شخص کسی شخص کو اس کی جگہ سے نہ اٹھائے
من مجلسه ولکن تفسحوا	لیکن ہاں تم مجلس میں دوسروں کے لئے گنجائش

وتوسعوا۔ کشادگی پیدا کردیا کرو۔

مجلسوں میں فراخی اور گنجائش پیدا کرنے کا منشا، چونکہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے جگہ پیدا ہو اور آپس میں محبت و یگانگت بڑھے جو اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب فراخی اور وسعت پیدا کرنے کا خیال آنے والوں کی عظمت و وقار اور ان کی تعظیم و احترام کے احساس سے خالی نہ ہو، جس کی ایک شکل یہ بھی پیش آسکتی ہے کہ آنے والوں کے لئے نہ صرف ایک طرف سمٹ کر جگہ پیدا کردیں بلکہ اپنی جگہ سے اُٹھ جائیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمائی ہے کہ ضرورت ہو تو کھڑے بھی ہو جانا چاہیئے وَاِذَا قِیْلَ انْشُزُوْا الخ یعنی جب تمھارے پاس کچھ لوگ آرہے ہوں اور ضرورت کے پیش نظر تم سے کھڑا ہونے کے لئے کہا جائے تو فوراً کھڑے ہو جاؤ، ایسا کروگے تو تم کو اس کا بہترین اجر ملے گا، یہ گمان نہ کرنا کہ اس سے تمھارا مرتبہ گھٹ جائے گا بلکہ اس کے صلہ میں تم کو دونوں جہان میں بلند درجے عطا ہوں گے خاص کر اہل علم سب سے زیادہ مستحق تعظیم و تکریم ہوں گے۔

اہل علم کی اس امتیازی سرفرازی کا سبب یہ ہے کہ بتقاضائے ضرورت شریعت نے مجلس سے کھڑے ہونے کا جو حکم دیا ہے اس کی پیروی وہ اس یقین اور بصیرت کے ماتحت کرتے ہیں جس سے عوام خالی ہوتے ہیں، ہرچند کہ آیت وَاِذَا قِیْلَ انْشُزُوْا الخ میں خطاب عام مسلمانوں سے ہے کوئی بھی اس حکم سے مستثنیٰ نہیں لیکن اس کے باوجود اہل علم کی طرف خصوصیت کے ساتھ اس امر کا آیت میں ایک لطیف اشارہ ہے، چونکہ اہل علم کو اس موقع پر یہ وسوسہ ہو سکتا تھا کہ وہ عام انسانوں سے ممتاز ہونے اور علم کا امتیازی احترام رکھنے کی وجہ سے ایسے مواقع پر کھڑا ہو جانا ان کے لئے مناسب نہیں ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس حکم کے اجر کو خاص بیان فرمایا ہے، ان کا خصوصی ذکر کیا ہے تاکہ وہ اس ترغیب سے متاثر ہو کر ایسے مواقع پر اپنی شان عظمت و رفعت کو آسانی سے فراموش کر سکیں اور اللہ تعالیٰ کی بڑائی، اس کی عظمت اور اس کے حکم واجب الاطاعت کے سامنے سر تسلیم و رضا جھکا دیں، علماء کی فضیلت اور علم و معرفت کی وقعت اور اہمیت پر اس آیت سے جو روشنی پڑ رہی ہے اس کو ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں۔

آداب مجلس کے ان ضروری اصولوں کی وضاحت کرنے اور اخلاقی ہدایات دینے کے بعد شارع نے وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ کے الفاظ میں لوگوں کو متنبہ بھی کر دیا ہے کہ اگر تم نے ان اخلاقی اصولوں کو اپنی طبعی ناپسندیدگی کی وجہ سے ملحوظ نہ رکھا اور آنے والوں کیلئے اپنی مجلسوں میں کشادگی اور فراخی پیدا کرنے کی طرف توجہ نہ کی اور اپنی عظمت و وقار کے زعم باطل میں اللہ کے حکم کو پس پشت ڈال دیا تو یاد رہے کہ تمہارے تمام اعمال اس کے علم میں ہیں، تمہاری کوئی نیکی اور بدی اس سے مخفی نہیں، یقیناً وہ تمہارے ہر عمل کا اس کی نوعیت کے لحاظ سے بُرے کا بُرا اور بھلے کا بھلا بدلہ دیگا، اس لئے اس کی نافرمانی سے بچو۔

قرآن مجید اور تفاسیر

معجز نما قرآن مجید کاغذ دبیز مجلد چرمی بدیہ عہ
حمائل مجید کاغذ سفید چکنا مجلد چرمی عہ
ر ر ر مجلد پارچہ ہے
حمائل شریف معجز نما کاغذ عمدہ مجلد چرمی ہے
ر ر ر فیروزی ر ر ر ہے

حمائل شریف مترجمہ حضرت تھانوی مع مفصل
حواشی، کاغذ و طباعت مجلد چرمی عہ
نورانی قرآن مجید عمدہ کاغذ نہایت نفیس اور
خوبصورت کتابت جلی حروف مجلد پارچہ ہے
حمائل شریف مصری کاغذ، دستی سائز مجلد للعہ

تفسیر بزبان اردو

تفسیر حقانی کامل آٹھ جلد قیمت کامل صہ
البیان فی علوم القرآن مولانا عبدالحق
مرحوم کی معرکۃ الآرا اور شہرۂ آفاق کتاب جس میں
قرآن پاک کے علوم و معارف پر نہایت محققانہ
بحثیں کی گئی ہیں قیمت للعہ
تفسیر عزیزی پارہ تبارک الذی اردو للعہ
تفسیر عزیزی پارہ عم اردو عہ
تفسیر عزیزی سورۂ بقر اردو صہ

علامہ فراہی

کے تفسیری رسائل میں جو چند بالکل نایاب ہیں
ان کے علاوہ تمام اردو عربی رسائل ہم سے
طلب فرمائے جاسکتے ہیں۔
سلسلہ تعلیم القرآن۔ قرآن مجید کے
مطالب اور معانی کو نہایت آسان طریقہ پر
ذہن نشین کرنے کیلئے یہ سلسلہ مولانا محمد عماد
الدین صاحب ناظم دینیات اسلامیہ کالج جالندھر
نے تصنیف کیا ہے بہت مفید ہے، عام خواندہ
مسلمان اس سے بہت فائدہ اٹھا سکتے ہیں
قیمت حصہ اول ۶ر حصہ دوم ۶ر
تعلیم قرآن سورۂ فاتحہ اور والضحیٰ سے لیکر
سورۂ والناس تک تمام حصوں کا لفظی با محاورہ
ترجمہ اور مختصر تفسیر طرز بیان دلکش اور
موثر ہے قیمت ۱۲ر

کتب فقہ و فتاویٰ بزبان اردو

بہشتی زیور مکمل، مدلل جدید ایڈیشن
جو کہ ہر حیثیت اعلیٰ و اکمل ہے قیمت عہ
فیض الستار امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب
الآثار کا اردو ترجمہ مع متن قیمت عہ
نور الاصباح ترجمہ دو نور الایضاح عہ
ضروری ترجمہ اردو قدوری عہ
مفتاح الجنۃ ۱۲ر مالا بد منہ فارسی ہے
کشف الحاجۃ ترجمہ اردو مالا بد منہ ۱۲ر
مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحی قیمت ہے
فتاویٰ عزیزی اردو ہر دو حصہ ہے
فتاویٰ محمدی مع شرح دیوبندی عہ
الجواب المتین (صرف احادیث
سے مسائل کا جواب) ۸ر
ارکان اسلام ایمان، نماز، روزہ،
حج، زکوٰۃ کے فضائل و مسائل پر جامع
رسالہ پڑھنے پڑھانے کے قابل ہے
آئینہ نماز از مولانا سعید احمد صاحب
مفتی مظاہر علوم سہارنپور قیمت ۸ر
الحیلۃ الناجزۃ قاضی اسلام نہ ہونے
کی وجہ سے مصیبت زدہ عورتوں کے
لئے خلع وغیرہ کی جو شرعی مشکلات ہیں
اس میں ان کا حل بتایا گیا ہے قیمت ہے
المقوبات للمظلومات یہ گویا الحیلۃ
الناجزۃ کا خلاصہ ہے، قیمت ۸ر
آلہ مکبر الصوت یعنی لاؤڈ اسپیکر
کے شرعی احکام ...... قیمت ۳ر
تعلیم الاسلام ہر چہار حصہ ہے

الحزب الاعظم مجلد ...... عہ
ایضاً کاغذ معمولی ۸ر
اعمال قرآنی کامل ۱۰ر
ہفت سورہ مع مناجات مقبول مترجم مجلد عہ
مناجات مقبول مطبوعہ مجیدی عہ

تاریخ و سیر

نشر الطیب از حضرت مولانا تھانوی قیمت ہے
سیرت خاتم الانبیاء۔ از مولانا محمد شفیع صاحب
دیوبندی ہے
رحمۃ للعالمین مکمل، از قاضی سلیمان منصور پوری
مرحوم قیمت عہ
رسول اکرم۔ زبان آسان واقعات مستند
تالیف مولانا احمد سعید صاحب دہلوی قیمت مجلد عہ
رسول مقبول۔ بچوں کے خاص ذوق
اور ان کی دلچسپی و حد برداشت کا لحاظ
رکھ کر یہ کتاب مرتب کی گئی ہے قیمت ۱۲ر
پہلی تقریر سیرت: سیرت کے موضوع پر
مولانا احمد سعید صاحب کی عجیب و غریب تقریر مجلد عہ
دوسری تقریر سیرت: مولانا موصوف
ہی کی اسی موضوع پر دوسری تقریر ہے مجلد عہ
خصائل النبی شمائل ترمذی کی اردو شرح
از شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب للعہ
شمائل النبی ترجمہ: شمائل ترمذی کا
حامل متن سلیس اردو ترجمہ ہے (از
مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی) قیمت عہ
تواریخ حبیب الٰہ۔ قیمت ہے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان قرآن
میں۔ قیمت دس آنہ
نبی عربی از قاضی زین العابدین سجاد
میرٹھی ...... قیمت عہ
خلافت راشدہ قیمت ہے
خلافت بنو امیہ قیمت ہے
مناقب الخلفاء خلفاء راشدین کے فضائل و مناقب
سیر الخلفاء خلفاء راشدین از مولانا عبدالشکور صاحب عہ
امت محمدیہ کا پہلا مجذوب (حضرت ابوذر
غفاری) از مولانا گیلانی قیمت ہے
سیف الجبار سوانح حضرت خالد
بن ولید۔ قیمت دس آنے ۱۰ر

نہایت مفید اور قابل مطالعہ چند کتابیں

دین و دانش:۔ مصنفہ پروفیسر محمود علی صاحب۔ اسلامی اصول و احکام کے مطابق فطرت اور مطابق عقل سلیم ہونے کے ثبوت میں یہ کتاب بالکل بے نظیر ہے۔ قیمت ھ/

دین و آئین:۔ اس کتاب کو دین و دانش ہی کا دوسرا حصہ سمجھنا چاہئے اس میں فاضل مصنف نے اسلامی قوانین اور اسلامی شریعت کی برتری اور صحت، دنیا کے تمام دوسرے قوانین اور نظام ہائے زندگی کے مقابلہ میں نہایت روشن دلائل و براہین سے ثابت کی ہے۔ قیمت عہ

الاسلام:۔ از حضرت علامہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی مدظلہ اس کے مطالعہ سے ہر شخص کو یقین آجاتا ہے کہ دنیا میں سچا اور نجات دلانیوالا مذہب صرف اسلام ہے قیمت ۸ر

العقل والنقل:۔ اس کے دیکھنے سے آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ اسلامی تعلیمات عقل سلیم اور فطرت کے بالکل موافق ہیں۔ قیمت ۱۲ ار

رہنمائے قرآن: خصوصاً جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو قرآن مجید سے قریب اور اسکے فلسفۂ تعلیم سے آشنا کرنے کیلئے نہایت اچھی کتاب ہے اصل کتاب انگریزی میں لکھی گئی تھی یہ اس کا ترجمہ ہے قیمت عہ

کائنات روحانی: از مولانا سید مناظر احسن گیلانی، اس کے دیکھنے سے آپ کو معلوم ہوگا کہ قرآن مجید جو بظاہر ایک کتاب ہے درحقیقت وہ روحانی کائنات ہے جو انسانی روح کی تمام ضروریات کی کفیل ہے، کتابت و طباعت دیدہ زیب ھر

عہد نبوی کے میدان جنگ: از ڈاکٹر حمید اللہ صاحب پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی، عہد نبوی میں جو غزوات ہوئے اس کتاب میں ان کے محل وقوع کے متعلق جغرافیائی اور تاریخی معلومات کو بڑی تحقیق سے فراہم کیا گیا ہے نیز چند مقامات کے نقشے بھی دئیے گئے ہیں بہت ہی فاضلانہ کتاب ہے قیمت عہ

رموز اقبال: از ڈاکٹر میر ولی الدین پی ایچ ڈی اقبال نے دنیا اور اسلامی دنیا کو جو پیغام دیا ہے اس کتاب میں بڑی خوش اسلوبی سے اس کو پیش کیا گیا ہے خصوصاً نوجوانوں کیلئے صحیفۂ ہدایت اور پیام زندگی ہے قیمت ۱۲ عہ

کتب سماویہ پر ایک نظر: کتب سماویہ توراۃ و انجیل وغیرہ پر اس کتاب میں نہایت محققانہ علمی اور تاریخی بحث کر کے ثابت کیا گیا ہے کہ موجودہ حالت میں یہ کتابیں کسی طرح بھی قابل اعتماد نہیں ہیں نیز پیغمبر اسلام کے متعلق جو پیشین گوئیاں اب تک ان کتابوں میں موجود ہیں اُن پر بھی نہایت نفیس بحث کی گئی ہے اپنے موضوع میں بے نظیر کتاب ہے۔ قیمت ۱۲ ار

نصرت الحدیث: انکار حدیث کی بلا، نو تعلیم یافتہ طبقے میں عموماً پھیلتی جارہی ہے اور اسکے علمبردار ذخیرۂ احادیث نبویہ کے متعلق نہایت وسیع پیمانے پر ملحدانہ شبہات کی اشاعت کر رہے ہیں۔ نصرت الحدیث میں ان تمام شبہات کا جواب دیا گیا ہے۔ قیمت ۱۲ ار

حقیقت نفاق: اس میں تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ دین کی وسیع اصطلاح میں نفاق کس حالت کا نام ہے اور آج کل مسلمانوں کی زندگی میں اسکا عنصر کتنا غالب ہے اور کس طرح اپنے کو اس سے پاک کیا جا سکتا ہے قیمت عہ

معرکۂ اسلام و جاہلیت: اسلام اور جاہلیت میں کیا بنیادی فرق ہے اور ان کے اصول و فروع میں کس طرح کا تضاد ہے؟ اس موضوع پر پڑھنے کے لائق مقالہ ہے قیمت ھر

التشبہ فی الاسلام: کافروں اور فاسقوں فاجروں کے ساتھ تشبہ کے مسئلہ پر اردو میں پہلی محققانہ فاضلانہ کتاب ہے، پہلا حصہ ھر، دوسرا حصہ جس میں لباس کی بحث نہایت مفصل اور مکمل ہے قیمت ۱۲ ار

ازبلا:۔ اسپین کے ایک پادری کی لڑکی نے اسلام کو سچا مذہب جان کر قبول کرلیا، خاندان والوں نے اس پر بڑے سخت مظالم کئے مگر وہ ثابت قدم رہی، بالآخر بڑے بڑے پادریوں نے جمع ہو کر اس سے مناظرہ کیا۔ ان واقعات کی دلچسپ تفصیل اور مناظرہ کی مکمل روئداد اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیے۔ قیمت مجلد ۱۲ ار

نبوت محمدی کا عقلی ثبوت:۔ از مولانا مودودی۔ قیمت ۴ر

دینی جذبہ پیدا کرنیوالی کتابیں

حیات المسلمین از حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ، حضرت اپنی اس تالیف کے ذریعہ نجات ہونے کی امید کرتے تھے ۸ر

تبلیغ دین یہ حضرت امام غزالی کی کتاب اربعین کا سلیس اور بامحاورہ ترجمہ ہے شریعت اور طریقت کا جوہر اور حقیقت و معرفت کا عطر ہے جس پر عمل پیرا ہو کر انسان فی الحقیقت انسان بن سکتا ہے۔ قیمت ۸ر

خدا کی باتیں:۔ حدیث کے ذخیرہ میں جس قدر احادیث قدسیہ ملتی ہیں ان سب کو عام فہم اردو زبان میں اس کتاب میں جمع کیا گیا ہے قریباً ۸۰ احادیث کا مجموعہ ہے قیمت ۶ر

رسول کی باتیں:۔ اسلام کے ضروری عقائد، توحید، رسالت، قیامت عالم برزخ، عذاب قبر، تقدیر، کتب آسمانی، ملائکہ، ان تمام ایمانی حقیقتوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث کا سلیس اور شگفتہ ترجمہ اس میں کیا گیا ہے

قیمت ہر دو حصہ ۱۲ر

جنت کی کنجی:۔ اس کتاب میں ۱۳۳۵ ایسی حدیثوں کا سلیس اور عام فہم ترجمہ کیا گیا ہے جن میں خاص خاص اعمال پر جنت کی خوشخبری دی گئی ہے، گویا ترغیبی حادیث کا مکمل مجموعہ ہے قیمت ۱۲ر

دوزخ کا کھٹکا:۔ اس میں ۱۰۰۴، ایسی حدیثیں آسان اردو میں جمع کی گئی ہیں جن میں برے اعمال کرنیوالوں کو جہنم کا خوف دلایا گیا ہے قیمت ۱۲ر

صلاۃ وسلام (از مولانا احمد سعید صاحب دہلوی) درود وسلام کے فضائل کے متعلق جس قدر احادیث مروی ہیں عام فہم اردو زبان میں ان سب کو اس میں جمع کیا گیا ہے قیمت ۱۲ر

اماثل الاقوال:۔ ائمہ شریعت وطریقت کے نہایت مؤثر حالات وارشادات۔

تصانیف شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ

فضائل نماز:۔ قرآن و حدیث سے نماز کی فضیلت اور جماعت اور خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھنے کی اہمیت کا بیان اس کتاب کا خاص موضوع ہے پھر اس سلسلہ میں بزرگان دین کے بہت سے سبق آموز واقعات بھی لکھے گئے ہیں جو دل پر بڑا اثر کرتے ہیں۔ قیمت صرف دس آنے ۱۰ر

فضائل رمضان اپنے موضوع پر نہایت جامع اور مؤثر رسالہ ہے۔ قیمت صرف آٹھ آنے ۸ر

فضائل قرآن:۔ قرآن مجید پڑھنے پڑھانے کے فضائل وبرکات کے بیان میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں یہ ان کا نہایت مؤثر مجموعہ ہے قیمت ۱۰ر

فضائل ذکر:۔ آیات واحادیث سے ذکر اللہ کے فضائل وبرکات اور ان کی تاثیرات کے بیان میں اردو زبان میں غالباً پہلی جامع اور مفصل کتاب ہے قیمت ۱۲ر

فضائل تبلیغ:۔ تبلیغ کی فضیلت اور اہمیت کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو اس میں جمع کیا گیا ہے نیز تبلیغ کے اصول وآداب کے متعلق بھی نہایت زریں ہدایات سپرد قلم کی گئی ہیں ۸ر

”زاد سفر“

اردو زبان میں احادیث نبویہ کا مستند مجموعہ جو اخلاق و اعمال اور تہذیب و معاشرت، بلکہ زندگی کے تمام انفرادی و اجتماعی معاملات میں مسلمانوں کی رہنمائی کیلئے کافی و وافی ہے یہ درحقیقت مشہور محدث امام نووی متوفی ۶۷۶ھ کی مستند کتاب ”ریاض الصالحین“ کا سلیس اردو زبان میں ترجمہ ہے حسب ضرورت حواشی میں مطالب کی مزید توضیح بھی کر دی گئی ہے، ریاض الصالحین مسلم طور پر احادیث نبویہ کا بہترین اور نہایت جامع انتخاب ہے اور افادہ کے لحاظ سے یہ ترجمہ بالکل اصل کے قائم مقام ہے اور ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ایک ذی علم دینی بہن کے قلم سے ہے شروع میں مولانا سید سلیمان ندوی کا مقدمہ ہے قیمت للعہ

حکایات صحابہؓ:۔ صحابہ کرام مردوں، عورتوں اور بچوں کے دینی حالات، ایمانی طاقت، ذوق عبادت، یاد آخرت، اللہ اور رسول کی محبت، باہمی ہمدردی و غمخواری اور راہ خدا میں جانی ومالی قربانیوں کے نہایت مؤثر اور ولولہ انگیز سیکڑوں واقعات تاریخ اسلام کے ہزاروں صفحات سے منتخب کرکے اس کتاب میں جمع کر دئے گئے ہیں۔ قیمت ۱۲ر

الاعتدال:۔ اس زمانہ میں سیاسی اختلافات کی بنا پر جو بدعنوانیاں ہو رہی ہیں انکے بارے میں بے نظیر کتاب ہے قیمت ۱۲ر

قیمت حصہ اول ۶ر، حصہ دوم آٹھ آنہ

چند مفید تاریخی تنقیدی اور اصلاحی کتابیں

مسلمانوں کے تنزل سے دنیا کو کیا کیا نقصان پہنچا

ازمولانا سید ابوالحسن علی ندوی

اس کتاب کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں کے برسر اقتدار آنے سے پوری دنیا میں کس طرح روحانیت اور ایمانداری غالب ہوگئی تھی اور تمام اقوام عالم کے اخلاق و افکار اور تہذیب و تمدن پر کتنا اچھا اثر پڑا تھا اور پھر مسلمانوں کے زوال اور یورپین اقوام کے برسر اقتدار آنے سے دنیا کی تہذیب اور اخلاق و رجحانات پر کیا اثر پڑا ہے اور انسانوں پر مادیت و حیوانیت کس قدر غالب آتی جارہی ہے اور اب مسلمانوں کی ذمہ داری کیا ہے بلاشبہ یہ تصنیف اس طرح کی کتابوں میں ہے جو قوموں میں بڑے بڑے انقلاب کی بنیاد بن جاتی ہیں۔ قیمت مجلد صرف للعہ

بچوں کی قصص الانبیاء

بچوں کی بھولی بھالی زبان میں انبیاء علیہم السلام کے وہ قصے اور صرف وہی واقعات جو قرآن پاک میں بیان ہوئے ہیں حضرت نوحؑ ۱؎ حضرت ہودؑ ۱؎ حضرت صالحؑ ۱؎ حضرت ابراہیمؑ ۱؎

صحابہ کرام اور بزرگان دین

بچوں کم علم عورتوں معمولی پڑھے لکھے مردوں کو صحابہ کرام اور بزرگان دین سے واقف کرنے اور ان میں اچھے دینی جذبات پیدا کرنے کے لئے رسائل ذیل کا مطالعہ کرائیے جن کی زبان آسان اور طرز بیان نہایت دلچسپ ہے۔

رسول اکرمؐ ۳؎ حضرت ابوبکرؓ ۱؎ حضرت عمرؓ ۱؎ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ۱؎ حضرت طلحہؓ ۱؎ حضرت زبیرؓ ۱؎ حضرت ابوہریرہؓ ۱؎ حضرت بلالؓ ۱؎ حضرت سلمان فارسیؓ ۱؎ حضرت ابن مسعودؓ ۱؎ حضرت ابن عباسؓ ۱؎ حضرت ابن عمرؓ ۱؎ حضرت مصعب بن عمیرؓ ۱؎ حضرت انس بن مالکؓ ۱؎ حضرت اسامہؓ ۱؎ حضرت ابن عوفؓ ۱؎ مولانا رومؒ ۱؎ امام غزالیؒ ۱؎ خواجہ معین الدینؒ ۱؎ خواجہ قطب الدینؒ ۱؎ خواجہ نظام الدینؒ ۱؎ شیخ فرید الدینؒ ۱؎ امام ربانیؒ ۱؎ جمال الدین افغانی ۱؎ حدیث نبوی کے اولیں صحیفے ۱؎

توبۃ النصوح مشہور اصلاحی کتاب ہے قیمت ایک روپیہ چار آنہ

مذہب و تمدن

ازمولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔ اس میں نہایت محققانہ طور پر بحث کی گئی ہے کہ انسان کی نجات صرف اسی تمدن اور اسی نظام حیات میں ہے جو انبیاء علیہم السلام نے پیش کیا۔ قیمت ۸؍

کالا پانی

مولانا محمد جعفر صاحب تھانیسریؒ جو حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک جہاد کے سلسلہ کی مشہور شخصیت ہیں اور جن کو بجرم بغاوت کالا پانی بھیجا گیا تھا، انھوں نے اپنی اسارت کی پوری سرگزشت اس کتاب میں لکھی ہے بڑی دردانگیز کتاب ہے قیمت عمر

باغی مسلمان

ڈاکٹر ہنٹر کی مشہور انگریزی کتاب "ہمارے ہندوستانی مسلمان" کا اردو ترجمہ جس میں حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ وغیرہ کی تحریک جہاد پر انگریزی نقطہ نظر سے تبصرہ کیا گیا ہے اس کتاب سے آپ کو ان مجاہدین کی حیرت انگیز تنظیم اور محیر العقول قربانیوں کا حال معلوم ہوگا، وہ بھی دشمنوں کے قلم سے۔ قیمت مجلد عگ

اشاعت اسلام

ملقب بہ "دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا" یہ کتاب اپنی مقبولیت اور شہرت کے لحاظ سے تعارف سے بے نیاز ہے عرصہ سے نایاب تھی حال ہی میں عمدہ کاغذ پر دیدہ زیب طبع ہوئی ہے۔ قیمت للعہ

تقاریر

مولانا احمد سعید صاحب کی ۱۲ تقریریں اخبارات بکھرے ہوئے فائلوں سے حاصل کرکے اس مجموعہ میں جمع کی گئی ہیں فی الحقیقت پڑھنے کی کتاب ہے، چند تقریروں کے عنوان یہ ہیں: بدنصیب ہندوستان کی غلامی، عارضی صلح، مسائل حاضرہ پر تبصرہ، گڑ بیوں کا راج چھوڑ دو، وحدت اسلامی کا پرجوش مظاہرہ، بھوک ہڑتال، محمد علی ہمارا تھا اور ہم محمد علی کے ہیں۔ قیمت مجلد عگ

مضامین

یہ مولانا موصوف کے دلچسپ اصلاحی مضامین کا مجموعہ ہے یہ بھی پرانے اخبارات کے فائلوں سے مرتب کیا گیا ہے قابل مطالعہ ہے مجلد عگ

پردہ کی باتیں

یہ مولانا موصوف کی ان تقریروں کا مجموعہ ہے جو موصوف نے آل انڈیا ریڈیو پر نشر کی تھیں جو شب برات، رمضان، عید وغیرہ مضامین پر مشتمل ہیں۔ قیمت مجلد ۸؍

خاموش تبلیغ

ازمولانا موصوف بصورت افسانہ قیمت مجلد عگ

مطبوعات
ندوۃ المصنفین دہلی

قصص القرآن جلد اول صہ
قصص القرآن جلد دوم للعہ
قصص القرآن جلد سوم للعہ
قصص القرآن جلد چہارم ؁
لغات القرآن جلد اول ؁ دوم ؁
نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم عہ
خلافت راشدہ ؁
خلافت بنی امیہ ؁
اخلاق وفلسفۂ اخلاق ؁
اسلام میں غلام کی حقیقت ؁
غلامان اسلام ؁
وحی الٰہی ؁
فہم قرآن ؁
قرآن اور تصوف ؁
تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام ؁
مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت
کامل ہر دو جلد قیمت ؁
اسلام کا نظام حکومت ؁
اسلام کا اقتصادی نظام للعہ
مسلمانوں کا عروج وزوال ؁
ہندوستان میں قانون شریعت کا
نفاذ۔ قیمت ؁
بین الاقوامی سیاسی معلومات ؁
شہنشاہیت ؁
تاریخ انقلاب روس ؁
انقلاب روس ؁
سرمایہ ؁

مولانا ابو الکلام آزاد
تنقید وتبصرہ کی نگاہ میں
مشہور صحافی علم ابو سعید بزمی ایم اے
کے قلم سے مجلد قیمت ؁

بعض تصانیف حکیم الامۃ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

اشرف السوانح کامل عہ
تالیفات اشرفیہ ؁
احکام التجلی ۳ر
تعلیم الدین ؁
اصلاح الرسوم عہ
صفائی معاملات ۴ر
مناجات مقبول مجلد ؁
السنۃ الجلیہ در احوال
مشائخ چشتیہ ؁
الانتباہات المفیدہ ۹ر
جمال القرآن محشی ۳ر
زاد السعید۔ نبی کریم پر درود
سلام کے فضائل اور اس کے
متعلق دیگر ضروری باتیں ۳ر
قصد السبیل مع پنج حاسہ باطنی
گویا تصوف کا عطر ہے ۳ر
تسہیل قصد السبیل ؁
التکشف فی تحقیق التصوف ار
آئینہ تربیت: مولانا تھانوی
کی جلیل القدر اصلاحی کتاب
تربیت السالک کا خلاصہ ؁
القول الصواب: پردہ کے
مسئلہ پر مختصر تحقیقی رسالہ ہے ۲ر
الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد
تقلید وعدم تقلید کی بحث پر تحقیقی
محققانہ اور منصفانہ رسالہ ہے ۵ر
الاقتصاد فی الصلوٰۃ۔ حضرت خان
کی تحقیق پر قابل قدر رسالہ ۳ر
القول البدیع۔ دیہات میں جمعہ
کے مسئلہ پر محققانہ رسالہ ۲ر
منہیات۔ وصیت۔ حضرت کا
مفصل وصیت نامہ ۳ر

الادراک والتوصل ار
اغلاط العوام ۲ر
تکمیل العرفان مع حفظ الایمان ؁
سبق الغایات عربی۔ حضرت کی
بلند پایہ تصنیف ہے جسمیں قرآن مجید
کی سورتوں اور آیتوں کا باہمی
ربط بیان فرمایا گیا ہے عہ
آداب معاشرت: اسمیں اسلامی
معاشرت کے نہایت مفید اور ضروری
اصول بیان فرمائے گئے ہیں ؁
حق السماع مسئلہ سماع کی شرعی
اور فقہی تحقیق ۳ر
حقوق البیت ۴ر
حقوق العلم۔ اس میں بتلایا گیا
ہے کہ علماء کے حقوق عام مسلمانوں پر
کیا ہیں اور خود علماء پر کیا کیا
ذمہ داریاں ہیں ؁
آداب تبلیغ: اسمیں بتلایا گیا ہے
کہ دین کی تبلیغ کرنیوالوں کو کن کن
باتوں کا خاص طور پر لحاظ رکھنا چاہئے ؁
خطبات الاحکام: پورے سال
بھر کیلئے پچاس خطبے ہیں جن میں
ہر مہینے کے ہر جمعہ کا خطبہ اسکے
مناسب احکام ومضامین پر حاوی ہے
ان تمام خطبات کا عام فہم اردو
زبان میں ترجمہ بھی کر دیا گیا ہے
عیدین وغیرہ کے خطبے بھی
شامل ہیں قیمت عا

القول الجمیل ؁
شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ؁
افادات شاہ ولی اللہ ؁
مصفے مسوی کامل عہ

عربی زبان کو
آسان کرنے کی کامیاب کوشش

لوگ سمجھا کرتے تھے کہ عربی زبان
میں دسترس حاصل کرنے کے لئے
۸-۹ سال درکار ہیں لیکن جدید تجربہ نے
بتلا دیا ہے کہ صرف مہینہ دو مہینہ کی
محنت سے آپ کو عربی کی اتنی واقفیت
ہو سکتی ہے کہ آپ قرآن وحدیث
سمجھ کر پڑھ سکیں۔ ذیل کی کتابیں
اس سلسلہ میں آپ کی کافی رہنمائی
کریں گی بہت تھوڑی مدت میں
عربی زبان سکھا دینے کا یہ مکمل نصاب ہے
جو حال ہی مرتب کیا گیا ہے بہت سے
لوگ اسکا کامیاب تجربہ بھی کر چکے ہیں
عربی کے دس سبق ؁
یہ کتاب دس دن میں ختم ہو جاتی ہے
اس کے بعد آپ
قرآن مجید کی پہلی کتاب عہ
شروع کر دیں بعد ازاں
قرآن مجید کی دوسری کتاب ؁
پڑھ لیں پھر تیسری کتاب عا پڑھیں
اور مطالعہ اور مشق کیلئے جو ہدایات
ان تینوں کتابوں میں لکھی ہوئی
ہیں ان پر عمل کریں اس دوران میں
کتب ذیل اپنے مطالعہ میں رکھیں
تمرین الدروس حصہ اول ؁
دوم ؁
القصص الشہیرہ ؁
الترجمۃ العربیہ قیمت ؁
قصص النبیین حصہ سوم قیمت ؁

اس کے علاوہ ہمارے
یہاں عربی کی دیگر کتب بھی
دستیاب ہوتی ہیں

حضرت مولانا محمد الیاس رح

اور انکی دینی دعوت

—(تالیف مولانا سید ابو الحسن علی ندوی)—

بہت سے اضافوں کے ساتھہ نیا اڈیشن تیار ہو گیا

یہ کتاب اس دور کے مشہور مصلح اور عارف مولانا محمد الیاس رح کی سوانح حیات ہے جس میں مولانا کے ذاتی حالات اور سوانح کے علاوہ ان کی مشہور دینی دعوت کو بھی تفصیل [illegible] پیش کیا گیا ہے جو بلا شبہ اس دور کی سب سے بڑی اور گہری دینی [illegible] ہے -

اس دعوت و تحریک کے [illegible] طر، اس کے بنیادی اصول اور اس کی ارتقائی منزلوں کو جس [illegible] تنقیح کے ساتھ بہترین علمی اور تصنیفی زبان میں اس کتاب [illegible] پیش کیا گیا ہے وہ اس کے محترم مولف ہی کا خدا داد حصہ ہے -

اس اڈیشن میں دو اضافے نہایت اہم ہیں

(۱)
ایک - شروع میں حضرت مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ کا مفصل و مبسوط مقدمہ جو اپنی افادیت کے لحاظ سے تبلیغ و دعوت کے موضوع پر گویا ایک مستقل رسالہ ہے -

(۲)
دوسرے - حضرت مولانا محمد الیاس رح کے نہایت اہم خطوط و مکاتیب کے قریباً ۷۰—۸۰ اقتباسات - مولف کو حضرت کے خطوط و مکاتیب کا یہ ذخیرہ پہلی [illegible] وقت نہیں مل سکا تھا -

ان دونوں اضافوں [illegible] ر و قیمت اور اسکی تاثیر اور طاقت میں بہت بڑا اضافہ کر دیا [illegible] وہ نظر ثانی میں کچھہ اور بھی ضروری ترمیمیں کی گئی ہیں -

کتابت و طباعت [illegible] اہتمام سے دہلی میں ہوئی ہے ہر طرح دید [illegible] ہے — قیمت دو روپیہ آٹھ آنہ

ملنے کا پتہ :— کتبخانہ الفرقان گوئن روڈ لکھنؤ

هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ

جلد ۱۴ نمبر (۸ و ۹) | ماہ شعبان و رمضان سنہ ۱۳۶۶ھ

تبلیغی و اصلاحی ماہنامہ

مدیر مسئول

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

یاد رکھئے!
"الفرقان" اور "کتبخانہ الفرقان" بریلی سے لکھنؤ منتقل ہو گئے ہیں
لہذا جملہ خط و کتابت اور فرمائشات وغیرہ کیلئے ذیل کا پتہ یاد رکھئے!
دفتر "الفرقان" گوئن روڈ لکھنؤ (یو۔پی)

چندہ سالانہ چار روپیہ | نمونہ کا پرچہ چھ آنہ

کتب خانہ الفرقان لکھنؤ کی مطبوعات

کلمۂ طیبہ۔ (لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تشریح) ۵ر

نماز۔ (نماز کی عظمت و اہمیت اور اسکی حقیقت) ۱۲ر

حکمت ولی اللّٰہی حضرت شاہ ولی اللہؒ کی علمی خصوصیات پر
مولانا عبید اللہ سندھی کا بلند پایہ
مقالہ جو "شاہ ولی اللہ نمبر" میں بھی
شائع ہو چکا تھا ۸ر

منصب تجدید کی حقیقت
تجدید و احیاء دین کے موضوع پر
مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کا
قابل دید مقالہ جو "شاہ ولی اللہ نمبر"
میں بھی شائع ہو چکا ہے ۸ر

خطبات مبیبی (جناب مدیر الفرقان
کی آٹھ تقریریں) ...... عہ

تدوین اصول فقہ
از قاضی عبد الرحمٰن (ایم اے عثمانیہ)
فن اصول فقہ کی تاریخ اور اسکے
ممتاز مصنفین اور انکی تصانیف پر
تبصرہ، اس کتاب کا موضوع ہے
عجیب و غریب فاضلانہ تصنیف ہے ... عہ

تحقیق مسئلہ ایصال ثواب
(از مدیر الفرقان) ۶ر

کتب خانہ الفرقان میں

مفید دینی اور اصلاحی کتابوں کے
مہیا رکھنے کی خاص کوشش کیجاتی ہے
خصوصاً
"دار المصنفین" "ندوۃ المصنفین" اور "مکتبہ جماعت اسلامی"
جیسے علمی و دینی اداروں کی مطبوعات
اور گذشتہ و موجودہ اکابر علماء میں سے
شاہ ولی اللہؒ اور انکے سلسلہ کے دیگر اکابر و مشائخ کی تصنیفات
اور علماء دیوبند و سہارنپور کی خاص تالیفات
حتی الوسع جمع رکھنے کا اہتمام کیا جاتا ہے

اس کے علاوہ

چونکہ لکھنؤ میں اور بھی چند بڑے بڑے کتبخانے ہیں جن سے کتابیں
لیجا سکتی ہیں اسلئے اب آپ "کتب خانہ الفرقان" سے ہر قسم کی
اچھی اور مفید کتابیں طلب فرما سکتے ہیں

حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور اُن کی دینی دعوت
جدید اڈیشن (تیار ہو گیا) ...... عہ ۸ر

مسلمانوں کی اصلی طاقت اور اسکے عروج و زوال کے اسباب ۶ر

برکات رمضان المبارک
(از مدیر الفرقان) ۵ر

میری زندگی کے تجربے
(از مدیر الفرقان) ۶ر

بوارق الغیب (حصہ اول)
کاغذ سفید چکنا ...... عہر
کاغذ رف سفید ...... عہ

بوارق الغیب (حصہ دوم)
کاغذ سفید چکنا ...... عہ
کاغذ رف سفید ۱۲ر

شارع حقیقی کاغذ چکنا ۴ر
کاغذ رف ۳ر

میلۂ خدا شناسی ۲ر

احکام النذر لاولیاء اللہ و تفسیر
ما اھل بہ لغیر اللہ ۳ر

تیجہ اور دسویں وغیرہ کا
شرعی حکم ۲ر

حضرت مجدد الف ثانی اور
زمانۂ حال کے اہل بدعت ۴ر

فتنۂ رفض و تفضیل کے خلاف حضرت مجدد الف ثانی کا جہاد ۴ر

خاکسار تحریک کیوں قابل قبول نہیں؟ ۳ر

جدید تعلیم اور علمائے کرام ...۳ر — نماز اور خطبہ کی زبان ...۳ر

علامہ انجیل (اصلی انجیل کے دنیا سے ناپید ہونے کا ثبوت) ۴ر

اسلام اور نظام سرمایہ داری ۸ر

مسئلہ علم غیب پر فیصلہ کن مناظرہ ... قسم اول ۸ر قسم دوم ۶ر

تعزیہ داری وغیرہ رسوم محرم سنی نقطۂ نظر سے ۴ر

روداد مناظرہ گیا ...... ۸ر — کوائف لمبی ۳ر

روداد مناظرہ بریلی ...۸ر، ۶ر مباحثہ سماج بریلی ...۴ر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

جلد ۱۴ | بابتہ ماہ شعبان و رمضان المبارک سنہ ۱۳۶۶ھ | نمبر ۸ و ۹

یہاں سرخ پنسل کا نشان اور رسالہ میں منی آرڈر فارم

اس بات کی نشانی ہے کہ آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے لہٰذا آئندہ کیلئے چندہ سالانہ مبلغ چار روپے بھیجکر ممنون فرمایئے، ورنہ اگر اگلی اشاعت تک چندہ بذریعہ منی آرڈر وصول نہوا اور کوئی اطلاع بھی نہیں آئی تو حسب قاعدہ اگلا پرچہ بصیغہ وی پی حاضر خدمت ہوگا۔

بعض حضرات

اپنی مالی مشکلات ظاہر فرماکر الفرقان کے چندہ میں تخفیف چاہا کرتے ہیں فی الحال ہمارے لئے اسکی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ — البتہ اسوقت مدِ زکوٰۃ کی کچھ رقم دفتر الفرقان میں جمع ہے جو حضرات زکوٰۃ کے واقعی مستحق ہوں اور الفرقان کی دعوت تبلیغ کے سلسلہ میں عملی حصہ لینے کیلئے تیار ہوں وہ اسوقت نصف چندہ (دو روپے) بھیجکر الفرقان جاری کراسکتے ہیں، باقی دو روپے اُنکے حساب میں مدِ زکوٰۃ سے داخل کردیئے جائینگے۔ واضح رہے کہ یہ گنجائش صرف پچیس (۲۵) حضرات کیلئے ہے۔

محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے نامی پریس لکھنؤ میں چھپواکر دفتر الفرقان گوئن روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

باسمہ سبحانہ　　　　　　　　　　　　　　　　حمداً و سلاماً

نگاہِ اوّلیں

(از جناب مولانا محمد ناظم صاحب ندوی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مسلمان، دنیا کی تمام قوموں سے جدا ہیں، ہندؤں سے بھی اور عیسائیوں سے بھی، مجوسیوں سے بھی اور یہودیوں سے بھی، ان کی تہذیب جدا ہے، ان کا کلچر جدا ہے، ان کی معاشرت جدا ہے، حتیٰ کہ ان کا طریق فکر بھی دوسروں سے مختلف ہے ـــــ وہ دنیا کی تمام قوموں سے الگ ایک مستقل نظام زندگی کے مالک ہیں، ان کا تصورِ حیات دنیا کی تمام ملتوں سے الگ، اور ان کا فلسفۂ زندگی سب سے جداگانہ ہے۔ اسلامی عبادات، اسلامی اخلاق، اسلامی معاملات، اسلامی سیاسیات و معاشیات میں سے ہر ایک شعبہ دنیا کی تمام دوسری قوموں کے عبادات، اخلاق و معاملات اور سیاسیات و معاشیات سے علیحدہ ہے، اپنی روح کے اعتبار سے بھی اور قالب کے اعتبار سے بھی، اسی لئے دنیا بھر کے نظامہائے حکومت سے ان کا نظامِ حکومت بھی بالکل الگ ہے۔ موجودہ نظامہائے حکومت میں سے اگر کسی میں کچھ محاسن اور خوبیاں ہیں تو وہ تو اس میں سب کی سب موجود ہیں لیکن اُن میں سے کوئی نظام بھی عین "اسلامی نظام" نہیں ہے ـــــ اسلامی حکومت، نہ یورپ کی سرمایہ دارانہ جمہوری حکومت ہوگی، نہ روس کی اشتراکی حکومت، نہ اس میں آمریت ہوگی نہ فوضویت، مگر ان میں سے جس میں بھی جو خوبیاں ہیں وہ اس میں بدرجۂ اتم موجود ہوں گی، اور ان کی برائیوں اور مضر پہلوؤں سے اس کا نظام محفوظ ہوگا ـــــ اس میں آمریت کی قطعاً گنجائش نہ ہوگی، مگر آمریت کی قوتِ تنفیذ کی خوبی اُس میں موجود ہوگی، اس میں اکثریت کا ہر فیصلہ قانون تو نہیں بن سکتا، مگر غیر منصوص معاملات میں اہلِ شوریٰ سے رائے مشورہ لینا اور خلوص و دیانت داری کے ساتھ اس پر غور کرنا اور اس کا لحاظ کرنا ناگزیر ہوگا۔ لیکن پوری قوم کے نمایندے بھی اسلام کے بنیادی

مسائل اور اس کے مصرحہ اصولوں میں ادنیٰ تغیر و تبدل کے مجاز نہ ہوں گے ۔

روس کی موجودہ اشتراکیت[1]، جہاں انسان خدا بنکر افراد کے زر، زمین کے حقوق ملکیت کو سلب کئے ہوئے ہے، اور افراد حکومت کے زیر اقتدار ایسے بے بس حرکت کر رہے ہیں جیسے مشین کے پرزے حرکت کرتے ہیں، اور جہاں انسانی زندگی کا محور حرکت صرف پیٹ ہے، ہر فلسفہ اور ہر آئین اسی کے گرد چکر لگاتا ہے، گویا انسان نام ہے صرف پیٹ کا ——— اس اشتراکیت سے اسلام کا کوئی رشتہ نہ ہوگا، مگر خلیفۂ عادل کو خاص حالات میں یہ حق ہوگا کہ کسی خطۂ ارضی کو حکومت کی ملک قرار دیکر سب کو اس سے فائدہ پہنچائے، پیدائش دولت اور تقسیم دولت پر ایسی پابندیاں عائد کرے یا اُن کے متعلق ایسے قوانین بنائے جن سے صرف کسی ایک طبقہ کے بجائے عام رعایا کو فائدہ پہنچے، مگر خلیفہ رعایا کو ملکیت زمین کے حق سے محروم نہیں کر سکتا، نہ اسلامی اصول کے مطابق حاصل کی ہوئی دولت کو، خواہ تجارت سے حاصل کی گئی ہو یا زراعت سے، چھیننے کا حق رکھتا ہے ——— اسلامی حکومت میں لکھ پتی بلکہ کروڑ پتی بھی ہو سکتے ہیں، مگر اسلام کی روحانی تعلیم ایک طرف دولت مندوں کو اپنی دولت کا زیادہ سے زیادہ حصّہ کار خیر پر صرف کرنے کی ترغیب دے گی، دوسری طرف زکوٰۃ جیسے مقررہ مطالبات اور میراث کے قوانین، دولت کو صرف ایک جگہ ہی جمع رہنے اور غیر معتدل طور پر بڑھنے سے روکتے رہیں گے اور اس طرح دولتوں کے بڑے بڑے ذخیرے اگر کہیں ہوں گے بھی، تو وہ قوم کے مختلف افراد و طبقات کے کام آتے رہیں گے ۔ اس لئے اسلامی حکومت میں مقررہ اصول و حدود کے ماتحت ہر شخص کو آزاد تجارت کا بھی موقع دیا جائے گا تاکہ ان کی ملکیت کی فطری خواہش ایک حد تک پوری ہو سکے اور ہر ایک کی کارکردگی کی صلاحیتوں کو اُبھرنے اور بر روئے کار آنے کا موقع ملے ۔

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا، فی الحقیقت اسلامی نظریۂ حیات اور اسلامی نظام حکومت کا یہ ایک اجمالی خاکہ ہے۔ اور اس لئے مسلمانوں کی اگر یہ خواہش ہے کہ دنیا میں، یا کم از کم اس کے کسی خطہ ہی میں اسلامی نظام قائم ہو اور

---

[1] "موجودہ اشتراکیت" کا لفظ قصداً استعمال کیا گیا ہے کہ خود روس میں جس تیزی کے ساتھ اشتراکیت کے مفہوم میں تغیر ہو رہا ہے اور ملکیت اور سالانہ آمدنی کے تفاوت سے جو طبقات قائم ہو رہے ہیں اس کے پیش نظر نہیں کہا جا سکتا کہ کل اشتراکیت کس قسم کی طبقاتی مساوات کے معنے میں بولی جائیگی، اور ملکیت دولت کی برابری و ہمواری کی عملی شکل کیا ہوگی ۔

اس کے زیر سایہ ہم اسلامی اصول پر اپنی زندگی کی تشکیل و تعمیر کر سکیں اور ناواقف دنیا بھی اس کی برکتوں اور رحمتوں کا مشاہدہ اور عملی تجربہ کر کے اس کو اور اس کی خوبیوں اور راحتوں کو سمجھ سکے ——— بہر حال اگر مسلمانوں کی یہ خواہش ہے ——— تو بالکل جائز، قدرتی اور فطری خواہش ہے۔

سب جانتے ہیں کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی رائے عامہ نے پاکستان کی حمایت جس جوش و خروش سے کی، اور خصوصاً مسلم اقلیت والے صوبوں کے بہت سے سمجھدار اور ہوشمند مسلمانوں نے بھی اپنے مستقبل کے مشکلات و مصائب کا اندازہ رکھنے کے باوجود ان سے بالکل صرف نظر کر کے مطالبۂ پاکستان کو جو اپنا مطالبہ بنایا، وہ اسی طمع میں اور اسی امید پر بنایا تھا کہ کم از کم پاکستان ہی میں اسلامی نظام قائم ہو جائیگا۔ مسلمانوں کے بڑے بڑے لیڈروں نے صاف اور واضح بیانات میں اس کے وعدے بھی کئے تھے ——— لکھنؤ کی پبلک کو غالباً یاد ہو گا کہ الکشن کے زمانہ میں ہماری "پاکستانی نشر گاہ" سے نعرہ بلند ہوا کرتا تھا ——— "پاکستان کے معنی کیا؟ لا الٰہ الا اللہ"

الغرض۔ اسلامی حکومت کا قیام، قرآنی حکومت کا قیام، خداوندی قوانین کا نفاذ ——— یہی وہ دلکش نعرے تھے جنھوں نے مسلمانوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیا، اور یہی سب سے بڑی اور زندہ دلیل تھی جو عام مسلمانوں کے سامنے مطالبۂ پاکستان کی تائید میں پیش کی گئی اور کارگر ثابت ہوئی۔

قدرت کو یہی منظور تھا، اُس نے ملک میں ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ پاکستان کا قیام ناگزیر ہو گیا اور جو طاقتیں کسی طرح اس کو ماننے کیلئے تیار نہ تھیں وہ بھی ماننے پر مجبور ہو گئیں، اور صرف مہینہ دو مہینے کے چکر میں وہ ایک مسلمہ فیصلہ بن گیا۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے ہماری قوم پر اور ہمارے لیڈروں پر اپنی حجت تمام کر دی، اور اب وہ دیکھنا چاہتا ہے (اور دنیا بھی دیکھے گی) کہ ہماری ان باتوں میں کتنی سچائی، اور ان دعووں میں کتنی صداقت تھی ——— ثم جعلناکم خلٰئف فی الارض من بعدھم لننظر کیف تعملون۔

اب یہ ہماری قوم اور اس کے زعما کے امتحان و آزمائش کا خاص وقت ہے، اِس وقت پاکستان کیلئے جو نظام حکومت وہ تجویز کرنا چاہیں کر سکتے ہیں، کوئی ان کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں ہے ——— پنجاب و بنگال کی تقسیم سے اگرچہ اقتصادی نقصان بہت کچھ ہوا ہے لیکن اُس میں یہ ایک خیر کا پہلو بھی ہے کہ مشرقی پنجاب

اور مغربی بنگال کے پاکستان سے الگ کئے جانے کے بعد پاکستان کی غیر مسلم اقلیتوں کی وہ عددی اہمیت نہیں رہی جو پہلے تھی ــــــ نیز ان غیر مسلم اقلیتوں کو اسلامی نظام حکومت کے قیام سے اگر کچھ اختلاف ہوگا بھی تو وہ صرف اس کی حقیقت اور اس کی تفصیلات سے ناواقفی کی وجہ سے ہوگا اور یقین ہے کہ چند روز کا تجربہ اس بارہ میں انھیں قطعی طور سے مطمئن کر دے گا۔ بہر حال اس کی راہ میں اب کوئی لاحل مشکل نہیں ہے۔

ہماری قوم کی قیادت کی باگ اس وقت جس طبقہ کے ہاتھ میں ہے اُس کو اس وقت بڑی سنجیدگی سے اس مسئلہ پر غور کرنا چاہیے ــــــ اگر اس وقت موجودہ دنیا کے طاغوتی نظامہائے حکومت کی نقالی کرتے ہوئے، پاکستانی نظام حکومت کی بنیاد غیر اسلامی اصولوں ہی پر رکھ دی گئی تو یہ اللہ کے ساتھ اور اُس کے رسولؐ کے ساتھ غداری ہوگی، اس کی کتاب پاک کے ساتھ اور دین اسلام کے ساتھ غداری ہوگی، اور اُن کروڑوں مسلمانوں کے ساتھ جنھوں نے اسلامی نظام کے قیام اور قرآنی حکومت کی اُمید ہی میں مطالبۂ پاکستان کی تائید کی تھی یہ بڑا سخت فریب ہوگا۔ اور وہ یقین رکھیں کہ اگر انھوں نے اس غداری اور اس فریب کا ارتکاب کیا تو دنیا میں اپنی اخلاقی ساکھ کھو دینے اور آخرت کی رسوائی و روسیاہی کے علاوہ وہ چین سے حکومت بھی نہ چلا سکیں گے۔ جو مادی تخریبی تحریکیں اب پاکستان کو اپنی جولانگاہ بنائیں گی اُن کا توڑ اور ان کا مداوا صرف اسلامی نظام حکومت ہی ہے۔

بہرحال یہی وقت ہے کہ ہمارے زعماء اور قائدین اس کا فیصلہ کرلیں اور ابھی سے اس کی داغ بیل ڈالیں۔ اس مقصد کیلئے ایسے اہل علم و اہل فکر کی ایک کانفرنس طلب کریں جو اس مسئلہ پر غور کرنے کی اہلیت و صلاحیت رکھتے ہوں، وہ اسلام کے محکم اصول اور اساسی ہدایات کی روشنی میں وقت کی خاص ضرورتوں اور تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے نظام حکومت کا خاکہ مرتب کریں، اور اس راہ میں جن چیزوں کو بلا غور کئے ہی خواہ مخواہ مشکل اور لاحل سمجھا جاتا ہے ان پر غور کریں اور اُن کے حل نکالیں ــــ دراصل "اسلامی نظامِ حکومت" کو آج کل کے ماحول میں "ناممکن العمل" اور "ناقابل نفاذ" سمجھنا دشمنانِ اسلام کا پروپیگنڈا ہے، اور بدقسمتی سے ہمارا وہ تعلیم یافتہ طبقہ بھی یہی سمجھنے لگا ہے جس نے کبھی بطور خود سنجیدگی سے اس مسئلہ پر غور ہی نہیں کیا ہے۔

ہم صاف کہتے ہیں کہ اگر اس وقت ہمارے زعماء و قائدین اور ان پر اثر رکھنے والے خواص یا عوام نے اس مقصد (یعنی اسلامی نظامِ حکومت کے قیام) کیلئے کوشش کرنے میں کچھ بھی کسر اُٹھا رکھی تو وہ

سخت مجرم ہوں گے، اور ان کو دنیا میں اگر نہیں تو آخرت میں ضرور اس سوال کا جواب دینا پڑیگا کہ جب تم کو تمہاری خواہش کے مطابق ایک خطۂ ارض پر اقتدار دیدیا گیا اور تمہارے لئے ممکن کردیا گیا کہ اگر چاہو تو وہاں اللہ کا دین اور اللہ کا قانون نافذ کرو تو پھر کیوں تم نے اس میں کوتاہی کی، تم نے میرا نام لے کر اور میرے دین کا واسطہ دے کر میرے بندوں کی تائید حاصل کی، لیکن جب اختیارات تمہارے ہاتھ میں آگئے تو میری مرضی اور میرے قوانین چلانے کے بجائے تم نے اپنی مرضی کے اور اپنے خودساختہ قوانین چلائے، اور میرے بندوں پر تم نے میرے دشمنوں ہی کے طرز پر حکومت کی ——— کافروں کی حکومتوں میں جس طرح سینما قائم رہے، تمہاری اس حکومت میں بھی ویسے ہی سینما قائم رہے، فواحش و منکرات کی "آزادی" جیسی دوسری شیطانی حکومتوں میں رہی، ویسی ہی تمہاری اس حکومت میں بھی رہی ——— نماز نہ پڑھنے اور اور زکوٰۃ نہ دینے والے، اور روزے نہ رکھنے والے جس طرح طاغوتی حکومتوں میں، ہر طرح کی تعزیر اور سزا سے آزاد رہے، اُسی طرح تمہاری حکومت میں بھی رہے۔

آخرت کے مواخذہ اور محاسبہ پر اگر ایمان و یقین ہے تو ہمارے زعماء و قائدین کو قیامت میں ہونے والے اس سوال پر آج ہی غور کرلینا چاہیے، اور ساتھ ہی یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ اختیار کے باوجود غیر اسلامی اصولوں پر کسی نظامِ حکومت کا قائم کرنا درحقیقت اُس حکومت کے زیر اقتدار رہنے والے کروڑوں مسلمانوں کی زندگیوں کو غیر اسلامی بنادینے والا عمل ہے اور ایسے لوگ قیامت میں پوری قوم کی غیر اسلامی زندگی کے ذمہ دار (اکابرِ مجرمین) قرار دیئے جائینگے ——— نیز ایسے لوگ اپنے عمل سے اس بات کی شہادت دینے والے ہوں گے کہ "اسلامی نظام" اب اس دنیا میں گویا چلنے کے قابل نہیں رہا۔

دراصل ہماری قوم کے اُن تمام با اقتدار طبقات اور افراد کیلئے جو کسی طرح بھی پاکستان کی دستور سازی میں موثر ہوسکتے ہیں یہ وقت بڑا ہی نازک ہے اور انکے فرائض نہایت ہی سنگین ہیں لوکانو ایعلمون۔

اوپر کی سطروں میں ہمارا روئے سخن خصوصیت سے مسلمان قوم کے زعماء و قائدین اور خاص اثر و رسوخ رکھنے والے طبقات کی طرف تھا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہم اس بارہ میں ان حضرات سے کچھ زیادہ پراُمید نہیں ہیں، جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ان بیچاروں میں اکثریت ایسے حضرات کی ہے جنھیں دین اور

اُس کے ضروری تقاضوں سے واقف ہونے اور ان پر غور و خوض کرنے کا کبھی موقع ہی نہیں ملا ہے۔
وہ موجودہ غیر اسلامی سیاست کے اگرچہ بہترین ماہر اور اول درجہ کے شاطر ہیں اور کسی "قومی جنگ" کے اگرچہ بڑے کامیاب جنرل ہو سکتے ہیں، لیکن اسلامیات کے بارہ میں ان کی معلومات کا درجہ قریب بصفر ہے، اور اسلامی روح سے اُن بیچاروں کا قالب بالکل خالی ہے، ایسے حضرات سے "اسلامی نظام کے قیام" کی توقع جس درجہ کے "حسن ظن" کے بعد ہو سکتی ہے ہم اگر چاہیں بھی تو اتنا حسن ظن اپنے ذہن و دماغ پر طاری نہیں کر سکتے۔

اس لئے اس بارہ میں ہمیں جو کچھ اُمید ہے وہ اپنے پاکستانی عوام مسلمان بھائیوں سے ہی ہے۔ اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ ہمارے با اقتدار اور اونچے طبقے میں بھی اب ایک اچھی خاصی تعداد بحمد اللہ ایسے حضرات کی موجود ہے جن کا دل و دماغ پورا پورا مسلمان ہے اور وہ دل سے یہ سب کچھ چاہتے ہیں اور اس کے لئے اپنی سی کوشش بھی کر رہے ہیں لیکن ان کی یہ کوششیں بھی جب ہی کارگر ہو سکتی ہیں جبکہ عوام کی پوری خواہش اور تائید اُن کے ساتھ ہو۔

ہمیں اس کا بھی خوب اندازہ ہے کہ ہمارے عوام مسلمان بھائیوں کی اکثریت بھی اسلامی تعلیم و تربیت سے بے بہرہ اور اسلامی سیرت سے عاری ہے لیکن اُن میں اسلام کی تھوڑی سی تعلیم و تربیت کو عام کر دینے سے اس کمی کو پورا کیا جا سکتا ہے، اور ہمارے نزدیک یہ کام بہت مشکل نہیں ہے۔ جن حضرات نے ان مسائل پر کبھی غور کیا ہوگا ان پر یہ حقیقت مخفی نہ ہوگی کہ ہمارے وہ چند اونچے لیڈر جن کے ہاتھوں میں اس وقت قوم کی قیادت کی باگ ہے اگر بالفرض وہ سب سچے دل سے یہ فیصلہ بھی کر لیں کہ پاکستان میں اسلامی نظامِ حکومت ہی قائم ہونا چاہیئے تو تاوقتیکہ ان علاقوں کے عوام کی اصلاح و تربیت کر کے ان کی زندگیوں اور ان کی سیرتوں کو اسلامی سانچہ میں ڈھال نہ لیا جائے، یہ گاڑی چل ہی نہ سکے گی ——— الغرض کسی علاقہ میں اسلامی نظام کے قیام و بقا کیلئے سب سے زیادہ ضرورت جس چیز کی ہے وہ یہ ہی ہے کہ وہاں کے عام مسلمان حقیقی معنی میں مسلمان ہوں، اُن میں ایمان عام ہو، دین کا ضروری علم و عمل عام ہو، خدا کا خوف عام ہو، اللہ کی رضا کیلئے اور ملت کے اجتماعی مفاد کیلئے اپنے بڑے سے بڑے شخصی، خاندانی اور طبقاتی مفاد کو قربان کر دینے کی عادت عام ہو، انکے جذبات و خواہشات، اللہ کے احکام اور حدود شریعت کے پابند ہوں ——— اس کے بغیر

اسلامی حکومت کے قیام اور استقلال و اطمینان کے ساتھ اس کے چلنے کا خیال محض ایک سودائے خام اور بوالہوسی ہے۔

بہرحال اس نصب العین کے حصول اور پھر اُس کے بقا کی اوّل و آخر شرط اور اس "درجنت" کی کلید دین کی دعوت اور مسلمانوں میں وسیع پیمانہ پر دینی اصلاح و تبلیغ اور تعلیم و تربیت کی جد و جہد ہے۔ جبتک یہ زمین ہموار نہ ہوگی، اس راہ میں کچھ بھی نہ ہوسکے گا —— اور پھر "اسلامی نظام کے قیام" کے مسئلہ سے قطع نظر یہ کام بجائے خود سب سے اہم اور مقصود بالذات ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اسلام میں تو حکومت و اقتدار بھی صرف اس لئے مقصود و مطلوب ہے کہ اُس کے ذریعہ اللہ کے بندوں کو اس کی رضا کے راستہ پر خود چلنا اور دوسروں کو چلانا آسان ہوجائے۔ سورہ حج کی اس آیت میں یہی بتلایا گیا ہے۔

الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور۔ (سورہ حج)

"الفرقان" کے پُرانے فائل

بہت سے حضرات "الفرقان" کے پہلے فائلوں کے متعلق دریافت فرمایا کرتے ہیں اُن حضرات کی اطلاع کیلئے گذارش ہے کہ ابتدائی تین سال ۱۳۵۳ھ تا ۱۳۵۵ھ کا فائل بالکل نہیں ہے۔ ۱۳۵۶ھ اور ۱۳۵۷ھ کے صرف دو دو فائل باقی ہیں ۱۳۵۸ھ سے ابتک کے بھی قریبًا پانچ پانچ، سات سات ہی فائل موجود ہیں جن کی قیمتیں حسب ذیل ہیں۔

فائل ۱۳۵۶ھ .... چار روپئے
فائل ۱۳۵۷ھ (مع مجدد نمبر) .... چھ روپئے
فائل ۱۳۵۸ھ .... چار روپئے
فائل ۱۳۵۹ھ (مع ولی اللہ نمبر) .... چھ روپئے
فائل ۱۳۶۰ھ و ۱۳۶۱ھ سے ۱۳۶۵ھ تک ہر فائل کی قیمت (چار روپئے)

نوٹ

مصارف محصول ڈاک وغیرہ اسکے علاوہ بذمہ خریدار ہونگے

ملنے کا پتہ: کُتب خانہ "الفرقان" گوئن روڈ لکھنؤ

معارف الاحادیث

گزشتہ سے پیوستہ

(۴۳) عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یومن عبد حتی یومن باربع یشھد ان لا الٰہ الا اللہ وانی رسول اللہ بعثنی بالحق و یومن بالموت و البعث بعد الموت ویومن بالقدر۔ (رواہ الترمذی وابن ماجۃ)

ترجمہ:۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کوئی بندہ مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ چار باتوں پر ایمان نہ لائے (۱) اس بات کی شہادت دے کہ سوا اللہ کے کوئی ہستی بندگی و عبادت کے لائق نہیں (۲) اور یہ کہ میں اس کا رسول ہوں اس نے مجھے دین حق لے کر بھیجا ہے (۳) یہ کہ موت اور موت کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے پر ایمان لائے (۴) اور تقدیر پر ایمان لائے۔

(تشریح) اس حدیث میں مومن ہونے کے لئے چار حقیقتوں پر ایمان لانا ضروری بتلایا گیا ہے (۱) توحید (۲) رسالت (۳) قیامت اور حشر و نشر (۴) تقدیر ان تمام ایمانی حقیقتوں پر اس سلسلہ کی سب سے پہلی حدیث (حدیث جبرئیل) کی تشریح میں بقدر کافی کلام کیا جا چکا ہے اور یہ بتلایا جا چکا ہے کہ ان اعتقادات کو دین میں اول درجہ کی اہمیت کیوں حاصل ہے۔

---

(۴۴) عن ابن الدیلمی قال اتیت ابی بن کعب فقلت لہ قد وقع فی نفسی شیء من القدر فحدثنی لعل اللہ ان یذھبہ من قلبی فقال لو ان اللہ عذب اھل سمٰوٰتہ واھل ارضہ عذبھم وھو غیر ظالم لھم، ولو رحمھم کانت

رحمته خیرًا لھم من اعمالھم ولو انفقت مثل احد ذھبًا فی سبیل اللہ ما قبلہ اللہ منک حتی تؤمن بالقدر، وتعلم ان ما اصابک لم یکن لیخطئک وان ما اخطأک لم یکن لیصیبک ولو مت علی غیر ھذا لدخلت النار، قال ثم اتیت عبد اللہ بن مسعود فقال مثل ذلک ثم اتیت حذیفۃ بن الیمان فقال مثل ذلک، ثم اتیت زید بن ثابت فحدثنی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مثل ذلک۔ (رواہ احمد وابو داؤد وابن ماجہ)

(ترجمہ) ابن الدیلمی سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں (مشہور صحابیٔ رسول) ابی بن کعب کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ تقدیر کے متعلق میرے دل میں کچھ خلجان سا پیدا ہوگیا ہے لہذا آپ اس کے متعلق کچھ بیان فرمائیں، شاید اللہ تعالیٰ اس خلجان کو میرے دل سے دور کردے (اور مجھے طمانیت نصیب ہو جائے) انھوں نے فرمایا (سنو!) اگر اللہ تعالیٰ زمین آسمان کی ساری مخلوق کو عذاب الٰہی میں ڈال دے تو وہ اپنے اس فعل میں ظالم نہ ہوگا، اور اگر وہ ان سب کو اپنی رحمت سے نوازے تو اس کی یہ رحمت ان کے اعمال سے بہتر ہوگی (اور سنو! حقیقت تقدیر پر ایمان لانا اس قدر ضروری ہے کہ) اگر تم احد پہاڑ کی برابر سونا بھی راہ خدا میں خرچ کر دو تو اللہ کے یہاں وہ قبول نہ ہوگا تاوقتیکہ تم تقدیر پر ایمان نہ لاؤ اور تمہارا پختہ اعتقاد یہ نہ ہو کہ جو کچھ تمہیں پیش آتا ہے تم کسی طرح اس سے چھوٹ نہیں سکتے تھے اور جو حالات تمھیں پیش نہیں آتے وہ تم پر آ ہی نہیں سکتے تھے (یعنی جو کچھ آتا ہے اور ہونا ہے، وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر اور مقرر ہو چکا ہے، اس مقررہ پروگرام میں ذرہ بھر تبدیلی بھی ممکن نہیں ہے) اور اگر تم اس کے خلاف اعتقاد رکھتے ہوئے مرگئے تو تم دوزخ میں جاؤ گے — (ابن الدیلمی کہتے ہیں کہ ابی بن کعب سے یہ سننے کے بعد) پھر میں عبد اللہ بن مسعود کی خدمت میں حاضر ہوا انھوں نے بھی مجھ سے یہی فرمایا، پھر میں حذیفہ بن الیمان کی خدمت میں حاضر ہوا، انھوں نے بھی یہی بات فرمائی پھر میں زید بن ثابت کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے یہی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے طور پر مجھ سے بیان کی۔

تشریح:— تقدیر کے متعلق ایک عام وسوسہ جو شیطان کبھی کبھی مومنین کے قلوب میں بھی ڈالا کرتا ہے، یہی ہے، کہ جب سب کچھ اللہ ہی کی تقدیر سے ہو رہا ہے تو پھر دنیا میں کوئی اچھے

حال میں اور کوئی بُرے حال میں کیوں ہے اور آخرت میں کیوں کسی کو جنت میں اور کسی کو دوزخ میں ڈالا جائے گا؟ یہ شیطانی وسوسہ اگر کسی مومن کے قلب میں آئے تو اس کو دفع کرنے کی آسان اور مختصر تدبیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بحیثیت خالق و مالک ہونے کے تمام بندوں اور ساری مخلوقات پر ہر طرح کے تصرف کا جو کامل اختیار حاصل ہے، اس کی یاد تازہ کر لی جائے اور سوچا جائے کہ ایسا لاشریک مالک الملک اور عدم محض سے وجود میں لانے والا خالق و صانع اپنی جس مخلوق کے ساتھ جو معاملہ بھی کرے، بلاشبہ وہ اُس کا حق دار ہے، وہ سب کو مبتلائے عذاب کرے تو کسی قانون سے اُس کو ظالم نہیں کہا جا سکتا، اور اگر سب کو رحمت سے نوازے تو اس کی یہ رحمت محض اس کی بخشش ہی ہوگی، کیونکہ جو نیکوکار لوگ اچھے اعمال کرتے ہیں ان کو توفیق دینے والا اور اعمال کرانے والا بھی تو وہی ہے ـــــ بہرحال مخلوق کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کی اس خاص حیثیت کو اگر اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے تو پھر تقدیر کے متعلق مذکورۂ بالا شیطانی وسوسہ کی بیخ کنی ہو جاتی ہے ـــــ

ابن الدیلمی رحمہ اللہ چونکہ سچے مومن تھے، اور اللہ تعالیٰ کی اس شان پر ایمان و اعتقاد رکھتے تھے اس لئے ان حضرات صحابہ کرام نے اسی کی تذکیر و یاددہانی کے ذریعہ ان کے وسوسہ کا علاج کیا اور انھیں یہ بھی جتلا دیا کہ تقدیر پر ایمان و اعتقاد اتنا ضروری ہے کہ اگر کوئی شخص اس عقیدہ کے بغیر پہاڑ کے برابر سونا بھی راہ خدا میں خرچ کریگا تو اللہ تعالیٰ اس کو قبول نہ کریں گے، اور جو کوئی تقدیر کو نہ مانتے ہوئے مریگا وہ جہنم میں جائے گا۔

بہرحال اس طریقہ سے صرف اہل ایمان کے اس قسم کے وسوسوں کا علاج کیا جا سکتا ہے لیکن دوسرے غیر مسلموں یا اہل زیغ کی طرف سے تقدیر کے متعلق جو شبہات کئے جاتے ہیں، ان کے جواب کا طریقہ دوسرا ہے جس کے بیان کا یہ موقع نہیں، اس کے لئے علم کلام اور مناظرہ کی کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

---

(۴۵) عن ابی خزامة عن ابیه قال قلت یا رسول الله ارأیت رقی نسترقیها ودواء نتداوی به وتقاة نتقیها هل ترد من قدر الله شیئا؟ قال هی من قدر الله

(رواہ احمد والترمذی وابن ماجة)

(ترجمہ) ابو خزامہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، کیا ارشاد ہے اس بارہ میں کہ جھاڑ پھونک کے وہ طریقے جن کو ہم دکھ درد میں استعمال کیا کرتے ہیں یا دوائیں جن سے ہم اپنا علاج کرتے ہیں یا مصائب سے بچنے کی وہ تدابیر جن سے ہم اپنا بچاؤ کرتے ہیں، کیا یہ چیزیں اللہ کی قضا و قدر کو لوٹا دیتی ہیں ــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "نہیں" بلکہ یہ سب تدابیر بھی اللہ کی تقدیر سے ہیں"

(تشریح) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم جن مقاصد کے حاصل کرنے کے لئے جو تدبیریں کیا کرتے ہیں، وہ سب بھی اللہ کی قضا و قدر کے ماتحت ہیں، گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی یہ مقدر اور مقرر ہوتا ہے کہ فلاں شخص پر فلاں بیماری آوے گی، اور فلاں جھاڑ پھونک سے یا فلاں دوا سے وہ شخص اچھا ہو جائے گا، اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مختصر سے دو لفظی جواب سے مسئلہ تقدیر کے متعلق بہت سے شبہات اور سوالات کا جواب ہو جاتا ہے۔

---

(۴۶) عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من احد الا وقد کتاب مقعدہ من النار ومقعدہ من الجنۃ، قالوا یا رسول اللہ افلا نتکل علی کتابنا وندع العمل؟ قال اعملوا فکل میسر لما خلق له، اما من کان من اهل السعادۃ فسییسر لعمل السعادۃ واما من کان من اهل الشقاوۃ فسییسر لعمل الشقاوۃ ثم قرأ "فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰى وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى" (متفق علیہ)

(ترجمہ) حضرت علیؓ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر ایک کا ٹھکانا دوزخ کا اور جنت کا لکھا جا چکا ہے (مطلب یہ ہے کہ جو شخص جنت یا دوزخ میں جہاں بھی جائے گا اُس کی وہ جگہ پہلے سے مقدر اور مقرر ہو چکی ہے) صحابہؓ نے عرض کیا تو کیا پھر ہم اپنے اس نوشتہ تقدیر پر بھروسہ کرکے نہ بیٹھ جائیں اور سعی و عمل چھوڑ نہ دیں؟ (یعنی جب سب کچھ پہلے ہی سے طے شدہ اور لکھا لکھایا ہے تو پھر کیوں ہم سعی و عمل کریں)

باقی مضمون بر ص ۹۶

"تجدیدات تبلیغ"

{حکیم الامت حضرت تھانویؒ اور تبلیغ}

آئندہ اوراق میں (صفحہ ۱۷ سے صفحہ ۵۶ تک) مخدوم و محترم جناب مولٰنا عبد الباری صاحب ندوی کا ایک بسیط مضمون بعنوان "تجدیدات تبلیغ" درج ہو رہا ہے ــــ یہ درحقیقت مولٰنا موصوف کی ایک زیر تصنیف کتاب کا باب ہے اور ہم ممنون ہیں کہ اسکی اشاعت کیلئے مولٰنا نے "الفرقان" کا انتخاب فرمایا۔

اصل کتاب سے پہلے "الفرقان" میں اس باب کی اشاعت سے مولٰنا موصوف کا جو مقصد ہے وہ خود انھوں نے اپنے ابتدائی نوٹ میں ظاہر فرما دیا ہے ــــ لیکن ہماری غرض اس اشاعت سے یہ بھی ہو کہ اس دور میں دینداروں اور دین کے دردمندوں کا ایک بہت بڑا طبقہ جو حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ سے عقیدت و ارادت رکھتا ہے وہ اس مضمون کے مطالعہ سے "عام و خاص تبلیغ" کے بارہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تاکیدات و ہدایات کی یاد تازہ کر سکے۔

جیسا کہ اصل مضمون سے بھی معلوم ہوگا یہ واقعہ ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے اخیر دورِ حیات میں "مسلمانوں میں عمومی اصلاح و تبلیغ" کی ضرورت کا احساس بڑی ہی شدت و اہمیت کیساتھ ہوا تھا۔ اسی زمانہ میں "تعلیم المسلمین" و "تفہیم المسلمین" کے عنوان سے اس تعلیمی و تبلیغی کام کا ایک نظام بھی تجویز کر کے شائع فرمایا تھا اور تمام مسلمانوں کو عموماً اور اپنے اہلِ تعلق کو خصوصاً اسکے مطابق کام کرنیکی بڑے اہتمام کر دعوت دی تھی۔

لیکن یہ زمانہ چونکہ حضرتؒ کے انتہائی ضعف و اضمحلال کا تھا اور اسکے تھوڑے ہی عرصہ بعد سے امراض کے متواتر اور شدید حملے بھی ہوتے رہے اور علاوہ بریں ہمیشہ سے حضرتؒ کے جو معمولات اور جو اصلاحی و ارشادی مشاغل تھے چونکہ اُن کا سلسلہ بھی بقدر تحمل آخر تک جاری رہا، غالباً انھی وجوہ سے اس نئی دعوت (عمومی تعلیم و تبلیغ) کی طرف حضرت کوئی غیر معمولی توجہ نہیں فرما سکے اور اسکے لئے بہت زیادہ وقت نہ دے سکے ــــ اور واقفین و اہل تجربہ ہی خوب جانتے ہیں کہ دینی جمود کی اس فضا میں اس قسم کا

کوئی خالص دینی اجتماعی کام جو سعی و حرکت اور عملی جدوجہد کو بھی چاہتا ہو اور پھر اس میں اخلاص و بنجیدگی اور اتباعِ شریعت بھی شرط ہو خود صاحبِ دعوت کی پیہم اور انتھک کوشش اور سخت انہماک و نگرانی کے بغیر نہیں چل سکتا۔ بالخصوص پرسکون اور پُرانوار خانقاہوں کے عزلت نشینوں اور تنہائی میں ذکر و مراقبہ کے لذت شناسوں کو عوام کی گندی اور پرشور و شغب دنیا میں پھرنے اور اُن کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے پر آمادہ کر دینا تو بڑی ہی سخت گھاٹی ہے اور غالباً صرف وہی لوگ اس کی صعوبت کا اندازہ کر سکتے ہیں جنھیں یہ پاپڑ بیلنے پڑے ہوں گے۔

الغرض حضرت حکیم الامت کی اس تعلیمی و تبلیغی دعوت پر خود اپنے حلقۂ عقیدت و ارادت میں بھی وسیع پیمانہ پر عمل نہ ہونے کا خاص سبب اس عاجز کے نزدیک صرف یہی ہوا کہ یہ کام جتنی کوشش اور جس قسم کی توجہ و انہماک کو چاہتا تھا اور جس درجہ کی ذاتی "مشغولیت" سے چل سکتا تھا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا موقع نہیں ملا، یہاں تک کہ ملأ اعلیٰ کی طرف آپ کی رحلت کا سانحہ پیش آ گیا۔ وکم حسرات فی بطون المقابر۔

پھر اس کا ایک افسوسناک نتیجہ یہ بھی ہوا کہ حضرتؒ سے تعلق رکھنے والے بعض حضرات کو یہ شبہ ہو گیا کہ "تعلیم المسلمین" اور "تفہیم المسلمین" کے ذریعہ "تعلیم عام" اور "تبلیغ عام" کی جو دعوت حضرت نے دی تھی شائد بعد میں آپ کی نظر میں اس کام کی وہ اہمیت نہیں رہی یا کسی وجہ سے رائے بدل گئی کیونکہ اس کو بروئے کار لانے کیلئے حضرت نے پھر کوئی غیر معمولی اہتمام نہیں فرمایا اور حضرت کے خواص میں بھی اس بارہ میں کوئی خاص سرگرمی نہیں دیکھی گئی۔

بہت سے حضرات کو یہ سنکر شاید تعجب ہو گا کہ اس غلط فہمی کا شکار حضرتؒ کے بعض خواص بلکہ اخص الخواص بھی ہوئے حتیٰ کہ حضرتؒ کے ممتاز خلفاء میں سے ایک بڑی جلیل القدر ہستی نے ایک مرتبہ صریح طور پر اس خیال کا اظہار فرمایا ——— اور حضرتؒ کے خلفاء ہی میں سے ایک دوسرے بزرگ نے خود اس عاجز کے سامنے "عوام میں تبلیغی کام" کے بعض ان اجزاء پر بھی اپنے سخت شبہات ظاہر فرمائے جو خود حضرتؒ نے "تفہیم المسلمین" اور "دعوۃ الداعی" میں ارقام فرمائے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ غالباً ان بزرگ کی نظر سے

لہ اپنے موجودہ اکابر و مشائخ ہی میں دو صاحب ارشاد بزرگوں کے متعلق بھی یہ تازہ تجربہ میرے علم میں ہے کہ یہ دونوں حضرات اپنے خدام و محبین کو عوام میں تبلیغ کرنے اور نظام الدین (دہلی) کی تبلیغی جدوجہد میں حصہ لینے کی برابر ہدایت و تاکید فرماتے رہتے ہیں لیکن چونکہ خود ان حضرات کی زیادہ مشغولیت دوسرے دینی و اصلاحی کاموں میں ہے اور تبلیغی قافلے لے کر شہروں اور دیہاتوں میں پھرنا ان اکابر کا شغل نہیں ہے اس لئے دیکھا جاتا ہے کہ ان حضرات کے یہ ارشادات خدام و محبین پر کچھ زیادہ اثر نہیں ڈالتے اور ان کو اس کام کے لئے حرکت میں نہیں لاتے، اگر غور کیا جائے تو یہ بات بالکل فطری ہے۔ ۱۲

حضرت کی یہ تحریریں بھی نہیں گزری ہیں، اور ظاہر ہے کہ اگر تبلیغ عام کی اس دعوت پر حضرتؒ کی حیات ہی میں کما حقہ اور پوری سرگرمی کیساتھ عمل شروع ہو چکا ہوتا تو کسی کیلئے بھی اس قسم کے شبہات کی گنجائش نہ ہوتی۔ بلکہ حضرت کا حلقۂ عقیدت و ارادت چونکہ بحمد اللہ بہت وسیع ہے اور اچھے مخلص دینداروں، عالموں، عابدوں، مدرسوں اور مصنفوں، گریجوئٹوں اور پروفیسروں غرض ہر طرح کی اچھی سے اچھی صلاحیتیں رکھنے والوں کی بہت بڑی تعداد آپکے دامن ارشاد سے وابستہ ہے اسلئے ہمیں پورا یقین ہے کہ اگر حضرت کو موقع ملتا اور حضرت جس وسیع پیمانہ پر اور جس سرگرمی کے ساتھ یہ کام کرنا کرانا چاہتے تھے اگر وہ اسی طرح ہوا ہوتا تو وہی اسوقت کا سب سے بڑا تبلیغی کام ہوتا۔

بہرحال "الفرقان" میں اس مقالہ۔ "تجدیدات تبلیغ" ۔ کی اشاعت سے ہماری خاص غرض یہ بھی ہے کہ حضرت حکیم الامتؒ سے عقیدت و ارادت رکھنے والے اُن حضرات کے سامنے جو تبلیغ کی طرف کما حقہ متوجہ نہیں ہیں، خود حضرت کی ہدایات و تاکیدات کا یہ نسخۂ جامعہ پیش کر کے تذکیر کی خدمت انجام دے سکیں۔

اسکے علاوہ ایک دوسری خاص غرض یہ بھی ہے کہ جو مخلصین جہاں کہیں بھی (خواہ بطور خود یا کسی نظام سے وابستہ ہو کر) تبلیغ کا کام کر رہے ہیں یا کرنا چاہتے ہیں وہ بھی حضرت حکیم الامت کی ہدایات سے استفادہ کر سکیں۔ اس مضمون میں انشاء اللہ انھیں بعض بہت قیمتی نکتے ہاتھ آسکتے ہیں اور خود اپنی اور اپنے کام کی اصلاح کیلئے بڑی زریں ہدایتیں مل سکتی ہیں۔

اپنی گذارش کے اس سلسلہ کو ختم کرنے سے پہلے دو باتیں اور بھی عرض کرنی ضروری معلوم ہوتی ہیں۔

(۱) ہمارے مخدوم و محترم مولانا عبد الباری صاحب نے اس مضمون میں (بلکہ غالباً اپنی اُس پوری کتاب میں بھی جس کا یہ ایک باب ہے) حضرت حکیم الامتؒ کی اصلاحات و ہدایات کو اس بنیاد پر پیش کیا ہے کہ حضرت اس دور کے مجدد ہیں ——— اگرچہ اس ناچیز کو اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرتؒ سے بہت سے ایسے اصلاحی و تجدیدی کام لئے ہیں جیسے مجددین سے لئے جاتے ہیں مگر بایں ہمہ حضرتؒ کی اصلاحات و ہدایات کو آپکے منصب مجددیت کی بنیاد پر پیش کرنا بخیال ناقص انکی افادیت کے دائرہ کو بہت محدود کر دینا ہے یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ کسی بزرگ کی اچھی سے اچھی تعلیمات اور سیدھی سیدھی [illegible] بھی اگر اسکے اہل زمانہ کے سامنے آپ اس طرح پیش کریں کہ اُن بزرگ کیلئے کوئی خاص منصب تسلیم کرانا چاہیں تو [illegible]

دائرۂ قبول بہت ہی محدود ہو گا، اور نہ "مجددیت" کوئی ایسا منصب ہے کہ سب سے منوایا ہی جائے ـــــ علاوہ ازیں یہ بھی ضروری نہیں کہ کسی دور کا مجدد، دین کے ہر شعبہ میں جو کچھ کہے وہ سب واجب التسلیم ہی ہو، یہ شان تو صرف نبوت کی ہے ـــــ بہر حال مولانا موصوف نے مجددیت کے مسئلہ اور منصب کو بنیاد بنانے میں جو دینی مصلحتیں سمجھی ہوں ہم اُنکے ادراک سے قاصر ہیں اور اسلئے اپنے ناظرین سے ہماری یہ گزارش ہو کہ اگر وہ اس بارہ میں محترم مولانا کی رائے سے متفق نہ بھی ہوں تب بھی حضرت حکیم الامت رح کی اصلاحات و ہدایات سے استفادہ کا اپنے کو محتاج سمجھتے ہوئے ایک سچے طالب کی طرح اس کا مطالعہ کریں۔

(۲) دوسری بات جس کو واضح کر دینا یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے، یہ ہے کہ شائد بعض ان حضرات کو جو "الفرقان" برابر پڑھتے ہیں یہ محسوس کر کے کچھ خلجان ہو کہ "الفرقان" میں عمومی اصلاح و تبلیغ کی جس دعوت کی توضیح و تشریح ہمیشہ کی جاتی رہی ہے اُسکے طریق کار میں اور حضرت حکیم الامت رح کے تجویز فرمودہ اُس نظام کار میں جو "تفہیم المسلمین" وغیرہ کے حوالہ سے اس مقالہ میں پیش کیا جا رہا ہے کچھ فرق ہے ـــــ سو اسمیں خلجان کی کوئی بات نہیں ہے۔ ان دونوں طریقوں میں تضاد نہیں ہے بلکہ صرف کچھ فرق ہے، اور کسی کام کیلئے جب بھی دو چار دماغ کوئی راستہ سوچیں گے تو انکی تجاویز میں ضرور بالضرور اس طرح کے جزوی فرق ہونگے۔ کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ۔

حضرت حکیم الامت رح کا تجویز فرمودہ جو نظام اس مقالہ میں ناظرین ملاحظہ فرمائینگے وہ بھی بالکل صاف اور سیدھا ہے جسمیں کوئی پیچ و خم نہیں ـــــ اور حضرت مولانا محمد الیاس رح کا جو طریق کار ہے اور وہ جن اصول اور جن نظریات پر مبنی ہے اور اس میں جو رعایتیں پنہاں ہیں، اس پر "الفرقان" میں بھی بار بار لکھا جا چکا ہے اور ہمارے محترم دوست مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اپنی تالیف "مولانا محمد الیاس رح اور انکی دینی دعوت" میں اس پر بہت مفصل روشنی ڈال چکے ہیں، نیز بار بار الفرقان کے صفحات میں یہ بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت مولانا محمد الیاس رح کا یہ طریقہ کار (اور اسی طرح کسی دوسرے انسان کا تجویز کیا ہوا طریق عمل بھی) کوئی وحی و تنزیل نہیں ہے جس میں سر مو کمی بیشی کی گنجائش نہ ہو لہذا جن حضرات کو جو طریقہ بھی زیادہ صحیح اور مفید معلوم ہو وہ بنام خدا اسکے مطابق کام کرنا شروع کر دیں ـــــ اُمت کی اس وقت جو حالت ہے اور مستقبل جن تاریکیوں اور جن فتنہ سامانیوں کو لئے ہوئے آ رہا ہے، اُنکے پیش نظر، "عمومی اصلاح و تبلیغ" کے کام کی ضرورت و اہمیت اب اس قدر بڑھ گئی ہے کہ اسمیں سستی یا تغافل کا کوئی جواز کم از کم ہم کو نظر نہیں آتا۔ ؎

یہ گھڑی محشر کی ہے، تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

(محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ)

تجدیدات تبلیغ

(از جناب مولانا عبدالباری صاحب ندوی مدظلہ)

یہ وہی حضرت مجدد وقت (مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) کی تجدیدات پر زیر تحریر مفصل و مبسوط کتاب کا ایک حصہ ہے، اس سے پہلے ایک اور حصہ "قومیات و سیاسیات" اسی سال کے دسمبر، جنوری و فروری کے رسالہ معارف (اعظم گڈھ) میں شائع ہو چکا ہے، تبلیغ کا یہ حصہ صاحب الفرقان کی خدمت میں خصوصیت سے اس لئے پیش ہے کہ اُن کو اور الفرقان کو خدمت تبلیغ کی ایک ایسی جماعت (بستی نظام الدین) سے خصوصی تعلق ہے جو راقم احقر کے علم و فہم میں اپنے خاص طرز کی حد تک اسلام کی سب سے بنیادی اور اہم و اقدم خدمت غایت اخلاص و انہماک سے انجام دے رہی ہے۔ کیا عجب ہے کہ اس جماعت کے مخلص اہل فکر حضرت جامع المجددین کی جامع تجدیدات کو تبلیغ کے باب میں اپنی خدمات کی توسیع و تقویت کے لئے کچھ نافع پائیں۔

اس ہیچمداں اور ہیچ میرز کی باتیں تو یقیناً قابل اعتنا نہیں لیکن حضرت مجدد کی تجدیدات کو باب ہذا میں بھی اس نے اپنی بساط بھر کامل احتیاط اور احتواء کے ساتھ پیش کرنے کی سعی کی ہے اور دو وجہ سے جی چاہتا ہے کہ اس جماعت کے اکابر خلوئے ذہن کے ساتھ ان پر غور فرماتے، ایک تو اس لئے کہ خود اس جماعت کے اکبر الاکابر (حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ) حضرت سے بڑی خادمانہ و خوردانہ عقیدت رکھتے تھے، حتّٰی کہ غائبانہ یہ معلوم کرنے کی فکر فرماتے تھے کہ حضرت موصوف ان کی تبلیغی خدمات کی نسبت کیا ظن رکھتے ہیں، خود راقم ہذا کو ایک مرتبہ جب کہ وہ تھانہ بھون حاضر ہو رہا تھا حکم فرمایا کہ حضرت سے اس کام کا ذکر کرنا اور جو فرمائیں مجھ کو ضرور لکھنا۔"

دوسرے حدیث سے بعثت مجددین کی جو حکمت و اہمیت معلوم ہوتی ہے وہ صاف

اس بات پر نص ہے کہ مجدد وقت کو خاص طور سے حق تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہی اسی لئے جاتا ہے کہ دین میں بیدینی یا بددینی کے جو مفاسد راہ پا گئے ہوں اُن سے پاک وصاف کر کے از سر نو دین کو نیا اور تر وتازہ فرما دیا جائے، اس لئے قدرتاً کسی عہد کے مجدد سے بڑھ کر اس عہد کے مفاسد پر اطلاع اور ان کی تدابیر اصلاح کا الہام اور غیبی تائید و توفیق کس کے ساتھ ہوگی، اس لئے اس کی تعلیمات وتجدیدات کے ساتھ دیگر علماء دین واکابر امت کے مقابلہ میں زیادہ اعتناء ضروری ہے (اس کی مزید تفصیل معارف والے مضمون "قومیات وسیاسیات" کی تمہید میں قابل ملاحظہ ہے)

آخر میں وہی درخواست ہے جو معارف میں کی جا چکی ہے کہ کتاب کے خاص خاص اہم ابواب کی کسی رسالہ میں اشاعت کا مدعا یہ ہے کہ جن حضرات کو حضرت علیہ الرحمۃ کی تصنیفات وتالیفات کی کچھ تفصیل وتوجہ کے ساتھ مطالعہ کی سعادت حاصل ہو وہ اگر ان غلطیوں پر مطلع فرمائیں جو حضرت کے مسلک وتعلیم کی ترجمانی میں ہوئی ہیں تو مستقل کتاب کی اشاعت کی صورت میں اُن کا ازالہ ہو جائیگا اور راقم الحروف پر بڑا احسان ہوگا۔ ولاجرٌ عند اللہ وما توفیقی الا باللہ

عبدالباری ندوی

حضرت مجدد تھانوی علیہ الرحمہ کی نگاہ تجدید میں تبلیغ نہ صرف دین کی تمام دیگر علمی و تعلیمی خدمات سے اہم واقدم ہے بلکہ دیگر خدمات علم کی جو کچھ بھی قیمت واہمیت ہے وہ تبلیغ ہی کے اسباب ووسائل کے درجہ میں ہے ___ جا بجا فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت وتشریف آوری کا اصلی مقصود احکام دین کی تبلیغ تھی، باقی جو کچھ ہے سب اسی کی تائید واعانت کے لئے، ورنہ ظاہر ہے کہ حضرات انبیاء نہ مدرسے کھولنے تشریف لائے تھے اور نہ کتب خانے قائم فرمانے بلکہ وہاں تو بالذات نفس نوشت وخواند تک مامور ومطلوب نہیں، نہ متعارف علوم وفنون یا نوشت وخواند کا وحی یا انبیاء علیہم السلام کی زبان میں علم نام ہے، نہ ان علوم وفنون کو حضرات انبیاء یا حضرات صحابہ کے کمالات ودرجات کی فہرست میں کوئی مقام حاصل ہے۔

تاہم درس وتدریس تالیف وتصنیف وغیرہ سب چیزیں دراصل حسب ضرورت چونکہ

تبلیغ ہی کے مقدمات و وسائل ہیں، اس لئے یہ بھی واجبات تبلیغ میں داخل ہیں، اور اس لئے حقوق العلم کے عنوان سے مستقلاً اور مواعظ وغیرہ میں متفرقاً ان کی اصلاح وتجدید کا تفصیل حق ادا فرمایا گیا ہے۔ البتہ وسائل کے مقاصد بنانے کی غلطی وغلو اس باب میں بھی اتنا ہوا کہ بالعموم مدارس و مدرسین، علماء و مصنفین کی نظر اصل مقصد سے ہٹ گئی ہے۔ اس لئے ایک نہیں، آداب التبلیغ، الدعوۃ الی الشر، محاسن الاسلام وغیرہ مواعظ میں مستقلاً اور دیگر مواعظ و مضامین کے سلسلہ میں جا بجا بکثرت احکام دین کی تبلیغ واشاعت اور دعوت الی الحق کی طرف متوجہ فرمایا گیا ہے اور خود حضرت علیہ الرحمۃ کی ساری تصنیفات وتالیفات سارے مواعظ و ملفوظات کا محور تو کہنا چاہیے کہ احکام کی تبلیغ واشاعت اور حق کی طرف دعوت کے سوا کچھ ہے ہی نہیں۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ کا خاص طریق پند و نصیحت یا وعظ و تذکیر تھا اور یہی حضرت علیہ الرحمۃ کے نزدیک تبلیغ و دعوت کا سب سے عام اور انفع طریق ہے اور جب تک حضرت کی قوت نے سفر کی اجازت دی، کثرت سے اور زیادہ تر وعظ ہی کے لئے سفر فرماتے رہے اور اس کو مقبولیت اور نافعیت ہر طبقہ کیلئے اللہ تعالیٰ نے اس درجہ بخشی تھی کہ کئی کئی گھنٹوں کے وعظ میں بھی لوگوں کی سیری نہ ہوتی اور مشکل ہی سے کوئی متنفس اپنی جگہ چھوڑتا، پھر جتنی کثیر تعداد میں قلم بند ہو کر ان مواعظ کی حق تعالیٰ نے حفاظت فرما دی، اس کی نظیر امت کی ساری تاریخ میں نظر نہیں آتی اور نفع کا تجربہ تو آج بھی ان کو پڑھ کر جس طبقہ کے جس فرد کا جی چاہے کر سکتا ہے مسلمان ہی نہیں غیر متعصب غیر مسلم بھی اگر کچھ بھی طلب صادق اور ذوق سلیم ہے تو انشاء اللہ نہ صرف یہ کہ بے ختم کئے چھوڑنے کو جی نہ چاہے گا، بلکہ چند ہی وعظ پڑھنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے تعلق وطاعت کی ایک نئی حیات و حرکت اپنے اندر محسوس کرے گا، راقم ہذا یہ محض خوش اعتقادی کی بنا پر نہیں بلکہ بارہا کے تجربہ اور وہ بھی زیادہ تر نئی تعلیم کے آزاد طبائع پر تجربات کے بعد عرض کر رہا ہے۔

یہ مواعظ در اصل دعوت و تبلیغ ہی کا علمی و عملی ذخیرہ و نمونہ ہیں

حضرت کی قریباً ساری اصلاحی و تجدیدی خدمات کی زبان اُردو ہے۔ اگر اردو کی حقارت یا معاصرت کا حجاب مانع

تو سب سے زیادہ حضرات اہل علم کی خدمت میں درخواست ہے کہ وہ حضرت کے مواعظ کو معمولی قصہ گو واعظوں کا وعظ یا محض کسی الفاظ خوش بیان کی تقریر ہرگز نہ تصور فرمائیں، وہ در اصل پورے دین اور اس کے سارے ابواب واحکام کی تبلیغ ودعوت کا نہایت ہی محققانہ، حکیمانہ وعالمانہ اور مجتہدانہ ومجددانہ ذخیرہ ہیں اور اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ" میں جس حکمت وموعظت حسنہ اور جدال احسن کے عنوان سے تبلیغ ودعوت کے جن تین طریقوں کا ذکر فرمایا گیا ہے اُن سب کا نہایت جامع اور دین کے مبلغ وداعی کے لئے قابل تقلید نمونہ ہیں، اس لئے جہاں تک تبلیغ ودعوت کا تعلق ہے، حضرت نے صرف اس کے اصول و حدود کی اصلاح وتجدید ہی نہیں فرمائی بلکہ مواعظ کی شکل میں اس اصلاح وتجدید کا کامل ومکمل عملی سرمایہ امت کے ہاتھ میں رکھ دیا ہے۔ حتیٰ کہ احقر کے نزدیک تو موقع ومحل کے اعتبار سے اجمال وتفصیل اور جزئی تغیر وتبدیل کے ساتھ انھیں کا اعادہ نہ صرف انشاء اللہ دین کے ہر شعبہ میں اُمت کی اصلاح کے لئے کافی ووافی ہے بلکہ غیروں کو بھی سبیل رب کی طرف بلانے اور مائل کرنے میں نہایت کارگر اور نافع ہے، امتحان وتجربہ شرط ہے، انشاء اللہ خود ہی اطمینان ہو جائے گا۔

تبلیغی حکمت کی ایک عجیب مثال سیکڑوں، ہزاروں تبلیغی ودعوتی مواعظ کے علاوہ متعارف تبلیغ یا تبلیغ کی وقتی ضرورتوں سے بھی صرف نظر نہیں فرمایا گیا، فتنۂ ارتداد کے زمانہ میں بنفس نفیس ایسے مقامات کا دورہ فرمایا جہاں اس کا اندیشہ قوی تھا، اور وہاں بھی جیسے مجتہدانہ ومجددانہ طرز سے کام لیا، اس کا اندازہ صرف ایک واقعہ ومثال سے ہو سکتا ہے جس کا یقین بھی اُس جماعت ومسلک کے کسی فرد کی جانب سے نہیں کیا جا سکتا ہے جس کی طرف حضرت کی نسبت ہے، اور جو اپنے مخالفوں میں اپنی بدعات دشمنی ہی کی بدولت زیادہ مبغوض وبدنام ہے، بھلا اس کا کون یقین کر سکتا ہے کہ جماعت دیوبند کے ایک مسلّم ومستند عالم بلکہ امام نے کسی موقع پر کسی شخص کو تعزیہ داری کی تاکید فرمائی ہو گی کہ "دیکھو تعزیہ ضرور بنایا کرو"

"گجنیر نام مقام کے متعلق یہ اطلاع ملی کہ آریوں کے اثر سے وہاں کچھ لوگ مرتد ہو جانے والے ہیں، وہاں پہونچ کر حضرت نے اول ان کے سرداروں سے گفتگو کو مناسب تصور فرمایا۔ معلوم ہوا کہ نتھو سنگھ اور ادھار سنگھ دو بڑے سردار ہیں ان دونوں سے حضرت نے الگ الگ ملاقات فرمائی

تاکہ آزادی سے ہر ایک کے خیالات معلوم ہو سکیں اور گرمی کا زمانہ تھا تو ان کو شربت بھی پلانا چاہا مگر انھوں نے عذر کر دیا کہ ہم مسلمانوں کے ہاتھ کا کھایا پیا نہیں کرتے اور بھی ایسی بالکل اسلام کے خلاف باتیں ان لوگوں میں رائج تھیں مثلاً سر پہ چوٹی وغیرہ، ختنہ صرف اس کے یہاں ہوتا تھا جو برادری کو کھانا دے سکے"۔

"اور جبل کا یہ حال کہ پوچھا تم ہندو ہو؟ تو کہا نہیں، مسلمان ہو؟ جواب دیا نہیں، پھر آخر کیا ہو؟ بتلایا نو مسلم! گفتگو کرنے پر نتھو خاں نے تو کہا کہ آریہ مذہب میں نیوگ کا ایسا گندہ حکم ہے کہ کوئی بھلا مانس اس مذہب میں جانا گوارا نہیں کر سکتا' اور ادھار سنگھ نے کہا کہ ہم تو تعزیہ بناتے ہیں ہم ہندو کیوں بننے لگے"۔

اب حضرت مجدد کا حکیمانہ و مجتہدانہ جواب ملاحظہ ہو فرمایا "دیکھو تعزیہ ضرور بنایا کرو۔ بعض ہمراہیوں کو اس پر اشکال بھی ہوا تو فرمایا کہ ان کے لئے یہ بدعت کفر کا وقایہ ہے[۵]۔

(اشرف السوانح صفحہ ۲۳۰ جلد سوم

نفس تبلیغ عام کی جس درجہ اہمیت حضرت جامع المجددین علیہ الرحمہ کی نظر میں تھی، اسکا اندازہ اس مختصر مضمون سے کیا جا سکتا ہے جس میں "تفہیم المسلمین" کے عنوان سے حضرت نے اس کی ضرورت و اہمیت کی طرف عموماً سارے مسلمانوں کو توجہ دلائی ہے اور اپنے کفش برداروں کو خصوصاً تاکید فرمائی ہے، البتہ جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے۔ حضرت علیہ الرحمۃ کے پیش نظر کامل دین کی اصلاح و تجدید تھی، اس لئے اس تبلیغ عام میں بھی خالی کلمہ شریف اور نماز، روزہ، زکوٰۃ و حج ہی کی نہیں، بلکہ دیگر احکام کی تبلیغ کو بھی شریک فرمایا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ علماء اور ان کے دخلوں کے علاوہ اس وقت

۵؎ "الفرقان" نتھو سنگھ اور ادھار سنگھ کی جو گفتگو اور حالت اوپر کی سطروں میں نقل کی گئی ہے اس میں اس کا کوئی قرینہ نہیں ہے کہ ان لوگوں کو اصطلاحی ایمان و اسلام حاصل تھا، اس لئے گمان ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ کا مطلب یہ ہوگا کہ اس بدعت (تعزیہ داری) کی وجہ سے یہ لوگ باقاعدہ کافر یعنی آریہ ہونے سے بچے رہیں گے اور پھر انکی اصلاح اور تعلیم و تربیت کا امکان باقی رہیگا۔

واللہ اعلم

فضاء زمانہ کا مقتضیٰ یہ ہے کہ احکام الٰہیہ کے پہنچانے کا کام ہر مسلمان اپنے ذمہ لازم سمجھے اور
ہر شخص اسی دھن میں لگ جائے جیسا اسلاف کا طریقہ تھا کہ علماء و صوفیہ، امراء و غرباء، خواندہ
وناخواندہ سب کو یہی دھن تھی کہ جس کو جو احکام معلوم ہوں، دوسروں تک پہنچا یا جائے، علماء
وعظ و تذکیر کرتے تھے، صوفیہ اپنی مجلسوں میں نور باطن اور پاکیزہ باتوں سے بندگان خدا کو
خدا کی طرف لایا کرتے تھے، تاجر وغیرہ اپنے معاملات و ملاقات میں اللہ کو نہ بھولتے تھے
اگر یہ کام تنہا علماء کے ذمہ ڈال دیا جاتا تو حق کی روشنی ان مقامات میں نہ پہنچ سکتی، جہاں کسی
عالم یا فاتح کا قدم نہیں پہونچا، لہذا تمام مسلمان عموماً اور میرے ساتھ تعلق رکھنے والے خصوصاً
آج ہی سے اس دھن میں لگ جائیں کہ جتنا جس کو اسلام کے متعلق علم ہے اس کو دوسروں تک
پہنچائے اور غیبی نصرت کا امیدوار رہے۔ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ۔

آگے اس کے متعلق دستور العمل اور نظام یہ مقرر فرمایا گیا ہے کہ

(۱) ہر شخص اولاً دین میں خود پختہ و مضبوط ہو احکام پر عمل کرنے اور دوسروں تک پہنچانے
میں نہ کسی سے مرعوب ہو نہ کسی کی مروت و تعلق کی پروا کرے، اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون ہے
جس کے لئے احکام الٰہیہ کو ترک کیا جائے۔

(۲) ہر شخص کو چاہیئے کہ کسی جلسہ و مجلس کو احکام الٰہیہ کے پہنچانے سے خالی نہ رکھے مگر باریک و اختلافی
مسائل میں دخل نہ دے کہ یہ علماء کا کام ہے۔ سختی کا جواب سختی سے نہ دے صبر و تحمل سے
کام لے۔

جب کسی دنیاوی غرض تجارت یا ملازمت وغیرہ کے سلسلہ میں کبھی کسی سے ملنا ہو تو حسب
موقع باتوں باتوں میں کلمۂ حق ضرور پہنچا دیا جائے۔

(۳) رات دن میں کوئی وقت اس کام کے لئے بھی نکالا جائے جس میں بندگان خدا (مسلم
غیر مسلم) کو احکام اسلام پہنچائے جائیں اور بُرے کاموں سے روکا جائے۔

(۴) احکام کے پہنچانے میں ہمیشہ نرم ہونا چاہیئے، البتہ جن پر اپنی حکومت ہے جیسے بیوی
بچے، نوکر، شاگرد وغیرہ ان کو اول نرمی سے نصیحت کیجائے پھر بتدریج سختی سے سمجھایا جائے۔

تبلیغ احکام کی ترتیب یہ ہو

(ا) جن کو کلمہ نہ معلوم ہو ان کو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ سکھلایا جائے اور اس کے معنی سمجھائے جائیں۔

(ب) جن کو کلمہ معلوم ہو ان کو اس کے معنی سمجھائے جائیں اور کہا جائے کہ رات دن میں کم از کم سو مرتبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور اس کے ساتھ کبھی کبھی مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ضرور پڑھ لیا کریں، حدیث میں ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ کر اپنا ایمان تازہ کرتے رہا کرو۔

(ج) جو لوگ نماز نہیں پڑھتے ہیں ان کو پابندی نماز کی اور مردوں کو مسجد میں با جماعت نماز کی تاکید کی جائے، جن کو نماز کا طریقہ نہ معلوم ہو اُن کو سکھلایا جائے اور ممکن ہو تو پوری نماز کا ترجمہ بھی یاد کرا دیا جائے (یعنی سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ سے لے کر التَّحِیَّاتُ اور درود شریف تک) اور وضو و پاکی، ناپاکی کے مسائل سے وقتاً فوقتاً آگاہ کیا جائے۔

(د) جن پر زکوٰۃ فرض ہے ان کو زکوٰۃ ادا کرنے کی تاکید کی جائے، جن پر قربانی واجب ہے ان کو قربانی کی ترغیب دیں۔

(ہ) رمضان شریف کے روزے کی تاکید کی جائے۔

(و) جن پر حج ہے اُن کو حج کی تاکید کی جائے۔

(ز) ہر بستی میں تعلیم قرآن شریف کے مکاتب ضرور ہونا چاہئیں جن میں تعلیم قرآن کے ساتھ اُردو رسائل بہشتی زیور، بہشتی ثمر، راہ نجات وغیرہ بھی پڑھائی جائیں تاکہ بچوں کو ضروری احکام کی اطلاع ہو۔

(ح) سب مسلمانوں کو باہم اتفاق و اتحاد سے رہنے اور گالی گلوچ، لڑائی جھگڑا بند کرنے کی تاکید کی جائے۔

(ط) بستی کے کسی با اثر دیندار کو یا چند با اثر دینداروں کی جماعت کو اپنا بڑا بنا لیا جائے جن کا کام یہ ہو کہ لوگوں میں اتحاد و اتفاق قائم رکھیں، اور امور مذکورۂ بالا کو رواج دیں اور جب کسی معاملہ میں نزاع ہو اس کا شریعت کے موافق علماء سے پوچھ کر

فیصلہ کر دیں اور سب اسی فیصلہ کی تائید کریں۔

(ی) جھوٹ، غیبت، حسد و کینہ، دشمنی، کسی کی بیجا طرفداری، چغل خوری کرنا، بدنگاہی، بے پردگی، شراب نوشی، لڑکوں سے ناجائز تعلقات، سودی لین دین، بیکاری، آوارہ گردی کا انسداد کریں۔

سچ بولنے، باہم تواضع و محبت کا برتاؤ کرنے انصاف و عدل پر مضبوطی کے ساتھ جمے رہنے، اور جائز ذرائع معاش میں لگے رہنے، کفایت شعاری اور آمدنی سے زیادہ خرچ نہ کرنے کی بہت تاکید کریں تنگی برداشت کریں مگر حتی المقدور زیادہ خرچ نہ کریں۔

تقریبات اور روزمرہ کے خرچ میں کفایت کرنے والے پر طعن و تشنیع نہ کریں بلکہ اس کی ترغیب دیتے اور حوصلہ افزائی کرتے رہیں، کسی جائز پیشہ کو عار نہ سمجھیں، بیکاری اور سوال کی ذلت (خواہ قرض ہی کا سوال ہو) کے مقابلہ میں گھاس کھودنے کو ترجیح دیں اور نیک عمل اختیار کرنے کی خود بھی کوشش کریں اور دوسروں کو بھی تاکید کرتے رہیں۔

(۶) حیات المسلمین، تبلیغ دین، تعلیم الدین، محاسن اسلام، بہشتی زیور کو مطالعہ میں رکھیں اور وقتاً فوقتاً ان کے مضامین دوستوں، ملنے والوں اور سب بندگان خدا کو پہنچاتے رہیں

(۷) جو علماء کسی دینی خدمت درس و تدریس، تالیف و تصنیف وغیرہ میں مشغول ہیں وہ بھی اپنے ملنے جلنے میں بندگان خدا کو احکام پہونچانے میں سستی نہ کریں اور فرصت کے اوقات جیسے جمعہ کی تعطیل، طویل رخصت کا زمانہ ہے اس میں وعظ و نصیحت کے ذریعہ بندگان خدا کو احکام اسلام پہنچانا اپنا فریضہ جانیں۔

میں اپنے ساتھ خاص تعلق رکھنے والوں کو خاص طور پر مکرر تاکید کرتا ہوں کہ امور مذکورۂ بالا کی پوری پابندی کریں اور اس میں کوتاہی ہرگز نہ کریں اور تمام اہل اسلام سے بھی یہی درخواست کرتا ہوں کہ اس دستور العمل کو حرز جان بنا کر ہر شخص اللہ تعالے کے دین کی خدمت کے لئے آمادہ ہو جائے! تو مصائب و پریشانیوں کا جو اس وقت مسلمانوں کے سامنے ہیں بہت جلد خاتمہ ہو جائے گا اور نصرت الٰہی ان کے ساتھ ہوگی۔

اور اس دستور العمل کو چند روز تک نہیں ہمیشہ ہمیشہ قائم و جاری رکھیں۔ ربنا اغفر لنا

ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝

تبلیغ کے اس دستور العمل کی زیادہ خصوصیت وہی ہے کہ کلمہ اور ارکان اسلام کی اقدمیت و اہمیت کے باوجود حضرت جامع المجددین کے پیش نظر جامع و کامل دین کی جامع و کامل تجدید و اصلاح ہے اور اس کی تفصیل میں ایمان و عمل، معاش و معاملت، اخلاق و معاشرت کی موٹی موٹی باتوں کا ایک سہل قابل عمل نظام العمل تجویز فرمادیا گیا ہے، اور جس میں اس کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے کہ جو کچھ ہو مضبوط و مؤثر بنیادوں پر ہو، اگر اس کو مسلمان اب بھی مضبوطی کے ساتھ تھام لیں تو انشاء اللہ حکومت یا کانگرس، انگریزوں یا ہندوؤں کسی سے بھی مقابلہ و مقاتلہ کے بغیر نہ صرف مسلمانوں کی اکثریت کے حصہ میں، بلکہ اقلیت کی جگہوں میں بھی **حقیقی پاکستان** دس سال کے اندر قائم ہو جانا یقینی ہے۔[1]

باقی غیروں کی نقالی اور سیاسی ہلڑ ہنگاموں کے سوا دین کی صحیح راہ سے اگر کچھ کرنا ہی نہیں تو اس کے جو نتائج اب تک رہے وہ بھی سامنے ہیں، اور آئندہ ان سے بدتر کا اندیشہ ہے اللہ کی نصرت تو اللہ ہی کی راہ اختیار کرکے ساتھ ہوگی اور راہ وہی ہے جس کی طرف حضرت نے اس دستور العمل کے خاتمہ کی آیت میں اشارہ فرمایا ہے جس میں دعا کی صورت میں یہ تعلیم ہے کہ سب سے پہلے اپنے گناہوں اور دین دنیا کے معاملات میں اپنی زیادتیوں یا حدود ناشناسیوں سے تائب و مغفرت خواہ ہو کر (رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا) آئندہ کے لئے دین کے راستہ پر قدموں کو جما لیا جائے (وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا) تو کفار کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی نصرت یقینی ہے (وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ) یہ سنت اللہ کی منطق اور اس کے مقدمات ہیں جن سے گریز کرکے دینی راہ سے کسی کامیابی کی توقع قطعاً کتاب و سنت کے محکمات و نصوص کے خلاف اور نری خام خیالی ہے۔ قرون اولیٰ کی تاریخ نے کوئی سبق چھوڑا نہیں حضرت عمرو ابن العاص مصر کا ایک مہینہ سے محاصرہ کئے ہوئے ہیں اور فتح نہیں ہو رہا ہے، ایک مہینہ کی

---

[1] ملحوظ رہے کہ یہ مقالہ جس مستقل کتاب کا ایک باب ہے وہ اب سے بہت پہلے تصنیف ہو چکی ہے اس لئے ان سطروں کو کسی بے خبری پر محمول نہ فرمایا جائے۔ م

مدت کسی ملک کی فتح کے لئے کیا تھی، پھر بھی امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"اس کی کیا وجہ ہے کہ اتنے دن محاصرہ کو ہوگئے اور اب تک کامیابی نہیں ہوئی، معلوم ہوتا ہے کہ لشکریوں میں تفویض و تقویٰ کی کمی ہوگئی ہے، اس لئے سب اپنے معاصی سے توبہ اور اپنی اصلاح کریں، چنانچہ سب نے مل کر توبہ کی پھر جو حملہ کیا تو ایک ہی دن میں شہر فتح ہوگیا۔

حضرت عمرؓ نے اس ناکامی کو ظاہری اسباب و تدابیر کی کمی و بے سروسامانی پر محمول نہیں فرمایا بلکہ دین میں سستی و غفلت پر۔"[1]

بہرحال اب تک جس راہ پر ہم دوسروں کے پیچھے چل رہے ہیں، یہ تو نفس حکومت و جاہ طلبی وہی فرعونی و شدادی راہ ہے اور مسلمان جب تک اسلام کا نام برائے نام رکھ کر خود فریبی اور خدا فریبی میں گرفتار ہیں، اس وقت تک ناکامی اور رسوائی کے سوا کسی دوسرے نتیجہ کی امید رکھنا اسلام کی حقیقی تعلیم اور اعلیٰ تاریخ دونوں سے آنکھیں بند کر لینا ہے۔

وقت ہے کہ اب بھی آنکھیں کھولیں، ورنہ حکومت کے ہاتھوں کوئی غیر اسلامی یا لادینی جبری[2]

---

[1] "الافاضات الیومیہ" صفحہ ۴۵

[2] حکومت کی طرف سے جبری تعلیم کا نفاذ یہ کوئی فرضی امکان و احتمال نہیں ہے بلکہ اس کا انتظام ہو رہا ہے۔ ذرا غور فرمائیے کہ اقلیت کے صوبوں میں اس کا نقشہ کیا ہوگا، ایک طرف تو پڑھانے والے شاذ ہی کسی مدرسہ میں مسلمان ہوں گے یا دس پانچ میں ایک آدھ، دوسری طرف دن رات ساتھ لکھنے پڑھنے والوں کا تناسب کم و بیش یہ ہوگا کہ اگر ۰۔ مسلمان بچے ہیں تو ۵۰۔ ۶۰ غیر مسلمان، الحکومت بدنیت نہ بھی ہو اور غیر مسلم استاد دیدہ و دانستہ مسلمان بچوں کو ان کے دین و ایمان سے برگشتہ نہ بھی کرنا چاہیں تو بھی غیر مسلم استادوں اور بچوں کی اس کثرت و غلبہ کی صحبت و تربیت میں بسر کرنے والے وہ مسلمان بچے کتنے مسلمان رہ جائیں گے جو زیادہ تر اب بھی صرف اتنے مسلمان ہیں کہ نام کے مسلمان ماں باپ کے گھر میں پیدا ہوئے ہیں آج بھی جو ایسے مدرسے ہیں جنمیں غیر مسلم پڑھنے پڑھانے والوں کا غلبہ ہے، خود کانگرسی حکومت کے ایک مسلمان کانگرسی عہدہ دار کی عینی شہادت ہے کہ ایسے مدرسہ کے مسلمان بچے سلام کے بجائے ہاتھ جوڑ کر نمسکار کرتے ہیں۔

یہ خطرہ بالکل سر پر ہے اور حکومت کی حد تک چارہ کار صرف یہ ہے کہ مختلف (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر ملاحظہ فرمائیے)

نظام تعلیم دس سال کے لئے بھی ہماری اس غفلت میں چل گیا، کہ ہم نے خود یا حکومت پر زور ڈال کر مسلمان بچوں کے لئے حضرت مجدد وقت کی تجدید و تاکید کے مطابق، اسلامی مکاتب و مدارس گاؤں گاؤں و قصبہ قصبہ میں نہ قائم کر دئے تو ایک نسل کے بعد ہی مسلمانوں کی اقلیت کے مقامات میں پاکستان اور جمعیۃ العلماء کا نعرہ لگانے والے مسلمان بھی نہ ملیں گے، بس اللہ ہی رحم فرمائے!

تعلیم المسلمین یا تفہیم المسلمین کے مندرجہ بالا دستور العمل سے پہلے تعلیم المسلمین کے عنوان سے اسی مقصد کے سلسلہ میں خصوصیت کے ساتھ وعظ اور واعظوں کے لئے بھی ایک دستور العمل ضروری اصلاحات و تجدیدات کے ساتھ تجویز فرمایا گیا ہے اس کی تمہید میں بھی ارشاد ہے کہ:-

"نصوص کثیرہ میں صلاح کے ساتھ دوسروں کی اصلاح کی تاکید بھی وارد ہے اور سورۂ والعصر تو بلا شرکت خاص اسی موضوع کے لئے نازل ہوئی۔ اس میں جہاں تصحیح عقائد و اصلاح اعمال کو نجات کی شرط فرمایا ہے، جو حاصل ہے خسران سے بچنے کا، وہیں وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ، میں دوسروں کی تعلیم عقائد و اعمال کو بھی شرط نجات میں داخل فرمایا ہے، اسکے علاوہ قرآن و حدیث میں اسی مضمون کے اور بے شمار نصوص امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور وعظ و تذکیر کے عنوان سے نہایت تاکید و اہتمام کے ساتھ مذکور ہیں اور اس میں سستی و

(بقیہ حاشیہ صفحہ ما سبق) سیاسی و غیر سیاسی جماعتوں کے مسلمان بالاتفاق کھل کر واضح کر دیں کہ جبری تعلیم کیلئے ہم بخوشی طیار ہیں لیکن ناسمجھ اثر پذیر بچوں کی کسی ایسے ماحول میں تعلیم پر ہرگز راضی نہیں ہو سکتے جس میں ان کے دین و ایمان پر کسی ناموافق اثر کا ادنیٰ احتمال بھی ہو، اور حکومت اگر نیک نیت ہے تو تھوڑے بہت مصارف کی زیادتی سے بآسانی مسلمان بچوں کی جبری تعلیم کا ان کی خاص تہذیبی و دینی روایات کی حفاظت کے ساتھ انتظام کر سکتی ہے مثلاً جہاں کم از کم دس مسلمان بچے ہوں وہاں ان کیلئے مسلمان استاد کے تحت جداگانہ مکتب ہوں یا قریب کے کئی دیہاتوں یا محلوں کو ملا کر مسلمان اساتذہ کی نگرانی و تعلیم میں ایسے مدارس و مکاتب قائم ہوں۔ ——— ساتھ ہی مسلمان بجائے خود اپنے کو دیانات، معاملات، معاشرات اور اخلاق غرض زندگی کے تمام شعبوں میں پورا مسلمان بنانے کے لئے اپنی دینی صلاح و صلاح اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے واجبات کا وہ اہتمام کریں جو خود اُن کے دین ہی نے مقرر کر دیا ہے اور جس کی مجدد وقت نے تمام و کمال تجدید فرما دی ہے۔

(یہ حاشیہ احقر کے مضمون "نئی مشکل کا پرانا حل" سے ماخوذ ہے۔ جو صدق مطبوعہ ۲۱، و ۲۸ فروری سنہ ۱۹۴۶ء میں شائع ہوا، پوری تفصیل قابل ملاحظہ ہے)

ترک پر شدید وعیدیں بھی وارد ہیں، نیز انبیاء علیہم السلام کا خاص فریضہ یہی رہا ہے۔"

"باقی دین کے جتنے شعبے ہیں مثلاً افتاء، درس و تصنیف وغیرہ سب اسی کے آلات و مقدمات ہیں، خود تنظیم (یا حکومت) جس کی ضرورت سب کو تسلیم ہے (بلکہ آج کل ساری دنیا آزادی و خود مختاری کے نام سے اسی پر جان دے رہی ہے) اسلام میں وہ بھی (اسی مقصد اصلاح ایمان و عمل) کے تابع اور اس کا مقدمہ ہے، چنانچہ اس آیت اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ" میں جہاں تمکین کے مقاصد ذکر فرمائے ہیں اُن میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو بھی جزو مقصود فرمایا گیا ہے"

غرض صحیح اسلامی حکومت یا تمکین فی الارض کی اصلی غرض بھی خود مختاری قطعاً نہیں بلکہ خدا مختاری ہے یعنی حکومت و سیاست سب خدا کی زمین پر خدا کی مرضیات و احکام پر چلنے چلانے کیلئے ہے اور تعمیل مرضیات و احکام کی مخالفت یعنی

" ارتکاب معاصی کو قرآن و حدیث میں صراحۃً دنیا و آخرت کے سارے مصائب کا سبب قرار دیا گیا ہے اور خادمان ملت نے اس باب میں مستقل تالیفات بھی لکھی ہیں اور ایک مختصر رسالہ جزاء الاعمال احقر کا بھی شائع ہو چکا ہے اور حیوٰۃ المسلمین کے خطبہ میں بھی دل نشین عنوان سے اس کی تقریر کی گئی ہے"۔

" لہذا اس کے بعد امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ضروری ہونے میں کیا شبہ رہا جس کے ذرائع میں سب سے سہل اور نفع کے اعتبار سے عام و تام وعظ کا ذریعہ ہے"۔

وعظ اور واعظوں کا انتظام و اصلاح | اس کے بعد وعظ اور واعظوں کے متعلق جو اصلاحی ہدایات تجویز فرمائی گئی ہیں وہ مختصراً یہ ہیں:۔

" ہر اسلامی مدرسہ و انجمن کم از کم ایک واعظ بھی مقرر کرے اور یہ سمجھے کہ ضرورت تعلیم کے لئے ایک مدرس کا اضافہ کیا، کیونکہ جس طرح مدرسہ کے معلمین طلبہ کے مدرس ہیں، واعظین عوام کے مدرس ہیں، اور اہل انجمن یہ سمجھیں کہ یہ تعلیم عوام کے لئے ان کی انجمن کی ایک شاخ ہے"۔

"جہاں مدرسہ و انجمن نہ ہو، یا کسی وجہ سے اس کا انتظام نہ کر سکے وہاں رؤساء انفراداً یا

اشتراکاً اپنے پاس سے تنخواہ دے کر ایسا واعظ مقرر کریں مگر اس کا انتخاب علماء سے کرائیں جہاں ایسا کوئی باہمت رئیس نہ ہو وہاں اہل بستی باہمی چندہ سے کریں مگر چندہ میں کسی پر جبر نہ کریں۔

"یہ واعظ خواہ متبحر عالم نہ ہو مگر دینیات پر کافی نظر ہو کہ تقریر میں یا کسی کے سوال کے جواب میں غلط روایت یا غلط مسئلہ بیان نہ کرے"۔

واعظ کا انتخاب تو جیسا کہ حضرت علیہ الرحمہ نے ہدایت فرمائی علماء سے ضرور کرانا چاہیئے باقی جہاں تک نفس وعظ گوئی کی تعلیم کا تعلق ہے اگر کچھ بھی صلاحیت ہو تو خود حضرت جامع المجددین علیہ الرحمۃ کے مواعظ جو دین کے تمام ابواب کو جامع و محیط ہیں ہر اعتبار سے ایسے کافی ووافی اور اتنے کثیر ہیں کہ کسی واعظ کو عمر بھر بھی ان سے باہر جانے کی ضرورت انشاء اللہ پیش نہیں آسکتی، حسب موقع و حسب ضرورت انھیں کے اجمال و تفصیل سے یہ خدمت باحسن وجہ انجام دی جاسکتی ہے۔

"بلا ضرورت اختلافی مسائل نہ بیان کرے اور اگر ضرورت ہی پڑ جائے تو عنوان نرم و سہل ہو، اگر کسی شخص کا نام لینا پڑے تو اس کی نسبت کوئی سخت کلمہ نہ کہے۔ بس متانت سے شبہ حل کردے خواہ کوئی مانے یا نہ مانے"۔

"عام طور پر واعظ کسی کی دعوت قبول نہ کرے، البتہ اگر داعی پہلے سے شناسا و مخلص ہو تو کوئی مضائقہ نہیں، یا شناسا نہ ہو مگر قرائن سے مخلص، ہونا دل کو لگتا ہو تو بھی مضائقہ نہیں، مگر از قسم ہدیہ نقد و غیر نقد ہرگز قبول نہ کرے"۔

"کسی مدرسہ یا انجمن یا اسی مد وعظ کے لئے چندہ کی ہرگز ترغیب نہ دے، بلا ترغیب کوئی دے بھی تب بھی انکار کردے، پھر بھی نہ مانے تو کہہ دے کہ براہ راست مرکز میں بھیجدو، میں نہیں لیتا (غرض جہاں تک تبلیغ احکام کا تعلق ہے لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا"

لہ بحالا موجودہ قلیت کے صوبوں میں خصوصاً اور ان کے جن علاقوں یا دیہاتوں میں مسلمانوں کی آبادی بہت کم ہو ان میں اور بھی خصوصاً ایسے واعظوں کا انتظام خود مسلمانوں کی طرف سے ضروری ہے جو ان مقامات کا برابر دورہ کرتے رہیں اور مسلمانوں کو جمع کر کے احکام کی تبلیغ کرتے رہیں۔

کے انبیائی اُسوہ و معیار کو زیادہ سے زیادہ پیش نظر رکھے)

"سیاسی امور یا کسی کے ذاتی معاملات کے فیصلہ میں واعظ دخل نہ دے، اگر اس کی درخواست بھی کی جائے تو صاف انکار کر دے"۔

"کسی کو تعویذ گنڈے دینے یا بیعت لینے سے واعظ کو قطعاً منع کر دیا جائے، اگرچہ وہ اس کا اہل بھی ہو"

واعظ صرف وعظ ہی پر اکتفا نہ کرے کیونکہ وعظ میں وہی لوگ آتے ہیں جو پہلے سے کچھ دیندار ہیں اور ضرورت سب کو دیندار بنانے کی ہے، اس لئے حسب ذیل طریقہ اختیار کرنا چاہیے"

(الف) جو مسلمان نماز نہیں پڑھتے، مسجد میں نہیں آتے، اُن کے مکان پر چند واقف مخلص احباب کو ساتھ لے کر جائے اور نرمی کے ساتھ اول صاحب خانہ کا کلمہ سُنے، پھر اسی کے واسطہ سے گھر والوں کا کلمہ ٹھیک کیا جائے، پھر سب کو نماز کی تاکید کی جائے اسی طرح سب بے نمازیوں کے مکان پر جایا جاوے اور ہر بستی کے اندر ایک یا متعدد جماعتیں مخلص و مستعد دینداروں کی ماتحتی میں قائم کر دی جائیں جو برابر اسی طرح لوگوں کے مکان پر جا کر کلمہ سکھلانے اور بے نمازیوں کو نمازی بنانے کی کوشش کرتے رہیں اور اس خطاب خاص میں بجز کلمہ کی تلقین اور نماز کی تاکید کے اور کچھ نہ کہا جائے، باقی احکام کے لئے عام وعظ کو کافی سمجھا جائے"

مجلس دعوۃ الحق حضرت علیہ الرحمۃ نے خود اپنے ہاں اسی نظام العمل کے مطابق کام شروع بھی فرمادیا تھا اور بعد میں دعوۃ الحق کے نام سے خاص دعوت تبلیغ کی خدمات ہی کی تکمیل و انجام دہی کے لئے ایک مستقل مجلس کی گویا بنیاد ڈال دی تھی جس کی مختصر تفصیل دعوۃ الداعی نام کے مضمون میں فرمائی گئی ہے۔ اس آیت وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ کے ذیل تمہیداً ارشاد ہے کہ:-

اس آیت سے معلوم ہوا کہ تعلیم احکام اور اس کی ضرورت سے تعلم احکام ایسا اہم فریضہ ہے

کہ عین جہاد حقیقی میں (جو اعظم العبادات ہے) مشغول ہونے کے وقت بھی واجب ہے کہ ایک جماعت بجائے جہاد کے اس فریضہ کی خدمت انجام دے تو اور کسی وقت اس کا اہتمام کیوں نہ واجب ہوگا۔"

وجہ ظاہر ہے کہ کوئی طاعت کیسی ہی عظیم اور ضروری ہو، وہ معتبر اور مقبول اُسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ شرعی قوانین کے موافق ہو اور ان قوانین کے موافق ہونا اس پر موقوف ہے کہ پہلے ان کا علم ہو۔ جس کی دو صورتیں ہیں، یا خاص طور پر ان کا درس و تدریس، یا عام طور پر تعلیم و تبلیغ، پہلا طریقہ معاشی اسباب کی بنا پر عام نہیں ہو سکتا، لہذا دوسرا ہی طریقہ رہ جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے لئے یہی طریقہ تجویز فرمایا گیا اور اکابر امت نے بھی ہمیشہ سب سے زیادہ اس کا اہتمام فرمایا، باقی درس و تدریس، تصنیف و تالیف وغیرہ کو اسی کا مقدمہ قرار دیا۔"

"مگر ایک طویل زمانہ سے اس کی طرف سے بہت بے التفاتی ہو گئی ہے جس کا لازمی نتیجہ جہل کا غلبہ ہے اور غلبہ جہل سے فساد عمل اور فساد عمل سے مسلمانوں کا ہر قسم کا ظاہری و باطنی تنزل اور گوناگوں مصائب میں ابتلاء اس درجہ رونما ہو گیا ہے کہ اگر جلد اُس کا تدارک نہ کیا گیا تو قوی اندیشہ ہے کہ مسلمانوں کی قوم من حیث الاسلام فنا ہو جائے۔"

"الحمد للہ کہ ایسے نازک وقت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دستگیری فرمائی کہ بعض بے سروسامان بندوں کو اس کا احساس اور احساس کے ساتھ اس کی توفیق عطا فرمائی کہ وہ اللہ ہی کے بھروسہ پر کھڑے ہو گئے اور اس خدمت کی تکمیل کے لئے دعوۃ الحق کے نام سے ایک مجلس بنا کر کام شروع کر دیا۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ ایک دو شخص کا کام نہیں اس میں ایک بڑی جماعت کی ضرورت ہے جس کی دو صورتیں ہیں"۔

"ایک یہ کہ بہت سے تبلیغ کا کام کرنے والے تنخواہ پر رکھے جائیں اور تنخواہ کے لئے بڑے پیمانہ پر چندہ کی تحریک کی جائے، مگر موجودہ فضا پر نظر کر کے اس میں یقیناً لوگوں کو تنگی ہوگی، جس میں ناکامی کے ظن غالب کے علاوہ اس کے شرعی جواز میں بھی شرح صدر نہیں ہوتا، دوسری صورت یہ ہے کہ تنخواہ دار تو کم ہوں اور ان کی تنخواہ کے کفیل وہ خاص حضرات ہوں

جو بلا تحریک اپنی رغبت سے اس کو برداشت فرمالیں۔

"باقی زیادہ کام کرنے والے غیر تنخواہ دار ہوں جس کی شکل یہ تجویز کی گئی ہے کہ جو اہل علم حضرات اس خدمت میں حصہ لینا چاہیں، وہ حسبۃً للہ اس کے لئے کچھ ماہانہ، ششماہی یا سالانہ، دو چار دن، ہفتہ، دو ہفتہ، یا مہینہ سوا مہینہ مثلاً نکال کر ناظم مجلس دعوۃ الحق (خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون۔ ضلع مظفر نگر) کو اطلاع فرمائیں۔ اور یہ اُن حضرات کی طرف سے گویا چندہ ہوگا، جو روپیہ پیسہ کے چندہ سے زیادہ عزیز و مفید ہوگا۔

"پھر جب اور جہاں اس خدمت کے لئے ان کو تکلیف دینے کی ضرورت ہوگی ان سے عرض کیا جائے گا کہ وہاں مجلس کے حسب ہدایت تبلیغ کا کام انجام دیں، آمد و رفت کا کرایہ اور مصارف خورد و نوش اعتدال کے ساتھ پیش ہوں گے اور جن بزرگ کو خادم کی عادت ہوگی ان کی خدمت میں خادم کے مصارف پیش کئے جائیں گے۔ یہ عرض تو عام اہل علم حضرات کی خدمت میں بدرجہ مشورہ ہے۔"

لیکن اپنے خادموں کو بصورت درخواست حکم ہے کہ:-

"جن حضرات کو احقر کے ساتھ خاص تعلق ہے ان سے مشورہ سے آگے اس کی درخواست ہے اور اسی مشورہ اور درخواست کے بعد بے چینی سے منتظر ہوں کہ اب رجسٹر کب تیار ہو جائے گا، اور امید رکھتا ہوں کہ انشاء اللہ دیر نہ لگے گی۔"

"نیز عموماً اہل علم کی ساری جماعتوں سے یہ بھی عرض ہے کہ ان معین اوقات کے علاوہ دوسرے عام اوقات میں بھی اپنی اپنی جگہ خاص و عام تبلیغ سے غافل نہ رہیں، جس کے ضروری قواعد آسانی کے لئے تعلیم المسلمین و تفہیم المسلمین میں بطور نمونہ ضبط بھی کر دئے گئے (جن کا خلاصہ مع حوالہ اوپر گزر چکا ہے)

اگر پابندی اور اخلاص کے ساتھ اس دستور العمل پر عمل کر لیا گیا تو انشاء اللہ اس کے ثمرات فلاح و صلاح اور نجاح بہت جلد مشاہدہ میں آجائیں گے اور آخرت کے ثمرات کا تو پوچھنا ہی کیا۔"

خود حضرت کے ہاں تو حضرت کی ہدایت اور مذاق کے مطابق حضرت کی حیات ہی میں اس

کام کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور بحمد اللہ جاری ہے[1] لیکن حضرت کا اور حضرت کے اثر سے حضرت کے خاص خادموں کا مذاق، چونکہ اعلان و اشتہار کا بالکل نہ تھا، اس لئے اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کہاں کہاں اور کیا کیا ہو رہا ہوگا، لیکن جن پر حضرت کی صحبت کا کچھ رنگ چڑھا ہے، امید ہے کہ اپنی اپنی جگہ حسب توفیق غافل نہ ہوں گے، باقی عام مسلمانوں میں پابندیٔ اخلاص کی جو قید و شرط حضرت نے بالکل بجا طور سے لگائی ہے، اگر وہی ہوتی تو آج یہ نوبت ہی کیوں آتی، تاہم اب بھی اگر حضرت کی اس تنبیہ سے چونک پیدا ہو اور کمر ہمت کس لی جائے تو بہت کچھ ہو سکتا ہے۔

"بہر حال اس مجلس دعوۃ الحق کا اصلی مقصد تعلیم المسلمین و تفہیم المسلمین کی عملی ترویج کے ذریعہ مسلمانوں میں دینی جذبہ پیدا کرنا اور کامیابی کا راستہ بتلانا ہے۔ جو مسلمانوں کے لئے تعلق مع اللہ میں منحصر ہے اور اس کا طریقہ صرف یہ ہے کہ خدا اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہر چھوٹے بڑے حکم کی پوری پابندی کی جائے، تا بہ امکان کوئی بات خلاف شرع نہ ہونے پاوے یہی عبدیت کی روح اور مسلم کی زندگی کا اصل اصول ہے"

نظام العمل اس مقصد کے بعد نظام العمل مختصراً یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ:۔

(۱) تعلیم المسلمین و تفہیم المسلمین کے تمام دفعات کی نہایت خلوص و استقلال کے ساتھ ہمیشہ پابندی کرتے رہیں اور ہر امر میں اصلی مطمع نظر رضائے حق ہو اور اس استقلال و ہمت کے ساتھ ہی دعا و ابتہال کو اصل وظیفہ و تدبیر سمجھیں۔

(۲) جہاں تک ہو سکے قرآن شریف کا ترجمہ سننے کا بھی اہتمام کریں

(۳) مسلمان کا فرض ہے کہ ہر موقع پر جذبات کو شریعت کے تابع رکھے۔

(۴) اخلاق اسلامی کو اپنا شعار بنائے، وضع و معاشرت کو بالکل شریعت مقدسہ کے موافق رکھے، نہ انگریزوں کی تقلید کرے نہ ہندوؤں کی نہ کسی اور کی۔

(۵) انبیاء علیہم السلام کا مسنون طریقہ تھا کہ ہاتھ میں لاٹھی رکھتے تھے اس واسطے سب مسلمانوں کو اس سنت پر کاربند رہنا چاہیئے"

---

[1] جو صاحب اس خدمت سعادت میں حصہ لینا چاہتے ہیں وہ مولانا شبیر علی صاحب خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون سے مکاتبت فرما سکتے ہیں

(۶) خدمت خلق کا خیال رکھیں، محنت وجفاکشی کی عادت کے لئے ورزش بھی کیا کریں، نیز لکڑی وغیرہ چلانا بھی سیکھیں اور سادہ وسپاہیانہ زندگی بسر کریں، یہ مطلب نہیں کہ خواہ مخواہ کسی سے لڑیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ آرام طلبی میں نہ پڑیں، مخدوم نہیں خادم بننے کی کوشش کریں، اگر کسی انسان بالخصوص مسلمان کو مدد کرنے کی ضرورت ہو تو مظلوم کی امداد کو لازم جانیں۔

(۷) ہر مسلمان روزمرہ نماز عشاء کے بعد سونے سے پیشتر اپنے گناہوں کو سوچ کر یاد کرے، اور پھر ان نعمتوں کو یاد کرے جو حق تعالیٰ کی طرف سے اس پر ہیں اور ان دونوں کو یاد کر کے اپنے کو ملامت کرے کہ جس مالک کی اس قدر نعمتیں ہیں، اس کی ایک دن میں مجھ سے اس قدر نافرمانیاں ہوئیں، اس کے بعد دل سے ان سب گناہوں سے توبہ واستغفار کر کے سوئے، روزانہ بلا ناغہ یہ عمل کرے"۔

اخیر میں بزرگوں کی ایک نافع وصیت یہ درج فرمائی ہے کہ

"کار کن کار بگزر از گفتار
کاندریں راہ کار باید کار"

لیکن اس کو کیا کیجئے کہ آج کل گفتار ہی کو سب سے بڑا کار قرار دے لیا گیا ہے تاہم مسلمان اپنے کو دوسروں پر قیاس نہ کریں کہ ان کا کام آج کل کی بکواس سے ہرگز نہ چلے گا، ان کا کام تو کام ہی سے چلے گا اور وہ کام ہر کام میں حق وشریعت کا اتباع ہے۔

اور جامع دعائیں بھی درج فرمائی ہیں جن کو بالخصوص نمازوں کے بعد کرتے رہنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

اول "اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ
ثانی اللھم انصر من نصر دین سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم واجعلنا منھم واخذل من خذل دین سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ولا تجعلنا منھم وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین ؀

آج کل کے نئے زمانہ کی انجمن بازی ومجلس بازی، جس کی حقیقت تھوڑا کام بہت نام،

اس کا مذاق حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کو بالکل نہ تھا، تاہم کسی نئی چیز میں اگر کوئی معتد بہ نفع معلوم ہوا اور کوئی شرعی قباحت نہ ہوئی تو محض نئے ہونے کی بنا پر ضد بھی نہ تھی، اس لئے غالباً بعض خادموں کے مشورہ سے آخر عمر میں خدمت تبلیغ کے لئے دعوۃ الحق کے نام سے مذکورہ بالا مجلس بھی قائم فرمادی تھی، ورنہ نفس تبلیغ کی خدمت و اہمیت تو ساری عمر اس درجہ پیش نظر رہی کہ نہ صرف سیکڑوں ہزاروں وعظ و سفر اسی خدمت کے لئے فرمائے بلکہ کثرت سے مواعظ و ملفوظات میں تبلیغ کے اہم و اقدم فریضۂ دینی کے لئے مسلمانوں کو طرح طرح سے متنبہ و متوجہ فرماتے رہے، آداب تبلیغ، محاسن اسلام، الدعوۃ الی اللہ، اصلاح و اصلاح وغیرہ بہت سے مطول وعظوں کا تو مستقل موضوع ہی فریضۂ تبلیغ کی اہمیت و اقدمیت اور اس کے آداب و احکام کی تفصیل ہے۔

دعوت و تبلیغ کی دو قسمیں

اصولی طور پر دعوت و تبلیغ کی دو قسمیں قرار دی گئی ہیں (۱) عام (۲) خاص۔ عام سے مراد وہ ہے جس میں کسی خاص شخص یا اشخاص کو نہیں بلکہ عام مسلمانوں کو خطاب کیا جائے جو فرض کفایہ ہے اور جس کا امر وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ الخ اور فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ الخ وغیرہ نصوص میں فرمایا گیا ہے اور تبلیغ خاص سے مراد وہ دعوت یا امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے جس کا خطاب کسی خاص شخص یا اشخاص خصوصاً اپنے توابع یا ایسے لوگوں سے ہوتا ہے جن پر کسی طرح کے امر و حکم کی قوت حاصل ہے یا جن سے "کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ" کے تحت راعی و رعیت یعنی نگراں و زیر نگرانی کا کوئی علاقہ ہے جیسے بی بی، بچے، نوکر چاکر، شاگرد و مرید وغیرہ جو کسی طرح ہمارے ماتحت ہوں اور جن کی صلاح و فلاح کی ہم پر کچھ ذمہ داری ہو اور جن کے حق میں اگر ترغیب سے کام نہ چلے تو ترہیب سے بھی کام لے سکیں، جس کو ایک دوسری مشہور حدیث میں "تغییر بالید" سے تعبیر فرمایا گیا ہے، یعنی جہاں کسی منکر کے مٹانے میں ہم کو قوت و طاقت حاصل ہو، وہاں بالید یعنی قوت سے مٹانا ہمارے ذمہ ہے اور تبلیغ خاص راعی و رعیت کے تعلق و

مسئولیت کے اعتبار سے فرض عین ہے، یعنی ہر ہر شخص پر فرض ہے، اور "کلکم راع" کی کلیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کسی نہ کسی اعتبار سے ضرور کسی نہ کسی کا راعی ہوتا ہے، شیخ مرید کا، استاد شاگرد کا، آقا غلام کا، افسر ماتحت کا، شوہر بیوی کا، والد اولاد کا، ولی زیر ولایت کا، متولی وقف کے ذیلی حقوق کا حتی کہ ایک ادنیٰ چپراسی بھی کچھ نہ کچھ اثر رکھتا ہے اور سیکڑوں معاملہ مقدمہ والوں پر اس کا دباؤ ہوتا ہے۔

تبلیغ عام کا تو سب سے اہم و اعظم ذریعہ جیسا کہ حضرت نے جابجا تفصیل فرمائی ہے وعظ ہے اور یہ کام علماء دین یا ایسے لوگوں کا ہے جو احکام دین سے کافی و وافی واقفیت رکھتے ہوں، یہ عام تبلیغ اب بھی کچھ نہ کچھ بری بھلی طرح مختلف مواقع کے وعظوں، یا بہت سے علماء اب وعظ کے نام کو چونکہ اپنی حقارت تصور فرمانے لگے ہیں تو تقریروں کے نام سے بری بھلی طرح ہوجاتی ہے لیکن تبلیغ خاص اس اعتبار سے زیادہ عام ہے کہ ہر شخص کسی نہ کسی کا راعی و نگراں ہونے کی بنا پر کسی نہ کسی درجہ میں اس کا مامور ہے، اور وہ اس لحاظ سے زیادہ نافع و کارگر بھی ہے کہ اس میں ترغیب کے ساتھ ترہیب کی قوت بھی کچھ شریک ہوتی ہے ساتھ ہی اگر اس تبلیغ کا احساس و اہتمام عام ہوجائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ کم از کم ہر شوہر اور باپ اپنے بال بچوں کی اصلاح میں تو لگ ہی جائے گا، اور جب ہر ہر گھر کی اصلاح کا انتظام ہوگیا تو پھر بے گھرے رہی کتنے جائیں گے، پھر وہ اپنے ماحول کی گرفت و اثر سے آسانی کے ساتھ کیسے نکل جاسکتے ہیں؟

راقم ہذا کے نزدیک اگر مسلمانوں کو اسی تبلیغ خاص یا اپنے اپنے توابع اور زیر دستوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف متوجہ کرنے کا ذرا منظم طریقہ سے انتظام ہو تو یہ طریقہ تا ہو کا بھی زیادہ ہے اور پائدار بھی، بس اسی کی تنظیم ہو کہ ہر گاؤں یا قصبہ و شہر کے ہر محلہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مقرر فرمودہ نظام وعظ کے ذریعہ ہر ہر گھر کے راعی کی انفراداً یا اجتماعاً اصلاح پر زیادہ زور دیا جائے جس کے بعد پورے گھر کی اصلاح خود راعی کی ترغیبی و ترہیبی تدابیر سے از خود بسہولت ہوجائے گی۔

لیکن کہاں تک افسوس کیا جائے کہ مسلمانوں میں سب سے زیادہ غفلت و کوتاہی اسی تبلیغ خاص

میں ہے بلکہ قطعاً اسی کا فقدان ہے (والنادر کالمعدوم) عوام تو عوام خواص تک کو اس تبلیغ خاص یا اپنی راعیانہ و حاکمانہ مسئولیت و مواخذہ کا رتی برابر احساس نہیں معلوم ہوتا، پرانے طرز کا وعظ کہنے والے اور نئے طرز کی تقریر کرنے والے علماء دونوں تمام دنیا کے مسلمانوں کی تباہی و تنزلی کا مرثیہ تو وعظ و تقریر میں نہایت اور درد و غم...... کے ساتھ پڑھیں گے لیکن خود اپنے اہل و عیال کے دین حتی کہ نماز روزہ تک کی اتنی بھی فکر نہیں جتنی صاحبزادے بلکہ اب تو صاحبزادی کے کسی اسکول یا کالج کے امتحان میں پاس ہونے کی، نہ بی بی کی نماز کی اتنی باز پرس جتنی کھانے میں نمک کی زیادتی کی۔ حضرت علیہ الرحمہ نے اسی غفلت و بے حسی کا بکثرت خصوصاً مواعظ میں جا بجا ذکر فرمایا ہے، مثلاً دعوت الی اللہ میں فرماتے ہیں کہ:۔

"مسلمانوں میں اولاً تو دعوت الی اللہ کا باب ہی گم ہو گیا ہے حتیٰ کہ جہاں قدرت ہے وہاں بھی نہیں، اور جہاں قدرت نہیں وہاں کا تو پوچھنا ہی کیا۔ ہمارے بزرگ وہ تھے کہ جہاں قدرت نہ تھی وہاں بھی دعوت الی الحق سے باز نہ رہتے اور ہم ہیں کہ قدرت کی جگہ بھی نہیں کرتے، بچوں کو، نوکروں کو، باوجود قدرت کے کبھی امر بالمعروف نہیں کرتے اگر یہ برتاؤ صرف خدا کے معاملات میں ہے اپنے معاملات میں ہرگز نہیں، گھر میں آ کر یہ تو پوچھیں گے کہ کھانا تیار ہوا یا نہیں مگر یہ کبھی نہ پوچھیں گے کہ بیوی نے نماز بھی پڑھی یا نہیں؟"

"بہتیرے کہیں گے کہ کہا تو تھا اگر وہ نہ پڑھے تو کیا کریں، بھائی کہنے کے دو طریقے ہیں، ایک مشورہ ایک حکم ہے، ایک تو کہنا کہ نماز پڑھا کرو، نماز نہ پڑھنا ہمیں اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ یہ تو مشورہ ہوا کہ اس کی مخالفت سے بیوی کو ناراضگی کا ڈر نہیں اور ایک یہ کہنا کہ جیسے بیوی کھانے میں نمک تیز کر دے تو ایک دن تو نرمی سے کہیں گے دوسرے دن سختی سے، اور تیسرے دن جو ذرا اکھڑ ہیں ڈنڈے سے کہیں گے تو یہ حکم ہے جس کی مخالفت سے بیوی کو ڈر ہے کہ میاں سخت ناراض ہوں گے۔ ذرا اتنا ہی کہہ دیکھو کہ اگر نماز نہ پڑھو گی تو ہم تمہارے ہاتھ کی روٹی نہ کھائیں گے اور ایسا ہی کرو بھی اور ڈر دو کہ روٹی نہ ملے گی، بہت سے بہت ایک دن ایسا کرنا پڑے گا، پھر تو وہ پابندی

ہو جائے گی، اور ایک دو روز کھانے کا انتظام کیا مشکل، شہر میں تو بازار موجود۔ دیہات میں کسی دوسرے کے گھر میں پکوا لیا جا سکتا ہے، اور اگر کو کر ساری ہی عورتیں بے نمازی ہوں تو کیا کریں کس سے پکوائیں، اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا بھر تمہاری محکوم نہیں، تمہیں صرف اپنے گھر کے لئے کہا جا رہا ہے اور اگر ہمت ہو تو سب کے ہی ساتھ یہ معاملہ کرو، انشاء اللہ ہمت کی برکت سے ساری کی ساری نمازی بن جائیں گی۔

شوہر تو خیر اسلامی نظام حیات میں گھر کا حاکم ہی ہے، بیوی اگر اخلاص و ہمت سے آمادہ ہو جائے تو شوہر صاحب کی اصلاح ہو سکتی ہے

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی کا جب نکاح ہوا تو ان کے شوہر کو بالائی آمدنی میں احتیاط نہ تھی، صاحبزادی صاحبہ نے پہلے ہی دن صاف کہہ دیا کہ تمھارے گھر اُس وقت تک کھانا نہ کھاؤں گی جب تک بالائی آمدنی سے توبہ نہ کرو گے، آخر اُن کو توبہ کرنا ہی پڑا" (وعظ مسمّی بہ اسباب الغفلۃ)

احقر کی دو بہنوں کی سبق آموز ہمت و دینداری کا نتیجہ اس قسم کا خود اپنا مشاہدہ ہے کہ ایک کے شوہر نماز روزہ کے تو پابند تھے مگر داڑھی منڈاتے تھے، انھوں نے روٹھ کر منا کر کسی نہ کسی طرح آخر داڑھی رکھوا چھوڑی، اسی طرح دوسرے بہنوئی جماعت و جمعہ کے پابند نہیں تھے ان کو دوسری بہن نے نرمی گرمی سے کہتے کہتے آخر کار پابند ہی کر لیا، اسی طرح اپنی اولاد سے صرف اتنا کہہ دیا کہ جو مسجد نہ جائے گا، اس کے کھانے کے برتن الگ کر دوں گی، باقی نہ کرنے والوں کو بہانے ہزار ہیں۔

یہ تو بیوی کو نماز کا حکم کرنے کا ذکر تھا، اسی طرح اولاد کو نہ نماز پر کچھ کہتے ہیں نہ اور احکام پر اگر بچہ اسکول میں فیل ہو جائے تو اس کو بیحد ملامت کرتے ہیں جس کے خیال سے بچے بھی خوب محنت کرتے ہیں اور ملامت بھی اس درجہ کہ بعضے بچے اس کا تحمل نہ کر کے ندامت میں جان تک دیدیتے ہیں، کانپور ہی کا واقعہ ہے کہ ایک لڑکا فیل ہو گیا تھا، ریل کی پٹری پر جا لیٹا اور کٹ گیا اسی طرح اٹاوہ میں ایک نے افیون کھا کر جان دیدی، لیکن اگر صاحبزادے نماز قضا کرتے چلے جائیں تو ابا جان مارے محبت کے کبھی کچھ نہیں کہتے، الغرض دعوت الی اللہ کا اہتمام ہی

قلوب سے نکل گیا ہے۔ اس کے بعد دعوت کے مختلف درجات بیان فرمائے گئے ہیں تاکہ جو جس درجہ کا اہل ہو ویسا ہی اہتمام کرے، یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص سب درجوں کا اہتمام کرے، یہ درجات وہی ہیں جن کا ابھی اوپر ذکر آچکا ہے لیکن خود حضرت کی زبان مبارک سے سُن لینا چاہیے۔

دعوت عام وخاص

"وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ" کی آیت میں حکم ہے کہ تمہارے اندر ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے جو خیر کی طرف بلائے، بھلائی کا حکم کرے اور برائی سے روکے، جس سے معلوم ہوا کہ یہ کام ایک خاص جماعت کا ہے، ساری اُمت کا نہیں، دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْ أَدْعُوْا إِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ کہ یہ میرا راستہ ہے، بلاتا ہوں میں اللہ کی طرف بصیرت کے ساتھ میں بھی اور جتنے میرے تبع ہیں وہ بھی اور حق تعالیٰ تمام برائیوں سے پاک ہیں اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔ تو یہاں مطلقاً مَنِ اتَّبَعَنِيْ ہے یعنی جتنے میرے تبع یا پیرو ہیں سب اللہ کی طرف بلاتے ہیں، اس میں عموم ہے لہٰذا اس عموم وخصوص سے معلوم ہوا کہ دعوت کے مختلف درجات ومراتب ہیں، ایک درجہ کا پہلی آیت میں ذکر ہے اور ایک کا دوسری میں۔

دعوت حقیقی وحکمی

ایک دعوت عامہ ہے اور ایک دعوت خاصہ پھر خاصہ کی دو قسمیں ہیں حقیقی وحکمی، حکمی سے مراد وہ ہے جو حقیقی میں معین ہو تو اس طرح کل تین قسمیں ہیں اور ہر شخص کے متعلق اس کے لحاظ سے ایک ایک قسم ہوگی، چنانچہ دعوت خاصہ ہر مسلمان کے ذمہ ہے اور وہ وہ ہے جس میں اپنے اہل وعیال کو دوست احباب کو خود اپنے نفس اور جن جن پر قدرت ہو خطاب خاص کے ساتھ دعوت ہو۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ یعنی تم میں سے ہر ایک راعی (نگراں) ہے اور ہر ایک سے باز پرس ہوگی کہ اپنی رعیت کے متعلق (جن کی نگرانی سپرد تھی) کیا کیا قرآن میں بھی اس دعوت خاصہ کا ذکر ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا یعنی اے ایمان والو اپنے کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ، لہذا یہ دعوت خاصہ تو ہر شخص پر فرض ہے اور ہر شخص کو اپنے گھر اور تعلقات والوں کے ساتھ حسب تعلق اہتمام کرنا چاہیئے۔"

عوام کا کیا ذکر خواص اہل دین اور علماء سے سوال ہے کہ وہ دعوت خاصہ کے فرض کو کہاں تک ادا فرماتے ہیں، احقر نے تو حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے علاوہ مشکل ہی سے کہیں دیکھا ہوگا کہ یہ خواص بھی اپنے محکومین وزیر نگرانی لوگوں اہل وعیال وغیرہ کو نرمی سختی جس طرح بھی بن پڑے، اتباع احکام پر آمادہ یا مجبور کرتے ہوں

اور ایک دعوت عام ہے جس میں عام خطاب ہوتا ہے، یہ کام صرف مقتداؤں کا ہے جیسا کہ وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ سے معلوم ہو رہا ہے اور اس میں ایک راز ہے کہ دعوت عام یعنی وعظ کا اثر اسی وقت ہوتا ہے جب کہ مخاطب کے دل میں دعوت دینے والے کی وقعت ہو بلکہ مطلق دعوت میں بھی اگر داعی کی وقعت نہ ہو تو وہ مؤثر نہیں ہوتی اور ظاہر ہے کہ بجز مقتدا کے اور کسی کا اثر عام لوگوں کے دل پر نہیں ہوتا اور باقی ایسے کتنے ہوتے ہیں جو قائل کو نہیں صرف قول کو دیکھتے ہوں، یہی وجہ ہے کہ حدیث میں امامت کبریٰ کے لئے الائمۃ من القریش کی خصوصیت کی گئی کہ چونکہ قریشی خاندان میں ان کی ماتحتی سے کسی کو عار نہ ہو گی، دوسرے اس لئے بھی مقتدا اور عالم ہونے کی ضرورت ہے کہ خطاب عام کرتا یا وعظ کہتا ہوا دیکھ کر لوگ یہی سمجھیں گے کہ یہ دین کے مقتدا و عالم ہیں جن سے شرعی و فقہی مسائل دریافت کریں گے اور یہاں مسائل کے نام صفر ہو گا، اور اتنی ہمت نہ ہو گی کہ کہہ دیں کہ ہم کو معلوم نہیں اور ہر وقت ایسی ترکیب سمجھ میں نہیں آتی کہ ٹال دیا کریں تو لامحالہ اس حدیث کا مضمون ہو گا کہ "فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا" یعنی بغیر علم کے جو جی میں آنے کا فتویٰ دے دیں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

رہی تیسری قسم دعوت حکمی کی تو وہ یہ ہے کہ عام دعوت تبلیغ کرنے والوں کی امانت

کی جائے تاکہ وہ اپنی ضرورت و حاجت سے مستغنی و بے فکر ہو کر اس خدمت کو انجام دے سکیں

داعی کی دو قسمیں

اب باعتبار نوعِ دعوت، داعی کی اور دو قسمیں بھی ہیں، ایک وہ جو تحقیقی جواب سے دعوت کر سکتا ہے، اور ایک وہ جو الزامی جواب سے۔ تحقیقی جواب کے یہ معنی ہیں کہ کسی نے جو کچھ پوچھا جواب میں اس کی اصل حقیقت واضح کر دی، اور الزامی جواب کے یہ معنی ہیں کہ جو اعتراض کسی نے ہم پر کیا ویسا ہی اس کے مذہب پر ہم نے کر دیا کہ جو جواب اب تم دو گے وہی ہمارا ہوگا۔ پھر ان دونوں میں سے ہر ایک کے کچھ لوازم و شرائط ہیں، تحقیقی جواب کے لئے تو اپنے مذہب پر پورا عبور ہونے کی ضرورت ہے، دوسرے مذہب پر پوری نظر ہونے کی ضرورت نہیں، اور الزامی جواب کے لئے اپنے مذہب کے ساتھ دوسرے کے مذہب پر بھی پوری نظر ہونے کی ضرورت ہے"۔

خواہ یہ مذہب نقلی ہو یا عقلی (یعنی سائنس و فلسفہ وغیرہ کا کوئی نظریہ و مسلک ہو) غرض مخالفین میں دعوت و تبلیغ کا کام وہی کرے جس کی نظر ان کے مذہب و خیالات پر ہو اور جو اپنے ہی مذہب پر نظر رکھتے ہوں، وہ اپنے ہی مذہب والوں کو وعظ و تلقین کریں، تحقیقی جواب مسلمانوں کو زیادہ نفع ہوگا اور الزامی سے غیر مذہب والوں کو یا جو اس غیر مذہب کی طرف مائل ہوں

"خلاصہ یہ ہے کہ خطاب خاص (یا تبلیغ خاص) سارے مسلمانوں کو اپنے گھر (یا اپنے تعلق والوں) میں کرنا چاہیئے اور خطاب عام میں ایک تو ایسے لوگ ہوں جو مسلمانوں کے لئے مناسب وعظ کہا کریں تاکہ ان کی اصلاح ہو، اور ایک وہ ہوں جو ایسے لوگوں کے مقابلہ میں تبلیغ کریں جن کو اسلام پر کچھ شبہ ہو گیا ہو یا اسلام سے تعلق کم ہو گیا ہو (جیسے انگریزی خواں مسلمان) یا سرے سے غیر مسلم ہوں، اور ایک آخری جماعت ایسی ہو جو ان عام تبلیغ کرنے والوں کی بشری ضرورتوں کا سامان مہیا کرے تاکہ وہ اپنے فرض منصبی میں بے فکری سے مشغول ہو سکیں، باقی جن کے پاس نہ علم ہے کہ وعظ و تبلیغ کر سکیں نہ مال جس سے واعظین و مبلغین کی مدد کر سکیں وہ بھی محروم نہیں، وہ اپنے اہل و عیال اور متعلقین کو خاص تبلیغ کے علاوہ عام تبلیغ میں دعا سے حصہ لیں کہ "اے اللہ اسلام کو

عزت و بخشئے، اے اللہ اسلام کی نصرت کیجئے، اے اللہ مسلمانوں کے دین کی حفاظت کیجئے
اے اللہ حق کو حق اور باطل کو باطل ظاہر کر دیجئے، اور دین کی برکتوں کو عام و تام کر دیجئے۔"
خلاصہ یہ کہ جب سب اپنی اپنی خدمت میں لگیں گے تب کہیں ثمرہ مرتب ہوگا، اور ثمرہ نہ
بھی مرتب ہو تو تم تو اپنے کام میں لگو جو تمہارا کام ہے۔ باقی ثمرہ دینا نہ دینا اللہ کا کام ہے۔
پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اگر ہمارا اسلام واقعی اسلام ہوتا اخلاق و عادات،
معاشرت و معاملات ہر چیز اور ہر بات میں ہماری صورت و سیرت سے اسلام ظاہر ہوتا
تو ہم مجسم دعوت و تبلیغ ہوتے اور کفار ہماری صورت دیکھ دیکھ کر مسلمان ہوا کرتے۔"

اس سلسلہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا خود ان کی خلافت کے عہد کا واقعہ نقل فرمایا کہ
کسی یہودی کے ہاتھ میں اپنی مسروق زرہ دیکھی، طلب فرمایا تو اس نے دینے سے انکار
کیا اور کہا کہ میری ہے۔ قاضی شریح کے ہاں دعویٰ فرمایا، قاضی صاحب کے نزدیک شہادت
کافی نہ تھی، انھوں نے دعویٰ خارج کر دیا، پھر بھی حضرت علیؓ نے اس کا کچھ خیال نہ فرمایا
اور نہایت ہشاش بشاش اجلاس سے باہر چلے آئے، یہودی نے جو یہ رنگ دیکھا تو بڑا
اثر ہوا کہ اول تو یہ بادشاہ چاہتے تو زرہ یوں ہی چھین لیتے اور جو تیاں الگ لگاتے مگر
نہیں، ضابطہ کے موافق قاضی کے ہاں جاتے ہیں جو ان کا محکوم ہے اور پھر وہ آپ کی
شہادت رد کر کے مقدمہ خارج کر دیتا ہے، اور یہ ذرا چیں بہ جبیں تک نہیں ہوتے
ضرور ایسا مذہب حق ہے، اس طرح فوراً زرہ کا اقرار کر کے اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا
ایسا مسلمان کہ ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور جنگ صفین میں شریک ہو کر شہادت حاصل کی۔"

ایک ہی واقعہ کیا، اسلام کی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے، البتہ اب ہم ایسے
مسلمان ہیں کہ ہم کو دیکھ کر لوگ اُلٹے اسلام ہی کو دور سے سلام کرتے ہیں، ایک سفر میں راقم ہذا
سے ایک تعلیم یافتہ ہندو نے اسلام کی طرف اپنا میلان ظاہر کیا اور سر کھول کر دکھلایا کہ دیکھئے
چوٹیا بھی کٹا دی ہے لیکن کیا کروں کہ اسلام مذہب تو اچھا ہے لیکن آج کل اس کے نمائندے
اچھے نہیں ان میں شریک ہونے کا جی نہیں چاہتا۔

اشاعت و حفاظت دین کا اصل کارگر طریقہ

ایک زمانہ میں ارتداد کی کچھ ہوا

تیز ہو گئی تھی، اس زمانہ (۱۳۴۶ھ) کے ایک وعظ میں اسی حقیقت کی زیادہ دلنشین پیرایہ میں تفہیم فرمائی ہے کہ اسلام کی اشاعت و حفاظت دونوں کا اصل و کارگر طریقہ خود اپنے اسلام کو ہر اعتبار سے مضبوط و محفوظ اور مکمل بنانا ہے فرماتے ہیں کہ:۔

دین کی حفاظت دو طرح سے ہوتی ہے، ایک بیرونی حملوں کو روکنا۔ دوسرے خود اندرونی استحکام، یعنی خود اپنی دینی حالت کو مکمل کرنا زیادہ ضروری ہے۔ اگر کوئی بادشاہ ساری فوج برخاست کر دے، لڑائی کے سارے ساز و سامان کو برباد کر دے، سارا خزانہ لٹا دے اب اگر کوئی غنیم حملہ کر دے اور بادشاہ لڑائی کے لئے آمادہ بھی ہو جائے تو کیا ظفریاب ہو سکتا ہے بس وہی حالت ہو گی کہ ع

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

حضرات! مکرر کہتا ہوں کہ اندرونی حفاظت کی زیادہ ضرورت ہے خود اپنے اندر اسلام کو راسخ کرنا، شریعت کا اتباع کرنا یہ اندرونی حفاظت ہے، کامل مسلمان بن جاؤ، احکام شریعت کی پورے طور سے پابندی کرو خواہ مخواہ لوگ دست بستہ ہو جائیں ہر شئے کا ایک اثر ہوتا ہے، اسلام کامل کا بھی ایک اثر ہے، واللہ جو کام خارجی قوت سے نہیں ہوتا وہ داخلی سے ہو جاتا ہے، پہلے زمانہ میں ہمارے بزرگوں کو دیکھ کر ان کے اعمال، ان کی معاشرت کو دیکھ کر اسلام میں لوگ داخل ہو جاتے تھے، زور و زبردستی سے نہیں ہوتے تھے اگر اب ہمارے اعمال خراب، اخلاق خراب، معاشرت گندی معاملات خراب، اگر کوئی مسلمان ہونا چاہے تو کیا دیکھ کر ہو (ملخصاً ص ۱۰۱)

اس موقع پر ایک اور غلطی اور کید نفس پر تنبیہ فرمائی گئی ہے، آج کل تقریروں، تحریروں میں عام طور سے اسلام کے ضعف و زوال کا رونا ہے۔ "زوال اسلام" کے نام سے کتابیں اور مضامین لکھے جاتے ہیں اور یہ زیادہ تر دشمنوں یا نادان دوستوں کی تعبیر ہے جس کو جہل کی وجہ سے ہمارے نام نہاد پڑھے لکھوں نے بھی اختیار کر لیا ہے حالانکہ:۔

"اسلام اپنی ذات میں کامل و مکمل ہے اس میں کبھی ضعف نہیں آ سکتا اسی وقت ضعیف ہو سکتا ہے جب کہ نعوذ باللہ خدا ضعیف ہو جائے، اسلام خدا کا قانون ہے وہ کیسے

ضعیف ہو سکتا ہے، یہ محاورہ بالکل غلط اور قابل اصلاح ہے کہ اسلام ضعیف ہو گیا، البتہ اگر یہ معنی ہیں کہ وہ اسلام جو ہماری ایک صفت ہے وہ ضعیف ہو گیا ہے، یعنی ہم جس صفت کے ساتھ متصف ہیں اس اتصاف میں کمی آگئی ہے تو یہ مسلّم ہے، مگر پھر یہی بات کیوں نہ کہو کہ آج کل ہم کمزور ہیں، یوں کیوں کہتے ہو کہ اسلام کمزور ہو گیا، اس میں تو دھبہ آتا ہے خود اسلام پر۔

ہماری بعینہٖ وہی مثال ہے جیسے میرے ایک عزیز بیان کرتے تھے کہ ایک عورت اپنے بچے کو پاخانہ پھرا کر اور کپڑے سے پونچھ کر چاند دیکھنے کھڑی ہو گئی، چاند رات کا دن تھا، وہ بھی ناک پر انگلی رکھ کر دیکھنے لگی تو پاخانہ کی بو آئی، کیونکہ جلدی میں پاخانہ انگلی میں لگ گیا تھا تو کیا کہتی ہے کہ اوئی! ابکی چاند سڑا ہوا کیوں نکلا، حالانکہ سڑی وہ خود تھی، اس طرح ہم چاند پر خاک ڈالنا چاہتے ہیں کہ اپنے ضعف کو اسلام پر لگاتے ہیں اور ما میں نفس کا ایک کید ہے کہ اگر ضعف کو اپنی طرف منسوب کریں تو اس کا تدارک کرنا پڑے یعنی اپنے اسلام کو پختہ و کامل کرنا پڑے یعنی بہت کچھ کرنا پڑے، اور اب تو خدمت اسلام کے لئے ایسے لوگ کھڑے ہو جاتے ہیں جن کے عقائد تک درست نہیں"۔

مگر یہ اصل میں خدمت اسلام کے لئے کھڑے ہی کب ہوتے ہیں، یہ تو کھڑے ہوتے ہیں کونسل کی ممبری، کیبنٹ کی منسٹری یا درکسی گھٹیا بڑھیا لیڈری کے لئے، ایک ایسا ہی چاند کے سڑے ہونے کا ماجرا اپنا یاد آگیا، ایک بڑے نامی گرامی پرانے وکیل، جو راقم ہذا کے مقابلہ میں بزرگی کا مرتبہ رکھتے ہیں جب کبھی ملاقات و زیارت ہوتی ہے، آج کل کے رواج کے موافق پھر نہ کچھ اسلام، مسلمانوں اور قوم کی تباہی و تنزلی کی مرثیہ خوانی ضرور فرماتے ہیں۔

ایک دفعہ احقر نے باادب عرض کیا کہ حضرت مسلمانوں میں جو قومی خرابیاں ہیں وہ کچھ آپ یا آپ کے گھر میں بھی ہیں، آخر پرانے تجربہ کار ذہین وکیل تھے، برجستہ فرمایا کہ بھائی! اب بحث کا ہمیشہ کے لئے جواب مل گیا۔

غرض تبلیغ بھی تبلیغ جب ہی ہوگی جب کہ ہم اور خصوصاً ہمارے مبلغین یا خدمت اسلام کے دوسرے مدعی خود سراپا اسلام ہوں لیکن اس تفریط کے ساتھ افراط کی دوسری غلطی میں نہ جا پڑیں

کہ جب خود ہی پورے مسلمان نہیں تو دوسروں کو اسلام کی کیا دعوت دیں، یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ جب تم خود کسی بد پرہیزی کی بدولت بیمار ہو تو اہل وعیال متعلقین واحباب کو بھی اس بد پرہیزی سے نہ روکنا چاہیئے، یہ بڑی غلطی و غلط فہمی ہے، دعوت وتبلیغ بجائے خود مستقل فرض ہے، ایک فرض میں کوتاہی سے دوسرا فرض ساقط نہیں ہو جاتا کہ اگر روزہ نہیں رکھتے تو نماز کیوں پڑھیں اور کیسی عجیب بات ہے کہ:۔

"بعضے تو یہاں تک اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ اپنے وعظ کہنے کو شرعاً منع سمجھتے ہیں، اور قرآن سے اس کی سند پکڑتے ہیں کہ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ ایک دوسری آیت میں ہے اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ" تو پہلی آیت کا تو وہ مطلب ہی نہیں جو بظاہر ترجمہ سے لوگوں نے سمجھ لیا کہ جو کرتے نہیں وہ کہتے کیوں ہیں، مطلب یہ ہے کہ ایسا قول، اقرار یا دعویٰ و وعدہ کیوں کرتے ہو جو پورا نہیں کرتے، جیسا کہ شان نزول سے بھی ظاہر ہے کہ لوگوں نے کہا تھا کہ اگر ہم کو کوئی ایسا عمل معلوم ہو جائے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ و افضل ہو تو اس کے لئے ہم ایسی ایسی کوشش کریں، پھر قتال وجہاد کا حکم ہونے پر جان بچانے لگے اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ ایسی بات کہتے ہی کیوں ہو جو کرتے نہیں، اور دوسری آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ کیا لوگوں کو بھلائی کا حکم کرتے ہو اور خود اپنے کو بھولے ہو جس کے معنی یہ نہیں کہ اپنے کو بھلانے والے یا بدعمل کو وعظ کہنے کی ممانعت فرمائی گئی ہے بلکہ وعظ کہنے والے کو خود اپنے کو بھلانے یا بدعملی کی ممانعت فرمائی گئی ہے، جیسا ہمارے خاص محاورہ میں بھی کہتے ہیں کہ دوسروں کو تو فلاں کام کے لئے کہتے ہو اور خود نہیں کرتے یعنی خود تو بدرجۂ اولیٰ اور ضرور ہی ایسی صورت میں کرنا چاہیئے جب کہ دوسروں سے کہتا ہو۔

بہرحال بلا عمل کے وعظ کہنے کی ممانعت نہیں بلکہ جو شخص وعظ کہتا ہو اس کو خصوصاً عمل کی بھی زیادہ کوشش کرنا چاہیئے نہ یہ کہ وعظ بھی ترک کر دے، البتہ ایسے شخص کا وعظ جو بدعمل ہو نور و برکت سے ضرور خالی ہوتا ہے لیکن بدعمل و بدکار کی نماز میں بھی نورانیت

نہیں رہتی تو کیا اس سے نماز کی فرضیت بھی ساقط ہو جاتی ہے۔

ہاں اگر کسی موقع پر تبلیغ یا امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں ایسی اذیت کا اندیشہ ہو جو برداشت نہ ہو سکے تو معاف ہے گو اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں کہ ایسی اذیت کا اندیشہ کیا واقعہ بھی پیش آ جائے تو بھی باز نہیں آتے، ایک جامع مسجد میں بیچارے ایک عطر فروش نے جماعت کے بعد کسی کو سنتیں پڑھتے ہوئے دیکھا کہ رسمی اٹھک بیٹھک کر رہے ہیں اور تھے کوئی بڑے عہدیدار، اس غریب عطر فروش نے سلام کر کے عرض کیا کہ حضور آپ کی نماز ٹھیک نہیں ہوئی پھر سے پڑھ لیں۔ بس آگ بگولا ہو گئے کہ نالائق بیہودہ تیری یہ جرأت و گستاخی! اس نے کہا صاحب گستاخی نہیں خیر خواہی ہے۔ یہاں تک بات بڑھی کہ وہ عہدہ دار اس غریب کو مارنے لگے، اس نے کہا کہ آپ اور ماریں مگر میں آپ کو مسجد سے نکلنے نہ دوں گا، جب تک آپ نماز دہرا نہ لیں، لوگ جمع ہو گئے اور عہدیدار صاحب سے کہا کہ اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے۔ پھر سے کیوں نہیں پڑھ لیتے آخر پڑھنا ہی پڑی اور پھر ایسی تعدیل ارکان کے ساتھ پڑھی کہ عمر بھر نہ پڑھی ہوگی"!

(الدعوت الی اللہ)

تبلیغ سے بے پروائی اور حیلہ جوئی کا سبب دنیاوی اغراض

بلا شبہ یہ ان عطر فروش کی غیر معمولی ہمت و عزیمت کی بات تھی جو واجب و فرض بہر حال نہیں لیکن جو کچھ اتنی ہمت و عزیمت کے بغیر بھی بآسانی ممکن ہے اس سے بھی اعراض و بے پروائی کا سبب محض دنیاوی اغراض کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔

"حتیٰ کہ اگر اپنی آنکھوں سے بھی دیکھیں اور دیکھتے ہی رہتے ہیں کہ اگر کسی نے نماز میں تعدیل ارکان نہیں کی تو یہ بھی ہمت نہیں ہوتی کہ اتنا تو کہہ دیں کہ بھائی پھر سے پڑھ لو نماز نہیں ہوئی (صل فانک لم تصل)

وجہ فقط اتنی ہے کہ اس سے دنیاوی اغراض فوت ہوتی ہیں کہ اگر ہم نے کسی کو ٹوکا تو دوستی نہ رہے گی، میل ملاپ نہ رہے گا، آپس میں ہنسی خوشی نہ رہے گی۔

حیلوں کی حقیقت

اس سے بھی بڑھ کر غضب یہ کہ آج کل درویش یا بزرگ کے

یہ معنی سمجھتے ہیں جو نہ کسی کو کچھ کہے نہ سُنے نہ روکے نہ ٹوکے، بس سب کے ساتھ صلح کن ہو کر رہے اور اس کے لئے ایک شعر گڑھا ہے جس میں "حافظ" دیکھ کر یا لگا کر اس کو خواجہ حافظ علیہ الرحمہ کی طرف منسوب کر دیا ہے ؎

حافظا گر وصل خواہی صلح کن با خاص و عام
با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام

حالانکہ حافظ شیرازی شاید رام رام جانتے بھی نہ ہوں گے، پھر دیوان حافظ میں تحریفوں کے باوجود مزا یہ کہ دیوان میں اس شعر کا پتہ نہیں، ہاں کسی دیوانے حافظ کا ہوگا، البتہ ایک اور شعر بھی ہے جس سے آج کل کے صوفی اپنے صلح کل مسلک پر استدلال کرتے ہیں اور وہ واقعی حافظ کا ہے ؎

مباش در پئے آزار و ہر چہ خواہی کن
کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست

تو اس کا سیدھا مطلب یہ ہے کہ آزار کے قصد سے کسی کو آزار نہ دو، اور یہی درحقیقت آزار کے درپے ہونا ہے، باقی جو شخص اصلاح کی غرض سے آزار دے جیسے طبیب و ڈاکٹر آپریشن کرتا ہے، یا باپ واستاد تادیباً بچے کو مارتا ہے، اسی طرح اگر امر بالمعروف کرنے والے سے کسی کو آزار پہونچے بھی تو یہ درپے آزار ہونا نہیں" (آداب تبلیغ)

اور اگر درپے آزار ہونے کے معنی ایسے ہی عام ہیں تو پھر مرزا بیدل کی جو حکایت حضرت نے نقل فرمائی ہے وہ اس کا ایسا جواب ہے کہ جس دل میں ذرہ بھر بھی ایمان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق ہو وہ لرز جاتا ہے۔

"مرزا کے اشعار میں تصوف کا رنگ ہوتا تھا، کوئی ایرانی ان کو پڑھ کر اور مرزا کو بزرگ سمجھ کر ان کے پاس آیا تو دیکھا کہ وہ داڑھی منڈا رہے ہیں، یہ دیکھ کر غصہ آگیا اور جھلا کر پوچھا "آغا ریش می تراشی"۔ شاعر نے جواب "بلے ریش می تراشم و لے دل کسے نمی خراشم"، وہ بیچارہ مخلص تھا جواب دیا "آرے دل رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) می خراشی" ظالم اللہ توبہ بڑے دل کو چھیل رہا ہے اور دعوی کرتا ہے

کہ دل کسے نمی خراشم"۔ تم یہ داڑھی پر استرا نہیں پھرا رہے ہو بلکہ حضور کے دل پر چھری چلا رہے ہو، حضور کی خدمت میں جب اعمال پیش ہوتے ہیں اور آپ کو معلوم ہوتا ہے کہ میری امت کا فلاں شخص یہ حرکت کر رہا ہے تو کیا اس سے آپ کا دل نہیں دکھتا، اور لیا آپ کا دل دکھانا چھوٹی بات ہے، آپ کا قلب نو سر القلوب ہے، جب تم سر القلوب کو تکلیف دیتے ہو تو پھر یہ دعویٰ کیسے کرتے ہو کہ ہم کسی کا دل نہیں دکھاتے، آخر مرزا کے دل میں ایمان تھا، یہ جواب سُن کر آنکھ کھل گئی اور چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے، ہوش آیا تو توبہ کی اور بزبان حال یا قال کہا کہ :۔

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی
مرا با جانِ جاں ہم راز کردی

راقم احقر بھی اسی رنگ کی ایک بات کبھی کبھی بعض حضرات کی خدمت میں عرض کر دیتا ہے کہ بھائی آدمی صورت شکل، وضع قطع فطرۃً اسی کی اختیار کرتا ہے جس کی اس کے دل میں محبت یا عظمت ہوتی ہے تو بس ایسی حرکات کے وقت اتنا سوچ لیا کرو کہ جو صورت تم بنا رہے ہو یہ کرزن کی ہے یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی، اور تمہارا یہ چہرہ تمہارے دل کے اندر کس کی محبت و عظمت کی گواہی دے رہا ہے؟ محمد رسول اللہ کی جن پر ایمان اور جن کی محبت کا دعویٰ ہے یا ان کے دشمنوں کی!! اگر کفار یا فساق کی وضع قطع اختیار کرنے کی تائید میں نقلی قیل و قال یا تجددی دلائل کا بہانہ تلاش کرنے کے بجائے احقر کے پیش کردہ مراقبہ یا مرزا بیدل ہی کی حکایت کو سامنے رکھا جائے تو کون مومن دل ہوگا جس کے اندر وہی ٹیس نہ اُٹھے جو غریب ایرانی کے ٹوک دینے سے بیدل کے اندر اُٹھی تھی، ایک مومن کو تو اس حکایت کے بعد بس اس پر غور کرنا چاہیئے کہ :۔

"جب ہم سے کوئی خلاف شرع بات سرزد ہوگی تو حضورؐ کو اس سے آزار ہوگا یا نہیں، اس لئے ترک احکام شرعیہ کے لئے ایسی ایسی باتوں کو آڑ بنانا "مباش در پئے آزار ہر چہ خواہی کن" بالکل واہیات ہے"۔

"پھر سیدھا جواب یہ ہے کہ نصوص کے مقابلہ میں ایسی واہیات باتیں یا اشعار سب

ہیچ ہیں۔ بس ہم تو یہ جانتے ہیں کہ خدا و رسولؐ کا یہ حکم ہے اور نصوص کے اندر امر بالمعروف کا حکم موجود ہے اور اس کے نہ کرنے پر نکیر ہے، بس اس کو کرو۔"

البتہ شرائط و احکام کے ساتھ کرو اندھا دھند مت کرو، فقہاء نے اس کے قوانین و ضوابط مدوّن کر دیے ہیں ان کو سیکھو، علماء سے پوچھو، وہ تم کو راستہ بتا دیں گے، باقی اس قسم کے اشعار سے نصوص کا مقابلہ مت کرو۔"

امر بالمعروف کے بعض حدود و شرائط

بہت سی اصولی باتیں ان احکام و شرائط کی بھی حضرت نے اپنی کتابوں اور مواعظ میں بیان فرما دی ہیں، مثلاً خطاب عام یا وعظ صرف علماء کا کام ہے عوام پر صرف خطاب خاص، وہ بھی زیادہ تر اپنے اہل و عیال و اتباع کے حق میں واجب ہے یا کوئی بات جو ہم کو معلوم ہے اور دوسرا اس میں لاعلمی کی وجہ سے غلطی یا کوتاہی کر رہا ہے تو اس کو بتا دینا واجب ہے اور اگر لاعلمی نہیں، بلکہ سستی، کج فہمی، جہالت یا بدعت وغیرہ میں ابتلا اس کا سبب ہے تو اگر تمہارا اتنا اثر ہو اور کسی وجہ سے قرائن سے گمان غالب ہو کہ تمہارا کہنا مان لے گا تو بھی واجب ہے ورنہ مستحب۔ اور اگر قرائن سے گمان غالب ہو کہ ماننا تو کیا اُلٹے فتنہ و فساد، لڑائی جھگڑے پر آمادہ ہو جائے گا جس کا تم مقابلہ یا تحمل نہیں کر سکتے یا تمہاری کم علمی یا مغلوب الغضب ہونے کی بنا پر حدود سے نکل جانے کا اندیشہ ہے تو ایسی صورتوں میں تبلیغ مستحب بھی نہیں بلکہ ممنوع ہے، اس لئے کہ جس طرح ہر چیز کے حدود ہیں تبلیغ کے بھی حدود ہیں "الآمرون بالمعروف والناھون عن المنکر" کے بعد ساتھ ہی "الحافظون لحدود اللہ" لگا ہے، لہٰذا "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" تو سر سے پیر تک حدود و ضوابط سے مقید ہے، جس کے جاننے کے لئے نصاب الاحتساب کافی ہے۔ جاہل کو امر بالمعروف جائز نہیں، کیونکہ وہ اصلاح سے زیادہ فساد کرے گا۔

اس سلسلہ میں خود حضرت نے اپنا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ:۔

"کمرہ میں مجھے ایک جاہل نے امر بالمعروف کیا کہ تم عمامہ کیوں نہیں باندھتے یہ سنت ہے میں نے کہا کہ تم لنگی کیوں نہیں باندھتے، یہ بھی سنت ہے، سوچ کر کہنے لگے میں بوڑھا ہوں

لگی ہے جسم پر ٹھہرتی نہیں، میں نے کہا میں جوان ہوں، عمامہ سے گرمی لگتی ہے، اس پر بہت بھلائے، کہنے لگے خدا کرے تمہارے دماغ میں اور گرمی بڑھ جائے۔

بھلا ایسے جاہلوں کو جو امر بالمعروف سے پہلے مخاطب کی حالت بھی نہ دریافت کریں، اور ایک سنت زائدہ کے لئے اس سختی سے امر بالمعروف کریں، کیونکر امر بالمعروف جائز ہو سکتا ہے"
(الحدود والقیود ص۳۵)

اسی طرح واعظین یا خطاب عام والوں کے لئے ضروری علم کے علاوہ یہ بھی بہت ضروری ہے کہ کسی قسم کی طمع و حرص ہرگز نہ رکھیں، کسی کی دعوت وغیرہ تک بلا سابق خاص تعلق کے قبول نہ کریں، اگر پیر ہوں تو وعظ و تبلیغ کی جگہوں میں کسی کو مرید بھی نہ کریں، نہ کسی سیاسی جھگڑے میں پڑیں نہ خانگی نزاعوں میں وقس علیٰ ھذا۔

ایک آیت سے استنباطات

"اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ" کی آیت کے تحت حضرت نے جا بجا تبلیغ و دعوت کے جو اصول و قواعد مستنبط فرمائے ہیں وہ ملخصاً سننے اور یاد رکھنے کے قابل ہیں، ارشاد ہے کہ:

"اس آیت میں سبیل رب کی طرف بلانے کا حکم ہے جس کے تین طریقے اللہ تعالیٰ نے بتلائے ہیں، ایک حکمت کا طریقہ، دوسرا موعظہ حسنہ کا، تیسرا مجادلہ کا، اس کا جو مطلب میری سمجھ میں آیا ہے عرض کرتا ہوں، جب کسی کو سبیل رب، یا اللہ تعالیٰ کی راہ کی طرف دعوت دی جائے گی تو اس میں ایک تو داعی کا خاص مطلوب دعویٰ ہوگا، اور ایک اس دعوے کی نقیض یا منافی صورت ہوگی جو داعی کے مذہب مخالف کا دعویٰ ہوگا، اس لئے گفتگو میں دو چیزوں کی ضرورت ہوگی، ایک اپنے دعوے کا اثبات اور دوسرے مخالف کے دعوے کا ابطال لہٰذا حکمت تو یہ ہے کہ اپنے دعوے پر علمی و عقلی دلائل قائم کئے جائیں اور مجادلہ یہ ہے کہ مخالف کے دعوے کو باطل کیا جائے، اصل مقصود تو یہی دونوں ہیں۔

باقی تیسری چیز ایک اور موعظہ حسنہ ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ کو بندوں کے ساتھ شفقت بہت زیادہ ہے، اس لئے موعظہ حسنہ کا بھی ایک طریقہ بتلا دیا، جس کی حقیقت یہ ہے کہ ناصح دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک تو محض ضابطہ کے پابند جو محض ضابطہ کی خانہ پری کر کے بے فکر

ہوجاتا ہے اور دوسرا جس کو سامعین پر خاص شفقت بھی ہوتی ہے، مثلاً منادی کا کام ضابطہ کے ساتھ صرف حکم پہنچا دینا ہے، اس سے اس کو بحث نہیں کہ تم مانو یا نہ مانو اور مثلاً باپ، وہ محض سنانے پر قناعت نہیں کرتا بلکہ شفقت کی وجہ سے ایسی صورت اختیار کرتا ہے کہ بیٹا جہاں تک ہو سکے مان ہی لے۔ اب ظاہر ہے کہ نہ اللہ تعالیٰ جیسا کوئی شفیق ہے، نہ حضورؐ جیسا کوئی خیر خواہ۔ لہٰذا اولاً حضور اور پھر حضور کے واسطہ سے امت کو فرمایا کہ دعوت میں صرف حکمت یعنی دلائل ہی پر اکتفا نہ کرو، بلکہ ساتھ ساتھ موعظہ حسنہ سے بھی کام لو۔

"جس کی حقیقت خود حکمت کے تقابل سے معلوم ہوتی ہے کہ جب حکمت سے علمی دلائل مراد ہیں تو موعظہ حسنہ سے ان کے سوا کچھ اور مراد ہو گی، اور وہ ایسی مؤثر باتیں ہیں جن سے مخاطب میں نرمی اور قبول کا میلان پیدا ہو، اس کا دل پگھل جائے، اس کو قبول کی رغبت اور انکار سے خوف پیدا ہو، مثلاً دوزخ و جنت کی ترغیب و ترہیب کے مضامین کہ فلاں کام کرو گے تو ایسی ایسی جنت ملے گی جس میں فلاں آسائشیں ہوں گی یا نہ کرو گے تو دوزخ میں جاؤ گے جس میں فلاں فلاں مصیبتیں ہوں گی، گو یہ بھی احکام ہی ہیں مگر جب دوزخ و جنت کا معتقد بنانا مقصود نہ ہو بلکہ صرف ترقیق قلب مقصود ہو تو وہاں ان کی حیثیت ترغیب و ترہیب کی ہے، باپ اگر بیٹے کو کسی چیز سے روکتا ہے تو گو اتنا کہہ دینا کہ فلاں چیز نہ کھانا، حاکمانہ حق ادا کرنے کے لئے کافی ہے، مگر باپ تو اتنا ہی نہیں کرتا بلکہ شفقت کی وجہ سے کہتا ہے کہ بیٹا یہ چیز مضر ہے، دست آور ہے، پیٹ میں درد پیدا کر دے گی، اس کے کھانے سے دانے نکل آئیں گے، اسی طرح کبھی طمع دلانے سے کام لیتا ہے کہ اگر یہ دوا پی لو گے تو تم کو یہ دوں گا، وہ دوں گا، غرض چونکہ ایسے آدمی کم نکلیں گے جو محض امتثال امر کے لئے کسی کام کو کر لیں، اس لئے ترغیب و ترہیب کی بھی ضرورت ہے۔"

پھر آگے مجادلہ میں "احسن" کی قید بھی لگائی، اسلئے کہ حکمت کی صورت یعنی اپنے دلائل بیان کرنے میں تو کسی کو ناگواری نہیں ہوتی، البتہ دوسرے کا دعویٰ رد کرنے میں کبھی انقباض بھی ہوتا ہے تو یہاں قید لگا دی کہ رد اگر ہو تو بطریق احسن ہو جس سے مخالف کو رنج و کلفت نہ ہو، سبحان اللہ مخالف کی بھی اتنی رعایت کہ اس پر حقیقت تو منکشف ہو جائے مگر اس کو برا بھلا نہ کہا جائے، البتہ رد یا جواب گول مول نہ ہو جیسا کہ بعضوں کا ہوتا ہے جس سے حقیقت بھی پوری

طرح ظاہر نہیں ہوتی، یہ حسن مجادلہ کے خلاف ہے، چنانچہ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ کا یہی مطلب ہے کہ کھول کر صاف بیان کرو، ورنہ جہل سے نجات نہیں ہوتی، جو شخص گول مول بات کرتا ہے اس سے ہر شخص راضی تو رہتا ہے مگر مخاطب جہل مرکب میں مبتلا رہتا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ بات صاف ہو گو الفاظ سخت نہ ہوں"

تبلیغ میں افراط کی غلطی کی اصلاح

ہماری سب سے بڑی کوتاہی تو یہی تھی کہ تبلیغ خاص ہو یا عام علما ہوں یا عوام کسی کو کسی طرح اپنے فریضۂ دعوت کی کوئی پرواہ ہی نہیں یا اگر پرواہ ہے تو بوجھ کی طرح اُتار دیا، اور نفع و ثمرہ کے لئے حکمت و موعظۂ حسنہ و مجادلۂ احسن کی پوری تدبیر نہیں اختیار کرتے (وَالشاذ کالمعدوم) لہٰذا زیادہ تر نفس اس فریضہ کی اہمیت اور ضرورت اور اس کے نافع و مثمر آداب و شرائط ہی کی طرف متوجہ فرمایا گیا ہے۔ لیکن کہیں کہیں اس باب میں افراطی غلطی بھی ہوتی ہے اس لئے کچھ اس پر بھی متنبہ فرما دیا گیا ہے کہ:۔

"ایک باریک نکتہ و ادب تبلیغ کا اور رہ گیا ..... جاد لھم تک تو یہ معلوم ہوا کہ تبلیغ شفقت سے ہو، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ کما حقہ تبلیغ کے بعد بھی شفقت کی وجہ سے ثمرہ و نتیجہ کی فکر میں لگے رہو، یہ ایک خائلہ ہے جس کو لوگ کمال سمجھتے ہیں اور ہے واقع میں نقص، وہ یہ کہ جب شفقت اعتدال سے زیادہ ہوتی ہے تو نتیجۂ عاجلہ پر نظر ہوتی ہے اور اس کو پہلے ہی سے سوچ لیتے ہیں کہ یہ اثر ہوگا، حالانکہ اصل نتیجہ رضائے حق ہے اور وہ تبلیغ بطریق مذکور پر فوراً مرتب ہو جاتا ہے، اور ثمرۂ عاجلہ بھی اگر ہوتا ہے تو اسی کی برکت سے مگر ہمارے اندر عجلت زیادہ ہے، چاہتے ہیں کہ بس جلدی اثر ظاہر ہو جائے، گو اس میں نیت دین ہی کی ہو"۔

پھر اگر ان ثمرات کا ترتب نہیں ہوتا تو حزن و ملال ہوتا ہے، بعض وقت یاس تک نوبت آجاتی ہے اور مخاطب پر غیظ و غضب ہوتا ہے، یا حاضر و غائب بُرا بھلا کہتے ہیں کہ نالائق تجھے اس قدر سمجھایا، اتنی کوشش کی مگر نہ سمجھا، ساری محنت ضائع کی، اور اگر اس پر قدرت ہوتی ہے تو کبھی اس کو سزا دیتے ہیں، وہ بھی اعتدال سے زیادہ اور بعض وقت تنگ ہو کر بیٹھ

جاتے ہیں کہ جا بھاڑ میں پڑ۔ غرض یہ اثر ہے ظاہری ثمرات پر نظر کا، اس طرح جب مبلغ کو محزون و غمگین دیکھا جاتا ہے تو بڑا کمال سمجھا جاتا ہے کہ ہمہ تن اسی طرف متوجہ ہیں اور دوسروں سے بھی کہہ رہے ہیں کہ بھائی اس کے لئے دعا کرو کہ اصلاح ہو جائے، مثلاً بیٹا نماز نہیں پڑھتا تو اسکو سمجھاتے ہیں، کڑھتے ہیں، دل سے دعا کرتے ہیں، دوسروں سے تعویذ لکھاتے ہیں۔

گو یہ سب باتیں محمود و اچھی ہیں مگر ان میں بھی غلو نہ چاہیئے، ورنہ یہ غیر معتدل شفقت کمال کے بجائے نقص بن جاتی ہے، کیونکہ اس کا انجام یاس و تعطل ہوتا ہے اور بالآخر آدمی کرے سے تبلیغ سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے، لہٰذا اس ادب تبلیغ کا حاصل یہ ہوا کہ ثمرات کے مرتب نہ ہونے پر زیادہ محزون نہ ہو، سوچ سوچ کر غم نہ کرے، ہاں طبعی حزن کا مضائقہ نہیں، اس میں ثواب ہے لیکن اتنا غلو کر روتے روتے آنکھیں پھوڑ لے اور ہمت ہی ٹوٹ جائے، برا ہے نصوص سے اتنے حزن و ملال کی اجازت نہیں جیسے کہ لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ اور لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَيْهِمْ وغیرہ آیات سے معلوم ہوتا ہے۔

"اسی لئے جَادِلْهُمْ کے بعد ہی اس ضرر کا تدارک کیا عجیب فرماتے ہیں کہ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ یعنی تبلیغ کر کے نتیجہ کی فکر میں زیادہ نہ پڑو، یہ خدا کے قبضہ میں ہے تمہارے اختیار سے باہر ہے، حاصل یہ ہے کہ ان آیات میں تفریط و افراط دونوں سے تعرض کیا گیا ہے تفریط سے تو اُدْعُ اِلٰی سَبِيْلِ رَبِّكَ الآیۃ میں، اور افراط کی مخالفت اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ سے فرمائی گئی"۔

اگرچہ یہ ظاہر ہے کہ آج دین کے معاملات میں اتنی غیر معمولی شفقت اور اتنا غلو و افراط کتنوں کو ہوتا ہے اور اصل کوتاہی و غفلت آج کل تبلیغ کے معاملہ میں تفریط ہی کی ہے، تاہم حضرت مجدد وقت رحمۃ اللہ علیہ کی تجدیدی نظر نے جس طرح ہر امر میں افراط و تفریط دونوں کی اصلاح فرمائی ہے اس میں کیسے صراط مستقیم کو نظر انداز فرماتے، لہٰذا دونوں باتوں کے جمع کا طریقہ یہ فرمایا کہ سعی و تدبیر تو ہدایت و اصلاح کی پوری ہو۔

"مگر اس میں نیت فقط رضائے حق کی ہو یہ نیت ہی نہ ہو کہ وہ مسلمان ہو ہی جائے۔ ہاں

دعا کرتے رہیں کہ یا اللہ اس کو مسلمان بنا دیجئے، اس کے دل میں اپنا خوف پیدا کر دیجئے
دعا تو یہ کرے اور عمل وہ کہ کام میں صرف رضائے حق کو مد نظر رکھے" (ص۳۲ آداب التبلیغ)

دینی طلباء کو خصوصی تنبیہ

اسی سلسلہ میں عربی و دینی مدارس کے طلبہ کو جو مقتدا بننے والے ہیں خصوصاً متنبہ فرمایا گیا ہے کہ جس طرح دین کے تمام شعبوں میں ان کے لئے کمال و جامعیت کا اہتمام ضروری ہے اسی طرح تبلیغ میں بھی افراط و تفریط سے بچ کر تمام آداب کا لحاظ لازم ہے:۔

آپ لوگ مقتدا بننے والے ہیں اس لئے آپ کے اندر سب شعبے دین کے ہونا چاہئیں۔ حسین وہ ہے جس کی ناک، کان، آنکھ سب ہی حسین ہوں، سب چیزیں موزوں یا متناسب ہوں، اگر سب چیزیں اچھی ہوں مگر آنکھوں سے اندھا یا ناک کٹی ہو تو وہ حسین نہیں، اسی طرح دیندار وہ ہے کہ جو دین کے تمام شعبوں کا جامع ہو (یہ نہیں کہ جس کو اوراد و نوافل میں زیادہ مشغول دیکھا کہہ دیا کہ بڑا دیندار ہے خواہ معاملات و معاشرت کا کچھ ہی حال ہو۔ راقم مؤلف) علیٰ ہذا عالم وہ ہے جو علوم کے تمام شعبوں کا عالم ہو۔ ان شعبوں میں امر بالمعروف کے وہ آداب بھی ہیں جو اوپر بتلائے گئے، ان سب کو بھی جمع کرنا چاہیئے"۔

اہل صلاح کی دوسروں کی اصلاح سے بے فکری

صلاح کے ساتھ اصلاح و تبلیغ یا امر بالمعروف و نہی عن المنکر بھی جس درجہ کا دینی فرض ہے، اور جس طرح اس کی طرف سے غفلت و بے فکری عام ہے اس کی بنا پر وعظوں میں کثرت سے اور بار بار متوجہ و متنبہ فرمایا ہے، "الصلاح والاصلاح" کے ایک اور وعظ میں ارشاد ہے کہ :۔

"جو لوگ خود اعمال میں مشغول بھی ہیں، ان کو بھی دوسروں کی فکر نہیں حتیٰ کہ اپنے نوکروں چاکروں، متعلقین، بلکہ اپنے بچوں تک کو مثلاً نماز پر مجبور نہیں کرتے، امر بالمعروف نہی عن المنکر کا باب آج کل بالکل ہی مفقود ہے، یاد رکھو جیسے طاعت خود واجب ہے ایسے ہی دوسروں کی طاعت کی سعی بھی واجب ہے، مگر یہ سعی بقدر استطاعت واجب ہے جہاں

زبان کی استطاعت ہو زبان سے کرے جہاں ہاتھ پاؤں سے کرسکے ہاتھ پاؤں سے کرے، روپیہ پیسہ سے کرسکے اس سے کرے، خلاصہ یہ ہے کہ محض اپنا عمل درست کرلینا کافی نہیں۔

گو فی نفسہ اپنی اصلاح غیر کی اصلاح پر مقدم ہے، مگر اس تقدیم کے معنی یہ نہیں کہ اگر اپنی اصلاح نہ کرے تو دوسروں کی بھی واجب نہیں رہتی، بلکہ یہ محض عملی ترتیب ہے کہ پہلے اپنی اصلاح، ہو پھر دوسرے کی، نہ یہ کہ اگر مقدم کام نہ کیا ہو تو مؤخر بھی نہ کرے، دراصل دونوں کام الگ الگ ہیں، ایک دوسرے کا موقوف علیہ نہیں، ایک کو ترک کرے گا تو ایک کے ترک کا گناہ ہوگا، دوسرے کو ترک کریگا تو اُس کے ترک کا گناہ ہوگا، اور دونوں کو ترک کریگا تو دونوں کے ترک کا گناہ ہوگا"

اسی لئے كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللهِ کی آیت میں اصلاح غیر کو اصلاح نفس سے پہلے ذکر فرمایا کہ اپنی اصلاح کے بعد دوسرے کی اصلاح سے بے فکر نہ ہوجائیں، البتہ اصلاح غیر کے بقدر استطاعت مدارج ہیں، چنانچہ ایک درجہ یہ ہے کہ قُوْا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا (یعنی اپنے کو اور اپنے اہل وعیال کو دوزخ سے بچاؤ) جس کا حاصل اپنے متعلقین کی اصلاح ہے لیکن اس کا یہ حال ہے کہ اگر خود مثلاً نماز پڑھ بھی لیتے ہیں، مگر بی بی بچوں نوکروں وغیرہ اپنے متعلقین کو نہیں کہتے، بچے اگر امتحان میں فیل ہوجائیں تو رنج ہوتا ہے لیکن نماز نہ پڑھیں یا قضا کردیں تو پرواہ بھی نہیں ہوتی۔

دوسرا درجہ یہ ہے وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے کہ تمام کام چھوڑ کر صرف امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا کام کرے، جس کا حاصل تبلیغ عام ہے، اسی طرح وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ میں اہل وعیال کی تخصیص نہیں، اگرچہ ہم ساری دنیا کی اصلاح کے ذمہ دار نہیں، پھر بھی جہاں تک ہوسکے کوشش تو کریں کیونکہ اس کی بازپرس ہوگی۔

"اس کوشش کے اعتبار سے تین حالتیں ہیں ایک تو یہ کہ سرے سے کوشش ہی نہ کرے، ایک یہ کہ ایسی کوشش کرے کہ اگر ناکامی ہو تو گھل گھل کر جان دیدے، دونوں درجے غیر محمود و ناپسندیدہ ہیں۔ اور تیسرا محمود و مطلوب درجہ یہ ہے کہ اپنی والی سعی و تدبیر میں کمی نہ کی جائے اور اس سعی و تدبیر کا مقصود رضائے حق و حصول اجر رہا باقی کامیابی و ناکامی کو خدا کے سپرد کر دیا جائے۔

اصول و فروع میں تبلیغ فرض ہے

ایک اور وعظ تواصی بالحق کے کچھ اقتباسات بھی مزید تنبیہ کے لئے درج ذیل ہیں:۔

"تبلیغ ہمارے اوپر اصول و فروع تمام احکام میں فرض ہے (اس زمانہ کی یہ بھی ایک نادانی ہے کہ فروع سے چشم پوشی بڑی دانائی جانی جاتی ہے۔ مؤلف) جس طرح اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ میں ایمان و عمل صالح کا امر فرمایا ہے اسی طرح وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ کیساتھ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ کا اور اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ کے خسارہ سے بچنا ان دونوں ہی پر موقوف ہے۔ اب اپنی غفلت کا حال دیکھئے کہ چوبیس گھنٹہ میں کتنا وقت اس فریضہ کی ادائی میں صرف کرتے ہیں، جن پر زور نہیں ان کو تو رہنے دو جن پر زور ہے اُن کے ساتھ بھی تواصی بالحق کا معاملہ نہیں کیا جاتا ہے...... زیادہ شکایت دینداروں سے ہے کہ وہ بھی گھر والوں کو دین پر تنبیہ نہیں کرتے نہ اس کی خبر رکھتے ہیں کہ آج بیوی بچوں نے نماز پڑھی یا نہیں پڑھی، اور کوئی کام خلاف شرع تو نہیں کیا، بس یہ سمجھ لیا کہ اپنی اصلاح کر لینا چاہیئے تاکہ ہم خود جنت میں چلے جائیں۔ حالانکہ اس کا بھی مواخذہ ہوگا کہ اپنے گھر والوں کو بھی دین کے راستہ پر کیوں نہیں چلایا، صاف ارشاد ہے کہ قُوْا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا۔ کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ"

"اگر کبھی اپنی نماز قضا ہو جائے تو اس پر تو ندامت ہوتی ہے مگر ترک تواصی و ترک تبلیغ پر ذرا ندامت نہیں ہوتی، انصاف سے کہئے کبھی بیوی کو نصیحت نہ کرنے یا کسی دوست کی خلاف شرع وضع پر نصیحت نہ کرنے پر بھی ندامت ہوئی ہے؟"

(باقی)

حضرت مولنا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے

بعض مکاتیب کے اقتباسات

رفیق محترم مولنا سید ابوالحسن علی ندوی نے اب سے تقریباً تین سال پہلے حضرت مولنا رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات ـــــ "مولنا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت" ـــــ کی تالیف و ترتیب جب شروع کی تھی، تو اسی وقت مخدومنا حضرت مولنا محمد زکریا مدظلہم العالی (شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور) سے معلوم ہوا تھا کہ حضرت مولنا مرحوم کے خطوط و مکاتیب کی بہت بڑی تعداد ان کے پاس محفوظ ہے لیکن بیسیوں برس کی ڈاک کے ڈھیر سے ان کا نکالنا بڑی فرصت چاہتا ہے ـــــ چنانچہ حضرت شیخ مدظلہ کو اتنا وقت نہ مل سکا اور نہ ہم خدام کو ان خطوط و مکاتیب کی اہمیت کا کوئی اندازہ تھا جو ہم سر ہو کے یہ کام کرا ہی لیتے ـــــ بہرحال کتاب مرتب ہو کے پہلی مرتبہ (۱۳۶۴ھ میں) شائع بھی ہو گئی اور ختم بھی ہو گئی۔ گذشتہ سال (۱۳۶۵ھ) جب دوسری طباعت کا انتظام شروع ہوا تو حضرت شیخ مدظلہ سے ان مکاتیب کیلئے پھر عرض کیا گیا، چنانچہ حضرت ممدوح نے بڑی محنت سے اور بڑا وقت صرف کر کے حضرت مرحوم کے خطوط و مکاتیب کا بہت بڑا ذخیرہ نکال کے ہم خدام کے حوالہ کر دیا ـــــ رفیق محترم مولنا علی اور اس عاجز نے ان خطوط کو دیکھا تو محسوس ہوا کہ ان کے پیش نظر نہ ہونے کی وجہ سے کتاب، سوانح کی حیثیت سے بھی بہت ناقص رہ گئی۔ چنانچہ طے کیا کہ ان مکاتیب کی بجنسہ اشاعت تو (اگر اللہ نے کبھی توفیق بخشی) مستقل کتاب ہی کی شکل میں زیادہ مناسب ہوگی۔ البتہ سوانح کی تکمیل کیلئے ان میں سے جو اقتباسات لینے ضروری ہوں وہ لیکر مناسب مقامات پر کتاب میں شامل کر دیئے جائیں۔ چنانچہ قریباً ۷۰ ـ ۸۰ اقتباس موقع بموقع کتاب میں بڑھا دیئے گئے اور اس سلسلہ میں بعض مستقل عنوانات اور مضامین کا بھی اضافہ ہوا، اور الحمد اللہ کہ اب سوانح کی تکمیل کا حق غالباً بڑی حد تک ادا ہو گیا۔

ان اقتباسات میں سے اکثر تو ایسے ہیں جن کا سیاق و سباق جب تک ناظرین کے سامنے نہ ہو یا سوانح میں جس موقع پر انھیں درج کیا گیا ہے وہاں کا پورا مضمون نقل نہ کر دیا جائے ان کی کوئی خاص اہمیت و افادیت محسوس نہ کی جا سکے گی ——— البتہ چند ایک اقتباس ایسے بھی ہیں جن کیلئے اس کی ضرورت نہیں ——— ہم اپنے ان ناظرین کی رعایت سے جن کے پاس کتاب کا پہلا اڈیشن موجود ہے اور یہ دوسرا جدید اڈیشن وہ نہ منگوا سکتے ہوں، صرف وہی چند اقتباسات اُنکی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

یہ واقعہ ہے کہ کسی شخص کی اندرونی حالت اور واقعی کیفیات کا اندازہ کرنے میں سب سے زیادہ مدد اس کے ان نجی خطوط ہی سے مل سکتی ہے جو اُس نے اپنے کسی ایسے عزیز اور شناسا کو لکھے ہوں جو اس کی پوری زندگی کا واقف ہو اور کوئی بات اُس سے ڈھکی چھپی نہ ہو ——— اور جو لوگ حضرت مولٰنا مرحوم اور حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے باہمی تعلق کی نوعیت کو اچھی طرح جانتے ہیں ان پر یہ مخفی نہیں ہے کہ اس دنیا میں حضرت شیخ الحدیث سے زیادہ مولٰنا مرحوم کا کوئی بھی شناسا اور واقف نہ تھا، اور جن خطوط کے اقتباسات ذیل میں نقل کئے جا رہے ہیں (سوا ایک کے) ان سب کے مکتوب الیہ حضرت شیخ مدظلہ ہی ہیں۔

ناظرین کو ان کے مطالعہ سے اندازہ ہوگا کہ اصلاح مسلمین و احیاء دین کی جس دعوت کو وہ لیکر کھڑے ہوئے تھے، خود ان کی نظر میں اس کی کس درجہ عظمت و اہمیت تھی ——— اور اس پر ان کو کتنا یقین و اطمینان تھا ——— اور اس کیلئے ان کے دل میں کیسی آگ لگی ہوئی تھی اور سینہ کیسا آتشکدہ بنا ہوا تھا ——— اور وہ اُس کی عظمت اور اُس کے بوجھ سے کس قدر متأثر اور متفکر رہتے تھے ——— اور کام کی عظمت و بلندی کے مقابلہ میں اپنے ضعف و عجز کو محسوس کر کے وہ کتنے مضطرب اور بے کل رہتے تھے ——— اور اس راہ میں کامل فنائیت کے باوجود عدم ادائیگی حق کے تصور سے کیسے لرزاں و ترساں رہتے تھے ——— اور اپنے نفس سے بدگمانی میں (جو درحقیقت کمال ایمان کی نشانی ہے) ان کا حال اور مقام کیا تھا ——— اور ایمان و احتساب کی صفت، جو اسلام کی رُوح ہے ان کے رگ و پے میں کس طرح سرایت کئے ہوئے تھی۔

بیشک مولٰنا مرحوم کوئی صاحب قلم اور انشا پرداز نہ تھے اور انکی گفتگوؤں کا حال بھی یہی ہوتا تھا کہ

ع فریاد کی کوئی لَے نہیں ہے نالہ پابندِ نَے نہیں ہے

لیکن اگر ذوق اور نظر ہو تو ان خطوط کے اُلجھے ہوئے اور بے ربط فقروں ہی میں دل کی وہ سوزش اور تڑپ اور ہڈیوں کا وہ گھلنا اور پگھلنا دیکھا جا سکتا ہے جو مولانا مرحوم کا ظاہری و باطنی حال تھا۔ ذیل کا شعر شاعر کے حق میں ممکن ہے کہ نری شاعری ہو، لیکن ہماری آنکھوں نے خود مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا تو یہی حال دیکھا تھا۔ ع

تپیدم، نالہ کردم، آب گشتم، خاک گردیدم
تکلف بیش ازیں نتواں بعرضِ مدعا کردن

ناظرین معاف فرمائیں، اتنی لمبی تمہید لکھنے کا ارادہ نہ تھا، آپ سے آپ بات اتنی طویل ہو گئی کیا کیا جائے "لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم"۔ اچھا اب وہ اقتباسات ملاحظہ فرمائیے۔

ہر اقتباس سے پہلے قوسین ( ) کے درمیان کی عبارت اس عاجز کی طرف سے ہے۔

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

(۱)

(دعوت دین کی تحریک پر مولانا کا یقین و اطمینان)

"میں جناب محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رُوح پاک کو اپنی اس اسکیم کے زندہ ہوئے بغیر بے چین پا رہا ہوں اور اس وقت دنیا میں مذہب کی تازگی اور تمام دنیا کی اسلامی مخلوق کی بلاؤں اور آفات کا دفعیہ مجھے کھلی آنکھوں اپنی اس تحریک کی تازگی میں منحصر نظر آرہا ہے اور کچھ اللہ جل جلالہ عم نوالہ کے ساتھ اس کی نصرت اور تائید کی کھلی آیات نظر آرہی ہیں اور امیدیں بہت اچھی کامیابی کی سرسبزیوں سے شاداب ہیں، میں اس امر میں مبادرت و مسابقت کرنے والوں کیلئے خوش نصیبی اور سعادت کا بہت ہی بڑا حصہ نمایاں طور پر دیکھ رہا ہوں، لیکن کھلی رغبت کے ساتھ مبادرت و مسابقت کرنے والے بہت ہی کم ہیں"۔

(۲)

"میں کون سی قوت سے سمجھاؤں، اور کون سی قوت سے بیان کروں، اور اس کے علاوہ کون سی

قوت سے اپنے دماغ میں بساؤں اور متیقن اور بدیہی امر معلوم کو مجہول اور مجہول کو معلوم کیونکر بناؤں، میرے نزدیک صاف صاف ان فتنوں کے دریائے اٹک اور ان ظلمات کی جمنا کے سیل کے روکنے کی سد سکندری سوا میری والی تحریک میں قوت کے ساتھ اپنی قوت جہد کو اور اندرونی جذبات کو اور ہمت کے ساتھ جملہ مساعی کو متوجہ کر دینے کے علاوہ کوئی صورت نہیں ہے، غیب سے اس تحریک کی صورت کا نمایاں ہو جانا ہی صرف اس وبار کا علاج ہے جیسا کہ عادت ازلیہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ وبا کے مناسب علاج بھی پیدا فرمایا کرتے ہیں، حق تعالیٰ شانہٗ کے یہاں سے پیش کئے ہوئے علاج اور نعمت کا توجہ سے استقبال نہ کرنا کچھ بہتر نہیں ہوا کرتا۔"

(۳)

(اس تحریک دعوت کا حق ادا نہ ہونے کی صورت میں مولاناؒ کا خطرہ)

از بندۂ حقیر فقیر ناکارۂ دو جہاں محمد الیاس غفرلہٗ

الحمد للہ الذی بعزتہ وجلالہ تتم الصالحات اللھم لک الحمد شکرا ولک المن فضلاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ میں آپ سے کن الفاظ کے ساتھ ظاہر کروں کہ میں آپ کو اس وقت کس بیکلی کے ساتھ خط لکھ رہا ہوں، میرے عزیز دوست بات یہ ہے کہ اس تحریک میں کھڑے ہونے سے جس قدر اللہ جل جلالہٗ کی رضا اور اس کے قرب اور اس کی نصرت اور اس کا فضل و کرم کھلا اور کثرت سے نظر آتا ہے وہیں مجھے یہ ڈر پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کے اس قدر بڑے مہمان کا استقبال اور اکرام و تشریف اس کے مناسب نہ ہو تو موجب حرمان و خسران و بدنصیبی نہ ہو۔

(۴)

(کام کی عظمت اور اپنے نفس کی کمزوری کے احساس سے خوف)

"میرے عزیز! اس تبلیغ کے بوجھ کو بھاری سمجھتے ہوئے بطور اضطرار کے آپ کی خدمت میں

دعا اور ہمت کا سائل ہو کر یہ خط لکھ رہا ہوں۔

میرے عزیز اس میں شک نہیں کہ آپ کی ہر طرح کی ہمت اور ہر طرح کی شرکت اس کے فروغ کا سبب ہے، اللہ جل شانہ نے یہ جیسے تبلیغ کی نہایت فائدہ بخش اور حصول اسلام کو حاوی نہایت سہل اور نہایت عظیم صورت اس ناچیز کو عنایت فرمائی ہے، یہ ناچیز اس نعمت عظیمہ جلیلہ کی قدردانی اور شکر گزاری اور تواضع میں اپنے نفس کو بہت ہی کم زور پاکر اس نعمت کے کفران نعمت سے بہت خائف ہے۔"

(۵)

[کام کی اہمیت اور اسکے بارہ میں اوامر الٰہیہ کی عظمت و شدت کے بعد انکشاف، اور اپنے ضعف و عجز کے احساس سے مولاناؒ کی حیرانی اور پریشانی]

"اس نازک زمانہ میں دلوں سے نکل چکنے والے قدر سے گرے ہوئے، آنکھوں میں حقارت سمائے ہوئے دین کی بابت کسی آواز کا کسی کان تک پہونچنا، رتی اور ذرہ برابر کسی دل کے اندر اُترنے کی اُمید رکھنا محال اور باد بدست آوردن کے برابر ہے، جتنی ضرورت ہے اس وقت اس کا استحالہ برابر دوش بدوش چل رہا ہے۔ فضول خیالات میں عمر گنوا دینا نہایت مرغوب و مستحسن نظر آرہا ہے، تھوڑے سے تھوڑا وقت سلف کے طریقہ میں گزار دینے میں اور پھر اس کے ساتھ ساتھ اپنے اندرونی جذبۂ ہمت کا ضعف اور اپنا عجز عقل و فہم کا فتور اس طرف چھوٹی سی چھوٹی حرکت کرنے سے روکتا ہے باایں ہمہ حق جل وعلا شانہ کے فرمان عالی کی حقانیت اور اس کے مواعید کی عظمت اور اس کے اوامر عظیمہ پر کی نظر بیٹھنے بھی نہیں دیتی، طرفین کی کشاکش سے ضعیف طبع یہ اضمحلال اور حیرانی رہتی ہے اس نازک مقام پر کیا کیا جاوے۔

میرا مقصد اس تحریر سے یہ ہے کہ آپ جیسے باہمت اہل دل اصحاب موقع کی نزاکت کے بقدر اور حیثیت کے موافق حق تعالیٰ کے جناب عالی میں تضرع اور زاری کے ساتھ دست بدعا ہوں، اور دوسرے دوستوں کو متوجہ کریں کہ یہ کام اس زمانہ میں ہم جیسوں کی طاقت سے

بہت اونچا ہے، چھوڑنا اور بے التفاتی بھی خطرناک ہے، اور قدم اٹھانے کا بھی یارا نہیں، اللہ ہی بڑا سہارا ہے۔"

(۶)

"شعبان کے سارے مہینہ کے ہر جمعہ کو میوات جانا ہوا، میرے جو خیال میں ایک بات ہے وہ میری قابلیت میری حیثیت سے اونچی بہت ہے، عمل میں لانا تو در کنار فہم و ذکا کی رسائی سے بھی بہت عالی ہے لیکن با ایں ہمہ میری طبیعت اس امر میں کوشش کرنے سے اور اس خیال میں رہنے سے ہٹتی نہیں ہے اسلئے بوجہ نہایت فوق الطاقۃ ہونے کے اپنے نہایت اعلیٰ اور نازک اور لطیف اور دین کی اشاعت اور ترقی کا محض واحد مدار ہونے کے باعث آپ جیسوں کی ہمت اور توجہ اور دعا کا نہایت مستحق ہے اسلئے اپنی پوری دعوات سے میری مدد فرمانے میں دریغ نہ فرمادیں حق تعالیٰ شانہٗ کے بارگاہ سے کسی مطلوب کا ملنا عزیز و بعید نہیں ہے آپ دعا و ہمت اور توجہ کے ساتھ طلب میں کمی نہ فرمادیں۔"

(۷)

کام کی وسعت و قبولیت کے ساتھ ساتھ اپنے نفس کی طرف سے بے اطمینانی اور علماء حق سے اپنی نگرانی کی درخواست

"حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ کام اب اتنا وسیع ہو گیا ہے کہ اب اسکی روز افزوں ترقی و قبولیت کو دیکھ کر میں اپنے نفس سے بالکل مامون نہیں ہوں کہ وہ کہیں عُجب و کبر میں مبتلا نہ ہو جائے لہذا آپ جیسے اہل حق کی نگرانی کا میں سخت محتاج ہوں، اپنی نگرانی کا آپ حضرات مجھے ہر وقت محتاج خیال کریں کہ اس میں کی خیر پر مجھے جمنے کی تاکید فرمادیں اور اس میں کی شر سے مجھے جھنجھلاہٹ سے منع کر دیں۔"

(۲۲ رمضان ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۳ ستمبر ۱۹۴۳ء)

(اس مکتوب کے مخاطب حضرت شیخ الحدیث اور حضرت مولانا حافظ عبد اللطیف صاحب مدظلہ "ناظم مدرسہ مظاہر علوم" دونوں بزرگ ہیں)۔

(۸)

تحریک کے بارہ میں آپ کی ایک خاص تمنّا اور بندگان خدا سے اس کے واسطے دعا کی درخواست

"میں بہت ہی دل و ایمان سے متمنی ہوں کہ بہت ہی اہتمام کے ساتھ ہمت کو لگا کر یہ دعا کریں کہ میری یہ تحریک سراسر عمل ہو اقوال کی کثرت اس کے عمل کو مکدر نہ کرے بلکہ قول اور تقریر قدرِ ضرورت اعانت کے درجہ میں رہے۔ وما ذلك على الله بعزیز۔

(۹)

خدمت دین کی ضرورت کے پیش نظر، انتہائی ضعف کی حالت میں، صحت اور زندگی کی پروانہ کرتے ہوئے بلکہ موت کیلئے اپنی جان کو پیش کرنے کے عزم کیساتھ میوات کا ایک تبلیغی سفر —— اور اُس وقت بھی اپنے نفس سے بدگمانی اور خوف وخشیت کا غلبہ

(ایک سفر میوات کے موقع پر شیخ الحدیث مولنا محمد زکریا اور صاحبزادہ مولنا محمد یوسف کو تحریر فرمایا)

"اس قدر ضعف ہے کہ خلاف طبع اُلجھی ہوئی بات سے اختلاج اور خفقان ہوتا ہے اور آرام کیساتھ موٹر کی دہلی تک کی سواری سے بخار آتا ہے، اس پر الحمد للہ ثم الحمد للہ ایک مہینہ کی مسافت کیلئے میوات کی سخت ترین بادسموم اور نہایت جہالی کی باتوں کے اُلجھاؤ کا نشانہ بنکر موت کیلئے اپنی جان کو پیش کرنے کی نیت سے اس سفر کو کارزار کا میدان تصور کرتے ہوئے مصمم ارادہ سفر ہی گویا یہ سفر جہاد ہی۔ مگر اپنے ضعف سے اور اپنی مجربہ کم ہمتی سے نہایت خوف ہی کسی جگہ یہ نفس شریر کرب و شدائد سے مقابلہ سے فرار کرکے نامردی سے واپس ہوگا، دعا کرو کہ جان کے جانے تک تحمل حق تعالیٰ شانہ شدائد و کرب کا نصیب کریں وما ذلك على الله بعزیز اور یا کام کو پورا کرکے سلامتی کیساتھ بغنیمت عود نصیب فرماویں۔ اپنے اس سفر کو اہم فریضہ اور صحت کی رعایت کو سنگین ترین معصیت سمجھ کر اپنی زندگی سے مایوس ہوکر سفر کر رہا ہوں۔"

(۱۰)

[دین کی راہ میں صبر و استقامت پیدا کرنے کیلئے اپنے اہل خانہ کی تربیت]

(حرمین شریفین میں دینی دعوت کا سلسلہ جاری کرنے کے لئے ۱۳۵۶ھ میں جب آپ نے حجاز کا آخری سفر فرمایا (جس میں صاحبزادہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بھی آپ کے ساتھ تھے) تو اس زمانہ میں آپ کے گھر میں (حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی والدہ ماجدہ مدظلہا) سخت علیل ہوئیں کہ زندگی کی امید بھی کم رہ گئی تھی ——— حضرتؒ کو بعض خطوط سے اطلاع ملی کہ اس وقت کی آپ کی اور مولانا محمد یوسف کی عدم موجودگی کو وہ اپنی اس علالت اور نازک حالت میں بہت زیادہ محسوس کر رہی ہیں تو آپ نے مدینہ طیبہ سے جو خط اس بارہ میں تحریر فرمایا اُس کا ایک ٹکڑا یہ ہے)۔

"تم خیال کر کے دیکھو کہ دنیوی غرض کی وجہ سے لوگ اپنے اہل و عیال کو کتنی طویل مدت کیلئے چھوڑتے ہیں، خیال تو کر کے دیکھو کہ اس وقت بھی کفار کے لشکر میں ہزاروں مسلمان سربکف، جان خطرہ میں محض ایک پیٹ کے کارن ہر وقت سدا کو دنیا سے چلے جانے کیلئے موت کے کنارہ پر ہیں، اتنی کم ہمتی ہرگز نہیں چاہئے، تم ہمت اور جوانمردی کیساتھ خوشی سے میرے دین کی خدمت کیلئے ہجر اور فرقت پر راضی ہو کر چھوڑے رکھو تو خوشی کے بقدر اجر و ثواب میں شریک ہوگی، دنیا میں غنیمت سمجھو کہ تمہارے گھر والے دین کی خدمت کیلئے تکلیف اُٹھا رہے ہیں شکر کرو، اس تکلیف کا جب اجر و ثواب ملے گا تو کبھی ختم نہ ہوگا، ایک ایک صدمہ باغ و بہار ہو کر ملے گا۔"

(حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی دعوت و تحریک سے جن حضرات کا عملی تعلق ہے اُن سے خصوصیت کے ساتھ گذارش ہے کہ حضرتؒ کے ان جذبات، اُس یقین و اذعان، اُس درد و تڑپ، اُس خوف و خشیت اور اُس قنائیت کے ساتھ اپنے نفس کی طرف سے اُس بدگمانی و بے اطمینانی، اور اُس ایمان و احتساب اور اُس اعتماد و عزیمت، کا کچھ نہ کچھ عکس اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش اور اسکے واسطے اللہ تعالیٰ سے دعائیں کریں۔ یہ نبوت کی خاص وراثت ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ان صفات و جذبات کی بڑی قدر و قیمت ہے، اور اس دولت کے بغیر دین کا قالب بے رُوح ہے ـــ افسوس صد افسوس ہم مقامِ محمدی سے بہت دُور ہیں)

معاد کے متعلق
قرآن مجید کا بیان اور اس کے دلائل

(از مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی استاذ تفسیر دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے علم کے بعد دوسرا بڑا علم جو انبیاء دنیا کو عطا کرتے ہیں اور جو ان کے بغیر کسی اور ماخذ سے قطعاً حاصل نہیں ہو سکتا، وہ یہ علم ہے کہ انسان مر کر دوبارہ زندہ ہوگا اور یہ عالم ٹوٹ پھوٹ کر دوبارہ بنے گا، اس دوسری زندگی میں انسان کو اپنی پہلی زندگی کا حساب وکتاب دینا ہوگا، اس نے دنیا کی زندگی میں جو کچھ کیا ہے وہ اس کے سامنے آئے گا۔

انسان کے پاس اس علم کے حصول کے لئے انبیاء کے سوا کوئی ذریعہ نہیں، انسان کے پاس علم کے اخذ کرنے کی جو طاقتیں ہیں، ان سے نہ یہ علم ابتداءً حاصل کیا جا سکتا ہے اور نہ اس کی تردید کی جا سکتی ہے، حواس، عقل، تجربہ اور ان کے علاوہ انسان کی مخفی طاقتیں (حواس باطنی) اور اشراق و روحانیت، ان میں سے کوئی قوت اور ماخذ ایسا نہیں ہے جس سے اس عالم کی زندگی کے علاوہ کسی اور زندگی کے وجود اور اس کی تفصیلات کو ثابت کیا جا سکے اور نہ کوئی ایسی صورت ممکن ہے کہ اس زندگی میں عالم آخرت کا مشاہدہ کیا جا سکے، یہ معلومات سب غیب سے تعلق رکھتی ہیں، اور غیب کا ادراک انسان خود نہیں کر سکتا، اس کے علوم اور اس کی عقل اس کے حاصل کرنے میں انسان کی کوئی مدد نہیں کر سکتی، ان علوم اور عقل کے ذریعہ نہ اس کو ثابت کیا جا سکتا ہے اور نہ اس کی تردید کی جا سکتی ہے[1]

انسان کے لئے دو ہی باتیں باقی رہ جاتی ہیں یا انبیاء پر اعتماد کر کے اور ان کے دعویٰ کی صداقت کے شواہد و قرائن کو دیکھ کر ان کے بیان کی تصدیق یا بغیر کسی علمی ثبوت اور دلیل کے

[1] اس بارہ میں حواس و عقل کی درماندگی اور وحی و رسالت کی رہنمائی کی صحت پر مفصل علمی بحث راقم اپنے مقالہ "مذہب و تمدن" میں کر چکا ہے۔ یہ مقالہ "جامعہ ملیہ" دہلی کی طرف سے شائع ہو چکا ہے۔ (کتب خانہ الفرقان سے بھی مل سکتا ہے)

اس کا انکار۔

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ○ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ (النمل ع ۹)

آپ کہہ دیجئے کہ جو مخلوقات بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں ان میں سے کسی کو بھی غیب کا علم نہیں سوا اللہ کے (اور اسی لئے) انھیں معلوم نہیں کہ وہ کب اُٹھائے جائیں گے، بلکہ آخرت کے بارہ میں ان کی سمجھ بالکل عاجز ہو گئی ہے بلکہ وہ اُس کے بارہ میں دھوکے میں ہیں بلکہ وہ اس سے بالکل اندھے ہیں۔

لیکن جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے اس پیش آنے والی حقیقت کے شواہد (آیات) اور اس کے وجود کے امکانات اس دنیا میں اور اس زندگی میں ملتے ہیں جن سے انسان یہ قیاس کر سکتا ہے کہ یہ واقعہ ہر طرح ممکن ہے اور اس میں کوئی عقلی اشکال نہیں ہے۔

اس کا ایک بڑا قرینہ اور اس کا ایک شاہد خود انسان کی پیدائش اور اس کی زندگی ہے۔ اس نے عدم سے وجود تک، پھر وجود کے بعد تکمیل وجود تک، کتنے منازل طے کئے ہیں، اس نے مٹی سے نطفہ، نطفے سے جمے ہوئے خون کی یا جونک کی شکل اختیار کی، پھر ایک مشکل یا غیر مشکّل گوشت کا ٹکڑا بنا، پھر ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا، پھر اس کو گوشت کا جامہ پہنایا گیا، پھر وہ ایک دوسری مخلوق بن کر نمودار ہوا، پھر اس پیٹ کی اندھیری کوٹھری سے نکلنے کے بعد وہ کچھ مدت تک طفولیت کے گہوارہ میں رہا، پھر جوانی کے سرسبز میدان میں قدم رکھا، پھر یا تو اس کا دوسرا قدم موت کی چوکھٹ پر پڑا یا اس کو اتنی مہلت ملی کہ زندگی کی اس بہار کو دیکھ کر اس نے بڑھاپے کی فصل خزاں بھی دیکھی اور زندگی کا اُلٹا سفر شروع کیا، یعنی جوانی کے بعد بڑھاپے میں۔ پھر اس پر بچپنے کی کیفیتیں طاری ہونے لگیں، اس کی قوتوں نے ایک ایک کر کے جواب دیا، ذہن اور حافظہ نے ساتھ چھوڑا، وہ بچہ کی طرح بے بس، دوسروں کی دستگیری اور خبر گیری کا محتاج ہوا۔ اُس پر خود فراموشی طاری رہنے لگی، اسکے لئے ہر جانی پہچانی چیز انجانی ہو گئی۔ اس منزل پر سفر کا ایک حصہ ختم ہو گیا، لیکن اس کا سفر ختم نہیں ہوا، صرف سفر کی ایک درمیانی منزل پیش آئی جس کا نام موت اور عالم برزخ ہے ۵

سلک دُر ما ہم نے اس لئے

موت اک ماندگی کا وقفہ ہے
یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

پس جس کو انسان کی اصل و حقیقت (مٹی اور پانی) اور پھر اس کا آغاز اور اس کی خلقت معلوم ہے اس کے نزدیک مر کر زندہ ہونے میں کون سا عقلی اشکال ہے اور جس نے انسان میں اتنے انقلابات کا مشاہدہ کیا اس کے لئے ایک آخری انقلاب کو ممکن ماننے میں کیا دشواری ہے

زندگی بعد موت کا دوسرا کھلا ہوا نمونہ زمین کی دوبارہ زندگی کے مناظر ہیں جو بار بار آنکھوں کے سامنے آتے رہتے ہیں، یہ زمین جس کے سینہ میں ہزاروں پیدا ہونے والے انسان اور زندہ ہونے والے حیوانات کی زندگی کی امانتیں اور خزانے ہیں، وہ خود مردہ پڑی ہوتی ہے اس کے ہونٹوں پر سوکھ کر پپڑیاں جم جاتی ہیں، وہ مٹی کا ایک بے حس و بے جان لاشہ ہوتا ہے جس میں نہ خود زندگی ہوتی ہے اور نہ کسی اور چیز کے لئے زندگی کا سامان، لیکن جب اس کے ہونٹوں پر آسمانی آب حیات کے قطرے گرتے ہیں اور اس کا حلق تر کرتے ہوئے سینہ تک پہنچ جاتے ہیں تو وہی زمین، موت کی نیند سے دفعتہً بیدار ہو جاتی ہے اس میں زندگی کی توانائی اور جوانی کی رعنائی دوڑ جاتی ہے، وہ گویا کہ جھومتی اور مست ہوتی ہے، اس کا دہانہ دولتوں شادابیوں اور زندگی کا خزانہ اُگل دیتا ہے، مہکتا ہوا سبزہ، لہلہاتی ہوئی کھیتی، اور سطح زمین پر اُبھرے ہوئے اور پھیل جانے والے کیڑے اور حشرات زمین کی اندرونی زندگی اور حیات بخشی کا پتہ دیتے ہیں، برسات اور بہار کے موسم میں زمین کی اس زندگی کا منظر کس نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا؟

زندگی بعد موت کے شواہد و مناظر ہر جگہ دیکھے جا سکتے ہیں اور ہر ایک ان کو دیکھ سکتا ہے، البتہ جو شخص تشریح اجسام اور زمین کے احوال و تغیرات سے زیادہ واقف ہے اور جس نے نباتات و حیوانات کے ظہور و نشو و نما کا مطالعہ کیا ہے اس کے لئے اس کی تصدیق اور بعث بعد الموت کے قیاس کا زیادہ موقع ہے۔ اس لئے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جا بجا ان دونوں حقیقتوں کو حیات بعد الممات کے ثبوت کے لئے پیش کیا ہے اور ان کی طرف توجہ دلائی ہے، ایک جگہ فرماتا ہے:-

اس کا انکار۔

...النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُضْغَةٍ مُخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِنُبَيِّنَ لَكُمْ وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ وَمِنْكُمْ مَنْ يُتَوَفَّى وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ۝ وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَأَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ ۝ (سورہ حج ع ۱)

اے لوگو اگر تم کو قیامت کے بارہ میں شک ہے تو (غور کرو کہ) ہم نے تم کو بنایا ہے مٹی سے، پھر نطفہ سے، پھر بندھے ہوئے خون سے، پھر گوشت کے مشکل یا غیر مشکل ٹکڑے سے، تاکہ ہم اپنی قدرت تمہارے لئے ظاہر کریں، اور ہم ٹھہرا دیتے ہیں جس نطفہ کو چاہیں رحم میں، ایک مقررہ مدت تک، پھر نکالتے ہیں تم کو بچہ بنا کر تاکہ پھر تم پہنچو پوری جوانی کو اور بعضے تم میں وہ ہوتے ہیں جو اٹھا لئے جاتے ہیں (جوانی ہی میں) اور بعضے وہ ہوتے ہیں جو پہنچائے جاتے ہیں (بڑھاپے والی) نکمی عمر تک (جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ) علم و فہم حاصل کرنے کے بعد وہ پھر (سٹھیا کر) بے علم ہو کر رہ جاتا ہے (اور دوسری دلیل یہ ہے کہ) تم دیکھتے ہو زمین کو خشک پھر جب ہم نازل کرتے ہیں اس پر بارش تو وہ تروتازہ ہو جاتی ہے اور پھولتی ہے اور طرح طرح کے خوشنما سبزے اگاتی ہے، یہ سب اسی لئے ہے کہ اللہ کی ہستی ہی حق ہے اور وہ جلائے گا مردوں کو اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور یقیناً قیامت آنے والی ہے، اس میں کوئی شک نہیں، اور یقیناً اللہ تعالیٰ اٹھائیں گے قبر والوں کو

دوسری جگہ فرمایا گیا

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَكِينٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ

اور ہم نے بنایا انسان کو مٹی کے خلاصے سے، پھر رکھا ہم نے نطفہ بنا کر ایک محفوظ مقام میں (یعنی رحم مادر میں) پھر بنا دیا ہم نے

عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ۝ ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُونَ ۝ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُونَ ۝ (مومنون ع ۱)

اس نطفہ کو منجمد خون، پھر کر دیا ہم نے اس جمے ہوئے خون کو گوشت کا ٹکڑا، پھر بنائی ہم نے اس مضغہ گوشت میں ہڈیاں، پھر جامہ پہنایا ہم نے ہڈیوں کو گوشت کا، پھر ہم نے (اس میں روح ڈال کر) ایک نئی مخلوق بنادیا، پس بڑی شان ہے اللہ کی جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے
پھر تم سب اس کے بعد یقیناً مرو گے اور پھر قیامت کے دن یقیناً زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے۔

زمین کی زندگی اور پانی کی جاں نوازی کی کیفیت قرآن نے اپنے معجزانہ الفاظ میں جا بجا بیان کی ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهُ فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ وَيَجْعَلُهُ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ فَإِذَا أَصَابَ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ۝ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمُبْلِسِينَ ۝ فَانْظُرْ إِلَىٰ آثَارِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا إِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (الروم ع ۵)

اللہ ایسا قادر و حکیم ہے کہ وہ بھیجتا ہے ہوائیں، پھر وہ اٹھاتی ہیں بادل، پھر وہ اس کو پھیلا دیتا ہے فضائے آسمانی میں، جیسے چاہتا ہے اور کر دیتا ہے اس کو ٹکڑے ٹکڑے، پھر تم دیکھتے ہو مینہ کو، نکلتا ہے اس کے درمیان سے پس جب پہنچا دیتا ہے، وہ بارش اپنے بندوں میں جن کو چاہتا ہے تو وہ خوشی کرنے لگتے ہیں، حالانکہ اس بارش کے نزول سے پہلے وہ ناامید ہوتے ہیں، سو اللہ کی رحمت کے آثار تو دیکھو وہ کیسے زندگی بخش دیتا ہے زمین کو اس کی مردگی کے بعد، بہ تحقیق یہی اللہ جلانے والا ہے مردوں کو، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَاللّٰهُ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيَاحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَسُقْنَاهُ إِلَىٰ بَلَدٍ مَيِّتٍ

اور اللہ ہی ہے جس نے بھیجی ہوائیں، پس وہ اٹھاتی ہیں بادل کو، پھر ہم ہانک دیتے

فَاَحْیَیْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ (فاطر ع۲) — ہیں اس کو کسی بے جان شہر کی طرف، پھر ہم اس کے ذریعہ زندہ کر دیتے ہیں زمین کو اس کی مردگی کے بعد۔ بس ایسے ہی ہوگا حشر نشر۔

وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ اِنَّ الَّذِیْۤ اَحْیَاهَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (فصلت ع۵) — اور اس کی کھلی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تم دیکھتے ہو زمین کو بے جان خشک آثار حیات سے خالی، پھر جب ہم اس پر برسا دیتے ہیں پانی تو وہ تروتازہ ہو جاتی ہے اور پھولتی ہے، یقیناً وہی اللہ جس نے زمین مردہ کو یہ زندگی بخشی وہی دوبارہ زندہ کرے گا مردوں کو اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَالَّذِیْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ (زخرف ع۱) — اور وہ اللہ جس نے برسایا آسمان سے پانی ایک خاص مقدار میں، پھر اس کے ذریعہ زندگی بخشی کسی مردہ علاقہ کو، بس ایسے ہی تم مرنے کے بعد اٹھائے جاؤ گے۔

ان دو نشانیوں اور کھلے ہوئے دو نمونوں کے علاوہ بھی کائنات کی یہ عظیم و وسیع کارگاہ زندگی بعد موت کے نمونے اور منظر دن رات پیش کرتی رہتی ہے، یہاں دم بدم بن بن کر چیزیں بگڑتی اور ٹوٹ پھوٹ کر بنتی رہتی ہیں، ایک بے جان و بے شعور چیز سے اچھی خاصی جیتی جاگتی ذی حیات ہستی اور ایک اچھی خاصی جاندار ہستی سے بالکل بیجان اور مردہ چیز برآمد ہوتی ہے۔ بہت سی اشیاء سے ان کے متضاد آثار و نتائج کا ظہور ہوتا ہے بہت سی مخلوقات میں خلقت کا اعادہ اور زندگی کی بازگشت ہوتی رہتی ہے، جس نے خالق کائنات کی اس لا انتہا قدرت، مخلوقات کی ابتدائی خلقت اور تکوین و تخلیق کی وسعت کا کچھ بھی مطالعہ کیا ہے اس کو ایک لمحہ کیلئے بھی حیات بعد الموت میں شک نہیں ہو سکتا اور اس کے لئے اس میں قطعاً کوئی عقلی اشکال نہیں ہے

اَوَلَمْ یَرَوْا كَیْفَ یُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ — کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کس طرح

ثُمَّ يُعِيدُهُ ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ۚ ثُمَّ اللَّهُ يُنشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

(عنکبوت ع ۱)

اول بار پیدا کرتا ہے مخلوق کو، پھر وہ ان کو دوبارہ پیدا کرے گا، یہ چیز اللہ کے لئے بہت آسان ہے۔ آپ اُن سے کہئے کہ ملک میں چل پھر کر دیکھو کہ اللہ نے خلقت کو کس طرح پہلی دفعہ پیدا کیا ہے، پھر وہی اللہ آخری بار بھی پیدا کریگا یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ وَكَذَٰلِكَ تُخْرَجُونَ ۝

(روم ع ۲)

نکالتا ہے اللہ زندہ کو مردہ سے اور نکالتا مردہ کو زندہ سے اور زندگی بخشتا ہے زمین کو مردگی کے بعد۔ پس ایسے ہی قیامت میں تم اٹھائے جاؤ گے

اللہ تعالیٰ کے لحاظ سے کسی چیز کو نیست سے ہست کرنا اور پھر اس کو دوبارہ زندگی بخشنا، دونوں یکساں طور پر آسان ہیں لیکن انسان کے لحاظ سے کسی چیز کا دوبارہ بنانا اس کے پہلی دفعہ بنانے سے بہرحال زیادہ آسان ہے۔ اس لئے جس نے ایک بار خدا کی صفت خلق کا اعتراف کیا اس کے لئے اس صفت کے دوبارہ ظہور کا اعتراف کرنا بالخصوص جبکہ وہ مخلوق بالکل معدوم نہ بھی ہوئی ہو کچھ مشکل نہیں ہے۔

وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ ۚ وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

(روم ع ۳)

وہی ہے جو اول بار پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ پیدا کریگا اور یہ دوبارہ پیدا کرنا اس کو زیادہ آسان ہے اور آسمان و زمین میں اس کی شان سب سے اعلیٰ ہے اور وہ زبردست (قادر مطلق) اور حکمت والا ہے۔

أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ۝ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ

کیا قیامت کا انکار کرنے والا انسان اس حقیقت کو نہیں جانتا کہ ہم نے اس کو ایک حقیر نطفہ سے بنایا ہے سو اب وہ کھُل کر اعتراض

قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۞ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِـيْمُۨ ۞ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ۞ اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓي اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ڲ بَلٰى ۤ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۞ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَـيْـــًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۞ فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ

(یٰس ع ۵)

کہنے لگا ہے اُس نے ہماری شان میں ایک عجیب بات کہی اور اپنی پیدائش کو بھول گیا، اس نے کہا کہ کون زندہ کریگا مردہ ہڈیوں کو جبکہ وہ بوسیدہ ہوجائیں گی۔ آپ کہئے کہ جس نے ان کو پہلی دفعہ بنایا تھا وہی ان کو دوبارہ زندہ کردیگا اور وہ ہر طرح کی تخلیق کو خوب جانتا ہے وہی جو اپنی قدرت سے بعضے ہرے درختوں سے آگ نکالتا ہے پھر تم اس سے آگ سلگاتے ہو۔ تو کیا جس نے زمین و آسمان پیدا کئے ہیں وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ ان جیسے پھر پیدا کردے ؟ کیوں نہیں، وہ تو بہت پیدا کرنے والا خوب جاننے والا ہے، اس کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو بنانا چاہتا ہے تو اس کو کہتا ہے کہ ہوجا، پس وہ ہوجاتی ہے۔ پس پاک ہے وہ ذات جس کے قبضۂ قدرت میں ہر چیز کا اختیار ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹو گے۔

وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۞ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا

(نوح ع ۱)

اور اللہ نے ایک خاص طور پر تم کو زمین سے پیدا کیا ہے پھر وہ تم کو بعد مرگ اسی زمین میں لیجاویگا پھر قیامت میں وہی تم کو اس سے باہر لے آوے گا۔

پھر جس نے اس عالم میں خدا کی صفات کا ظہور دیکھا ہے اور جو اس کی قدرت اور حکمت کے عجائبات سے واقف ہے اس کے لئے یہ کیا عجیب چیز ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓي اَنْ يُّـحْيِۦ الْمَوْتٰى ۭ بَلٰٓي اِنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

(احقاف ع ۴)

کیا ان لوگوں کو اس کا علم نہیں ہے کہ جس خدا نے زمین و آسمان پیدا کئے ہیں اور انکی تخلیق سے وہ تھکا نہیں، وہ ضرور اسکی قدرت رکھتا ہے کہ مردوں کو زندہ کردے۔ بیشک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

أفلم ينظروا إلى السماء فوقهم
كيف بنينها وزينها وما لها
من فروج ۝ والأرض مددناها
وألقينا فيها رواسي وأنبتنا
فيها من كل زوج بهيج ۝ تبصرة
وذكرى لكل عبد منيب ۝ ونزلنا
من السماء ماء مبركا فأنبتنا به
جنت وحب الحصيد ۝ والنخل
باسقت لها طلع نضيد ۝ رزقا
للعباد وأحيينا به بلدة ميتا
كذلك الخروج ۝

(ق ۱۴)

کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر کی جانب آسمان کو
نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو کیسا بنایا ہے اور (روشن
ستاروں سے) اس کو رونق بخشی ہے اور اس
میں کوئی رخنہ تک نہیں ہے اور زمین کو ہم نے
پھیلایا اور اس میں پہاڑ جمائے اور طرح طرح
کے خوشنما سبزے اگائے۔ اس میں ہر رجوع
ہونے والے بندے کے لئے بینائی اور
دانائی کا سامان ہے اور ہم نے آسمان سے
برکتوں والا پانی برسایا، پھر اس کے ذریعہ
باغات اور کھیتی کا غلہ پیدا کیا، اور لمبی لمبی
کھجوریں جن کے گچھے خوب گندھے ہوئے
ہیں، یہ سب بندوں کی روزی کے لئے اور
ہم نے اس کے ذریعہ مردہ شہر کو زندگی بخشی، بس ایسے ہی ہوگا حشر و نشر۔

نحن خلقنكم فلولا تصدقون ۝
أفرءيتم ما تمنون ۝ ءأنتم تخلقونه
أم نحن الخلقون ۝ نحن قدرنا بينكم
الموت وما نحن بمسبوقين ۝ على أن
نبدل أمثالكم وننشئكم في ما لا
تعلمون ۝ ولقد علمتم النشأة الأولى
فلولا تذكرون ۝ أفرءيتم ما تحرثون
ءأنتم تزرعونه أم نحن الزرعون ۝
لو نشاء لجعلنه حطما فظلتم
تفكهون ۝ إنا لمغرمون ۝ بل نحن

ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا، پھر تم (دوبارہ
ہمارے پیدا کرنے کی) کیوں تصدیق نہیں کرتے
اچھا تو یہ بتلاؤ کہ تم جو عورتوں کے رحم میں مادۂ
تولید پہنچاتے ہو تو تم اس کو آدمی بناتے ہو
یا ہم بناتے ہیں۔ ہم نے تمہاری موت کے
اوقات مقرر رکھے ہیں اور ہم اس سے عاجز
نہیں ہیں کہ تم جیسے اور آدمی پیدا کردیں اور
تم کو ایسی صورت میں بنادیں جس کو تم جانتے
بھی نہیں، اور جب تم کو اول پیدائش کا علم
ہے پھر تم (اسی سے دوبارہ پیدائش کو)

رُوْمُوْنَ ۝ أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي
تَشْرَبُونَ ۝ ءَأَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوهُ مِنَ
الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُونَ ۝ لَوْ نَشَاءُ
جَعَلْنَاهُ أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ۝
أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ۝ ءَأَنْتُمْ
أَنْشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُونَ ۝
(واقعہ ع ۳)

کیوں نہیں سمجھ لیتے، اچھا پھر یہ تو بتلاؤ کہ تم
جو زمین میں تخم ڈالتے ہو تو تم اس کو اگاتے ہو
یا ہم اگاتے ہیں، اگر ہم چاہیں تو اس کو چورا
چورا کردیں جس سے تم متحیر رہ جاؤ اور کہنے
لگو کہ ہم پر تو تاوان پڑ گیا، ہم تو بالکل محروم
رہ گئے، اچھا یہ تو بتلاؤ کہ جو پانی تم پیتے ہو
کیا تم نے اس کو بدلیوں سے اُتارا ہے یا ہم
اس کو برساتے ہیں، اگر ہم چاہیں تو اس کو کڑوا کر ڈالیں، سو تم شکر کیوں نہیں کرتے، اچھا یہ تو بتلاؤ
کہ جو آگ تم سلگاتے ہو کیا تم نے اس کے درخت کو پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں۔

أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى
أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِنْ مَنِيٍّ يُمْنَى ۝ ثُمَّ
كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوَّى ۝ فَجَعَلَ مِنْهُ
الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَى ۝ أَلَيْسَ
ذَٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ ۝
(قیامہ ع ۲)

معاد پر یقین نہ رکھنے والا انسان کیا یہ
گمان کرتا ہے کہ وہ یوں ہی مہمل چھوڑ دیا
جائے گا (اور اس کا کوئی خاص مستقبل نہ ہوگا)
کیا وہ پہلے ایک قطرۂ منی نہ تھا جو رحم مادر میں
ٹپکایا گیا، پھر وہ منجمد خون ہو گیا، پھر اللہ نے
اس پر صورت گری کی اور اس کے اعضاء
درست کیے، پھر اس سے دو قسمیں بنائیں مرد اور عورت تو کیا جس اللہ نے یہ سب کچھ اپنی قدرت سے کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ مُردوں کو پھر زندہ کرے۔

اس عالم پر تفکر کی نظر ڈالنے اور اس مجموعۂ کائنات کو بحیثیت مجموعی اور اس کے اجزاء کو فرداً فرداً موجہ اور بامقصد پانے سے انسان کا اندرون اور اس کا وجدان سلیم خود شہادت دیتا ہے کہ اس عالم کے بعد ایک دوسرا عالم اور اس زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی ہونی چاہیے جو اس عالم اور زندگی کا تتمہ ہو جس میں اس زندگی کے اعمال کے نتائج ظاہر ہوں، اگر یہ عالم اور زندگی نہیں تو انسان کی خلقت ایک فعل عبث اور یہ سارا کارخانہ بے مقصد اور بے غایت ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت سلیم کو مخاطب کیا ہے اور فرمایا ہے:-

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَکَ سُدًی	کیا انسان خیال کرتا ہے کہ وہ یوں ہی بیکار چھوڑ دیا جائے گا۔
اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ	کیا تمہارا گمان ہے کہ ہم نے تمہیں فضول و عبث پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف نہیں لوٹو گے

زمین و آسمان کے متعلق فرمایا:۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا بَاطِلًا	اور ہم نے زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی کائنات کو بیکار اور بے مقصد نہیں پیدا کیا ہے
وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ ٥ (الدخان ع)	اور ہم نے زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی کائنات کو کھیل تماشے کے طور پر نہیں بنایا ہے۔

زمین و آسمان اور ان کے عجائبات پر غور کرنے سے انسان کا ضمیر خود شہادت دیتا ہے اور اس کی زبان خود اس کا اعتراف کرتی ہے

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ٥ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ رَبَّنَآ اِنَّکَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَهٗ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ٥ (اٰل عمران ع)	آسمان و زمین کی تخلیق میں اور یکے بعد دیگرے دن رات کی تبدیلی میں ان عقل و خرد والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو کھڑے بیٹھے اور لیٹنے کی حالت میں اللہ کو یاد کرتے اور یاد رکھتے ہیں، اور زمین و آسمان کی تخلیق کے بارہ میں غور و فکر کرتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار تو نے اس کارخانۂ عالم کو عبث اور بے مقصد پیدا نہیں کیا ہے۔ تیری ذات پاک ہے پس تو ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا،

تو نے جس کو دوزخ میں ڈالا اس کو رسوا ہی کر دیا اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

ایمان بالآخرت کے خواص | ایک مستحکم اور راسخ عقیدہ، ایک صحیح اور بے عیب تخم

کی طرح ہے جب دل کی زمین میں یہ تخم پڑجائے اور زمین اس کو قبول کرلے اور پھر اسکی آبیاری اور خدمت بھی ہو تو اس سے ایک سرسبز پودا ظاہر ہوتا ہے، پھر وہ ایک درخت کی شکل اختیار کرلیتا ہے جو پوری زندگی کو اپنے سایہ میں لے لیتا ہے۔

ایمان بالآخرت بھی ایک تخم ہے جو اپنے ذاتی خواص رکھتا ہے۔ جب اس کا صحیح اور طبعی نشو ونما ہوجاتا ہے تو پھر اخلاق و اعمال، سیرت و کردار، رفتار و گفتار کوئی چیز اس کے اثر سے خارج نہیں ہوتی، ایک معتقد آخرت اور منکر آخرت کی زندگی اور سیرت میں وہی فرق ہوتا ہے جو مختلف بیجوں سے پیدا ہونے والے درختوں کی شاخوں، پتوں اور پھولوں میں ہوتا ہے۔ معتقد آخرت کی نفسیت و مزاج، اس کی عقلیت، اس کے اخلاق، سب منکر آخرت سے مختلف ہوتے ہیں یہ دو بالکل مختلف سانچے ہیں جن سے دو بالکل مختلف قسم کی ذہنیتیں ڈھل کر نکلتی ہیں۔

ان دونوں میں اصولی اور مرکزی فرق یہ ہوتا ہے کہ معتقد آخرت عاجل کے مقابلہ میں آجل، نقد کے مقابلہ میں قرض، مسرت فانی کے مقابلہ میں راحت جاودانی کا طلبگار ہوتا ہے قرآن مجید نے اس اصولی فرق کو اپنی آیات میں بار بار واضح کیا ہے اور اہمیت کے ساتھ اس کو پیش کیا ہے، دنیا کو وہ عاجلہ کہتا ہے اور موت کے بعد کی زندگی کو وہ آخرت کہتا ہے اور دونوں میں وہ انتخاب کی اجازت دیتا ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَدْحُورًا ۝ وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا ۝ (بنی اسرائیل ع ۲)	جو شخص دنیا ہی کی نعمت چاہے تو ہم جتنا چاہیں گے اور جس کے واسطے چاہیں گے اس کو دنیا ہی میں فی الحال دیدیں گے اور پھر ہم اس کے واسطے تجویز کریں گے جہنم جس میں وہ بدحال اور راندۂ درگاہ ہوکر داخل ہوگا، اور جو کوئی آخرت کا ثواب اور اس جہان کی خوش عیشی چاہے گا اور اُس کے واسطے اُس کی والی کوشش کریگا اور شرط یہ ہے کہ وہ مومن بھی ہو تو ان کی کوشش مقبول ہوگی۔

یہ دو مختلف قسم کی کھیتیاں ہیں، ایک کھیتی جو ابھی بوئی جائے اور آخرت میں کاٹی جائے،

دوسری جو فوراً بوئی جائے اور فوراً کاٹ لی جائے۔ قرآن مجید نے جہاں دونوں کھیتیوں کا ذکر کیا ہے، وہاں ایک بڑا لطیف فرق رکھا ہے، فرمایا ہے کہ جو آخرت کی کھیتی چاہے گا ہم اس میں برکت عطا فرمائیں گے اور جو دنیا کی کھیتی چاہے گا ہم اس کو اس میں سے دیدیں گے، یعنی ایک کا نتیجہ فوراً ظاہر ہو جائے گا اور دوسرے کے نتیجہ کے لئے انتظار کرنا پڑے گا۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ۝ (شوریٰ ع ۳)

جو کوئی آخرت کی کھیتی کا ارادہ کریگا تو ہم اسکی کھیتی میں برکت دیں گے اور جو کوئی دنیا ہی کی کھیتی کو مقصد بنائے گا، ہم اس کو اس میں سے کچھ نہ کچھ دیدیں گے اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہ ہوگا

منکر آخرت کی اس عاجلانہ اور مستعجلانہ ذہنیت کو صاف صاف بیان کیا گیا ہے۔

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ (قیامۃ ع ۱)

ہرگز نہیں ـــ تم تو بس دنیا کو چاہتے ہو اور آخرت کو چھوڑے ہوئے ہو۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا (دھر ع ۲)

یقیناً یہ لوگ بس دنیا کے متوالے ہیں اور اپنے آگے آنے والے بڑے بھاری دن کا خیال چھوڑے ہوئے ہیں۔

انہیں لوگوں کے متعلق فرمایا گیا ہے:۔

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ

پھر ان کے بعد ان کے وہ جانشین آئے جو کتاب (توراۃ) کے وارث ہوئے اور (اس کے ذریعہ) اس دنیائے دنی کی دولت حاصل کرنے لگے (یعنی کتاب اللہ کے علم کو انھوں نے دنیاوی کمائی کا ذریعہ بنایا) اور (اس کو معمولی گناہ سمجھتے ہوئے) انھوں نے کہا کہ ہماری بخشش ہو ہی جائے گی اور (درحقیقت ان کا حال

خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (اعراف ع) یہ ہے کہ) اگر ان کو ایسی دولت (اللہ پر افترا پردازی کرکے بھی) حاصل ہو تو وہ اسکو لے لیں گے۔ کیا ان سے اس کتاب کا یہ عہد نہیں لیا گیا کہ اللہ کے متعلق بجز حق کے کچھ نہ کہیں اور اُنھوں نے اس کتاب کے احکام کو پڑھا بھی ہے اور آخرت پرہیزگاروں کے لئے بہتر ہے کیا تم اس کو سمجھتے نہیں

دونوں کے منتہائے نظر اور مطلوب میں بھی فرق ہوتا ہے۔

فَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا وَمَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ (بقرہ ع ۲۵) اور بعضے آدمی ایسے ہیں جو دعا کرتے ہیں کہ اے رب ہم کو دنیا ہی میں دے دے اور ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں، اور بعضے وہ ہیں جو یوں دعا کرتے ہیں کہ ہمارے رب ہم کو دنیا میں بھی اچھی زندگی دے اور آخرت میں بھی اچھی زندگی عطا فرما اور دوزخ کے عذاب سے ہم کو بچا

زندگی اور دنیا کے متعلق دونوں کا تخیل اور نقطۂ نظر ایک دوسرے سے اصولی طور پر مختلف ہوتا ہے، ایک کہتا ہے۔

یٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِیَ دَارُ الْقَرَارِ اے میری قوم! یہ دنیا تو بس ایک کھیل تماشا ہے اور آخرت ہی اصل ٹھکانے کا گھر ہے۔

دوسرا کہتا ہے

اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیٰی وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ (مومنون ع) یہاں میرے لئے بس یہ دنیوی زندگی ہی ہے اور ہمیں اسی دنیا میں مرنا اور جینا ہے اور ہم دوبارہ زندہ نہیں کئے جائیں گے۔

آخرت کے عقیدے کے ساتھ تکبر، ذاتی رفعت کا شوق اور زمین میں فتنہ و فساد اور تخریب کا

جذبہ جمع نہیں ہو سکتا۔ ان مقاصد و اخلاق کو اس عقیدے کے مزاج سے کوئی مناسبت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صاف کہہ دیا ہے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ

آخرت کا یہ گھر (جنت اور اس کی نعمتیں) ہم ان لوگوں کیلئے مخصوص کرتے ہیں جو زمین میں اپنی بڑائی اور فساد انگیزی نہیں چاہتے اور اچھا انجام صرف پرہیزگاروں کیلئے ہے۔

اسی لئے ایک معتقد آخرت کی زندگی میں ذاتی سربلندی کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا۔ اس سے حکومت و اقتدار کی حالت میں بھی بندگی اور نیازمندی کی خو نہیں جاتی۔ بلکہ جس قدر اسکی گردن فراز ہوتی ہے اسی قدر اس کا سر نیاز جھکتا ہے اس کو جب طاقت اور دولت حاصل ہوتی ہے تو وہ ایک منکر آخرت (قارون) کی طرح نہیں پکار اُٹھتا کہ:۔

اِنَّمَا اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ

مجھے یہ اپنے ہنر اور اپنی دانش سے حاصل ہوئی ہے

بلکہ ایک خدا شناس اور معتقد آخرت بندے (سلیمان) کی طرح کہتا ہے

هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ لِيَبْلُوَنِيْ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ

یہ میرے پروردگار کی بخشش ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری۔

وہ جب اپنے ہاتھوں کو کھلا ہوا اور اپنی سلطنت کو پھیلی ہوئی دیکھتا ہے تو وہ اس پر ایک خدا فراموش بادشاہ (فرعون) کی طرح یہ نہیں کہہ اُٹھتا:۔

اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ

کیا ملک مصر اور اس پر حکومت میری نہیں ہے اور یہ نہریں میرے نیچے بہہ رہی ہیں

اور مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً

کون مجھ سے زیادہ طاقتور ہے۔

بلکہ ایک پیغمبر بادشاہ کی طرح اس کا دل حمد سے لبریز اور اس کی زبان شکر سے زمزمہ سنج ہو جاتی ہے اور وہ بے اختیار ہو کر کہتا ہے:۔

رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ

خداوندا! مجھے توفیق دے اور میرے لئے مقدر کر دے کہ میں تیرے اُن انعامات کا شکر

صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ ٥

کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر فرمائے اور یہ کہ میں ایسے نیک عمل کروں جو تجھے پسند ہوں، اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل کر۔

وہ دنیا کی اس حکومت پر مطمئن اور قانع نہیں ہوتا، وہ جانتا ہے کہ اصل عزت آخرت کی عزت ہے اور اصلی دولت خدا کی سچی غلامی کی دولت ہے، اس لئے وہ خدا کے انعامات کے شکر کے ساتھ جس آخری چیز کی خواہش کرتا ہے وہ یہ ہے کہ دنیا سے ایک سچے فرمانبردار کی طرح اٹھے اور خدا کے نیک بندوں میں شامل ہو۔ حضرت یوسفؑ کہتے ہیں

رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ أَنتَ وَلِيِّي فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ ٥

اے پروردگار تو نے مجھے بادشاہت دی اور خوابوں کی تعبیر کا علم اور اس کے ذریعہ حقائق فہمی بھی عطا فرمائی، زمین آسمان کے پیدا کرنے والے تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے۔ اب تو مجھے اسلام کی حالت میں دنیا سے اٹھا لے اور صالحین کے ساتھ شامل کر دے۔

معتقد آخرت دنیا کی رسوائی کے مقابلہ میں آخرت اور میدان حشر کی رسوائی سے زیادہ ڈرتا ہے، وہ اس کے تصور سے لرزاں رہتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی دعا ہے۔

لَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ ٥ يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ٥ إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ

خداوندا! مجھے اس دن رسوا نہ کرنا جب کہ لوگ دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ جس دن کہ مال واولاد کچھ کام نہ آویں گے اور بس وہی لوگ (اس دن کی رسوائی سے بچیں گے) جو قلب سلیم لے کر آئیں گے۔

مومن کی دعا ہے

رَبَّنَا إِنَّكَ مَن تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ ٥ ...... وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّكَ

اے ہمارے رب تو نے جس کو دوزخ میں داخل کیا تو اس کو رسوا ہی کر دیا، اور ان ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ ..... اور ہم کو

لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ ○ قیامت کے دن رسوا نہ کر، تیرا وعدہ خلاف

(آل عمران ع) نہیں ہوتا۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ آخرت کے اس ابدی عذاب اور حشر کی اس ذلت و رسوائی پر دنیا کی بڑی سے بڑی اذیت و تکلیف اور بڑی سے بڑی رسوائی و بدنامی کو وہ ترجیح دیتا ہے اس خوف سے نہ صرف اس کو برداشت کرتا ہے بلکہ بعض اوقات اپنے گناہ کا اظہار کرکے اس کو خود مول لیتا ہے

عہد نبوی میں ایک مسلمان مرد ماعزؓ اور ایک مسلمان عورت غامدیہ نے بار بار اپنی غلطی کا اظہار کیا اور خواہش کی کہ ان کو دنیا میں سزا دیکر آخرت کے داغ سے اور جہنم کے عذاب سے بچالیا جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چشم پوشی کی لیکن وہ بار بار سامنے آئے اور انھوں نے اس سزا کی درخواست کی۔ واقعہ یہ ہے

عن عبد الله بن بريدة عن ابيه ان ماعز بن مالك الاسلمى اتى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله انى قد ظلمت نفسى و زنيت و انى اريد ان تطهرنى فرده فلما كان من الغد اتاه فقال يا رسول الله انى قد زنيت فرده الثانية فارسل رسول الله صلى الله عليه وسلم الى قومه فقال اتعلمون بعقله باسا تنكرون منه شيئا فقالوا ما نعلمه الا وفى العقل من صالحينا فيما نرى فاتاه الثالثة فارسل اليهم ايضا فسئل عنه فاخبروه انه لا باس به ولا بعقله فلما كانت الرابعة حفر له حفرة ثم

عبد اللہ بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن ماعز بن مالک اسلمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا، یا رسول اللہ میں نے اپنے پر بڑا ظلم کر ڈالا، یعنی مجھ سے زنا کا گناہ ہوگیا ہے لہذا مجھ پر حد جاری کرکے مجھے پاک کر دیا جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن ان کو واپس کر دیا، اگلے دن وہ پھر حاضر ہوئے اور وہی عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھ سے زنا صادر ہوگیا ہے، آپ نے اس دوسری دفعہ بھی ان کو لوٹا دیا اور ان کے خاندان والوں کو بلوا کے پوچھا کہ تمھیں کچھ معلوم ہے، ماعز کی عقل میں کچھ فتور اور فرق تو نہیں آگیا ہے، انھوں نے کہا۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے ہم تو اس کو عقل و فہم کے لحاظ سے

امر به فرجم قال فجائت الغامدية
فقالت یارسول الله انی قد زنیت
فطهرنی وانه ردها فلما کان
الغد قالت یا رسول الله لم تردنی
لعلك ان تردنی کما رددت
ماعزًا فوالله انی لحبلی، قال
اما لا فاذهبی حتی تلدی
قال فلما ولدت اتته بالصبی
فی خرقة قالت هذا قد ولدته
قال اذهبی فارضعيه حتى
تطعمیه فلما فطمته اتته
بالصبی فی یده کسرة خبز
فقالت هذا یانبی الله قد
فطمته وقد اکل الطعام
فدفع الصبی الی رجل من
المسلمین ثم امر بها فحفر لها
الی صدرها وامر الناس
فرجموها فاستقبل خالد بن ولید
بحجر فرمی راسها فتنضح الدم
علی وجه خالد فسبها فسمع
نبی الله سبه ایاها فقال مهلا
یاخالد فوالذی نفسی بیده
لقد تابت توبة لو تابها صاحب

اپنی قوم کے اچھے ہی لوگوں میں سمجھتے ہیں، ماعز
تیسری دفعہ پھر حاضر خدمت ہوئے، حضورؐ نے
ان کو ان کے قبیلہ والوں کے پاس بھیجکر پھر اُن کے
متعلق دریافت کرایا، انھوں نے یہی کہا کہ ہمارے
نزدیک ان کو کوئی بیماری اور اُن کی عقل میں
کوئی خرابی نہیں ہے، پھر جب چوتھی دفعہ آئے
تو اُن کے واسطے ایک گڑھا کھُدوایا گیا، اور
حضورؐ کے حکم سے ان کو سنگسار کر دیا گیا ـــــ
پھر غامدیہ (عورت) آئی اور اس نے عرض
کیا یارسول اللہ میں زنا کی مرتکب ہوئی
ہوں، لہٰذا حد جاری کرا کے، مجھے اس گناہ
سے پاک کرا دیجئے، حضورؐ نے اس کو واپس
کر دیا، اگلے دن وہ پھر آئی اور عرض کیا
حضورؐ! آپ نے مجھے کیوں واپس کر دیا،
شاید آپ نے مجھے (شک وشبہ کی وجہ
سے) اسی طرح واپس کیا ہے جیسے ماعز کو
واپس کیا تھا، سو خدا کی قسم مجھے حمل بھی
رہ گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا جب یہ بات ہے تو پھر تو اس وقت
حد نہیں جاری ہو سکتی ـ لہٰذا اب جاؤ، یہاں
تک کہ تمہارا بچہ پیدا ہو جائے۔ راوی کہتے
ہیں کہ جب اس کے بچہ ہو گیا تو ایک کپڑے
میں اس بچہ کو لیکر آئی اور عرض کیا یہ بچہ ہے

مکس لغفرلہ ثم امر بہا فصلی علیہا و دفنت

(صحیح مسلم کتاب الحدود)

جو مجھ سے پیدا ہو چکا ہے (لہٰذا اب مجھ پر حد جاری کرا دی جائے) حضورؐ نے فرمایا نہیں، جاؤ، اس کو دودھ پلاؤ، یہاں تک کہ

یہ روٹی کا ٹکڑا کھانے لگے، پھر جب اس بچہ کا دودھ چھوٹ گیا اور وہ کچھ کھانے لگا تو پھر یہ اس کو لیکر حاضر ہوئی، اور اُس کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا اور عرض کیا یا رسول اللہؐ میں نے اب اس کا دودھ چھڑا دیا ہے اور یہ کھانا کھانے لگا ہے (لہٰذا اب مجھ پر حد جاری کرا دی جائے) پس حضور نے لڑکے کو لیکر مسلمانوں میں سے ایک شخص کے حوالہ کر دیا، پھر حضورؐ کے حکم سے اس کے سینہ تک کا ایک گڑھا کھودا گیا (جس میں اُس کو سینہ تک گاڑ دیا گیا) اس کو لوگوں نے سنگسار کیا، ان سنگسار کرنے والوں میں خالد بن ولید بھی تھے، اُنھوں نے ایک پتھر اُٹھا کے اس کے سر پر مارا اُس سے جو خون نکلا تو خالد کے چہرہ تک اس کی چھینٹیں آئیں، اُنھوں نے اس کو کچھ بُرا بھلا کہا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سُن لیا تو آپ نے خالد سے فرمایا اس کو بُرا کلمہ نہ نکالو، قسم اس ذات حق کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ناجائز ٹیکس وصول کرنے والا کوئی ظالم بھی ایسی توبہ کرے تو بخشا جائے۔ پھر حضور کے حکم سے اس کی نماز جنازہ پڑھی گئی اور وہ دفن کر دی گئی۔

ایک خالص دنیا پرست اور منکر آخرت کے نقطۂ نظر سے یہ فعل سراسر حماقت اور جنون ہے ایک آدمی اپنا ڈھکا چھپا عیب ظاہر کرے اور بلا کسی ضرورت کے اپنے جسم کو عذاب میں مبتلا کرے، لیکن ایک مومن کے نقطۂ نظر سے اس سے بڑھ کر کوئی عاقلانہ فعل نہیں ہو سکتا کہ آخرت کے عذاب کے مقابلہ میں دنیا کے عذاب کو برداشت کرے، اس لئے کہ اس کے نزدیک آخرت کا عذاب زیادہ بڑا ہے، زیادہ طویل ہے، زیادہ رسوا کن اور زیادہ پر مشقت ہے۔

وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ۝ (طٰہٰ) — اور آخرت کا عذاب زیادہ سخت اور دیرپا ہے۔

وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى (فصلت) — اور عذاب آخرت زیادہ رسوا کرنے والا ہے۔

وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۝ (رعد) — اور عذاب آخرت زیادہ سخت ہے اور وہاں ان کو اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔

نیز اس عقیدہ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی جلوت اور خلوت میں یکساں طور پر پابند قانون محتاط اور خدا پرست رہتا ہے اور جہاں اس کو دیکھنے والا اور اس سے باز پرس کرنے والا کوئی نہیں ہوتا، وہاں بھی اس سے اخلاق و دیانت کے خلاف کوئی عمل صادر نہیں ہوتا۔

مدائن کی فتح میں لوگوں نے مال غنیمت میں شاہان ایران کا فرش لیا جو لاکھوں روپیہ کی مالیت کا تھا اور محفوظ طریقہ پر سردار فوج کے پاس پہنچا دیا، اسی طرح ایک معمولی سپاہی کو کسریٰ کا زرنگار تاج ہاتھ آیا، اس نے بھی اس کو سردار کے حوالہ کر دیا، حضرت سعد نے جب یہ سامان حضرت عمرؓ کو بھیجا، اور انھوں نے اس کو مال غنیمت میں دیکھا تو ان کی زبان سے بے اختیار نکل گیا کہ جن لوگوں نے ان بیش قیمت چیزوں کو ہاتھ نہیں لگایا اور ان کی نیت میں فرق نہیں آیا یقیناً وہ بڑے نیک لوگ ہیں۔

آخرت کے عقیدے اور یقین کا ایک نفسیاتی اثر یہ ہوتا ہے کہ انسان میں دنیا کی تکالیف اور زندگی کی تلخیوں اور ناکامیوں کی برداشت کی زبردست طاقت پیدا ہو جاتی ہے، جو ایک منکر آخرت میں نہیں ہوتی۔

وہ یقین رکھتا ہے کہ صرف یہی زندگی نہیں ہے بلکہ اس کے بعد کی ایک دوسری زندگی ہے جو دائمی اور ابدی ہے اور جو اس زندگی کے قوانین اور حالات کے ماتحت نہیں ہے اس لئے اگر وہ مومن ہے اور عمل صالح رکھتا ہے تو اس کو یقین ہے کہ اس کی ساری تکلیفوں کا وہاں بدلہ ملے گا یہ چار دن کی زندگی تو کسی نہ کسی طرح گزر جائے گی، پھر وہاں اس کا خیال بھی نہیں ہوگا،[1] نیز آخرت کا عقیدہ، دیدار الٰہی کا شوق، اور جنت کا اشتیاق انسان میں ایسی سرفروشی بلکہ خود فراموشی پیدا کر دیتا ہے اور ایسا نشہ طاری کر دیتا ہے جو دوسری تدبیروں، مسکرات، رجزیہ اشعار اور دوسرے طریقوں سے ممکن نہیں، مومن اپنی جان کو ایک فروخت کیا ہوا سودا سمجھتا ہے جس کی قیمت اس کو جنت کی صورت میں ملے گی۔

---

[1] اسی لئے اسلامی ممالک میں خودکشی کے واقعات کا تناسب مغربی ممالک کے مقابلہ میں بمنزلہ صفر کے ہے، اور اتنے واقعات بھی ان ناپیش آتے ہیں، جہاں مغربی تہذیب و تعلیم اور مادیت و دنیا پرستی نے انکار آخرت پیدا کر دیا ہے یا آخرت کے خیال کو بالکل ڈھندلا کر دیا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ	بیشک اللہ نے خرید لیا ہے ایمان والوں سے
اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ	ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو جنت کے
الْجَنَّةَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ	عوض میں۔ وہ جہاد کرتے ہیں راہ خدا میں
فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ ہ (توبہ)	پس قتل بھی کرتے ہیں اور قتل بھی ہوتے ہیں

اسی عقیدہ نے مسلمانوں میں جان دینے کے لئے وہ بیقراری اور اسلام کے لئے وہ جاں نثاری پیدا کردی جس کی نظیر نہیں ملتی، مسلم کی روایت ہے کہ دشمنوں کی موجودگی میں حضرت ابوموسیٰ اشعری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول سُنایا کہ "جنت کے دروازے تلواروں کے سایے کے نیچے ہیں"۔ ایک شخص جو پریشان حال تھا، پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھا، کھڑا ہوا اور اس نے کہا کہ اے ابوموسیٰ کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے؟ انھوں نے کہا ہاں ـــــ وہ اپنے ساتھیوں کے پاس لوٹ کر گیا اور کہا کہ میرا اسلام قبول کرو، میں رخصت ہوتا ہوں، پھر تلوار کا نیام توڑا اور زمین پر پھینک دیا اور تلوار لے کر دشمنوں میں گھس گیا اور راہ خدا میں جان دیدی۔

ایک مرتبہ حضورؐ نے فرمایا:۔

قوموا الی جنۃ عرضها السمٰوٰت و الارض	اُٹھو چلو اُس جنت کی طرف جس کے عرض میں تمام زمین اور آسمان ہیں۔

عمیر ابن ہمام انصاری نے کہا یا رسول اللہ ایسی جنت جس کی چوڑائی آسمان اور زمین ہے یا جس کی چوڑائی میں زمین و آسمان آجائیں گے"۔ آپ نے فرمایا "ہاں"۔ انھوں نے کہا "واہ واہ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ کیوں کہتے ہو"؟ انھوں نے کہا "یا نبی اللہ صرف اس امید میں کہتا ہوں کہ شاید میں بھی اس جنت کے لوگوں میں سے ہوں"۔ آپ نے فرمایا "تم اُن میں ہو"۔ وہ اپنی زنبیل میں سے کھجور نکالنے اور کھانے لگے، پھر کہا کہ اگر میں ان کھجوروں کے کھانے تک زندہ رہوں تو یہ تو بڑی لمبی زندگی ہے، پھر انھوں نے کھجوریں پھینک دیں اور لڑنا شروع کیا، یہاں تک کہ شہید ہوگئے۔ (مسلم)

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ انس بن نضر نے اُحد میں حضرت سعد بن معاذؓ کو دیکھا [illegible] کہ نضر کے

خدا کی قسم مجھے جنت کی خوشبو اُحد کے پہاڑوں کے اُس طرف سے آرہی ہے۔ جب وہ شہید ہوئے تو ان کے جسم پر کچھ اوپر اسّی زخم تھے، تلوار کے نیزے کے اور تیر کے زخموں سے چھلنی ہو جانے کی وجہ سے ان کو پہچانا بھی نہیں جا سکتا تھا مگر ان کی بہن نے ان کی صرف ایک اُنگلی کی وجہ سے پہچان لیا جس میں کوئی خاص نشانی ہوگی۔

انکارِ آخرت کے خواص

انکارِ آخرت کا پہلا اور طبعی اثر یہ ہے کہ دنیاوی زندگی اور دنیا کی چیزوں سے لذت و تمتع کا اور انتفاع و استفادہ کا ایک جنون اور بحران پیدا ہو جاتا ہے اور یہی مقصدِ حیات قرار پاتا ہے جو جماعت یا سوسائٹی (معاشرہ) یہ عقیدہ رکھتی ہے اس کے ہر گوشہ سے صدائے نا و نوش اور نعرہ "بعیش کوش" بلند ہوتا رہتا ہے اور اس کی ساری زندگی اس مسابقت کا مظاہرہ ہوتی ہے اور درحقیقت انکارِ آخرت کے بعد یہ جنون عین فرزانگی ہے، جو اس زندگی کے بعد کسی دوسری زندگی کے تصور سے خالی ہو، وہ اس زندگی میں لطف اٹھانے اور جگر کی آگ بجھانے میں کیوں کمی کریں، اور عیش و لطف کو کس دن کے لئے اٹھا رکھیں، اسی لئے قرآن کہتا ہے۔

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَیَاْکُلُوْنَ کَمَا تَاْکُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًی لَّهُمْ ۝ (محمد ع ۱)

اور جو لوگ منکر ہیں وہ (آخرت سے بے فکر ہو کر اس دنیا میں) عیش کرتے ہیں اور حیوانوں کی طرح کھاتے پیتے ہیں حالانکہ دوزخ ان کا مستقل ٹھکانا ہے۔

فَذَرْهُمْ یَاْکُلُوْا وَیَتَمَتَّعُوْا وَیُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ۝ (حجر ع ۱)

تم ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو، یہ خوب کھا لیں اور عیش کر لیں اور ان کے خیالی منصوبے ان کو مبتلائے غفلت رکھیں، سو عنقریب ان کو حقیقت معلوم ہو جائے گی۔

انھیں اشخاص سے قیامت کے دن کہا جائے گا۔

اَذْهَبْتُمْ طَیِّبٰتِكُمْ فِیْ حَیَاتِكُمُ الدُّنْیَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ

تم اپنی لذتیں اپنی دنیوی زندگی میں ختم کر چکے اور وہاں تم نے خوب عیش اُڑا لیے، سو آج تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی، کیونکہ تم دنیا میں ناحق

فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ (احقاف ع ۳) تکبر کیا کرتے تھے۔

انکار آخرت کا طبعی نتیجہ ہے کہ یہ دنیا، اس کی چیزیں، اس میں کام آنے والے اعمال زیادہ آراستہ اور نظر فریب بن جاتے ہیں، مادی ذہنیت اور سطحی نگاہ ہو جاتی ہے جو حقائق تک نہیں پہنچ سکتی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ
زَیَّنَّا لَھُمْ اَعْمَالَھُمْ فَھُمْ یَعْمَھُوْنَ

(النمل ع ۱)

جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے اُن کے لئے انکے اعمال انکی نظروں میں آراستہ کر دیے ہیں پس وہ راہ حق سے بہت بھٹکے ہوئے ہیں

قُلْ ھَلْ نُنَبِّئُکُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا ہ
الَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا
وَھُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّھُمْ یُحْسِنُوْنَ
صُنْعًا ہ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ
رَبِّھِمْ وَلِقَآئِہٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ
فَلَا نُقِیْمُ لَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَزْنًا ہ
ذٰلِکَ جَزَآؤُھُمْ جَھَنَّمُ بِمَا کَفَرُوْا
وَاتَّخَذُوْٓا اٰیٰتِیْ وَرُسُلِیْ ھُزُوًا ہ
اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
کَانَتْ لَھُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ
نُزُلًا ہ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا لَا یَبْغُوْنَ
عَنْھَا حِوَلًا ہ

(الکھف)

آپ کہئے کیا ہم تم کو ایسے لوگ بتائیں جو اعمال کے اعتبار سے بہت ہی خسارہ میں ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کی محنت حیاتِ دنیا میں ضائع ہوئی اور از راہ جہالت وہ سمجھتے ہیں کہ وہ ٹھیک کام کر رہے ہیں۔ یہ وہ ہیں جنھوں نے اللہ کی آیات کا اور آخرت میں اس کے حضور حاضری کا انکار کیا، پس ان کے کئے کرائے اعمال بھی اکارت گئے، پس قیامت کے دن ہم ان کا کوئی وزن قائم نہ کریں گے، یہ ان کی سزا ہے جہنم بسبب اس کے کہ انھوں نے کفر کی راہ اختیار کی اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے عمل کئے ان کی مہمانی اور رہائش کے لئے فردوس کے باغ ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے جگہ بدلنا نہ چاہیں گے

اس کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ زندگی میں حقیقت و سنجیدگی کا حصہ کم اور لہو و لعب کا حصہ زیادہ ہو جاتا ہے، ان کی زندگی کے ایک بڑے حصے کو تفریحات اور سرور و نشاط کے اعمال و مشاغل گھیرے رہتے ہیں اور بڑے بڑے نازک وقتوں اور خطرات میں بھی ان کے اس تفریحی انہماک اور لطف اندوزی میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا (انعام)

اور آپ ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے جنھوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنالیا ہے اور اس دنیا کی چند روزہ زندگی نے ان کو مبتلائے فریب کر رکھا ہے

اس کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ حوادث و واقعات کے حقیقی اسباب و علل پر ان کی نظر نہیں پڑتی، بلکہ چند ظاہری چیزوں میں اُلجھ کر رہ جاتی ہے، وہ معاملات کی گہرائی تک نہیں اُتر سکتے اور ظاہری سطح سے نیچے نہیں جا سکتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عین ہلاکت کے وقت بھی اُن کا تفریحی انہماک اور غفلت کم نہیں ہوتی، وہ ان واقعات کی کوئی تاویل کر لیتے ہیں اور ان کی کوئی فرضی یا غیر حقیقی وجہ تلاش کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں اور ان کے رویہ میں کوئی انقلابی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ آیت شاہد ہے۔

فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

پس اُن پر جب ہمارا عذاب آیا تو وہ کیوں نہ گڑگڑائے اور کیوں انھوں نے زاری اور انابت کی راہ اختیار کی لیکن بات یہ ہے کہ ان کے دل سخت ہو گئے ہیں اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کی نظروں میں آراستہ کر دیا ہے۔

انکار آخرت کا ایک اخلاقی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اخلاقی اعمال کا کوئی محرک باقی نہیں رہتا اور ان اخلاق و اعمال کی کوئی آمادگی پیدا نہیں ہوتی جن میں کوئی دنیاوی منفعت یا مصلحت نظر نہیں آتی، یا ان کے کرنے کے لئے انسان مجبور نہیں ہوتا۔

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝

کیا تم نے اُس کو دیکھا جو جزا و سزا کو جھٹلاتا ہے وہ یتیم کو دھکے دیتا ہے اور غریب حاجتمندوں کو کھلانے کی (دوسروں کو بھی) ترغیب نہیں دیتا۔

اور اگر وہ ایسے کوئی اخلاقی اعمال کرتے بھی ہیں تو محض دکھاوے کے لئے۔

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ

اور جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے اموال لوگوں کے دکھانے کے لئے اور ایمان نہیں رکھتے ہیں اللہ پر اور روز آخرت پر اور جس کسی کا ساتھی

لَہٗ قَرِیْنًا فَسَاۗءَ قَرِیْنًا (نساء ع)
شیطان ہو تو وہ بہت برا ساتھی ہے۔

کَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَہٗ رِئَاۗءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ
اس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور یوم آخرت پر

انکار آخرت کی ایک خاصیت تکبر ہے، منکر آخرت کو متکبر ہونے سے کوئی چیز مانع نہیں ہوتی، جو اپنے سے کسی بالاتر طاقت اور ایک ہمہ داں اور ہمہ بیں حاکم کی عدالت۔ اور اس زندگی کے بعد کسی زندگی اور روز جزا کا یقین نہیں رکھتا اس کو ایک شتر بے مہار اور ایک سرکش انسان بننے سے کیا چیز روک سکتی ہے، دنیاوی قانون اور مصالح اور موانع کسی حد تک اس کے راستے میں رکاوٹ بنیں گے لیکن یہ موانع جب دور ہو جائیں گے یا ان موانع پر جہاں وہ غالب آ سکے گا تو وہاں وہ فرعون بن کر بھی نمودار ہوگا، اسی لئے قرآن مجید میں انکار آخرت کے ساتھ اکثر تکبر کا ذکر کیا گیا ہے۔ گویا کہ ان دونوں کا تعلق لازم و ملزوم یا علت و معلول کا سا ہے۔

وَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ قُلُوْبُھُمْ مُّنْکِرَۃٌ وَّھُمْ مُّسْتَکْبِرُوْنَ
اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل منکر ہیں اور وہ متکبر لوگ ہیں۔

فرعون اور اس کے لشکر کے متعلق کہا گیا۔

وَاسْتَکْبَرَ ھُوَ وَجُنُوْدُہٗ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّھُمْ اِلَیْنَا لَا یُرْجَعُوْنَ ۝
اس نے اور اس کے لشکریوں نے ناحق زمین میں تکبر اور گھمنڈ اختیار کیا اور انھوں نے گمان کیا کہ وہ ہماری طرف نہیں لوٹیں گے۔

حضرت موسیٰؑ کے اس قول میں جو قرآن مجید میں نقل کیا گیا ہے اس قصہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے

وَقَالَ مُوْسٰٓی اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّکُمْ مِّنْ کُلِّ مُتَکَبِّرٍ لَّا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ (مومن ع ۳)
اور موسیٰؑ نے کہا میں اپنے پروردگار اور تمھارے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں ہر اس متکبر کے شر سے جو روز حساب پر ایمان نہیں رکھتا

منکر آخرت عموماً اس دنیا میں بھی ایک روحانی عذاب اور نفسانی کوفت میں مبتلا رہتا ہے، ان میں جن لوگوں کا احساس باطل اور ان کا ضمیر مردہ نہیں ہوا ہے، ان کو یہ کھٹک ہر حال میں

تکلیف دیتی رہتی ہے کہ زندگی بہرحال محدود ہے، عمر کتنی ہی طویل ہو عیش و عشرت کا سامان کتنا ہی زیادہ ہو، موت یقینی چیز ہے اور اس گلزار عیش سے ایک دن ضرور ہی نکلنا پڑے گا اور اس عیش و عشرت کو لازماً چھوڑنا پڑے گا، دل کی یہ پھانس اور آنکھوں کی یہ کھٹک ان کے عیش کو مکدر اور بے چین رکھتی ہے، دنیا میں وہ بڑے ناامید اور مایوس ہوتے ہیں اور حقیقت میں ان سے بڑھ کر کون ناامید ہو سکتا ہے ؎

منحصر مرنے پہ ہو جس کی اُمید
ناامیدی اُس کی دیکھا چاہئے

اس لئے ان میں سے بہت سے لوگ اپنے دل کو موت کے خیال سے بچاتے رہتے ہیں، اور اس کا خیال کسی طرح آنے نہیں دیتے، موت کے ذکر سے بھی ان کو وحشت ہوتی ہے اور بعض اس کا پورا اہتمام کرتے ہیں کہ ان کو کسی طرح بھی یہ ناگوار حقیقت یاد نہ آئے، اس لئے وہ لوگ مسکرات و مخدرات کا استعمال کرتے ہیں تاکہ ان پر ہمیشہ بیخودی اور خود فراموشی طاری رہے ؎

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو
اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہئے

پھر ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ساری عمر ان کو یہ تلخ حقیقتیں کبھی یاد نہیں آتیں اور ان کا یہ عالم ہوتا ہے

سدا خواب غفلت میں مدہوش رہنا — دم مرگ تک خود فراموش رہنا

ان کی آنکھیں اسوقت کھلتی ہیں جب وہ ہمیشہ کے لئے بند ہونے لگتی ہیں

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ حَتّٰى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ

بڑے گھاٹے میں ہیں وہ لوگ جو جھوٹ بتاتے اور جھوٹ سمجھتے ہیں اللہ کے سامنے کی پیشی کو یہاں تک کہ جب آ جائے گی ان پر قیامت اچانک تو کہیں گے ہائے حسرت! اس پر جو ہم نے کوتاہیاں کیں اس دن کی تیاری میں اور وہ لادے ہوں گے اپنے گناہوں کے بوجھ اپنی پیٹھوں پر، خبردار بہت برے اور تباہ کن ہوں گے ان کے وہ بوجھ جن کو وہ اٹھائے ہوئے ہوں گے

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ (عنکبوت ع ۷)

اور یہ دنیوی زندگی تو صرف ایک کھیل تماشا ہی ہے اور اصل زندگی تو بس دار آخرت ہی کی ہے کاش لوگ اس حقیقت کو جان لیتے۔

نماز اور خشوع

از مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

(۳)

شیخ محی الدین ابن عربی نے خشوع کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، اس کا خلاصہ اوپر نقل کیا جا چکا ہے ان کے علاوہ اور دوسرے متاخرین علماء صوفیہ نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں خشوع پر بحث کی ہے لیکن ان کے بیانات میں زیادہ تر متقدمین ہی کے اقوال کا اعادہ یا انھی کی تعبیرات کو اپنے الفاظ میں پیش کیا گیا ہے، اس لئے تکرار سے بچنے کے لئے ہم ان کے بیانات کو نظر انداز کرتے ہیں، البتہ ابن رجب حنبلی (متوفی ۷۹۵ھ) نے ایک چھوٹا سا رسالہ "الخشوع فی الصلوٰۃ" لکھا ہے جس میں کچھ نئی باتیں بھی ملتی ہیں، اس لئے اس رسالہ کا جستہ جستہ کچھ حصہ ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

یہ رسالہ نظر سے اس وقت گزرا جب مضمون کی پہلی قسط پریس میں جا چکی تھی، اس لئے بعض ایسی چیزیں جنھیں مضمون کی ترتیب کے لحاظ سے مقدم ہونا چاہیے تھا ہمیں مؤخر کرنی پڑیں مگر بہر نوع مقصود استفادہ ہے جس کیلئے تقدیم و تاخیر کوئی ضروری شرط نہیں، یہ کیفیت کس طرح پیدا ہوتی ہے اس کے متعلق لکھتے ہیں

وہ خشوع جو قلب میں پیدا ہوتا ہے اس کا ذریعہ ذات الٰہی کی معرفت، اس کی عظمت اور اس کے جلال و کمال کا عرفان ہے، پس جسے جتنی ہی یہ معرفت حاصل ہوگی، وہ اللہ تعالیٰ سے اتنا ہی خاشع ہوگا"

لیکن جن لوگوں کو یہ کیفیت حاصل ہو جاتی ہے، یہ ضروری نہیں ہے کہ ان میں سے ہر شخص کا حال یکساں ہو، اس لئے کہ خدا کے جن صفات کے تصور سے قلب میں خشوع و خضوع کی کیفیت پیدا ہوتی ہے وہ صفتیں مختلف ہیں، ان میں سے قلب کو جس صفت کا مشاہدہ اور عرفان زیادہ ہوگا اس کے اوپر اسی صفت کا عکس زیادہ نمایاں ہوگا، چنانچہ اسی تمہید کے بعد وہ لکھتے ہیں۔

بعض لوگوں میں خشوع اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ وہ یہ قوت مطالعہ رکھتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ اپنے بندہ سے بالکل قریب ہے اور اس کے ہر بھید اور راز کی اطلاع رکھتا ہے (اللہ تعالیٰ کی اس صفت کا مطالعہ) اس سے شرم وحیا اور (بندہ کے) تمام حرکات وسکنات میں اس کی دیکھ بھال رکھنے (کے تصور پیدا کرانے) کا باعث ہوتا ہو" اور بعضوں میں خشوع اس کی صفت جمال وکمال کے مشاہدہ سے پیدا ہوتا ہے جس کا تقاضا ہے کہ اس کی محبت میں محویت اور اس کی ملاقات ودیدار کا شوق پیدا ہو بعضوں میں خشوع کا باعث اس کے قہر وغضب اور جزا وسزا کا تصور ہوتا ہے جس کا تقاضا ہوتا ہے کہ اس سے خوف ودہشت پیدا ہو۔

اسی اختلاف حال کی وجہ سے مختلف علماء وصوفیہ نے خشوع کی مختلف تعبیریں کی ہیں، ورنہ مآل ونتیجہ کے اعتبار سے سب کی تعبیرات کا مقصد ایک ہی ہے،

یہ بحث تمام کرنے کے بعد قرآن وحدیث آثار صحابہ اور اقوال سلف کی روشنی میں خشوع کی عمومی تشریح اور "خشوع فی الصلوٰۃ" (نماز میں خشوع) کی اہمیت وفضیلت بیان کی ہے اور آخر میں تفصیلی طور سے نماز کے ان ارکان وآداب اور مواقع کو بتایا ہے، جہاں پر خشوع کا اظہار بہت ضروری ہے، مثلاً قیام، رکوع، سجدہ اور دعا وغیرہ، مضمون طویل ہوتا جارہا ہے، اس لئے ہم صرف ان ہی اشارات پر اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔

نماز میں خشوع مستحب ہے یا واجب؟ نماز اور نماز کے علاوہ ہر شرعی کام میں کیفیت خشوع کی موجودگی اور اس کی اہمیت وفضیلت پر تمام محدثین، فقہاء اور صوفیہ کا اتفاق ہے، لیکن نماز میں فقہی تقسیم فرض، واجب اور مستحب کے لحاظ سے اس کو کون سا درجہ حاصل ہے، اور بغیر خشوع کی پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ کیا جائے گا یا نہیں؟ اس بارے میں ان کے درمیان تھوڑا سا اختلاف ہے

عام فقہاء ومحدثین تو خشوع کے استحباب ہی کے قائل ہیں لیکن بعض علماء اور متکلمین کا رجحان اس کے وجوب[1] کی طرف ہے۔ ہم دونوں کے بیانات اور دلائل نقل کرنے کے بعد ان میں تطبیق دینے کی کوشش کریں گے، جو لوگ استحباب کے قائل ہیں ان کے دلائل یہ ہیں، کہ

(۱) جس طرح ہم منافق وریاکار کی نماز کو باطل قرار نہیں دیتے، بلکہ سب متفق طور سے کہتے ہیں کہ اس کے ذمہ سے فرض ادا ہوگیا اور وہ شرعی تعزیر کا مورد نہیں رہا، اسی طرح اگر کوئی

[1] وجوب معنی شرط ہے۔

مسلمان خشوع وخضوع اور حضور قلب کے بغیر نماز پڑھے تو بدرجہ اولیٰ اس کی نماز کو فاسد نہیں قرار دیا جاسکتا اور نہ اس کو تارکِ صلوٰۃ قرار دے کر سزا دی جاسکتی ہے، یہ دوسری بات ہے کہ وہ نماز عنداللہ مقبول ہوگی یا نہیں، ہم اس کے مکلف نہیں ہیں۔

(۲) حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی آدمی نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو شیطان اُس کے دل میں مختلف قسم کے وسوسے اور بُرے بُرے خیالات ڈالتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اُس ...... آدمی کو یہ یاد نہیں رہتا کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں جب ایسا محسوس ہو تو اس کو چاہیئے کہ سجدہ سہو کرے۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ خشوع اور حضور قلب نماز میں مستحب ہے، شرط و واجب نہیں، ورنہ اگر یہ شرط و وجب ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نماز کے اعادہ کا حکم دیتے نہ کہ صرف سجدۂ سہو کا،

جو لوگ وجوب کے قائل ہیں مثلاً ابو طالب مکیؒ، سفیان ثوریؒ، حسن بصریؒ، امام غزالیؒ امام رازی وغیرہ، ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) قرآن کریم نے اس آیت اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ میں امر (حکم) کا صیغہ استعمال کیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ نماز ذکر الٰہی کے لئے ہی پڑھنی چاہیئے، اور ذکر الٰہی کیلئے حضور قلب ایک ضروری شرط ہے، اب جو غفلت کے ساتھ نماز پڑھتا ہے، وہ حکم الٰہی کی خلاف ورزی کرتا ہے،

(۲) قرآن نے ان آیات وَلَا تَکُنْ مِّنَ الْغَافِلِیْنَ ۰ (غافلین میں سے نہ ہو) اور فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلَاتِھِمْ سَاھُوْنَ (ان لوگوں کے لئے ہلاکت ہے جو نماز کے بارے میں سستی اور غفلت سے کام لیتے ہیں) میں نماز کے اندر غفلت، سستی اور عدم حضور سے روکا ہے ایسا کرنے والوں کے لئے وعید فرمائی ہے کیونکہ یہ چیزیں خشوع کے منافی ہیں۔

(۳) اس آیت اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ (کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ لوگوں کے دل اللہ کے ذکر کے لئے جھک جائیں) میں ان لوگوں پر مزید وعید کی گئی ہے جو خشوع وخضوع کے بغیر نماز پڑھتے ہیں، اس آیت کے شان نزول کے بارے میں مفسرین لکھتے ہیں، منجملہ اور اسباب کے ایک سبب یہ بھی تھا کہ صحابہ کرام سے خشوع کے خلاف کچھ

افعال سرزد ہو گئے تھے، اس پر یہ آیت اُتری، اگر خشوع نماز میں کوئی ضروری شرط نہ ہوتی تو یہ وعیدیں کیوں کی جاتیں؟

(۴) حدیث لاصلوٰۃ لمن لم یتخشع (جس کی نماز خشوع سے خالی ہے اس کی نماز کچھ نہیں ہے) میں صاف طور سے اس نماز کو جو خشوع سے خالی ہو بے حقیقت بتلایا گیا ہے۔

سفیان ثوری سے منقول ہے من لم یتخشع فسدت صلاتہ (جو نماز خشوع کے ساتھ نہ پڑھے، اس کی نماز فاسد ہے) حسن بصری سے مروی ہے۔

کل صلوٰۃ لا یحضر فیہا القلب فھی الی العقوبۃ اسرع، (ہر وہ نماز جو حضور قلب کے بغیر پڑھی گئی ہو، وہ انعام واکرام کے بجائے سزا وعقوبت کی طرف زیادہ تیزی سے پہنچانے والی ہے۔

نقلی دلائل کے علاوہ ان کے پاس عقلی وذوقی دلائل بھی ہیں، وہ کہتے ہیں:-

اعضاء کی ظاہری حرکت نماز کا جسم اور خشوع اس کی روح ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ بغیر روح کے جسم کا قیام ناممکن ہے،

(۲) حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ نماز بندہ کی طرف سے ایک نیاز اور تحفہ ہے، جسے وہ بارگاہ رب العزت میں پیش کرتا ہے اس لئے اُسے چاہیئے کہ وہ بہتر سے بہتر صورت میں پیش کرے ورنہ اس کی نماز اعزاز واکرام کے بجائے عتاب وعقاب کا سبب بن جائے گی،

(۳) اللہ تعالیٰ نے ان آیات قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ میں مومنین کی فلاح اور وراثت جنت کو جن صفات پر معلق و مشروط رکھا ہے ان میں سے ایک خشوع بھی ہے۔

اگر یہ کوئی بہت اہم صفت نہ ہوتی تو فلاح وصلاح کو اس کے ساتھ مشروط کیوں کیا جاتا

(۴) امام غزالی فرماتے ہیں کہ تمام عبادات میں نماز ہی ایک ایسی عبادت ہے جس میں حضور قلب، حضور ذہن اور طمانیت وسکون ایک ضروری ولازمی شرط ہے، مثلاً اگر کوئی شخص حضور قلب کے بغیر بھی زکوٰۃ ادا کردے تو اس کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور اس میں کوئی خرابی نہیں آئے گی اسی طرح روزہ وحج بھی لیکن نماز بغیر اس صفت کے نہیں ادا ہو سکتی، اس لئے کہ

نماز میں عبد اپنے معبود سے ہم کلام ہوتا ہے اور ہم کلامی طلب و ذہن کے حضور و شہود (جس کا دوسرا نام خضوع و خشوع ہے) کے بغیر ناممکن ہے،

لیکن یہ وجوب و استحباب کا اختلاف بالکل نزاع لفظی کے مرادف ہے، فقہاء جو بغیر خشوع نماز کے جواز کے قائل ہیں، اس سے ان کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص جس نے بغیر خشوع نماز پڑھی ہے وہ قانون کی گرفت سے بری ہو گیا، اب ہم اُسے تارک الصلوٰۃ نہیں کہہ سکتے، یہ اور بات ہے کہ اس کی نماز مقبول ہوئی یا نہیں، یا اُسے اس کا اجر و ثواب ملے گا یا نہیں؟ اور جو لوگ اس کے وجوب کے قائل ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ خشوع جو روح صلوٰۃ ہے، اگر نماز میں وہ روح ہی مفقود ہے تو گو وہ قانون کی زد سے نکل جائے لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں کسی اجر و ثواب کا مستحق کیسے ٹھہر سکتا ہے، اور اس بے روح عبادت کو عبادت کیسے کہا جا سکتا ہے؟ تو دونوں استحباب و وجوب کے قائل دو حیثیتوں سے ہیں، ایک کے پیش نظر صحت عند العباد ہے، اور دوسرے کے پیش نظر صحت عند اللہ، اس لئے مختصر الفاظ میں یہ کہنا چاہیے کہ خشوع شرط قبولیت ہے، شرط جواز نہیں،

معارف الاحادیث: (گزشتہ سے پیوستہ) بقیہ مضمون ص ۱۲

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں عمل کئے جاؤ کیونکہ ہر ایک کو اسی کی توفیق ملی ہے جس کے لئے وہ پیدا ہوا ہے۔ پس جو کوئی نیک بختوں میں سے ہے تو اس کو سعادت اور نیک بختی کے کاموں کی توفیق ملتی ہے اور جو بدبختوں میں سے ہے اُس کو شقاوت اور بدبختی والے اعمال ہی کی توفیق ہوتی ہے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (قرآن پاک سورہ واللیل) کی یہ آیت پڑھی "فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى" الخ (اس کا ترجمہ یہ ہے) کہ جس نے راہ خدا میں دیا اور تقویٰ اختیار کیا اور اچھی بات، (یعنی دعوت اسلام) کی تصدیق کی تو اُس کو ہم چین و راحت کی زندگی (یعنی جنت) حاصل کرنے کی توفیق دیں گے اور اس کے لئے اس کو آسان کر دیں گے اور جس نے بخل سے کام لیا، اور مغرور و بے پرواہ رہا اور اچھی بات کو جھٹلایا تو اس کے واسطے ہم تکلیف کی اور دشواری والی زندگی (یعنی دوزخ کی طرف چلنا آسان کر دیں گے۔

(**تشریح**) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ ہر شخص کے لئے اُس کا آخری ٹھکانا دوزخ یا جنت میں پہلے سے مقدر و مقرر ہو چکا ہے لیکن اچھے یا بُرے اعمال کے ذریعہ وہاں تک پہونچنے کا راستہ بھی پہلے سے مقدر ہے اور تقدیر الٰہی میں یہ بھی طے ہو چکا ہے کہ جو جنت میں جائے گا، وہ اپنے فلاں فلاں اعمال خیر کے راستہ سے جائے گا اور جو جہنم میں جائے گا وہ اپنی فلاں فلاں بداعمالیوں کی وجہ سے جائے گا، پس جنتیوں کے لئے اعمال خیر اور دوزخیوں کے لئے اعمال بد بھی مقدر و مقرر ہیں اور اس لئے ناگزیر ہیں، حضورؐ کے اس ارشاد کا حاصل بھی قریب قریب وہی ہے جو اوپر والی حدیث کے سوال کا تھا یعنی ہر شخص کا جو انجام ہونے والا ہے وہ اللہ کے یہاں مقدر و مقرر ہے، اور جن اعمال کی وجہ سے وہ انجام ہونے والا ہے وہ بھی اس کی تقدیر میں لکھے ہوئے ہیں اور اس کو انہی کی توفیق ہوتی ہے لہٰذا تقدیر کے بھروسہ پر ترک عمل کے خیال کی بنیاد ہی غلط ہے "کل میسر لما خلق لہ"

(رجسٹرڈ نمبر اے ۳۵۳)

(محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے نامی پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر "الفرقان" گوئن روڈ لکھنؤ سے شائع کیا)

هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ

تبلیغی و اصلاحی ماہنامہ

مدیر مسئول

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

یاد رکھیے!

"الفرقان" اور "کتبخانہ الفرقان" بریلی سے لکھنؤ منتقل ہو گئے ہیں

لہذا جملہ خط و کتابت اور فرمائشات وغیرہ کیلئے ذیل کا پتہ یاد رکھیے!

دفتر "الفرقان" گوئن روڈ لکھنؤ (یو۔پی)

چندہ سالانہ چار روپیہ — نمونہ کا پرچہ چھ آنہ

کتب خانہ الفرقان لکھنؤ کی مطبوعات

کلمۂ طیبہ - (لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تشریح) ۵ر

نماز - (نماز کی عظمت و اہمیت اور اسکی حقیقت) ۱۲ر

حکمت ولی اللٰہی حضرت شاہ ولی اللہؒ کی علمی خصوصیات پر مولانا عبید اللہ سندھی کا بلند پایہ مقالہ جو "شاہ ولی اللہ نمبر" میں بھی شائع ہو چکا تھا ۸ر

منصب تجدید کی حقیقت تجدید و احیاء دین کے موضوع پر مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کا قابل دید مقالہ جو "شاہ ولی اللہ نمبر" میں بھی شائع ہو چکا ہے ۸ر

خطبات بمبئی (جناب مدیر الفرقان کی آٹھ تقریریں) .... عہ ر

تدوین اصول فقہ (از قاضی عبد الرحمٰن (ایم اے عثمانیہ) فن اصول فقہ کی تاریخ اور اسکے ممتاز مصنفین اور انکی تصانیف پر تبصرہ، اس کتاب کا موضوع ہے۔ عجیب و غریب فاضلانہ تصنیف ہے ... ۱عہ

تحقیق مسئلہ ایصال ثواب (از مدیر الفرقان) ۶ر

حضرت مولٰنا محمد الیاسؒ اور اُن کی دینی دعوت جدید اڈیشن (تیار ہو گیا) .... عہ ۸

مسلمانوں کی اصلی طاقت اور اُسکے عروج و زوال کے اسباب ... ۶ر

برکات رمضان المبارک (از مدیر الفرقان) ۵ر

میری زندگی کے تجربے (از مدیر الفرقان) ۶ر

بوارق الغیب (حصۂ اول)
کاغذ سفید چکنا ۱عہ
کاغذ رف سفید .... عہ ر

بوارق الغیب (حصۂ دوم)
کاغذ سفید چکنا .... عہ ر
کاغذ رف سفید ۱۲ر

شارع حقیقی کاغذ چکنا ۴ر
کاغذ رف ۳ر

میلۂ خدا شناسی ۳ر

احکام النذر لاولیاء اللہ و تفسیر ما اھل بہ لغیر اللہ ۳ر

تیجہ اور دسویں وغیرہ کا شرعی حکم ۳ر

حضرت مجدد الف ثانی اور زمانۂ حال کے اہل بدعت ۴ر

کتب خانہ الفرقان میں

مُفید دینی اور اصلاحی کتابوں کے

مہیا رکھنے کی خاص کوشش کیجاتی ہے

خصوصاً

"دار المصنفین" "ندوۃ المصنفین" اور "مکتبہ جماعت اسلامی"

جیسے علمی و دینی اداروں کی مطبوعات

اور گذشتہ و موجودہ اکابر علماء میں سے

شاہ ولی اللہؒ اور اُنکے سلسلہ کے دیگر اکابر و مشائخ کی تصنیفات

اور علماء دیوبند و سہارنپور کی خاص تالیفات

حتی الوسع جمع رکھنے کا اہتمام کیا جاتا ہے

اِس کے علاوہ

چونکہ لکھنؤ میں اور بھی چند بڑے بڑے کتبخانے ہیں جن سے کتابیں لیجا سکتی ہیں اسلئے اب آپ "کتب خانہ الفرقان" سے ہر قسم کی اچھی اور مفید کتابیں طلب فرما سکتے ہیں

فتنۂ رفض و تفضیلیت کے خلاف حضرت مجدد الف ثانی کا جہاد ... ۴ر

جدید تعلیم اور علمائے کرام .... ۳ر — **نماز اور خطبہ کی زبان** ... ۳ر

اسلام اور نظام سرمایہ داری ۸ر

تعزیہ داری وغیرہ رسوم محرم سنی نقطۂ نظر سے ۴ر

روداد مناظرہ بریلی .... ۸ر و ۶ر — **مباحثہ سماج بریلی** ... ۴ر

خاکسار تحریک کیوں قابل قبول نہیں؟ ....

عدم انجیل (اصلی انجیل کے دنیا سے ناپید ہونے کا ثبوت) ... ۱عہ

مسئلہ علم غیب پر فیصلہ کن مناظرہ ... قسم اول ۸ر قسم دوم ۶ر

روداد مناظرہ گیا ..... ۸ر — **کوائف بمبئی** ۳ر

ملنے کا پتہ کتب خانہ الفرقان گوئن روڈ لکھنؤ

جلد ۱۴ | بابتہ ماہ شوال المکرم ۱۳۶۶ھ | نمبر ۱۰

پاکستانی احباب خاص طور سے ملاحظہ فرمائیں

مشرقی پنجاب میں "الفرقان" بہت زیادہ جاتا تھا، لیکن اگست و ستمبر کے تباہ کن فسادات کے بعد سے کچھ پتہ نہیں کہ اب کون وہاں باقی ہے اور کون نہیں رہا۔ رمضان کے بعد جو دو پرچے شائع ہوئے۔ اُن میں سے بہت سے یہ لکھ کر جالندھر وغیرہ سے واپس آئے کہ "مکتوب الیہ کا پتہ نہیں" اور بعض قرینوں سے اندازہ یہ ہے کہ مشرقی پنجاب کے اور بھی بہت سے پرچے غالباً مرسل الیہ حضرات تک نہیں پہنچے ہیں۔ اسلئے اب ہم نے یہ طے کیا ہے کہ مشرقی پنجاب کے خریداروں کے رسالے تا اطلاع روانہ نہیں کرینگے اور دفتر میں محفوظ رکھیں گے۔ لہٰذا ان حضرات میں سے جو کوئی جہاں کہیں بھی ہوں براہِ کرم اپنے حال اور حالیہ پتہ سے ضرور مطلع فرمائیں، ہم کو بڑی سخت فکر و تشویش ہے —— نیز مغربی پنجاب اور صوبۂ سندھ و صوبۂ سرحد و بلوچستان کے تمام ناظرین الفرقان سے بھی گزارش ہے کہ بعض وجوہ سے ہمیں شک ہے کہ اس وقت الفرقان پاکستان میں کہیں بھی پہنچ رہا ہے یا نہیں۔ لہٰذا یہ رسالہ اُن کی خدمت میں اگر پہنچے تو براہِ کرم ایک کارڈ کے ذریعہ اپنی خیر و عافیت اور رسالہ کی رسید سے ضرور مطلع فرمائیں ہم ان کے ممنون ہوں گے۔

ادارۂ الفرقان لکھنؤ

تعزیت

از محمد منظور نعمانی

سلام ہو مظلوم شہیدوں کی روحوں پر
اور شرکتِ دردو غم کا پیغام پہنچے تمام غم نصیبوں، آفت رسیدوں کو

ان فی اللہ عزاءً من کل مصیبۃ و درکاً من کل فائت فباللہ فثقوا وایاہ فارجوا فانما المصاب من حرم الثواب

میرے کرمفرما اور صاحب الطاف بزرگوں، محترم دوستوں اور مخلص عزیزوں کی بہت بڑی تعداد مشرقی پنجاب میں تھی۔ ہندوستان کے اسی حصے سے اواخر رمضان میں جو قیامتِ کبریٰ شروع ہوئی اور بیشمار انسان، مرد، عورتیں اور بچے جس ظالمانہ اور سفاکانہ طریقہ پر موت کے گھاٹ اتارے گئے اور جو بچے وہ جس طرح خانما برباد ہوئے، وہ ایسا سانحہ ہے جس پر انسانوں کے علاوہ اگر آسمان اور آسمان کے فرشتے بھی خون کے آنسو روئیں تو بیجا نہ ہوگا۔ ؎

"آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں"

انسانیت کا رشتہ، اسلامیت کا رشتہ اور پھر خالص اللہ کے واسطے محبت و مودت اور خدمت دین کی راہ میں رفاقت ومعیت کا گہرا رشتہ، مشرقی پنجاب کے جن ہزاروں دوستوں سے تھا اور جن کے ساتھ تعلق اپنے قریب ترین اعزہ و متعلقین سے کم نہ تھا ——— افسوس! کچھ خبر نہیں کہ ان میں سے کون کون اس خونی آندھی میں اڑکر قیامت تک کیلئے ہم سے جدا ہو گئے اور جو باقی ہیں پتہ نہیں کہ وہ کس حال میں ہیں اور کن دیار میں ٹھوکریں کھا رہے ہیں ——— مصیبت کی ہولناکی اور سنگین ترین نوعیت کو دیکھتے ہوئے تعزیت کرتے ہوئے طبیعت ہچکچاتی ہے اور نیک مشورہ سے بھی زبان قلم رکتی ہے ——— لیکن ضرورت کا احساس مجبور کرتا ہے کہ دل تھام کے وہ سب کچھ عرض کیا جائے جو اس وقت عرض کرنا ضروری ہے۔

ان سطروں میں خطاب کسی خاص فرد سے نہیں ہے، بلکہ جو ہزاروں لاکھوں دوست اور بھائی اس قیامت کبریٰ میں مصائب و آلام کا شکار ہوئے ہیں، یا اس قتل و غارتگری اور تباہی و بربادی سے جو رنجیدہ اور مشتعل ہیں اُن سب ہی سے عرض کرنا ہے کہ بیشک آپ کا رنج و غم حق ہے اور خود ہمارا دل پورا پورا اس میں شریک ہے، اور آپ کا اشتعال بھی بے سبب نہیں ہے ـــــ لیکن اس حقیقت کو نہ بھولئے کہ ہم سب اللہ کے بندے ہیں اور ہر بندے کا فرض ہے کہ ہر حال میں وہ اپنے مولا پر نظر رکھے، اور اس کی مرضی کا پابند اور صراط مستقیم پر قائم رہے اور حوادثِ زمانہ سے دوچار ہو کر اپنا توازن اور اپنے اعلیٰ اصول نہ کھو بیٹھے۔

والصابرین فی الباساء والضراء والکاظمین الغیظ۔

ایسے حالات میں اللہ و رسول کی بتلائی ہوئی اس حقیقت کو ہمیں خاص طور سے پیش نظر رکھنا چاہئے کہ جو ہوا وہی ہونا تھا اور آئندہ بھی وہی ہو گا جو ہونا طے ہو چکا ہے۔

ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبرءھا ان ذالک علی اللہ یسیر ہ لکیلا تاسو علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما اتاکم۔ (سورہ حدید ۲ ۳)

دنیا میں کہیں کسی کو اور خود تم کو جو مصیبت پہنچتی ہے وہ پہلے سے ایک نوشتہ میں موجود ہے۔ اللہ کیلئے یہ سب آسان ہے۔ (یہ بات تم کو اس واسطے بتائی جاتی ہے) کہ جب تمھاری کوئی چیز جاتی رہے تو اس پر غم نہ کھاؤ اور اللہ جو تم کو عطا فرمائے اس پر نہ اتراؤ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث ہے۔

واعلم ان ما اصابک لم یکن لیخطئک وان ما اخطاک لم یکن لیصیبک واعلم ان النصر مع الصبر وان الفرج مع الکرب وان مع العسر یسراً[ل]

یقین جانو کہ جو مصیبت تم پر آئی ممکن نہ تھا کہ وہ ٹل جاتی اور جو مصیبت تم پر نہیں آئی ممکن نہ تھا کہ وہ آتی، اور یقین کرو کہ اللہ کی مدد صبر و ثبات کیساتھ ہے، اور الجھنوں اور پریشانیوں کے بعد سکون اور اطمینان ہے اور مشکل کے بعد آسانی ہے۔

اس وقت ہندوستان کی حالت جیسی خطرناک ہے اور فضا میں زہریلے جراثیم جس کثرت سے

ل ریاض الصالحین۔

پھیلے ہوئے ہیں، کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ ابھی کہاں کہاں اور کیا کیا اور ہوگا، ضرورت ہے کہ ہم جذبات اور وقتی تاثرات سے دل و دماغ کو بالکل خالی کر کے اور ماضی کی غم انگیز اور اضطراب و اشتعال پیدا کرنے والی یاد کو چھوڑ کے اُس سے ایک حقیقت شناس کی طرح صرف سبق لیں اور مردانہ وار مستقبل کی فکر میں لگیں ـــــ اس سلسلہ میں جو باتیں سوچنے کی ہیں وہ ہر صاحب فکر سوچے اور جو کچھ کرنا ہے وہ ہم سب کریں ـــــ لیکن ایک بات خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے اور وہ یہ کہ ـــــ صرف مادی اسباب و تدابیر کے سہارے اس دنیا میں عزت سے رہنے اور مسلمان ہو کے رہنے کی کم از کم ہمارے لئے کوئی جگہ نہیں ہے، اس پہلو سے ہماری کمزوری اور تہی مائگی کسی سے بھی چھپی ہوئی نہیں ہے، اور ہمیں اس کے اظہار میں بھی کوئی باک نہیں کہ مادی اسباب و وسائل کے لحاظ سے پاکستان کو مضبوط و محفوظ سمجھنے والے مسلمان بھی ہمارے نزدیک حقائق سے چشم پوشی کرنے والے ہیں ـــــ دراصل ہماری طاقت کا اصلی سرچشمہ وہ ایمانی زندگی ہے جسکی بنا پر ہم اللہ کی خاص مدد کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ ایمان اور ایمانی زندگی ہم کو اسباب و تدابیر سے بے نیاز تو نہیں کر دیتے لیکن ہاں اگر یہ چیز ہو تو اسباب کی کمی کو اللہ کی خاص مدد پورا کر دیتی ہے ـــــ "کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ" میں یہی راز بتایا گیا ہے۔ تاریخ اسلام کے سب سے بڑے اور کامیاب ترین جنرل حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر فرمایا تھا۔

"ہم تھوڑے ہونے کے باوجود بہت ہیں جب ہم اللہ کی مدد کے مستحق ہوں، اور بہت ہونے کے باوجود تھوڑے ہونگے جب ہم اپنے گناہوں کی وجہ سے اللہ کی مدد کے مستحق نہ رہینگے"[1]

کاش ہم اب بھی ایمان کی طاقت کے راز کو سمجھ لیں، اگر ہماری موجودہ مصیبتیں ہی ہمیں یہ بھولا ہوا سبق یاد دلا دیں تو پھر ان میں بھی رحمت کا ایک پہلو ہے، اور ہم سمجھیں گے کہ شہیدوں کا خون رائگاں نہ گیا۔

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۹

باسمہٖ سبحانہٗ حمداً و سلاماً

نگاہِ اوّلیں

خصوصیت سے پاکستانی بزرگوں اور بھائیوں کے ملاحظہ کے قابل:۔

از محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ملک کی تقسیم اور آزادی کے اعلان کے ساتھ ساتھ فتنہ، فساد اور قتل و غارتگری کا جو نیا دور پنجاب سے شروع ہوا ہے، اس کے نتیجہ میں (دونوں طرف کے بیانوں اور تخمینوں کو اگر کسی درجہ میں بھی صحیح مانا جائے) تو لاکھوں انسان ابتک موت کے گھاٹ اُتر چکے ہیں، لاکھوں بچے یتیم اور ہزاروں سہاگنیں بیوہ ہو چکی ہیں، بستیوں کی بستیاں اُجڑ چکی ہیں، اور قریباً نصف کرور انسان (بلکہ غالباً اس سے بھی زیادہ) اپنا وطن اور اپنا گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہو چکے ہیں ——— ان میں ہزاروں ایسے ہیں جو گھر کے خوشحال اور فارغ البال تھے، صاحبِ عزت و وقار تھے، اپنے کیلئے ان کے پاس عالیشان کوٹھیاں تھیں، ہزاروں لاکھوں کے سرمایہ کی تجارت تھی، نوکر چاکر تھے، جائدادیں، باغات تھے غرض اللہ کا دیا سب کچھ تھا، لیکن آج وہ ایک ایک وقت کے کھانے کو بلکہ دانہ دانہ کو محتاج ہیں، ان کی ماں بہنوں، بیٹیوں اور بیبیوں کو پردہ کیلئے پوری چادر بھی نصیب نہیں ہے ——— یہ حال کسی ایک ہی قوم کے مصیبت زدوں کا نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہزاروں مسلمانوں کی طرح ہزاروں ہندو اور ہزاروں سکھ بھی اسی حالت میں ہیں۔ جو لوگ اس بارہ میں یک طرفہ باتیں کرتے ہیں وہ ناانصاف ہیں، اور کھلی حقیقتوں کو جھٹلانے کی بیجا جسارت کرتے ہیں۔

اگر آپ انسان ہیں اور انسانیت کی قدر و قیمت کچھ جانتے ہیں تو یقیناً آپ کا دل اس فتنہ و فساد اور اس بہیمیت و بربریت سے سخت بیزار ہوگا، اور ضرور آپ کو ان واقعات سے دلی صدمہ ہوگا اور آپ کی آنکھیں روتی ہوں گی —— پھر اگر اس کے ساتھ آپ خدا پرست اور مذہبی آدمی بھی ہیں اور آپ کو اپنا دین و مذہب عزیز ہے اور آپ چاہتے ہیں کہ دنیا کی نظروں میں آپ کا وہ مذہب ذلیل نہ ہو اور اس کے متعلق غلط رائے نہ قائم کی جائے تو یقیناً آپ اپنے اُن ہم مذہبوں کو بڑا ہی سخت مجرم سمجھتے ہوں گے جن ظالموں نے آپ کے مقدس مذہب کے نام پر یہ ستم ڈھائے اور اس کو بدنام اور رسوا کیا۔

ہم کو اس وقت دوسرے مذاہب اور ان کے ماننے والوں کے متعلق کچھ عرض کرنا نہیں یہ ان کا کام ہے کہ وہ اپنی قوم کا احتساب کریں اور اپنے فرائض اور اپنے دھرم کے مقتضیات کو سوچیں لیکن ایک ادنیٰ مسلمان اور اسلام کے ایک حقیر خادم اور نام لیوا کی حیثیت سے اسلام ہی کی طرف سے، بہت صفائی کے ساتھ یہ عرض کر دینا ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ان مظالم میں جتنا بھی حصہ مسلمانوں کا ہے (اگرچہ وہ صرف جواباً اور جذبۂ انتقام کے ماتحت بھی ہوا ہو) تب بھی وہ اسلام کی مقدس تعلیمات کے سراسر منافی ہے، اور اللہ و رسولؐ اُس سے بری اور بیزار ہیں۔

بلکہ اس سے زیادہ واضح لفظوں میں مسلمانوں کو یہ تبلا دینا بھی ہم اپنا دینی فرض جانتے ہیں کہ جن مسلمانوں نے اپنے پاس پڑوس کے امن سے رہنے والے بے قصور غیر مسلموں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے ہیں، ان کے مالوں کو لوٹا ہے اور ان کے بچوں اور عورتوں کے ساتھ زیادتی کی ہے وہ اسلام کے سخت مجرم ہیں اور اگر انھوں نے اپنے ان مظالم سے توبہ اور تلافی اس دنیا میں نہ کی تو بروز حشر خدائے قہار کی کھلی عدالت میں ان پر خون ناحق اور لوٹ مار کا مقدمہ چلے گا اور بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے مجرموں کے خلاف خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدعی ہوں گے۔

پھر جب ہم اس کا تصور کرتے ہیں کہ ان لوگوں نے یہ ظلم و ستم اسلام کا نام لیکر کئے ہیں اور دیکھا کہ

ہم نے سنا ہے (خدا کرے کہ صحیح نہ ہو) "اللہ اکبر" اور "اسلام زندہ باد" کے نعرے لگا لگا کر کئے ہیں تو سچی بات یہ ہے کہ ہمارا خون کھولنے لگتا ہے اور ہم محسوس کرتے ہیں کہ ان ناخدا ترس ظالموں یا پاگلوں نے اپنے پڑوسی غیر مسلموں پر جتنا ظلم کیا ہے اس سے بھی زیادہ ظلم اسلام کی رُوح پر کیا ہے۔ اور رُوحِ اسلام اور رُوحِ قرآن کی خاموش اور بے آواز فریاد سننے والے کان اگر کسی کو نصیب ہوں تو وہ سُن سکتا ہے کہ اس کی فریاد ان ظالموں کے ستائے ہوئے انسانوں کی داستانِ غم سے کم دلدوز نہیں ہے۔

یہ بات تو بہت سی زبانوں پر آئی ہے کہ جو مسلمان اندھے جوش میں اپنی اکثریت کے علاقہ کے کسی ہندو یا سکھ کو قتل کرتا ہے وہ بالواسطہ دوسرے علاقہ کے دو چار مسلمانوں کو قتل کراتا ہے اور جو مسلمان کسی غیر مسلم کے گھر کو آگ لگاتا ہے وہ اقلیتی علاقوں کے بہت سے مسلمان گھروں کو پھونکتا ہے۔ لیکن حقیقت اس سے بہت آگے ہے اور وہ یہ کہ ایسا غلط کار مسلمان دوسری جگہ کے مسلمانوں کو قتل کرانے اور ان کے گھروں کو آگ لگوانے کے علاوہ خود مقدس اسلام پر بھی ظلم کرتا ہے اور اُسے معلوم ہونا چاہئے کہ اپنا جو چھرا وہ کسی بے قصور ہندو یا سکھ کے جسم میں بھونکتا ہے یا جس خنجر سے وہ کسی بچے یا عورت کا گلا کاٹتا ہے وہ در اصل اپنے اسی چھرے اور خنجر سے اسلامی تعلیمات اور اللہ و رسول کی ہدایات کو ذبح کرتا ہے۔

شاید ہمارے جوشیلے اور ہوش باختہ بعض مسلمان بھائی کہیں گے کہ ہندو اور سکھ بھی تو یہی کر رہے ہیں، اور مسلمانوں نے جو کچھ کیا ہے وہ جواباً کیا ہے، تو ہم عرض کر دینا چاہتے ہیں کہ جواب اور انتقام کا یہ طریقہ کہ بہار یا مشرقی پنجاب کے ظالم ہندوؤں یا سکھوں کا بدلہ آپ مغربی پنجاب و سرحد یا سندھ کے اُن ہندوؤں یا سکھوں سے لیں جنھوں نے آپ پر کوئی ظلم نہیں کیا قطعاً غیر اسلامی ہے بلکہ اسلام تو آپ کو اس کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ آپ کسی ظالم کا انتقام اس کے بے قصور سگے بھائی سے بھی لیں۔

ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ ۔ (سورۃ النجم)

علاوہ ازیں سکھوں اور ہندوؤں کے مظالم کی مثال پیش کرنے والے اور اس کو سندِ جواز بنانے والے ہمارے ان جوشیلے بھائیوں کو ٹھنڈے دل سے یہ سوچنا چاہئے کہ اگر ہم بھی وہی سب کچھ کرنے لگیں جو دوسروں نے کیا تو پھر ہم میں اور ان میں کیا فرق رہا؟ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہم اپنے کو اخلاق کی

اسی سطح پر رکھنا چاہتے ہیں جو کتاب و پیغمبر سے محروم دنیا کی دوسری قوموں کی اخلاقی سطح ہے، اس صورت میں تو ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو نہ ہوئے بلکہ ظلم کرنے والے ہندوؤں اور سکھوں ہی کے پیرو ہو گئے۔ افسوس! اس وقت ہمارے بہت سے بھائی اشتعال اور جوش میں بالکل بھول گئے ہیں کہ مسلم و مومن اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کی حیثیت سے ان کا مقام کیا ہے اور اخلاق و کردار میں ان کو کتنا بلند اور کس قدر ممتاز ہونا چاہیے۔

جن مسلمانوں پر غیر مسلموں نے کہیں ظلم کیا ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ میرے دل میں ان کا درد کسی دوسرے مسلمان بھائی سے انشاء اللہ کم نہ ہوگا، میں مسلمان کی جان بلکہ اس کے ایک قطرۂ خون اور اس کی عزت و آبرو کی قیمت بھی خوب جانتا ہوں اور اللہ رسول کے بتلانے سے جانتا ہوں ——— اور الحمدللہ میں محسوس کرتا ہوں کہ بہار یا مشرقی پنجاب، یا الور و بھرت پور یا دہلی میں بلکہ کسی خطۂ زمین میں بھی جو مسلمان بچہ ذبح ہوا وہ میرا بچہ تھا، جس مسلمان کا گلا کاٹا گیا وہ میرا بھائی تھا، جس بیوی کا سہاگ اُجاڑا گیا یا درندہ صفت انسانوں نے جس باعفت خاتون کو بے عصمت کیا وہ میری ماں بہن یا میری بیٹی تھی۔ لیکن اس کے باوجود اسلام اور پیغمبر اسلام کی تعلیمات اور ہدایات کی روشنی میں اس کو میں حرام سمجھتا ہوں کہ جہاں میرا بس چلے بے قصور ہندوؤں اور سکھوں کے خلاف میں بھی یہی وحشیانہ حرکتیں کرنے لگوں، اس صورت میں ان پر ظلم کرنے کے علاوہ میں اسلام پر بھی ظلم کروں گا۔ ایسے ہی نازک وقت کیلئے قرآن مجید نے ہم کو ہدایت کی ہے۔

ولا یجرمنکم شنآن قوم علی ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی۔	کسی قوم سے عداوت دشمنی تمھیں بے انصافی پر آمادہ نہ کرے (یعنی ایسا نہ ہو کہ جوش عداوت میں تم انصاف کی حد سے نکل جاؤ) تم انصاف ہی پر قائم رہو یہی خدا ترسی اور نیکی کے زیادہ مناسب ہے۔

پس اس وقت خصوصیت کے ساتھ پاکستانی علاقوں کے اپنے مسلمان بھائیوں سے ہم عرض کرتے ہیں کہ اسلام اور قرآن کی رو سے ہرگز مسلمانوں کیلئے جائز نہیں ہے کہ مخالفت و عداوت کے جوش میں وہ عدل و انصاف کی حدوں کو توڑیں اور کسی جگہ کے ظالموں کا بدلہ دوسری جگہ کے بے قصوروں سے لیں۔

میں عرض کر چکا ہوں کہ الحمد للہ مظلوم مصیبت زدہ مسلمانوں سے محبت وہمدردی میں انشاء اللہ میں دوسرے اپنے بھائیوں سے پیچھے نہیں ہوں، لیکن مجھے اس کہنے میں کوئی حجاب اور کسی کا ڈر نہیں کہ اسلام اور اُس کے احکام جس طرح مجھے اپنے جان ومال سے زیادہ عزیز ہیں اسی طرح اپنے مسلمان بھائیوں کی جانوں اور ان کی دولتوں سے بھی زیادہ عزیز ہیں، بلکہ مسلمانوں سے میری محبت بھی اسلام ہی کی وجہ سے ہے، وہ جاہلانہ قومی عصبیت جس میں آج عام طور سے مسلمان گرفتار ہیں اس کو تو اللہ ورسول نے حرام کیا ہے۔ افسوس آج مسلمانوں کی غالب اکثریت "اسلامی محبت واخوت" اور "جاہلانہ قومی عصبیت" کے فرق کو سمجھنے سے بھی قاصر ہے۔

میں مکرر عرض کرتا ہوں کہ مسلمانوں پر جہاں جہاں اور جو جو وحشیانہ مظالم ہوئے ہیں میں اُن سے ناواقف نہیں ہوں لیکن جیسا کہ میں نے شروع ہی میں عرض کیا کہ اپنی قوم کو سرزنش اور آدمیت سکھانا اس قوم کے عقلمندوں کی ذمہ داری ہے۔ میں بحمد اللہ مسلمان ہوں اس لئے مسلمانوں ہی سے کہنے کا خاص حق رکھتا ہوں اور وہی میری سُن سکتے ہیں۔

آخر میں ایک بات اور بھی عرض کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ اسلامی تعلیم اور دینی احکام سے قطع نظر کر کے بھی میں پوری بصیرت اور کامل یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ ظلم کے بدلے بے قصوروں پر ظلم کر کے آپ اپنے اُن بھائیوں کو ظلم سے نہیں بچا سکتے جو غیر مسلم اکثریت کے علاقوں میں رہتے ہیں بلکہ آپ کا یہ غلط رویہ اُن کی مصیبتوں کو اور زیادہ بڑھا دیگا اور روز بروز بڑھاتا رہے گا۔ اُن کی حفاظت کا بھی صحیح طریقہ یہی ہے کہ بجائے اس ظلم اور زیادتی کے آپ امن اور انصاف کی راہ اختیار کریں اور اپنے کو اس اسلامی اصول کا پابند بنا دیں کہ اگر بالفرض کسی جگہ کے مسلمانوں پر ظلم بھی ہوگا تو اس کا بدلہ اپنے زیر دست بے قصور غیر مسلم پڑوسیوں سے نہ لیں گے۔ ہماری یہ نیکی ہی ظلم عدوان کے اس شیطانی چکر کو ختم کر سکتی ہے۔

افسوس! خدا فراموش اور لامذہب یورپ کی سیاسی قیادت وسیادت نے مشرقی اقوام کی سیاست کو بھی "دیوبے زنجیر" بنا دیا ہے اور صد افسوس بلکہ ہزار ہزار افسوس کہ مسلمانوں کا قومی اور سیاسی کردار بھی روحانیت اور خدا ترسی اور اللہ تعالیٰ کے قوانین عدل سے اس قدر آزاد اور بے مہار ہو گیا ہے، کہ آج یہ موٹی موٹی باتیں بھی ان کو بتلانی پڑ رہی ہیں حالانکہ ہمارا فرض تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی ہونے کی حیثیت سے اس بارے میں ساری دنیا کی رہنمائی کرتے اور ظلم وعدوان کی تاریک وادیوں میں بھٹکنے والے انسانیت کے قافلے کو راہ دکھاتے۔ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس۔

پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کی ذمہ داری

اس سلسلہ میں ہمارا فرض کیا ہے؟

اس وقت بعض حلقوں کی طرف سے، پاکستانی حکومت اور پاکستانی دستور ساز اسمبلی کے ارکان سے "اسلامی نظام" کے قیام کا مطالبہ کچھ اس طرح کیا جا رہا ہے گویا کہ یہ کام صرف حکومت اور اسمبلی کے ارکان کی منظوری سے وابستہ ہے اور بس ان کے فیصلہ کر دینے ہی سے یہ کارِ عظیم پوری طرح انجام پا سکتا ہے اور حکومت، خلافت راشدہ کے طرز پر چل سکتی ہے۔

اگرچہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس بارہ میں سب سے بڑی قانونی ذمہ داری انہی دونوں اداروں کی ہے، اور جیسا کہ اشاعت گذشتہ کے انہی صفحات میں عرض کیا گیا تھا "پاکستان" کیلئے کوئی نظام و دستور مقرر کرنا بالکل ان کے اختیار میں ہے۔ —— لیکن اس حقیقت سے ہمیں چشم پوشی نہ کرنا چاہئے کہ کسی ملک میں اسلامی نظام حکومت جب ہی چل سکتا ہے کہ وہاں کی عام مسلم آبادی پوری پوری مسلمان ہو —— جس کا مطلب یہ ہے کہ اُس میں حقیقی اور شعوری ایمان عام ہو، دین کا ضروری علم و عمل عام ہو، اللہ کا خوف اور قیامت کے حساب کتاب کی فکر عام ہو، ان کے اعمال و اخلاق میں اسلامی رنگ غالب ہو اور ان کا چال چلن اور برتاؤ بڑی حد تک اسلامی تعلیمات کے مطابق ہو، غرض پرستی اور نفس پروری کے بجائے خدا پرستی اور دین کی پیروی ان کا اصول ہو اور دنیا کے مقابلہ میں آخرت کی اہمیت ان کی نظروں میں زیادہ ہو —— جب تک عام و خاص مسلمانوں میں وسیع پیمانے پر یہ دینی انقلاب نہ ہو، "اسلامی نظام" جس کا نام ہے نہ وہ قائم ہو سکتا ہے اور نہ چل سکتا ہے —— "اسلامی نظام حکومت کا قیام" اپنے شرائط اور اپنے طریقہ کے لحاظ سے بھی

دوسرے نظامہائے حکومت سے اتنا ہی مختلف ہے جتنا کہ وہ اپنی حقیقت اور اپنی رُوح کے لحاظ سے اُن سے مختلف ہے۔

اللہ کے جن بندوں کو ان امور کی معرفت وبصیرت کچھ حاصل ہے اور ان چیزوں پر غور وفکر کی صلاحیت جنھیں بخشی گئی ہے اُنھیں ایک لمحہ کیلئے بھی اس میں شک نہیں ہو سکتا کہ اگر بالفرض پاکستانی حکومت کے اہل حل وعقد، اسلامی نظام قائم کرنے کا اس وقت فیصلہ بھی کر لیں مگر وہ خود ویسے ہی رہیں جیسے کہ وہ آج ہیں اور وہاں کے عام مسلمان بھی اسلامی زندگی سے اسی طرح عاری رہیں، جیسے کہ وہ مدت سے ہیں تو اسلامی نظام حکومت اوّل تو قائم نہیں ہو سکتا اور اگر کسی طرح قائم کر ہی لیا جائے تو چند روز بھی اطمینان واستقلال سے چل نہیں سکتا —— اسلامی نظام کے قیام کی پہلی شرط صالح قوم اور صالح ماحول کا وجود ہے، اس کے بغیر اس کے قیام کا تخیل اور اس کی امید اتنی ہی غلط ہے جتنی کہ دوزخ کی گرم اور زہر بھری زمین میں جنت کے درختوں کے اُگنے اور پھولنے پھلنے کی توقع غلط ہے۔

پس جو حضرات اس وقت اس مسئلہ سے (یعنی پاکستان میں نظام اسلامی کے قیام سے) اپنی دلچسپی کا اظہار کر رہے ہیں، اگر یہ ان کی سچی آرزو اور مخلصانہ خواہش ہے تو انھیں پہلی فرصت میں اس غلط فہمی سے نکل آنا چاہیئے کہ یہ کام صرف بڑے بڑے لیڈروں ہی سے تعلق رکھتا ہے، اوّل تو ان لوگوں سے اس بارہ میں ابھی توقعات کی گنجائش نہیں، علاوہ ازیں عرض کیا جا چکا ہے کہ اگر بالفرض وہ اِس کیلئے آمادہ بھی ہو جائیں تو بھی مسلمانوں میں عمومی دینی اصلاح وانقلاب کے بغیر یہ بیل منڈھے نہیں چڑھ سکتی، اس مقصد میں کامیابی کیلئے مسلمان قوم کی دینی اصلاح وتربیت کا کام اور اس کے واسطے وسیع پیمانہ پر جدوجہد بہرحال ضروری ہے، بلکہ شرط اوّل ہے —— اور یہ وہ راستہ ہے کہ حکومت پاکستان کے موجودہ ارباب اقتدار اور اہل وعقد اگر بالفرض نہ بھی چاہیں بلکہ اگر بالفرض اس کی راہ میں مزاحم بھی ہوں تو بھی اس راستہ سے اسلامی نظام قائم ہو سکتا ہے، اور انبیاء علیہم السّلام اور ان کے متبعین کا عمومی طریقہ کار یہی ہے اور اس راستہ میں کام کرنے والوں کیلئے اللہ کی طرف سے غیبی نصرت کا حتمی وعدہ ہے ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین ۵ انھم لھم المنصورون ۵ وان جندنا لھم الغالبون ۵۔

پس بجائے اس کے کہ اس مقصد کیلئے ہم بڑے لیڈروں ہی سے اپیلیں کرتے رہیں اور ان کی مجرمانہ غفلت اور بے راہ روی کا رونا رو کر دل کا بخار نکالتے رہیں، ہمیں چاہئے کہ اللہ کا نام اور دین کا پیغام لے کر

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا ــــ اے مسلمانوں سچے ایمان والے بن جاؤ

کی قرآنی صدا لگاتے ہوئے اپنی قوم میں گھس پڑیں اور ان کی دینی اصلاح و تربیت کی کوشش اور دین کا ضروری علم و عمل اور دینی جذبات کو ان میں عام کرنے کی جدوجہد نہایت وسیع پیمانہ پر شروع کر دیں۔

جن دلوں میں دین کا حقیقی درد اور جن حلقوں میں دین کا علم و عمل اور اس کی عظمت و محبت ابھی باقی ہے اگر للہیت و اخلاص کے ساتھ وہ اس میدان میں اُتر پڑیں اور اُس محنت و جانبازی سے یہ کام کریں جو اس کا حق ہے تو میں اپنے کامل یقین کی بنا پر قسم کھا کے کہہ سکتا ہوں کہ جتنی مدت کی جدوجہد میں ملک انگریزی اقتدار سے نجات پا سکا ہے انشاء اللہ اُس سے چوتھائی مدت سے بھی کم میں پاکستان میں خود رائے عامہ کے تقاضے سے نہایت امن و امان کے ساتھ اسلامی نظام قائم ہو سکتا ہے بلکہ قائم ہو جائے گا ـــــ ذرا محنت کر کے زمین کو "اقامت دین" کیلئے تیار اور ہموار تو کر لیجئے، پھر دیکھئے کہ دین کا "شجرۂ طیبہ" اس میں کس طرح اُگتا اور نشوونما پاتا ہے اور آج جس کو ناممکن سمجھا جا رہا ہے وہ کس سہولت سے قائم ہوتا ہے۔

نظام اسلامی کے قیام کے سلسلہ کا یہ وہ پہلا اور بنیادی کام ہے جس کا تعلق ہم سب سے ہے اور اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق ہم میں سے ہر ایک اس میں حصہ لے سکتا ہے۔

اس سلسلہ میں جو خاص ذمہ داری حکومت پاکستان کے اہل حل و عقد اور دستور ساز اسمبلی کے ارکان کی ہے (جس کی طرف گذشتہ اشاعت کے انہی صفحات میں خصوصیت کیساتھ توجہ دلائی گئی تھی) وہ اس کو ادا کرنے کے ذمہ دار ہیں اور اللہ تعالیٰ کے یہاں یقیناً انھیں اس کی جوابدہی کرنی ہوگی لیکن اس سلسلہ میں مسلمانان پاکستان کی عام دینی اصلاح و تربیت کا جو بنیادی کام ہمارے آپ کے بھی کرنے کا ہے اور جس کی ہمیں قدرت حاصل ہے، اس کی ذمہ داری ہم پر بھی ہے اور یقیناً اس کی بازپرس ہم سے ہوگی، اور اللہ کی رضا اور فلاح انہی کو حاصل ہوگی جو اپنی ذمہ داریوں اور اپنے فرائض کو ادا کرتے ہوئے

اللہ کے حضور میں پہنچیں گے لیس للانسان الا ما سعی ۰ و ان سعیہ سوف یریٰ ۰ ثم یجزاہ الجزاء الاوفیٰ ۰۔

شیطان کا ایک بڑا کید و فریب یہ ہے کہ دین کی جو خدمت ہم خود کر سکتے ہیں اور جس کے ہم ذاتی طور پر بھی مکلف ہوتے ہیں، اس کی طرف سے وہ ہمیں غافل کر دیتا ہے اور ہمارے ذہن کو ان کاموں کی طرف پھیر دیتا ہے جو ہمارا ذاتی فریضہ نہیں ہوتے اور جن کی خاص ذمہ داری دوسروں پر ہوتی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اپنے کرنے کے کاموں سے ہم غافل رہتے ہیں اور ہمارا سارا وقت دوسروں کی مذمت و ملامت میں گذرتا ہے کہ وہ اپنے فرائض کیوں نہیں ادا کرتے —— پھر اسی کے ساتھ یہ زعم پیدا ہو جاتا ہے کہ ہمارے دل میں تو دین کا بڑا درد اور خدمت دین کی بڑی تڑپ ہے اور فلاں طبقہ اپنے فرائض سے روگردانی کر کے دین و ملت پر بڑا ظلم کر رہا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ مسلمانوں کے اکثر طبقات اس وقت اس فریب میں مبتلا ہیں، حالانکہ ہم میں سے ہر ایک کے لئے زیادہ فکر کے قابل اس کا اپنا معاملہ ہے، ہر ایک سے سوال اپنے ہی فرائض اور اپنی ہی ذمہ داریوں کے متعلق ہو گا، پوچھا یہی جائے گا کہ جو کام تمہارے کرنے کا تھا اور جس کی تمہیں قدرت دی گئی تھی وہ تم نے کہاں تک انجام دیا؟ —— پس اگر اپنی کارگزاری پوری ہے تو دوسروں کی کوتاہ کاری ہمیں کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکے گی۔ علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم ۰

مسلمانوں کے بہت سے دینی و دنیوی کاموں کی خرابی کی بڑی وجہ ان کی یہی بیماری ہے، اگر کسی طرح اس کا علاج ہو جائے اور ہر طبقہ دوسروں کی ذمہ داریوں کے بجائے اپنی ذمہ داریوں کی زیادہ فکر کرنے لگے اور دوسروں کی جرائم شماری کے بجائے اپنا اپنا جائزہ لیا جانے لگے تو امت کی حالت چند دنوں میں سدھر سکتی ہے —— دوسروں کی جرائم شماری سے صرف اپنا ناکارہ نفس لذت لیتا ہے اور اپنی بے عملی کے باوجود زعم میں مبتلا ہو جاتا ہے، اور اپنے عمل کا جائزہ، آدمی کو سعی و عمل پر آمادہ کرتا ہے اور اس کو زعم باطل میں مبتلا ہونے سے روکتا ہے۔

اس وقت، خاص اس مسئلہ میں (یعنی نظام اسلامی کے قیام کے بارہ میں) جو طبقے دلچسپی کا اظہار کر رہے ہیں، دیکھا جا رہا ہے کہ ان میں بیشتر کا حال یہی ہے کہ جو کام اس سلسلہ میں خود انکے کرنے کا ہے اس سے تو وہ بالکل غافل ہیں اور صرف دوسروں کو ان کی ذمہ داریاں اور ان کے فرائض یاد دلانے پر

وہ اکتفا کر رہے ہیں، بلکہ بعض کے رویہ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اصل دلچسپی درحقیقت نظام اسلامی سے نہیں ہے، بلکہ اس سلسلہ سے ان کا مقصد و مطمح نظر صرف دوسروں کو مجرم کر کے دکھانا ہے۔

بیشک اِس سلسلہ میں جو خاص کام جس طبقہ کے کرنے کا ہے اُس کو اس کی طرف توجہ دلانا اور اس کی ذمہ داریوں کو محسوس کرانا اگر اخلاص کے ساتھ اور صحیح طریقہ پر ہو تو وہ بھی کام ہے اور ضروری ہے، لیکن جتنا کچھ ہم بطور خود کر سکتے ہیں اس کو نہ کرنا اور صرف دوسروں ہی کو ان کی ذمہ داریاں یاد دلاتے رہنا، اور بس ان کو مجرم ثابت کرتے رہنا، درحقیقت دین کی کوئی خدمت نہیں ہے۔

پس اگر آپ فی الحقیقت نظام اسلامی کے سچے خواہشمند ہیں تو طے کر لیجئے کہ ہمیں بھی اس سلسلہ میں وہ سب کچھ کرنا ہے جو ہم کر سکتے ہیں —— اور عرض کیا جا چکا ہے کہ اس سلسلہ میں سب سے پہلا اور بنیادی کام مسلمانوں میں وسیع پیمانہ پر دینی انقلاب برپا کرنا ہے یعنی نام کے مسلمانوں کو کام کا مسلمان اور قومی و نسلی مسلمانوں کو حقیقی مسلمان بنانا ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ پاکستان کی قریباً پانچ کروڑ مسلم آبادی میں کام کرنے کیلئے مختلف صلاحیتوں کے اگر صرف پانچ سو مسلمان دل و جان سے تیار ہو جائیں اور اسی کام کو اپنا اصل مقصد زندگی بنالیں تو انشاء اللہ پانچ سال کے اندر اندر بالکل پرامن طریقہ پر پورا دینی انقلاب برپا ہو سکتا ہے۔ ولو کرہ الکفرون ہ

یہ کام کرنے والے کس طریقہ پر کام کریں اور ان کا پروگرام کیا ہو؟ اس کے متعلق کچھ اصولی باتیں تو "الفرقان" کی مختلف اشاعتوں میں پہلے بھی لکھی جاتی رہی ہیں مگر اصل بات یہی ہو کہ اسکے واسطے ایک خاص منتخب جماعت کو پہلے اس کی تربیت حاصل کرنی ناگزیر ہو گی۔ ہمارے سامنے جو طریقہ کار ہے (اور جس پر ہم کو یقین اور وثوق ہے اور جس کا ہم تجربہ کر چکے ہیں) ہم اس سے قاصر ہیں کہ صرف قلم سے یا زبان سے اس کو پوری طرح پیش کر سکیں۔

پہلے بھی کئی بار عرض کیا جا چکا ہے اور آج پھر عرض کیا جاتا ہے کہ اس سلسلہ کے ہمارے مضامین و مقالات سے یہ غلط فہمی نہ ہونا چاہئے کہ "مسلمانوں میں دینی اصلاح و تربیت" کے کام کی اہمیت ہمارے نزدیک صرف "اسلامی نظام" کے وسیلہ اور شرط ہی کی حیثیت سے ہے۔ ہم نے بار بار انھیں صفحات میں تصریح کی ہے کہ یہ کام بذات خود دین کا اصلی اور بنیادی کام ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام ہدایت خلق ہی کیلئے مبعوث ہوئے تھے۔

پاکستان کی دینی حالت

اور

اصلاحی و تبلیغی جدوجہد کی ضرورت

ہمارے دوست ابوالاسرار رمزی اٹاوی کے نام سے اکثر ناظرین واقف ہوں گے، پچھلے سالوں میں ان کی اصلاحی نظمیں "الفرقان" میں شائع ہوتی رہی ہیں ——— اپنے ایک تازہ گرامی نامہ میں انھوں نے پاکستان جانے والے اپنے بعض دوستوں کے خطوط کے اقتباسات نقل کئے ہیں، جن میں ان حضرات نے پاکستان کے مسلمان نوجوانوں میں بھی الحاد ولادینی کے رجحانات اور دین کے ساتھ تمسخر واستہزا کی عادات دیکھ کر اپنی حیرت وفکرمندی کا اظہار کیا ہے ——— پھر ہمارے رمزی صاحب نے بھی اپنے بڑے گہرے تاثرات ظاہر کئے ہیں ——— ہم نہیں سمجھ سکے کہ ان حضرات کے اس تاثر وتفکر کا اصل منشا کیا ہے اور جو کچھ انھوں نے دیکھا ہے اس پر انھیں حیرت واستعجاب کیوں ہے ——— ظاہر ہے کہ کسی علاقہ کے سیاسی طور پر الگ اور مستقل ہو جانے اور اس کا نام پاکستان پڑ جانے سے آپ سے وہ ایسا پاک اور مقدس تو نہیں بن جاتا کہ اس کے رہنے بسنے والے اور اس میں پہنچنے والے خود بخود صالح اور پاک بننے لگیں۔ کراچی اور لاہور کی جو فضا اور جو آب وہوا پہلے تھی وہی اب بھی ہے اور جب تک اس کو بدل ڈالنے والی کوئی کوشش نہ ہو ظاہر ہے کہ خود بخود نہیں بدل سکتی۔

بہرحال ایک مخلص نے چونکہ ان اقتباسات کو بڑی اہمیت سے بھیجا ہے اور "الفرقان" میں اشاعت کیلئے بھیجا ہے اس لئے ہم انھیں ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

(۱)

...... ! السلام علیکم !

"نو تعلیم یافتہ طبقہ بہت تیزی کے ساتھ الحاد و دہریت کی طرف جا رہا ہے بالخصوص یہاں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراط مستقیم پر قائم رکھے۔"

(۲)

"...... بظاہر کوئی خیر کی امید مطلق نہیں ...... انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ، بالخصوص نوجوان بڑی تیزی کے ساتھ دہریت و الحاد کی طرف دوڑ رہا ہے، علانیہ کفریات بکنا، اسلاف کو بھی طعن و تشنیع سے ہمہ وقت یاد کرنا اور قرآن فہمی کا علماءِ محققین سے زیادہ مدعی ہونا ...... لہو و لعب میں جو حرام ہیں مشغول رہنا ..... الغرض یہ حالات ہیں، مایوسی ہی مایوسی ہر سمت نظر پڑتی ہے ...."

(۳)

برادرم! السّلام علیکم ....!

ہندوستان و پاکستان کے متعلق کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا مشورہ دوں، اِدھر دیکھو تو کنواں، اُدھر دیکھو تو کھائی، ہندوستان تو خیر کفرستان ہے جو کچھ بھی مسلمانوں کیساتھ ہو تھوڑا ہے، مگر یہاں بھی سندھی غیر سندھی، پنجابی غیر پنجابی کا سوال زبردست ہے، احکام اسلامی کا مذاق اُڑایا جاتا ہے۔ ۷۰۰، ۸۰۰ کی اسپیشل میں سے مشکل سے ۱۵، ۲۰ نمازی، اور شائد ۴، ۵ سے زیادہ روزہ دار نہیں[۱]، حتیٰ کہ ایک صاحب کو دیکھا کہ ..... بلا تکلف پھل کھا رہے ہیں اور ایک آدھ نے ٹوکا بھی کہ ... روزہ نہیں؟ تو اس کو بھی (پھل) پیش کرنے لگے ——— ایک صاحب نے فرمایا کہ روزہ غریبوں کیلئے ہے کہ اللہ میاں نے کہا کہ غریبوں کو یوں بھی کھانے کو نہیں، چلو روزہ فرض کر دو کہ ثواب مل جائے گا اور ایک پنتھ دو کاج کا مضمون ہو جائے گا۔ غرض کیا دفتر کیا باہر، اس قسم کی باتیں مسلمانوں سے سُنکر بہت رنج اور بڑی کوفت ہوتی ہے ..."

یہ اقتباسات جن خطوط کے ہیں ان کے لکھنے والے ایک مولوی صاحب اور ایک ڈاکخانہ کے انسپکٹر صاحب ہیں جو پاکستان گئے ہیں۔

جیسا کہ عرض کیا گیا ہمارے لئے ان میں کوئی نیا انکشاف نہیں۔ ابھی چند روز ہوئے ایک بڑے

[۱] اس خط کے لکھنے والے صاحب ماہ رمضان میں جانیوالی ایک اسپشل ٹرین سے کراچی گئے ہیں، یہ اسی اسپشل کا ذکر ہے۔

صاحبِ فہم اور صاحبِ رائے دوست نے (جو کراچی کے بڑے تاجروں میں ہیں، اور اللہ نے انہیں دین کے درد کی دولت اور خدمتِ دین کی سعادت بھی دے رکھی ہے) بالکل صحیح کہا تھا کہ اگر پاکستان میں اس وقت "اصلاح و تبلیغ کا کام" پوری قوت سے نہ کیا گیا تو وہاں کے مسلمانوں میں مغربی الحاد و بد دینی اور فواحش و منکرات کے پہلے سے بھی زیادہ پھیل جانے کا خطرہ ہے۔ غفلت و گمراہی کی حالت میں کسی قوم کو اگر سیاسی اقتدار اور معاشی اطمینان حاصل ہو جاتا ہے تو تاریخ کا عام تجربہ یہی ہے کہ اس کی غفلت اور گمراہی اور زیادہ بڑھ جاتی ہے الا یہ کہ اللہ کا کوئی بندہ یا کچھ بندے قوم کا رخ ضلال و فساد کی طرف سے صلاح و تقوے کی طرف پھیر دینے میں کامیاب ہو جائیں۔

اہلِ دین کے لئے مایوسی کی کوئی وجہ نہیں ہے، وقت ہے کہ عزم و ہمت کیساتھ میدان میں اُتر جائے اور اللہ کے نام پر اپنے سفینوں کو اس طوفان ہی میں ڈال دیا جائے۔

مسلمان قوم کی غالب اکثریت میں ہزار خرابیوں کے باوجود اللہ و رسولؐ کے ساتھ ایک دبا چھپا تعلق اب بھی باقی ہے جس کو بیدار کر کے قوم کی اصلاح و تربیت کی جا سکتی ہے اور اس میں دینی زندگی اور دینی جذبات کو عام کیا جا سکتا ہے، دنیا کا کوئی کام بھی سعی و جہد کے بغیر نہیں ہو سکتا، اور کسی قوم کی زندگی کے رُخ کا پلٹنا اور نفس پرستی اور خواہشات کی بندگی کی راہ سے ہٹا کر اللہ کی عبدیت کے راستہ پر اس کو لگانا تو بے انتہا جد و جہد اور ان تھک کوشش کو چاہتا ہے، اور معلوم ہے کہ مایوسی کے بعد آدمی کسی کوشش کے قابل نہیں رہتا، پس مایوسی بھی درحقیقت ایک شیطانی فریب ہے۔ اِنَّهُ لَا يَيْأَسُ مِن رَّوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ۔

پس اس وقت ہمارا سب سے اہم فریضہ یہ ہے کہ دین کے بارہ میں مایوسی کو دلوں سے قطعاً نکال ڈالیں اور اللہ تعالیٰ کی لامحدود قدرتوں اور نصرت کے وعدوں پر کامل یقین رکھتے ہوئے مسلمانوں میں دینی اصلاح و تربیت کا کام پورے عزم اور حوصلہ سے شروع کر دیں۔ اگر اللہ کی مدد سے یہ میدان ہم نے سر کر لیا اور مسلمانوں میں سے "قومیت" کا موجودہ جاہلی تصور نکال کے "اسلامیت" کا صحیح شعور پیدا کرنے میں ہم کامیاب ہو گئے تو انشاء اللہ مسلمانوں کی زندگی میں وہ پوری تبدیلی ہو جائیگی جو ہم چاہتے ہیں اور اسلام کے وہ احکام اور شعائر آپ سے آپ زندہ ہو جائینگے جن کو مردہ دیکھ کے ہماری آنکھیں اسوقت خون کے آنسو رو رہی ہیں، ہمت اور جد و جہد شرط ہے پھر ۔۔ آگے آگے دیکھنا ہوتا ہی کیا کچھ ہے وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ

محمد منظور نعمانی

"ہندوستان" کے مسلمانوں کے متعلق

چند مشورے اور تجویزیں

(از حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی مدظلہ، صدر شعبۂ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی دکن)

(۱)

کسی نئی تجویز یا مشورے کے پیش کرنے کا یہ مطلب سمجھ لینا کہ پیش کرنے والا ان مجاہدات اور کوششوں کا منکر ہے، جن میں لوگ اس وقت مشغول ہیں، قطعاً غلط ہوگا، جو کچھ ہو رہا ہے، کرنے والے جو کچھ کر رہے ہیں، ان کو باقی رکھتے ہوئے اور ان کے افادے کا اعتراف کرتے ہوئے، فقیر ان تجویزوں کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

(۲)

یہ خیال کہ دوسروں کے سامنے پیش کرنے سے پہلے تجویز پیش کرنے والا خود ہی ان پر عمل پیرا کیوں نہیں ہوتا میرے نزدیک یہ بھی صحیح نہیں۔ ضروری نہیں کہ جن کے دماغوں میں خیالات پیدا ہوتے ہوں، وہ ان خیالات پر عمل کرنے کی قوت بھی رکھتے ہوں، کم از کم ان تجویزوں کے پیش کرنے والے کی حالت یہی ہے، سمجھ لیجئے کہ اس کو مالی خولیا کا عارضہ ہے، اسی بیماری کی وجہ سے زندگی بھر خواب پریشاں دیکھتا رہا۔ لیکن اس کا کوئی خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا جس کی بڑی وجہ عملی قوت کا فقدان، اور اس سے محرومی ہے، گویا وہ مجذوبوں کی ایک بڑ لگا رہا ہے۔ بعض لوگ مجذوبوں کی بڑ سے بھی مطلب کی بات نکال لیتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ عزم و ارادہ کی دولت سے قدرت نے جن لوگوں کو سرفراز فرمایا ہے۔ ان میں سے کسی کی نظر ان تجویزوں پر پڑ جائے اور عمل کے ساتھ وہ موفق ہوں۔

اگر سرزمین ہند میں مسلمانوں کی تعداد ہزار دو ہزار ہی کی حد تک محدود ہوتی، جب بھی اس امید کیلئے گنجائش تھی کہ ان تجویزوں پر عمل کرنے کیلئے بھی کچھ لوگ نکل آئیں، کیونکہ واقعی عملی کام اس وقت جو انجام دے رہے ہیں ان کی تعداد اس وقت بھی چند سو سے زیادہ نہیں۔ سو خدا کا فضل ہو کر ملک کی تقسیم کے بعد بھی "ہندوستان" میں مسلمانوں کی تعداد کروروں تک پہونچی ہوئی ہے، لہذا ایسی ہزاہا تجویزوں پر عمل کرنے کیلئے لوگ مل سکتے ہیں اور خاکسار تو اس وقت دو ہی چیزوں کے پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہے۔

(۳)

ملک تقسیم ہوتا یا نہ ہوتا، لیکن جمہوری حکومت کسی نہ کسی شکل میں بھی۔ برطانوی حکومت اس ملک میں قائم کر کے رہتی، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ اختیارات خواہ جس حد تک بھی ہوتے، اکثریت کے ہاتھ میں چلے جاتے، اور اختیارات کے ملنے کے بعد فطری قاعدہ ہے کہ ان ہی امور کی طرف صاحبانِ اختیار متوجہ ہو جاتے ہیں، جن میں ان کا فائدہ ہو۔ ان سے اس کی توقع کہ مسلوب الاختیار اقلیتوں کی ضرورتوں کی طرف توجہ کرینگے، میرے نزدیک غیر فطری توقع ہے، زیادہ سے زیادہ انصاف پر آمادہ ہونے کے بعد اختیار رکھنے والی اکثریت یہی کر سکتی ہے کہ "اقلیت" کی تجویزوں میں رکاوٹ نہ پیدا کرے اور جو کچھ اقلیت والے کرنا چاہتے ہوں، اُنکے حقوق کا لحاظ کر کے اُنکی امداد کرے۔

(۴)

ایسی صورت میں اختیار رکھنے والی اکثریت اگر اپنی تہذیب اپنے تمدن، اپنے علوم وفنون، اپنی ثقافت کے احیاء کی طرف متوجہ ہو، اور جن چیزوں سے اس نصب العین میں مدد ملتی ہو، اگر ان کو اختیار کرے تو شاید مسلوب الاقتدار اقلیت کو شکایت نہ کرنی چاہئے یہ اقلیت والوں کا کام ہے کہ اپنی ضرورتوں کا وہ خود اندازہ کریں، اور جہاں تک اُنکے امکان میں ہو اُنکو روبعمل لانے کی کوشش کریں۔

(۵)

اُردو زبان کیسے بنی، اور اس کے بنانے میں کن کن لوگوں کا ہاتھ ہے؟ اس تاریخی افسانے کو چھوڑیے، واقعہ اب یہی ہے کہ "اکثریت" کا رُخ بدل گیا ہے، وہ اُردو کے حروف کو سرکاری دفاتر سے خارج کرنے کا قطعی فیصلہ کر چکی ہے، اُردو کے مٹانے کی کوشش ان کی طرف سے اگر نہ بھی ہو تو

اس کے مٹ جانے کی وہ قطعاً پروانہ کریں گے۔

اسی کے ساتھ اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اُردو زبان میں الفاظ کا جو سرمایہ اس وقت تک موجود اور زیر استعمال ہے، نیز حروف کتابت کی شکل، دونوں سے مسلمانوں کا یہ فائدہ ضرور تھا کہ اپنی دینی زبان، اور آسمانی کتاب قرآن جس زبان میں ہے، اس کے سیکھنے میں آسانی ہوتی تھی، لیکن باوجود اس کے نوے فی صدی مسلمانوں کو کبھی اس کی توفیق نہ ہوئی کہ اس سہولت سے جتنا فائدہ اُٹھا سکتے تھے اُٹھائیں۔

(۶)

حالانکہ علاوہ اُردو زبان کے دینی ضرورتوں، اور دینی معلومات سے قریب رہنے کیلئے مسلمانوں کو اپنے تعلیمی نصاب میں اتنی چیزیں پڑھنی پڑتی تھیں۔

(الف) ناظرہ قرآن، یعنی دیکھ کر قرآن کے الفاظ پڑھنے کی صلاحیت پیدا کرنے کیلئے تقریباً برس دو برس بچوں کو اسی مشغلہ میں مصروف رکھا جاتا تھا۔

(ب) چونکہ ہندوستان میں بزرگوں نے زیادہ تر اپنے خیالات فارسی زبان میں قلم بند کئے ہیں، اسلئے قدرے فارسی کا سیکھنا بھی ہر مسلمان بچے کیلئے ناگزیر تھا۔

(ج) مردوں اور عورتوں دونوں کو نماز روزہ وغیرہ کے مسائل کیلئے دینیات کے نام سے متعدد کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔

ان تینوں چیزوں کیلئے کافی وقت بچوں کی تعلیمی مدت سے لیا جاتا تھا۔ اس پر بھی حال یہی رہتا تھا اور اب تک وہی حال باقی ہے کہ نوے فی صدی مسلمان اپنی نمازوں میں جو کچھ پڑھتے ہیں، اس کے معانی اور مطالب سے قطعاً ناواقف ہوتے ہیں، گویا جیسے سانپ بچھو کے زہر کے ازالہ کیلئے بعض ایسے منتروں کا پڑھنا مفید ثابت ہوا ہے، جن کے معانی سے پڑھنے والوں کو خبر نہیں ہوتی، سمجھا جاتا ہے کہ اسی طرح اسقاط فرض کیلئے الفاظ قرآنی کا نماز میں نطق اور تلفظ کافی ہے، خواہ مطلب سمجھا جائے یا نہ سمجھا جائے ——— یہی حال قرآن خوانی میں مسلمانان ہند اختیار کئے رہے، دس دس بیس بیس ختم ایک مہینہ میں کرنے والے حضرات پائے جاتے ہیں، لیکن وہ نہیں جانتے کہ اس کتاب میں کیا فرمایا گیا ہے، جس خطاب کے وہی مخاطب ہیں، انکے الفاظ کو سنتے بھی ہیں اور پڑھتے بھی ہیں، لیکن ان میں اس کا ولولہ پیدا نہیں ہوتا کہ ان سے کیا کہا جا رہا ہے، اسکے جاننے کی کوشش کریں۔

(۷)

دفاتر کی زبان جیسے اب تک عموماً انگریزی تھی، اسی لئے انگریزی سیکھنے پر ہم مجبور تھے۔ اسی طرح بجائے انگریزی کے اب ان ہی دفاتر کی زبان ہندی یا ناگری ہو جائیگی، تو گو اتنی بات صحیح ہے کہ بہ نسبت انگریزی کے ہندی اور ناگری کے سیکھنے میں زیادہ دشواری نہ ہوگی، لیکن تعلیمی سلسلہ میں مسلمانوں کو ہندی زبان اور ناگری حروف کیلئے بہرحال وقت دینا ہی پڑے گا۔

(۸)

میرے نزدیک سب کا واحد علاج یہ ہے اور یہی میری پہلی تجویز ہے کہ ہر تعلیم پانے والے مسلمان بچے کیلئے اسلامی اور قرآنی عربی کے لزوم کا مطالبہ کیا جائے، اگر اس میں کامیابی ہوگئی تو اُردو بھی بچ جائیگی، اُردو کے حروف بھی زندہ رہیں گے، فارسی سے بھی مسلمانوں کا تعلق باقی رہے گا، دینیات کے نام سے الگ مضمون، اور اس مضمون کی کتابوں کے پڑھنے کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔

مذکورہ بالا نوعیت کی عربی ان ساری چیزوں کی قائم مقام بھی بن جائیگی اور ماسوا اسکے نماز بھی اور قرآن بھی اس کے بعد پڑھنے والے سمجھ کر پڑھیں گے، بلکہ قرآن کے سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے سمجھ لینے کا، اور عام اسلامی تاریخ اور فقہ وغیرہ کی کتابوں کے سمجھنے کا معمولی کوشش سے سلیقہ انمیں پیدا ہو جائیگا پھر چونکہ ناگری اور ہندی کے سیکھنے پر مسلمان مجبور ہوں گے، اس لئے یہ توقع بے جا نہیں ہو کہ مسلمانوں نے سو سوا سو سال میں جیسے اُردو جیسی مفلس زبان کو اسلامی معلومات کی کتابوں سے بھر دیا ہے، اس سے کہیں زیادہ ہندی زبان میں اسلامی ادبیات چند ہی دنوں میں انشاء اللہ منتقل ہو جائیں گے۔ نہ صرف ہندی ہی میں بلکہ ہر صوبہ کی مقامی زبانوں مثلاً گجراتی، بنگالی، تلنگی، مرہٹی، وغیرہ میں بھی وہاں کے مسلمان عربی زبان سے اخذ کر کے ان چیزوں کو منتقل کر سکیں گے اور یہ سارے مراحل محض ایک عربی زبان کے لزوم" سے طے ہو سکتے ہیں۔

(۹)

میں نے بجائے مطلق عربی کے "اسلامی اور قرآنی عربی" کے قیود کا اضافہ عربی کے ساتھ جو کیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس عربی کو اُس طریقہ سے نہیں سکھانا چاہتے ہیں، جیسے آج کل عربی سکھائی جاتی ہو بلکہ عربی حروف کو پہلے اُردو کے حروف سے بچوں کو سکھایا جائے، کہ ان کا سیکھنا نسبتاً ان کیلئے آسان ہوگا،

اور اُردو سے تھوڑی بہت مناسبت پیدا کرنے کے بعد کم از کم فارسی زبان کے مصادر و مصادر کے مشتقات کی ایک کتاب مثلاً آمدنامہ پڑھا دی جائے، اور اسی کے بعد عربی زبان کے چند ضروری قواعد صرفی ونحوی کے ساتھ ساتھ قرآن کی چھوٹی سورتوں کی تعلیم شروع کر دی جائے۔ چونکہ اعراب یعنی زبر و زیر وغیرہ قرآن میں لگے ہوئے ہیں، اس لئے ان کے پڑھانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی، اسطرح میٹرک تک قرآن ہی کے پارے اصلی عربی زبان میں ترجمہ کے ساتھ پڑھائے جائیں، اور آگے انٹر و بی، اے میں بھی اس عربی کے سلسلہ میں حدیث کی کوئی مناسب کتاب، اور اسلامی نظام زندگی کی کوئی ایسی کتاب جو سادہ قرآنی عربی میں لکھی گئی ہو، طلبہ پڑھتے رہیں۔ اسی کے ضمن میں مدرس اسلام کے دینی مہمات سے طلبہ کو واقف بناتا چلا جائے گا، اور نماز و روزہ کی تعلیم عملی طرز پر دی جائیگی۔

مسلمان کچھ نہیں صرف اسی ایک "تجویز" کے پاس کرا لینے میں اگر کامیاب ہو جائیں، تو ان کے لئے بےشمار اندیشوں کا صرف ازالہ ہی نہ ہو جائے گا بلکہ اس وقت تک بحیثیت رعیت ہونے کے غیر اسلامی حکومت کے تحت وہ جیسی زندگی گذار رہے تھے، اُمید ہے کہ اس حکومت میں جس میں خواہ اقلیت ہی کی حیثیت سے سہی لیکن بہرحال وہ قطعاً شریک ہیں۔ ان کی حالت زیادہ بہتر ہو جائے گی۔ مسلمانوں کو خواہ مخواہ گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ آخر انگریزی حکومت کے دور میں تو ان کی حیثیت یا لکلیہ "رعایا" کی تھی، اور اب جب ملک میں جمہوری حکومت قائم ہو چکی ہے، تو جس جمہور کا ایک حصہ مسلمان بھی ہیں، اس میں ان کی حیثیت قطعاً رعایا ہونے کی باقی نہیں رہی ہے، بلکہ اب باضابطہ اس حکومت کے مالک اور شریک ہیں۔ البتہ عددی قوت کی کمی نے ان کو شریک مغلوب بنا دیا ہے لیکن اس سے نہ ان کی وہ ملکیت متاثر ہوتی ہے، جو ہندوستان کے باشندے ہونے کی حیثیت سے ان کو حاصل ہے، اور نہ ان کی شرکت کا کوئی انکار کر سکتا ہے۔ البتہ جمہوری نظام میں چونکہ اقتدار و اختیار اکثریت والوں کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے، اس لئے اقتدار و اختیار سے وہ اس حصہ میں بہرحال محروم رہیں گے، جہاں ان کی تعداد کم ہے۔ لیکن جمہوریت نے جہاں اس مصیبت کو ان کیلئے پیدا کیا ہے وہیں یہ بھی تو سمجھنا چاہئے کہ بجائے رعیت کے اسی جمہوریت نے اب ملک کی حکومت میں ان کو شریک بنا دیا ہے۔ ان کا یہ حق قطعاً قائم ہو چکا ہے، اپنے اس پوزیشن کو چاہیئے کہ وہ ہمیشہ یاد رکھیں۔ اور ان ہی حالات میں اپنے دین، اور اپنی ثقافت کو زندہ اور تر و تازہ رکھنے کی جو

ممکنہ صورتیں ہوں، انھیں اختیار کریں۔ جن میں سب سے اہم مسئلہ میرے نزدیک اسی قرآنی و اسلامی عربی کے لزوم کا ہے، اور یہی میری پہلی تجویز ہے۔

(۲)

دوسری تجویز کو۔ بجائے تجویز کے واقعی مجذوبوں کی بڑ ہی کے رنگ میں پیش کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السّلام مصر میں قید خانہ جب بھیج دیئے گئے تو ان کی "احسانی زندگی" کو دیکھ کر قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ قید خانے کے رفقا متاثر ہوئے، اور سمجھنے لگے کہ اس کا کچھ نہ کچھ غیب سے ضرور تعلق ہے، خواب جوان قیدیوں نے دیکھا تھا اس کی تعبیر دریافت کرنے کے لئے حضرت کی طرف رجوع ہوئے۔ اسی لئے تعبیر پوچھتے ہوئے انھوں نے کہا تھا کہ

انا نراک من المحسنین	ہم پاتے ہیں آپ کو اُن لوگوں میں جن کی زندگی احسان کی زندگی ہے

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ بنی آدم کے قلوب فطرۃً "احسانی زندگی" کی طرف کھنچتے ہیں، اور ایسے معاملات جن کا غیب سے تعلق ہوتا ہے۔ ان میں امداد لینے کے لئے اس قسم کے حضرات کی طرف قدرتاً متوجہ ہوتے ہیں۔ مثلاً خواب کی تعبیر کے لئے، کسی آئندہ واقعہ کے ظہور کی نسبت، یا تعویذ، جھاڑ، پھونک وغیرہ، یہ ساری چیزیں اسی سلسلہ کی ہیں، عموماً اسی قسم کے ادنیٰ اغراض کیلئے "محسنون" کی خدمت میں آنے والے آتے ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے ان کو تعبیر کا منتظر بنا کر دیکھا کہ موقع اچھا ہے، اپنے مطلب کی بات ان تک پہونچا دی جائے۔ اسی لئے فرمایا کہ ذرا ٹھہرو، تعبیر تو میں تم لوگوں کے کھانے کے آنے سے پیشتر بتا دوں گا۔ لیکن میری ایک اور بات سنو! پھر حضرت نے ان کے سامنے توحید پر وہ مشہور تقریر کی جسے قرآن نے محفوظ کر دیا ہے، اور راستدلالی رنگ میں توحید پر اس سے مختصر خطبہ کم از کم میرے نزدیک موجودہ کتابوں میں شائد نہیں پایا جاتا۔

پھر ان کی تعبیری ضرورت پوری کر کے حضرت نے ایک دوسری تدبیر اختیار فرمائی، یعنی حکومت پر جس شخص کا اقتدار تھا، آپ کو خیال گذرا کہ اسی پر قابو حاصل کرنے کی کوئی صورت اگر نکل سکتی ہو، تو کیوں نہ اختیار کی جائے۔ آپ نے اس شخص سے جو بادشاہ کو شراب پلانے پر مقرر ہونے والا تھا،

پھر فرمائش کی کہ موقع ملے تو بادشاہ سے میرا ذکر کرنا۔ آخر موقع نکلا، اور حضرت کو بادشاہ نے طلب کیا، گفتگو ہوئی، بادشاہ نے حکومت کا اقتدار ان کے سپرد کر دیا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ

"المحسنین" کی احسانی زندگی سے بھی چاہا جائے تو سیاسی دشواریوں کو بغیر شورش اور ہنگامے کے حل کیا جا سکتا ہے

اس میں شک نہیں کہ آج کل احسانی زندگی رکھنے والے بزرگوں کی مسلمانوں میں بہت کمی ہوگئی ہے لیکن انشاء اللہ بالکل معدوم بھی یہ جماعت نہیں ہوئی ہے میرا خطاب ان ہی بزرگوں سے ہے، جنھیں احسانی زندگی سے کچھ حصہ ملا ہو۔ یا کم از کم "المحسنین" کے طبقہ میں داخل ہونے کی جن لوگوں میں صلاحیت ہو، ان سے عرض ہے کہ اپنی احسانی مناسبتوں کو زیادہ شگفتہ کرنے کا ان کے لئے وقت آگیا ہے۔ اُن کی احسانی زندگی بغیر تخصیص مذہب و ملت قلوب کو خود بخود اپنی طرف کھینچے گی، اس کے بعد وہ چاہیں تو اس قوم کی دشواریوں کو وہ حل کر سکتے ہیں، جو اپنے سامنے نجات کی ساری راہیں آج مسدود پا رہی ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ ؎

ہر کجا بوئے خدا می آید
خلق بیں بے سر و پا می آید

"الاحسان" کیا ہے، اور "المحسنون" کس طبقہ کی تعبیر ہے اسے عوام نہ جانتے ہوں، لیکن علماء تو واقف ہیں۔ کاش اپنے علم پر عمل کو منطبق کرنے کی توفیق میسر آجائے۔ حضرت مجدد الف ثانی نے اسی راہ سے اکبری فتنہ کا کامیاب مقابلہ کیا تھا تفصیل کیلئے میری کتاب "مجدد الف ثانی" کا انتظار کیجیے۔

(از جناب مولانا عبدالباری صاحب ندوی)

گزشتہ سے پیوستہ

علماء اور عوام کے فریضہ تبلیغ میں فرق

اور یہ تبلیغ یا امر بالمعروف ونہی عن المنکر صرف علماء ہی کا کام نہیں البتہ اس کی دو قسمیں ہیں :-

"ایک خطاب عام، دوسرے خطاب خاص - دوسری تقسیم یہ ہے کہ ایک خطاب منصوصات وقطعیات میں ہوتا ہے اور ایک اجتہادیات میں بس خطاب عام بصورت وعظ اور اسی طرح امور اجتہادیہ میں خطاب، یہ تو علماء ہی کا کام ہے مگر انفرادی طور پر ہر مسلمان دوسرے مسلمان کو نصیحت کر سکتا ہے، اسی طرح جو مسائل منصوص اور قطعی ہیں ان میں ہر شخص بآواز بلند کہہ سکتا ہے کہ مثلاً ایمان لانا فرض ہے، نماز، روزہ حج، زکوٰۃ فرض ہے"

لیکن عالم وعامی سب ہی کو اس معاملہ میں اپنے اپنے فرائض سے اتنی بے پرواہی ہے کہ اولاً تو ان کی طرف توجہ ہی نہیں اور کوئی توجہ دلائے تو طرح طرح کے عذر اور بہانے تلاش کرنے لگتے ہیں۔

"صاحب آپ کو چاہیئے تھا کہ پہلے امر بالمعروف شروع کر دیتے، پھر مثلاً کسی باوجاہت آدمی کو خلاف شرع وضع پر نصیحت کرنے یا کسی کافر کو تبلیغ اسلام کرنے میں گاڑی اٹکتی اس وقت مولوی صاحب سے پوچھتے کہ صاحب کیا کروں، یہ کیا کہ نہ حاکم کو امر بالمعروف نہ محکوم کو، نہ مسلم کو، نہ کافر کو، نہ بیوی کو، نہ اولاد کو، پہلے ہی سے عذر دریافت کرنے لگے، یہ ایسا ہی ہے جیسے روزہ شروع کرنے سے پہلے کوئی یہ تحقیق کرنے لگے کہ روزہ کن کن عذروں سے ساقط ہو جاتا ہے، پھر مثلاً اپنے گھر والوں کو امر بالمعروف کرنے سے کون سا

عذر رافع ہے، بیوی یا لڑکے نے نماز نہیں پڑھی تو ان کو نصیحت کرنے یا سزا دینے میں کیا خوف ہے، کیا وہ مار ڈالیں گے، یہ سب بہانے لغو ہیں۔

اصل بات وہی ہے کہ آپ اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے، بھلا اگر آپ کا کوئی دوست آپ کے سامنے زہر کھانے لگے تو کیا آپ اس کا ہاتھ پکڑ کر زور سے جھٹکا دے کر زہر کو اس کے ہاتھ سے نہ لے لیں گے، اگر تنہا قادر نہ ہوں گے تو دوسروں کو امداد کے واسطے بلائیں گے پھر کیا وجہ ہے کہ دین میں جو افعال مضر ہیں ان سے روکنے کے لئے اس اہتمام سے کام نہیں لیا جاتا، معلوم ہوا کہ آپ دین کے ضرر کو ضرر ہی نہیں سمجھتے اور یہ سخت مرض ہے، جس کا علاج بالضد ہے، مگر اس قدر غفلت ہے کہ خدا کی پناہ کسی کو اس علاج کی طرف توجہ نہیں۔ الا ماشاء اللہ"

البتہ یہ ضروری ہے کہ ابتدا میں جہاں تک ہو سکے نرمی و تالیف قلب سے کام ہو اور انتہا میں صفائی سے، مگر آج کل کی حالت یہ ہے کہ اگر مصالح کی رعایت ہے تو عمر بھر مصالح ہی مصالح چلے جائیں گے اور اگر صفائی اختیار کرتے ہیں تو شروع ہی سے لٹھ سا مار دیتے ہیں۔

بعض مواقع پر اہل اللہ کے ظاہری ترک امر بالمعروف کی وجہ

بلا شبہ بعض بڑے بڑے بزرگان دین اور اہل اللہ کے خاص خاص استثنائی صورتوں میں ایسے واقعات بھی ملتے ہیں جن سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے امر بالمعروف کو ترک فرمایا لیکن وہ دراصل ظاہر میں سا ترک اور باطن میں امر ہی ہوتا ہے جن میں ان کی خاص فراست و برکت کو دخل ہوتا ہے ایسی بعض مثالیں احقر کے علم میں خود حضرت کے ہاں بھی آئیں لیکن ان بزرگوں کا معاملہ الگ ہے

"ان کے حال کو اپنے حال پر قیاس مت کرو، تمہارے لئے وہی طریقہ لازم ہے کہ زبان سے نصیحت کرو اور اہل باطن کبھی قال سے نصیحت کرتے ہیں کبھی حال سے اور کبھی بال یعنی دل سے کیونکہ ان کی توجہ قلبی میں بڑا اثر ہے جو تمھاری زبان میں نہیں

گرچہ تفسیر زباں روشن گر ست
لیکن عشق بے زباں روشن تر است

مگر یہ دقائق ہر شخص نہیں سمجھ سکتا، اس لئے عوام کے لئے اصل طریقہ وہی ہے جو عام ہے کہ زبان سے نصیحت کرو۔"

"اہل اللہ کو اللہ کی طرح مخلوق کے ساتھ شفقت بہت ہوتی ہے وہ بالعموم ایسے طرز سے نصیحت کرتے ہیں کہ مخاطب کو نفع ہی ہوتا ہے، اگر اس میں کچھ ارادہ وطلب ہے ورنہ، اگر وہ خود نہ چاہے تو ایسے شخص کا علاج تو انبیاء علیہم السلام بھی نہیں کر سکتے"

لیکن ایسے اہل اللہ کتنے ہیں بھی

"آج کل تو عموماً ہر قسم کی تبلیغ اس لئے متروک ہے کہ مخاطب کو اس سے ناگواری ہوتی ہے اور خلائق کی ناگواری کو اپنے ذمہ کون لے یہ یاد رکھو محض ناگواری مخاطب کوئی عذر نہیں، حق تعالیٰ فرماتے ہیں افنضرب عنکم الذکر صفحاً ان کنتم قوماً مسرفین

"امر بالمعروف کے ترک کا عذر صرف یہ ہے کہ ضرر کا اندیشہ ہو اور ضرر بھی جسمانی محض کسی منفعت کے فوت ہونے کا ضرر نہیں، اب غور کیجئے کہ ایسے ضرر کے مواقع کتنے ہوتے ہیں۔ زیادہ تو محض مخاطب کی ناگواری کا خیال مانع ہوتا ہے تو اس کی ناگواری کی پرواہ کیوں کی جائے۔ آپ کا مذاق تو یہ ہونا چاہیے ؎

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد
خدائے یک تن بیگانہ کا شنا باشد

جو شخص خدا سے بیگانہ ہے اگر اس کو احکام الٰہی کی تبلیغ ناگوار ہے تو ہماری جوتی سے بس ہم کو خدا پر نظر رکھنا اور صرف اس کی رضا کا طالب ہونا چاہیئے، خواہ تمام دنیا ناراض ہو جائے۔"

ایک سبق آموز مثال

اس کی حضرت نے ہمارے روزمرہ کے مشاہدہ کی ایک عجیب سبق آموز مثال دی ہے کہ:۔

"میں آپ کو ایک عبرتناک کثیر الوقوع واقعہ سناتا ہوں، ایک چودہ سال کی لڑکی جس نے ماں باپ کی گود میں پرورش پائی، ان کے گھر کو اپنا گھر، ان کے دوست کو اپنا

دوست، اُن کے دشمن کو اپنا دشمن جاننا، اس کی حالت نکاح کے دو لفظوں سے یہ ہو جاتی ہے کہ جہاں اس کے منہ پر سے ہاتھ اترا، اب شوہر کا گھر اس کا گھر ہے، اُس کا دوست اس کا دوست، اُس کا دشمن اس کا دشمن، گو شوہر کا دوست باپ کا دشمن اور شوہر کا دشمن باپ کا دوست، ہی کیوں نہ ہو، بلکہ اگر کسی وقت باپ بھی شوہر کا دشمن ہو جائے تو عموماً عورتیں شوہر کا ساتھ دیتی ہیں۔

"افسوس اس لڑکی نے تو عقد کے ایجاب و قبول میں ایسی مردانگی دکھائی اور ہم باوجود مرد ہونے کے اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا عہد باندھنے کے خدا کے دوست کو اپنا دوست اور خدا کے دشمن کو اپنا دشمن نہیں سمجھتے، آپ کا تو یہ حال ہونا چاہیے کہ ؎

دل آرامے کہ داری دل در و بند — دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

بس تمام عالم سے کہہ دو کہ ہم نے ایک ذات سے علاقہ جوڑ لیا، جو اس سے ملے ہمارا دوست جو اس سے الگ ہے وہ ہم سے الگ۔

ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو دعوت دی، جب وہ راہ پر نہ آئے تو صاف فرما دیا سَلٰمٌ عَلَيْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ۝ کہ بس میرا سلام لو اب تم سے کچھ واسطہ نہیں اپنے خدا سے دعا کروں گا، صاحبو ابراہیم علیہ السلام کا طرز اختیار کرو، یہی اسلام کا مقتضیٰ ہے۔

جیسا کہ دوسری جگہ حکم ہے کہ "تمہارے لئے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کا اچھا نمونہ ہے۔ جب انھوں نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ ہم تم سے بیزار ہیں اور تمہارے ان معبودوں سے بھی جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، ہم تم سے الگ ہیں اور ہمارے تمہارے درمیان بغض و عداوت ہمیشہ کے لئے قائم ہو چکی، جب تک کہ تم اللہ وحدہ پر ایمان نہ لاؤ"۔

بس نہ ہم کو مخاطب کی کسی ناگواری کی پرواہ کرنی چاہیے اور نہ اس ناگواری کی وجہ سے تبلیغ میں کوتاہی کی جائے"

بعض دقیق باتیں اسی تواصی بالحق و تواصی بالصبر کی تفسیر کے سلسلہ میں یہ بیان فرمایا کہ:-

"یہ ناگواری مخاطب کو تبلیغ عقائد میں زیادہ ہوتی ہے اگر جب وہ ایک مرتبہ اپنے عقائد

سابقہ کی غلطی سمجھ کر عقائد حقہ کو قبول کر لیتا ہے، تو اس کے لئے بار بار تبلیغ کی ضرورت نہیں رہتی، بخلاف اعمال کے کہ ان کی تبلیغ ابتدا میں تو دشوار نہیں نہ مخاطب کو اس میں زیادہ ناگواری ہوتی ہے مگر اس میں بار بار تبلیغ کی حاجت ہوتی ہے، کیونکہ انسان اپنے اعمال فاسدہ کو ایک بار چھوڑ کر بھی لذت نفسانی کی وجہ سے پھر اختیار کر لیتا ہے تو اس میں ابتدائی تبلیغ کافی نہیں ہوتی بلکہ بقائے تبلیغ کی بھی حاجت رہتی ہے، خلاصہ یہ ہے کہ تبلیغ عقائد کی ابتدا دشوار مگر بقا سہل اور تبلیغ اعمال میں ابتدا آسان مگر بقا دشوار۔ اس لئے وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ میں لیا عنوان اختیار فرمایا گیا جس میں مبلغ کو بھی صبر و استقلال کی تعلیم ہے۔ واللہ اعلم باسرار کلامہ

ایک اور دقیق بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ عمل صالح اور تواصی بالحق کے ساتھ تواصی بالصبر کیوں بڑھایا، وجہ یہی ہے کہ اعمال صالحہ جوہر ایمان کے محافظ ہیں اور گناہ و معاصی اس دولت کے دشمن ہیں، جو شخص خود گناہ کرتا یا کسی دوسرے کو گناہ میں مبتلا دیکھ کر نصیحت نہیں کرتا رفتہ رفتہ اس کے دل سے گناہوں کی نفرت کم ہو جاتی پھر زائل ہو جاتی ہے اور گناہ کو ہلکی معمولی بات سمجھنے لگتا ہے اور یہی کفر ہے"

ایک اور بڑی غلطی یہ ہے کہ علماء کا اصل کام تبلیغ تھا نہ کہ چندہ جمع کرنا، خواہ وہ تبلیغ ہی کے لئے، اس میں بڑے مفاسد ہیں جن کا بیان اوپر ہو چکا۔

"یہ کام دنیا والوں کا ہے اور اس کا انتظام سب مسلمانوں کے ذمہ ہے ہم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ کام بھی کریں اور بھیک بھی مانگیں، شرم نہیں آتی کہ جن علماء کو مقتدا سمجھتے ہو انھیں سے بھیک بھی منگوانا چاہتے ہو۔ میں نے اپنے مبلغین سے کہہ دیا ہے کہ جب تمہارے پاس اتنی رقم رہ جائے کہ جس سے اپنے گھر پہنچ سکو اس وقت مجھ کو اطلاع کر دیا کرو، اگر اور رقم ہو گی تو بھیجدوں گا ورنہ بلالوں گا، کیونکہ ہم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ رقم نہ رہے تو لوگوں سے مانگتے پھریں۔ ہم سے جتنا ہو سکتا ہے، اس کے لئے ہم حاضر ہیں، اور جس کام میں روپے کی ضرورت ہے، اگر بدون مانگے مسلمان ہمارے پاس روپیہ بھیجدیں گے تو اس سے کام چلاتے رہیں گے اور نہ بھیجیں گے تو خدا تعالیٰ سے عرض کر دیں گے کہ:۔

"اس کام کے لئے روپیہ کی ضرورت تھی، مسلمانوں نے مالی اعانت پر توجہ نہ کی اور

ہم نے بھیک مانگنے میں ذلت سمجھی، اس لئے یہ کام نہ ہو سکا اس کے بعد عام مسلمانوں سے مواخذہ ہوگا کہ تم نے تبلیغ میں مالی اعانت کیوں نہیں کی اور اگر تم کو کسی پر اعتماد نہ تھا تو تم نے تم کو اپنے ہاتھ میں رکھ کر اپنے ضلع کے لئے مبلغ کا انتظام کیوں نہیں کیا"

میں نے کام کی جتنی صورتیں تھیں سب آپ کو بتلا دیں، اب جو چاہو اختیار کرلو، اس کے بعد آپ کو کسی عذر کا موقع نہیں"۔

تبلیغ اعمال بھی ضروری ہے

اوپر تواصی بالحق کے حصہ میں تو زیادہ تر تبلیغ عقائد کا ذکر تھا، دوسرا حصہ تواصی بالصبر میں، تبلیغ اعمال کی طرف بالخصوص توجہ دلائی گئی ہے کہ فساد عقائد کی طرح

"آپ فساد اعمال کو کیوں منکر نہیں سمجھتے، اور ایسے شخص سے آپ کا دل کیوں کر ملتا ہے جو فروع ایمان میں ناقص ہے، اس سے بلا تکلف دوستی کس طرح کی جاتی ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو کوئی تم میں امر منکر دیکھے تو اس کو ہاتھ سے مٹائے یا زبان سے یا دل سے، پھر یہ کیا غضب ہے کہ ہم لوگ منکر کو دیکھ کر نہ ہاتھ سے روکتے ہیں نہ زبان سے نہ دل سے نفرت کی جاتی ہے بلکہ اعمال میں کوتاہی کرنے والوں کے ساتھ وہی بشاشت ہے، وہی دوستی ہے، جیسے کامل الایمان کے ساتھ ہو۔ گویا آپ خدا تعالیٰ کی طرف سے وکیل و مختار ہیں کہ جس چیز کو چاہیں معاف کر دیں جس منکر سے چاہیں قطع نظر کر لیں!

جن کو سب سے زیادہ ہم پر تبلیغ کرنا واجب ہے

سب سے زیادہ اور بار بار جن لوگوں کو تبلیغ پر حضرت نے متوجہ اور متنبہ فرمایا ہے وہ وہ ہیں جن پر ہم کو کسی نہ کسی قسم کی قدرت حاصل ہے، مثلاً بی بی، بچے، نوکر چاکر، مرید و شاگرد وغیرہ، پھر ان کی بھی دو قسمیں فرمائی ہیں:۔

"ایک وہ جنھوں نے اطاعت کا ہم سے صریح معاہدہ نہیں کیا، جیسے بی بی بچے کہ گو شرعاً ان پر ہماری اطاعت واجب ہے مگر انھوں نے صراحۃً اس کا کوئی التزام و معاہدہ نہیں کیا کہ تم ہم کو تعلیم و تبلیغ کرو، ہم تمہاری تعلیم پر عمل کریں گے"۔

مگر ایک تعلق ایسا ہے کہ جس میں دوسرا شخص ہماری اطاعت کے صریح التزام کا عہد

کرتا ہے یعنی یہ پیری و مریدی کا تعلق ۔ کیونکہ پیری و مریدی نام ہی ہے ، مرید کی جانب سے معاہدہ اطاعت کا اور پیر یا شیخ کی جانب سے معاہدہ تعلیم و اصلاح کا ، صرف ہاتھ میں ہاتھ لیکر سبق سا پڑھ دینے کا نام پیری مریدی نہیں ، جیسا کہ آج کل عام طور پر سمجھ لیا گیا ہے کہ بس ایک مرتبہ یہ سبق پڑھ لیا اور مرید ہو گئے ، اب نہ پیر کے نزدیک تعلیم ضروری ، نہ مرید کے نزدیک اتباع مجھے اس میں کلام ہے کہ اس طرح کسی طالب بیعت کو چپکے سے جلد بیعت کر لینا جائز بھی ہے یا نہیں ، کیونکہ اس صورت میں مرید کی اس غلطی کی گویا توثیق ہے کہ ہاتھ میں ہاتھ دینا ہی بیعت کی حقیقت ہے ۔"

اصل یہ ہے کہ مریدوں سے زیادہ اس بارہ میں خطا یا غفلت پیروں ہی کی ہے نہ وہ مرید کرنے سے پہلے بیعت کی حقیقت واضح کرتے ہیں اور نہ مرید کرنے کے بعد اصلاح و تربیت کو ضروری جانتے ہیں ، حالانکہ یہ صریح خیانت و معصیت ہے ۔

"جس میں ترک تبلیغ کے ساتھ وعدہ خلافی کا گناہ بھی شامل ہے کیونکہ حقیقت بیعت کی رو سے جس طرح مرید کی طرف سے اطاعت کا وعدہ ہوتا ہے اسی طرح شیخ کی طرف سے اصلاح کا ، حیرت ہے کہ مقتضی موجود اور موانع سب مرتفع ، پھر بھی پیر صاحب مریدوں کے افعال پر خاموش ہیں ، کچھ روک ٹوک نہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شیوخ یا تو پیری مریدی کی حقیقت ہی کو نہیں سمجھے یا جان بوجھ کر پہلو تہی کرتے ہیں ۔"

ایک عجیب رائے کیا عرض کیا جائے کہ بعض لوگوں کی رائے تو یہاں تک سنی کہ روک ٹوک مواخذہ و احتساب ترہیب و تخویف کا زمانہ ہی اب سرے سے نہیں رہا ، صرف ترغیب و تالیف قلب ہی سے کام لینا چاہیے ، حتی کہ اپنے توابع بلکہ اپنی اولاد بھی مثلاً تارک نماز ہو تو بس ترغیب یا خوشامد سے آگے قدم نہ اٹھانا چاہیے ، گویا قرآن و حدیث کا ترہیبی و تادیبی حصہ سب منسوخ ہو گیا ہے ۔ قُوا اَنفُسَكُم وَاَهلِيكُم نَارًا کے امر وجوب ، راعی و رعیت کی مسئولیت ، تغیر بالید وغیرہ کا اس سے زیادہ کوئی مطلب نہ رہ گیا کہ اہل و عیال تک کفر و عصیان فسق و فجور جس منکر کا بھی ارتکاب کرتے ہیں اور خواہ ترغیب و تفہیم ، نرمی یا خوشامد کی ساری تدبیریں بیکار ثابت ہو چکی ہوں مگر کسی حال میں ان سے نہ کسی قسم کی نفرت و بیزاری ظاہر کی جائے نہ ان کے ساتھ تعلقات و بشاشت و شگفتگی میں کوئی فرق آئے ، نہ ان کو کوئی تخویف و تنبیہ ہو ۔

اصل میں یہ ایسے حضرات کی رائے ہے جنھوں نے نہ صرف اس امر سے قطع نظر فرمایا ہے کہ اسلام کا سب سے بڑا امتیاز اصول و فروع سب میں افراط و تفریط سے بچا کر صراط مستقیم کی تعلیم ہے، بلکہ انھوں نے اس عام فطرت بشری سے بھی غض بصر فرمالیا ہے کہ انسان جس طرح محض بات بات میں لٹھ مارنے سے راہ راست پر نہیں آتا، اسی طرح نرمی، دل جوئی یا خوشامد سے بھی درست نہیں ہوتا، بلکہ وہ تو تخویف و ترہیب کا جتنا اثر قبول کرتا ہے رجاء و رغبت کا نہیں کرتا، اور کیا عجب ہے کہ اگر استقصا کیا جائے تو قرآن مجید میں ترہیبی مضامین کا پلہ ترغیبی سے جھکتا ہی ثابت ہو، ورنہ ثواب عذاب جنت و جہنم دونوں کا غیر منفک ساتھ تو سارے کلام مجید میں ملے گا اور ایمان اپنے صحیح مقام پر تو خوف و رجاء کے کانٹے ہی پر رہ سکتا ہے۔

اسلام کی حدود و اعتدال پسندی کی اس خاص شان کا اہتمام ہر چھوٹی بڑی چیز کی طرح طالبین اور مریدوں کی اصلاح و تربیت میں بھی اس زمانہ میں حضرت مجدد وقت ہی کے ہاں دیکھا کہ ہر مجلس وعظ و تادیب دونوں کے رنگ سے سموئی رہتی تھی، بعض مثالیں ایسی بھی دیکھی ہیں کہ تعلیم و تربیت کی ابتدا سے لے کر انتہا تک، بیعت سے لے کر اجازت کے سالہا سال کی مدت تک زبان و قلم پر ایک کلمہ بھی تغیر طبع کا نہیں آیا اور فراست ایمانی نے اس کی سرے سے ضرورت ہی نہیں جانی لیکن یہ استثنائی فطرتوں کے ساتھ استثنائی صورت ہی ہو سکتی تھی، باقی عام طرز عام فطرت شناسی کے مناسب ترغیب و تربیت دونوں کا تھا اور ترہیب و تادیب کے معاملہ میں یہاں تک ہوتا کہ بارہا لوگوں کو مجلس سے اٹھا دیتے، مکاتبت و مخاطبت کی ممانعت فرما دیتے، ایک آدھ بار ضرب سے بھی علاج فرمایا، کسی نے کہہ دیا تھا کہ میں تو اب عیسائی ہو جاؤں گا تو ایک دھول رسید فرمایا، اس سے اللہ تعالیٰ نے اس کے دماغ سے شیطان کو نکال دیا، غرض تمام صفات و ملکات متقابلہ کی طرح ترغیب و ترہیب، انس و ہیبت، لطف و عتاب بھی حضرت جامع المجددین کی ذات میں نہایت اعتدال اور حسن استعمال کے ساتھ جمع ہیں ع

یار ما آں دار د و ایں نیز ہم

معارف الاحادیث

(گزشتہ سے پیوستہ)

(۴۷) عن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتب اللہ مقادیر الخلائق قبل ان یخلق السموٰت والارض بخمسین الف سنۃ قال وکان عرشہ علی الماء (رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عمرو سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار برس پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں لکھ دی ہیں اور فرمایا کہ اس کا عرش پانی پر تھا۔

تشریح:۔ اس حدیث میں چند چیزیں غور طلب ہیں، اول یہ کہ اللہ تعالیٰ کے تقدیر لکھنے سے کیا مراد ہے؟۔ ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہ تو ہے نہیں کہ جس طرح ہم انسان ہاتھ میں قلم لے کے کاغذ یا تختی پر کچھ لکھتے ہیں ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے لکھا ہو، ایسا خیال کرنا اللہ تعالیٰ کی شان اقدس سے ناواقفی ہے، دراصل اللہ تعالیٰ کے افعال و صفات کی حقیقت اور کیفیت کے ادراک سے ہم قاصر ہیں، اور چونکہ اس کیلئے الگ کوئی زبان اور لغت نہیں ہے، اسلئے ہم مجبوراً انھیں الفاظ سے اسکے افعال و صفات کی تعبیر کرتے ہیں، جو دراصل ہمارے افعال و صفات کیلئے وضع کئے گئے ہیں، ورنہ اسکے اور ہمارے افعال و صفات کی حقیقت اور کیفیت میں اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ اس کی عالی ذات اور ہماری ذاتوں میں ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ اس حدیث میں جس کتابت تقدیر کا ذکر کیا گیا ہے اس کی حقیقت اور نوعیت کیا ہے، علاوہ ازیں یہ بھی واقعہ ہے کہ عربی زبان میں کسی چیز کے طے کر دینے اور معین و مقرر کر دینے کو بھی کتابت سے تعبیر کیا جاتا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں اسی معنی کے اعتبار سے، روزہ کی فرضیت کو "کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ" سے اور قصاص کے حکم کو "کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ" سے تعبیر کیا گیا ہے، پس اگر حدیث مذکور میں بھی

کتابت سے یہی مراد ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں معین کیں اور جو کچھ ہونا ہے اس کو مقرر فرمایا (۱)، اس معنی کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ بعض روایات میں بجائے "کَتَبَ" کے "قَدَّرَ" کا لفظ بھی آیا ہے۔

اس موقع پر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ کتابت تقدیر کے سلسلے کی بعض غیر معتبر روایتوں میں قلم اور لوح وغیرہ سے متعلق جو تفصیلات نقل کی گئی ہیں وہ اسرائیلیات سے ماخوذ ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث میں ان کا کوئی ذکر نہیں ہے، جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں تصریح فرمائی ہے

دوسری بات اس حدیث کے متعلق یہ بھی محفوظ رہنی چاہیئے کہ پچاس ہزار برس سے مراد بہت طویل زمانہ بھی ہو سکتا ہے، عربی زبان اور عربی محاورہ میں یہ استعمال شائع ذائع ہے۔

حدیث کے آخر میں فرمایا گیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عرش اور پانی اس وقت پیدا کئے جا چکے تھے، حضرت شاہ ولی اللہؒ کا خیال ہے کہ جس طرح ہماری قوت خیالیہ میں ہزاروں چیزوں کی صورتیں اور ان کے متعلق معلومات جمع رہتے ہیں اسی طرح اللہ تعالےٰ نے عرش کی قوتوں میں سے کسی خاص قوت میں (جس کو ہماری قوت خیالیہ کے مشابہ سمجھنا چاہیئے) تمام مخلوقات اور ان کے تمام احوال اور حرکات و سکنات کو غرض جو کچھ عالم وجود میں آنے والا ہے اس سب کو عرش کی اس قوت میں ثبت فرما دیا، گویا دنیا کے پردہ پر جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب عرش کی اس قوت میں اسی طرح موجود و محفوظ ہے جس طرح ہمارے خیال میں ہزاروں لاکھوں صورتیں اور ان کے متعلق معلومات ہوتے ہیں، شاہ صاحب کے نزدیک تمام مخلوقات کی تقدیر لکھنے سے یہی مراد ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴۸) عن ابن مسعودٍ قال حدثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو الصادق المصدوق ان خلق احدکم یجمع فی بطن امہ اربعین یوما نطفۃً ثم یکون علقۃ مثل ذالک ثم یکون مضغۃ مثل ذالک ثم یبعث اللہ الیہ ملکا باربع کلمات فیکتب عملہ واجلہ ورزقہ وشقی او سعید ثم ینفخ فیہ الروح فو الذی لا الٰہ غیرہ ان احدکم لیعمل بعمل اھل الجنۃ حتی ما یکون بینہ وبینھا الا ذراعٌ فیسبق علیہ الکتاب

(۱) حضرت شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۶۶ ج ۱۔

فیعمل بعمل اہل النار فید خلہا وان احدکم لیعمل بعمل اہل النار حتی ما یکون بینہ وبینہا الا ذراع فیسبق علیہ الکتاب فیعمل بعمل اہل الجنۃ فید خلہا (رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ اللہ کے صادق ومصدوق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بیان فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک کا مادہ تخلیق اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس روز تک نطفہ کی شکل میں جمع رہتا ہے (یعنی پہلے چلہ میں کوئی غیر معمولی تغیر نہیں ہوتا، صرف خون میں کچھ غلظت آجاتی ہو اسی کو "نطفہ" کہا گیا ہے[1]) پھر اس کے بعد اتنی ہی مدت منجمد خون کی شکل میں رہتا ہے، پھر اتنے ہی دنوں وہ گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے (اور اسی مدت میں اعضاء کی تشکیل اور ہڈیوں کی بناوٹ بھی شروع ہوجاتی ہے) پھر اللہ تعالیٰ (مندرجہ ذیل) چار باتیں لیکر ایک فرشتہ کو بھیجتا ہے، یہ فرشتہ اس کے اعمال، اس کی مدۃ عمر اور وقت موت، اور اس کا رزق لکھتا ہے اور یہ کہ بدبخت ہے یا نیک بخت، پھر اس میں روح ڈالی جاتی ہے —— پس قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی عبادت و بندگی کے لائق نہیں، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص جنتیوں کے سے عمل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہو پھر نوشتہ تقدیر آگے آجاتا ہے اور وہ دوزخیوں کے عمل کرنے لگتا ہے اور انجام کار دوزخ میں چلا جاتا ہے (اور اسی طرح کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ) تم میں سے کوئی دوزخیوں کے سے عمل کرنے لگتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے پھر نوشتہ تقدیر آگے آجاتا ہو اور وہ جنتیوں کے عمل کرنے لگتا ہے اور جنت میں پہونچ جاتا ہے۔

تشریح:۔ اس حدیث میں دو مضمون بیان کئے گئے ہیں، شروع میں تو تخلیق انسانی کے ان چند مرحلوں کا ذکر ہے جن سے انسان نفخ روح تک رحم مادر میں گزرتا ہے (اور غالباً ان مرحلوں کا ذکر اگلے مضمون کی تمہید کے طور پر فرمایا گیا ہے) اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نوشتہ کا ذکر فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا فرشتہ نفخ روح کے وقت ہر پیدا ہونے والے انسان کے متعلق لکھتا ہے جس میں اس کے اعمال، اس کی مدت حیات اور وقت موت اور روزی اور نیک بختی یا بدبختی کی تفصیل ہوتی ہے، حدیث کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص

(۱) ویسمی مالم یتغیر من صورۃ الدم تغیراً فاحشاً نطفۃ (حجۃ اللہ البالغہ ص۱۶۰ جلد اول)

منشاء اسی نوشتہ کے متعلق یہ بیان فرمانا ہے کہ یہ ایسا قطعی اور اٹل ہوتا ہے کہ ایک شخص جو اس نوشتہ میں دوزخیوں میں لکھا ہوتا ہے، بسا اوقات وہ ایک مدت تک جنتیوں کی سی پاکبازانہ زندگی گزارتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ جنت سے بہت ہی قریب ہوتا جاتا ہے لیکن پھر ایک دم اس کے رویہ میں تبدیلی ہوتی ہے اور وہ دوزخ میں لیجانے والے بُرے اعمال کرنے لگتا ہے اور اسی حال میں مرکر بالآخر دوزخ میں چلا جاتا ہے اور اس کے برعکس ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک آدمی جو فرشتہ کے نوشتہ میں اہل جنت میں لکھا ہوتا ہے وہ ایک عرصہ تک دوزخیوں کی سی زندگی گزارتا رہتا ہے اور دوزخ کے اتنا قریب ہوجاتا ہے کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان گویا ایک ہاتھ سے زیادہ فاصلہ نہیں رہتا لیکن پھر ایک دم وہ سنبھل جاتا ہے اور اہل جنت کے اعمال صالحہ کرنے لگتا ہے اور اسی حال میں مرکر جنت میں چلا جاتا ہے۔

(۴۹) عن ابن عمر قال قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کل شیٔ بقدر حتی العجز والکیس (رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر چیز تقدیر سے ہے، یہاں تک کہ آدمی کا ناکارہ اور ناقابل ہونا اور قابل و ہوشیار ہونا بھی تقدیر ہی سے ہے۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ آدمی کی صفات قابلیت و ناقابلیت، صلاحیت و عدم صلاحیت اور عقلمندی و بیوقوفی وغیرہ بھی اللہ کی تقدیر ہی سے ہیں، الغرض اس دنیا میں جو کوئی جیسا اور جس حالت میں ہے وہ اللہ کی قضاء و قدر کے ماتحت ہے۔

(۵۰) عن عبداللّٰہ بن عمرو قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان قلوب بنی اٰدم کلھا بین اصبعین من اصابع الرحمٰن کقلب واحد یصرفہ کیف یشاء ثم قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اللّٰھم مصرف القلوب صرف قلوبنا علی طاعتک (رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بنی آدم کے تمام قلوب، اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں، ایک دل کی طرح، وہ جس طرح (اور جس طرف) چاہتا ہے اس کو پھیر دیتا ہے، پھر رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے

دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دل اپنی اطاعت و بندگی کی طرف پھیر دے"۔

(**تشریح**) ابھی ادھر بتلایا جاچکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال و صفات کو سمجھنے سمجھانے کے لئے چونکہ الگ کوئی زبان نہیں ہے اس لئے مجبوراً اس کے لئے بھی ان ہی الفاظ و محاورات کا استعمال کیا جاتا ہے جو دراصل انسانی افعال و صفات کے لئے وضع کئے گئے ہیں، چنانچہ اس حدیث میں جو کہا گیا ہے کہ بنی آدم کے قلوب اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں تو اس کا مطلب صرف یہی ہے کہ انسانوں کے دل اللہ تعالیٰ کے اختیار اور اس کے قبضہ تصرف میں ہیں، وہی جدھر چاہتا ہے انھیں پھیر دیتا ہے ۔۔۔ اور حدیث کی یہ تعبیر بالکل ایسی ہے جیسے کہ ہمارے محاورہ میں کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص تو بالکل میری مٹھی میں ہے یہ مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ بالکل میرے اختیار میں ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہمارے دلوں کو بھی اللہ ہی جدھر چاہتا ہے پھیرتا ہے۔

مندرجہ بالا حدیثوں سے تقدیر کے متعلق چند باتیں معلوم ہوئیں:۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے زمین آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار برس پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں مقدر فرمادیں اور جو کچھ ہونا ہے گویا وہ سب بالتفصیل لکھ دیا

(۲) انسان جب رحم مادر میں ہوتا ہے اور اس پر تین چلّے گزر جاتے ہیں اور نفخ رُوح کا وقت آتا ہے تو اللہ کا مقرر کیا ہوا فرشتہ اس کے متعلق چار باتیں لکھتا ہے، اس کی مدتِ عمر، اس کے اعمال، اس کا رزق، اور اس کا نیک بخت یا بدبخت ہونا۔

(۳) ہمارے دلوں کو بھی اللہ تعالیٰ ہی جدھر چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔

دراصل تقدیر الٰہی کے یہ مختلف درجے اور مختلف مظاہر ہیں اور حقیقی ازلی تقدیر ان سب سے سابق ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تقدیر الٰہی کے ان مختلف مدارج اور مظاہر کو بہت سلجھا کے بیان فرمایا ہے، ذیل میں ہم ان کے کلام کا خلاصہ درج کرتے ہیں۔

تقدیر کے مختلف مدارج

(۱) ازل میں جب کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ بھی نہ تھا، زمین و آسمان، ہوا، پانی، عرش و کرسی ہیں

کوئی چیز بھی پیدا نہ کی گئی تھی (کان اللہ ولم یکن معہ شئ) تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کو بعد میں پیدا ہونے والی اس ساری کائنات کا پورا پورا علم تھا۔ پس اس دور ازل ہی میں اس نے ارادہ اور فیصلہ کیا کہ اس تفصیل اور ترتیب کے مطابق جو میرے علم میں ہے میں عالم کو پیدا کروں گا اور اس میں یہ یہ واقعات پیش آئیں گے ــــ الغرض آئندہ وجود میں آنے والے عالم کے متعلق جو تفصیل و ترتیب اس کے ازلی علم میں تھی، اس نے ازل ہی میں طے فرمایا کہ میں اس سب کو وجود میں لاؤں گا۔ پس یہ طے فرمانا ہی تقدیر کا پہلا مرتبہ اور پہلا ظہور ہے۔

(۲) پھر ایک وقت آیا جب کہ پانی اور عرش پیدا کئے جا چکے تھے مگر زمین و آسمان پیدا نہ ہوئے تھے (بلکہ حدیث عنہ۱ کی تصریح کے مطابق زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار برس پہلے) اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کی تقدیریں پہلی ازلی تقدیر کے مطابق لکھ دیں (جس کی حقیقت حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ ہے کہ "عرش کی قوت خیالیہ میں تمام مخلوق کی تفصیلی تقدیر منعکس کر دی اور اس طرح عرش اس تقدیر کا حامل ہو گیا) یہ تقدیر کا دوسرا درجہ اور دوسرا ظہور ہوا۔

(۳) پھر ہر انسان کی تخلیق جب رحم مادر میں شروع ہوتی ہے اور تین چلے گزر جانے پر جب اس میں روح ڈالنے کا وقت آتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا فرشتہ اللہ تعالیٰ ہی سے علم حاصل کر کے اس کے متعلق ایک تقدیری نوشتہ مرتب کرتا ہے جس میں اس کی مدت حیات، اعمال، رزق اور شقاوت یا سعادت کی تفصیل ہوتی ہے۔ یہ نوشتہ تقدیر کا تیسرا درجہ اور تیسرا ظہور ہے۔

(۴) پھر انسان جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے وہ اس کو کرتا ہے جیسا کہ حدیث نمبر ۵ میں فرمایا کہ انسانوں کے سب دل اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں وہ جدھر چاہتا ہے انھیں پھیرتا ہے، پس یہ تقدیر کا چوتھا درجہ اور چوتھا ظہور ہے۔

اگر اس تفصیل کو ملحوظ رکھا جائے تو تقدیر کے سلسلہ کی مختلف احادیث کے مطالب و مجامل کے سمجھنے میں انشاء اللہ مشکل پیش نہ آئے گی۔

بعض شبہات کا ازالہ

بہت سے لوگوں کو کم فہمی یا نافہمی سے تقدیر کے متعلق جو شبہات ہوتے ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصراً ان کے متعلق بھی کچھ عرض کر دیا جائے ۔ اس مسئلہ میں مندرجہ ذیل تین اشکال مشہور ہیں۔

اولاً یہ کہ دنیا میں اچھا برا جو کچھ ہوتا ہے، اگر یہ سب اللہ ہی کی تقدیر سے ہے اور اللہ تعالےٰ ہی نے اس کو مقدر کیا ہے تو پھر اچھائیوں کے ساتھ تمام برائیوں کی ذمہ داری بھی (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ پر آئے گی۔

دوسرے یہ کہ جب سب کچھ پہلے سے من جانب اللہ مقدر ہو چکا ہے اور اس کی تقدیر اٹل ہے تو بندے اسی کے مطابق کرنے پر مجبور ہیں لہٰذا انہیں کوئی جزا سزا نہ ملنی چاہیئے۔

تیسرا شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ جو کچھ ہونا ہے جب وہ سب پہلے سے مقدر ہی ہو چکا ہے اور اس کے خلاف کچھ ہو ہی نہیں سکتا ہے تو پھر کسی مقصد کے لئے کچھ کرنے دھرنے کی ضرورت ہی نہیں لہٰذا دنیا یا آخرت کے کسی کام کے لئے محنت اور کوشش فضول ہے۔

لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ تینوں شبہے تقدیر کے غلط اور ناقص تصور سے پیدا ہوتے ہیں ۔ ہم عرض کر چکے ہیں کہ اللہ کی تقدیر اس کے علم ازلی کے مطابق ہے اور اس کارخانۂ عالم میں جو کچھ جس طرح اور جس صفت کے ساتھ اور جس سلسلے سے ہو رہا ہے، وہ بالکل اسی طرح اور اسی صفت اور اسی سلسلہ کے ساتھ اس کے علم ازلی میں تھا اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو مقدر فرما دیا ہے۔

اور ہم میں سے جو شخص بھی اپنے اعمال و افعال پر غور کریگا وہ بغیر کسی شک شبہ کے اس حقیقت کو محسوس کریگا کہ اس دنیا میں ہم جو بھی اچھے یا برے عمل کرتے ہیں وہ اپنے ارادہ اور اختیار سے کرتے ہیں، ہر کام کے کرنے کے وقت اگر ہم غور کریں تو بدیہی اور یقینی طور پر محسوس ہوگا کہ ہم کو یہ قدرت حاصل ہے کہ چاہیں تو اس کو کریں اور چاہیں تو نہ کریں پھر اس قدرت کے باوجود ہم اپنے خداداد ارادہ اور اختیار سے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں اور اسی فیصلہ کے مطابق ہمارا عمل ہوتا ہے ۔ پس جس

عالم میں جس طرح ہم اپنے ارادہ اور اختیار سے اپنے تمام کام کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو ازل میں اسی طرح ان کا علم تھا اور پھر اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو مقدر فرما دیا اور اس پورے سلسلہ کے وجود کا فیصلہ فرما دیا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے صرف ہمارے اعمال ہی کو مقدر نہیں فرمایا ہے، بلکہ جس ارادہ اور اختیار سے ہم عمل کرتے ہیں وہ بھی تقدیر میں آچکا ہے، گویا تقدیر میں صرف یہی نہیں ہے کہ فلاں شخص فلاں اچھا یا برا کام کریگا بلکہ تقدیر میں یہ پوری بات ہے کہ فلاں شخص اپنے ارادہ و اختیار سے ایسا کریگا، پھر اس سے یہ نتائج پیدا ہوں گے، پھر اس کو یہ جزا یا سزا ملے گی۔

الغرض ہم کو اعمال میں جو ایک گونہ خود اختیاری اور خود ارادیت حاصل ہے جس کی بنا پر ہم کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں، وہ بھی تقدیر میں ہے اور ہمارے اعمال کی ذمہ داری اسی پر ہے اور اسی کی بنا پر انسان مکلف ہے اور اسی پر جزا و سزا کی بنیاد ہے، بہر حال تقدیر نے اس خود اختیاری اور خود ارادیت کو باطل اور ختم نہیں کیا بلکہ اس کو اور زیادہ ثابت اور مستحکم کر دیا ہے لہٰذا تقدیر کی وجہ سے نہ تو ہم مجبور ہیں اور نہ ہمارے اعمال کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر ہوتی ہے

علیٰ ہذا جن مقاصد کے لئے ہم جو کوششیں اور جو تدبیریں اس دنیا میں کرتے ہیں، تقدیر میں بھی ہمارے ان مقاصد کو ان ہی تدبیروں اور کوششوں سے وابستہ کیا گیا ہے، الغرض تقدیر میں صرف یہ نہیں ہے کہ فلاں شخص کو فلاں چیز حاصل ہو جائے گی بلکہ جس کوشش اور جس تدبیر سے وہ چیز اس دنیا میں حاصل ہونے والی ہوتی ہے تقدیر میں بھی وہ اسی تدبیر سے بندھی ہوئی ہے۔

بہر حال جیسا کہ عرض کیا گیا تقدیر میں اسباب و مسببات کا پورا سلسلہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح کہ اس دنیا میں ہے۔ پس یہ خیال کرنا کہ تقدیر میں جو کچھ ہے وہ آپ سے آپ مل جائے گا اور اس بنا پر اس عالم اسباب کی کوششوں اور تدبیروں سے دست بردار ہونا دراصل تقدیر کی حقیقت سے ناواقفی ہے

حدیث نمبر ۴۵ و ۴۶ میں بعض صحابہ کے سوالات کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس کا حاصل بھی یہی ہے

الغرض اگر تقدیر کی پوری حقیقت سامنے رکھ لی جائے تو انشاء اللہ اس قسم کا کوئی شبہ بھی پیدا نہ ہوگا ۔۔ وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ٥

صلۂ رحمی

(۸)

(از جناب مولانا محمد ایوب صاحب اصلاحی، جامعۃ الہیات، چمن گنج کانپور)

یوں تو پوری نوع انسانی ایک باپ اور ماں، آدم وحوا سے وجود میں آئی ہے اس لئے تمام بنی آدم ایک ہی کنبہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور ہمدردی اور تعاون کے یکساں مستحق ہیں، لیکن تمدنی ضرورت اور سہولت کو پیش نظر رکھ کر قدرت نے پوری نسل انسانی کو ایک ہی رشتہ میں منسلک اور متحد رہنے کے بجائے قبائل اور خاندان کے چھوٹے چھوٹے گروہوں میں بھی تقسیم کر دیا ہے اور ہر فرد پر اپنے قریبی رشتہ داروں کے تعلق کو پہچاننے اور استوار کرنے کی خصوصی ذمہ داری بھی ڈالی ہے، یہی وہ رشتہ ہے جس کو رحمی تعلق سے، اور اس کی حفاظت، مراعات، و پاسداری اور نباہ کو صلۂ رحمی سے تعبیر کرتے ہیں معاشرۂ اسلامی میں اس کو نہایت اہم حیثیت حاصل ہے۔

ایک خدا پرست و خدا شناس انسان کے ذمہ اس کے اعزاء و اقرباء کے بہت کچھ حقوق ہیں جن کو پورا کرنا اس کا اخلاقی فریضہ ہے، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی کے اعزاء مالی مشکلات میں مبتلا ہوں اور رزق کی تنگنائیاں ان کو محیط ہوں، یا گردوپیش کے ناسازگار حالات نے انھیں سکون واطمینان سے محروم اور تفکرات اور بےچینیوں سے دوچار کر دیا ہو یا قرض کے بارگراں نے بوجھل کر دیا ہو، یا آلام ومصائب، رنج ومحن اور دکھ اور درد کے شکار ہو گئے ہوں تو ان تمام حالات میں اس کا فرض ہے (جب کہ وہ رفاہیت اور خوشحالی سے بہرہ ور اطمینان وسکون سے ہمکنار اور افکار وحوادث سے محفوظ ہو) کہ ان مصیبت زدوں کی مالی اعانت کر کے ان کی معاشی تنگی اور بدحالی دور کرے، ایسے سامان فراہم کرے جو اطمینان و راحت کے موجب ہوں اور ان کی پریشانی اور اضطراب و سراسیمگی کو زائل کر سکیں، ان کے قرض کا بوجھ ہلکا کرنے کی کوشش کرے، ان کے درد کا درماں اور زخم کے لئے مرہم بنجائے۔

اور اس طرح کے ان تمام مواقع اور حالات میں جہاں ان کو امداد و اعانت کی ضرورت ہو اور وہ اس سے قاصر بھی نہ ہو ان کے کام آئے اور اس سے بھی آگے بڑھ کر اپنے رشتہ کو محبت کے ساتھ برقرار رکھنے اور استوار کرنے کے لئے یہ ذریعہ بھی اختیار کرے کہ ان سے ملاقات کرتا رہے اور ملاقاتوں میں خوش کلامی، نرم گوئی اور بشاشت و خندہ پیشانی کو ملحوظ رکھے، سلام میں پیش قدمی کرے، تحفے بھیجتا رہے، اس طرح کے ان تمام امور کا پورا خیال رکھے جو آپس کی محبت اور ہمدردی کو تقویت پہنچائیں۔

صلہ رحمی کی حکمت

قرآن میں بیشمار ایسی آیتیں ہیں جو صلہ رحمی کے تاکیدی حکم اور قطع علائق کی شدید ممانعت پر مشتمل ہیں، اب ذرا اس کی حکمت و مصلحت پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ انسان کے تعلقات میں سب سے گہرا اور مستحکم رشتہ والدین کا ہے لیکن والدین کے علاوہ اس کا تعلق ان دوسرے رشتہ داروں سے بھی گہرا اور مضبوط ہونا از بس ضروری ہے جو اس کے واقعی خیر خواہ، مددگار اور ہمدرد ہو سکتے ہیں اور جن کی عزت افزائی سے لوگوں کی نگاہوں میں اس کی عزت و عظمت اور قدر و منزلت قائم رہتی ہے اور ان سے رشتہ و تعلق کو منقطع کر لینے کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا ہے کہ اس کی زندگی بے مزہ بلکہ اجیرن ہو جائے، خیر کے دروازے بند اور فتنوں کے دروازے چوپٹ کھل جائیں۔

ان حالات و مصالح اور نتائج کو سامنے رکھئے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ انسان کے لئے اپنے اعزا و اقربا کے ساتھ تعلقات خوشگوار رکھنا اور پورے اتحاد کے ساتھ رہنا لازم اور ناگزیر ہے۔

صلہ رحمی کے دنیوی ثمرات

صفات انسانی میں صلہ رحمی کو جو نمایاں اور ممتاز حیثیت حاصل ہے، اس کی مراعات کے نتیجہ میں محبت و یگانگت اور اتحاد باہمی کا رابطہ مضبوط اور مستحکم ہوتا ہے، کینہ اور بغض اور رشک و حسد کی آگ بجھ جاتی ہے، دلوں میں صفائی اور خاندانوں میں مخلصانہ رابطہ قائم ہوتا ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ صلہ رحمی کو مومن کی فلاح اور کامیابی کا ایک بڑا ذریعہ ہے، اس لئے شارع حقیقی نے اس کی پابندی کے لئے ترغیب و تاکید کا غائت درجہ مؤثر انداز اختیار کیا ہے حتیٰ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رزق کی فراوانی کا سبب اور کلید کامرانی قرار دیا ہے:۔

ان اعجل الطاعۃ ثوابا صلۃ الرحم — وہ طاعت جس کا نتیجہ بہت ہی جلد (اس دنیا میں بھی)

حتی ان اھل البیت لیکونون فجارا فتنمو اموالھم و یکثر عددھم اذا وصلوا ارحامھم (الحدیث)	ظاہر ہوجاتا ہے، صلہ رحمی ہے حتی کہ اگر کسی خاندان کے آدمی بدکار بھی ہوں تو بھی ان کے مال اور تعداد (افراد) میں اضافہ ہوتا رہتا ہے بشرطیکہ وہ صلہ رحمی کرتے ہوں

ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

من سرہ ان یمدلہ فی عمرہ ویوسع لہ فی رزقہ فلیتق اللہ ولیصل رحمہ	(بخاری)	جس کے لئے یہ امر باعث مسرت ہو کہ اس کی عمر دراز ہو اور اس کو رزق کی وسعتیں حاصل ہوں تو اس کو چاہیئے کہ وہ خدا سے ڈرتا رہے اور صلۂ رحمی

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ مروت کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ "اللہ کا خوف اور صلہ رحمی"۔

ایک حکیم نے اپنے بیٹے کو چند وصیتیں کیں، ازاں جملہ ایک وصیت یہ بھی تھی کہ "جان پدر اپنے رشتہ داروں سے قطع تعلق نہ کرنا، اگرچہ وہ تمہارے ساتھ بدسلوکی ہی سے پیش آئیں اس لئے کہ انسان اپنا گوشت نہیں کھا سکتا خواہ وہ بجو کا ہی کیوں نہ ہو" ایک دوسرے حکیم کا مقولہ ہے کہ "جو صلہ رحمی کرے گا، یعنی اپنے رشتہ داروں سے تعلق جوڑے رکھے گا اللہ تعالیٰ اس سے اپنا رشتہ قائم رکھے گا، اور اپنی رحمت اس پر نازل کرتا رہے گا، لیکن جو اس رشتہ کو کاٹ دیگا، اس سے اللہ تعالیٰ اپنا رشتہ منقطع کرلے گا۔

اُخروی کامیابی

صلہ رحمی کے دنیوی مفاد و مصالح آپ کی نظروں سے گزر چکے، رہی آخرت کی فوز و فلاح، تو صلہ رحمی اس کے لئے بھی ضروری شرط ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی تعلیم نہایت درجہ تاکید کے ساتھ دی ہے اور اس کے خوش آئند نتائج اور قطع رحم کے ناخوشگوار اور حسرتناک انجام کو بڑے اہتمام سے بیان فرمادیا ہے، ارشاد ہے:۔

اَلَّذِیْنَ یُوْفُوْنَ بِعَھْدِ اللّٰہِ وَلَا یَنْقُضُوْنَ الْمِیْثَاقَ ۝ وَالَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖ اَنْ یُّوْصَلَ وَیَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ وَیَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ۝ وَالَّذِیْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْہِ رَبِّھِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً وَّیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَۃِ

السَّيِّئَةَ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ۝ (سورۃ الرعد)

"یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے ساتھ عہد عبدیت پورا کرتے ہیں اور اپنا قول و قرار توڑنے والے نہیں اور یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے جن رشتوں کو جوڑنے کا حکم دیا ہے ان کو جوڑے رکھتے ہیں اور اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں اور حساب کی سختی سے اندیشہ ناک رہتے ہیں، اور یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ کی خوشنودی چاہتے ہوئے ہر طرح کی سختیوں میں صبر کیا، نماز قائم کی اور ہم نے جو کچھ روزی انھیں دی ہے اس میں سے چھپے چھپے بھی اور کھلے طور پر بھی خرچ کیا، اور وہ برائی کے مقابلہ میں ہمیشہ اچھائی سے پیش آتے ہیں تو یہی لوگ ہیں کہ ان کے لئے عاقبت کا گھر ہے یعنی ہمیشگی کے باغ جن میں وہ لوگ خود بھی داخل ہوں گے اور ان کے ماں باپ، بیویوں اور اولاد میں سے وہ لوگ بھی داخل ہوں گے جو نیک کردار ہوں گے اور ہر دروازے سے فرشتے یہ کہتے ہوئے آئیں گے کہ یہ جو تم نے صبر کیا اس کے بدلہ تم پر سلامتی ہو کیا ہی اچھا عاقبت کا گھر ہے، اور وہ لوگ جو اللہ کا عہد مضبوط کرنے کے بعد پھر اسے توڑتے ہیں اور اللہ نے جن رشتوں کو جوڑنے کا حکم دیا ہے ان کو قطع کر ڈالتے ہیں اور دنیا میں شر و فساد کرتے ہیں تو ایسے ہی لوگوں کے لئے لعنت ہو اور عاقبت کی خرابی"۔

ملاحظہ ہو مواعظ و حکم کے اس چمکدار آئینہ میں یہ حقیقت کیسی صاف اور نکھر کر نمایاں ہو رہی ہے کہ "جو لوگ اللہ تعالیٰ کا عہد پورا کرتے ہیں عہد شکنی سے گریز کرتے ہیں، صلہ رحمی کے حکم پر عمل پیرا ہوتے ہیں، قطع تعلق اور اس کے انجام بد سے ڈرتے، آلام و مصائب میں صبر کرتے، نماز پورے خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھتے ہیں اور در پردہ اور کھلے بندوں غرباء و مساکین کی اعانت کرتے رہتے ہیں اور اسی طرح کے دوسرے اخلاق فاضلہ سے بھرپور ہوتے ہیں انھیں کے لئے جنت کی نعمتیں اور سرفرازیاں ہیں۔" اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا" کے الفاظ میں یہی وعدہ کیا گیا ہے، اتنا ہی نہیں کہ وہ جنت میں ہونگے، بلکہ ان کی مسرت و راحت کی

تکمیل کے لئے ان کے آباء، واجداد، اہل وعیال، افراد خاندان اور احباب میں سے ان لوگوں کو بھی ان کے ساتھ جنت میں داخل کر دیا جائے گا، جو صالح اور نیکوکار ہوں گے پھر مزید سرفرازی اور قدر افزائی کے لئے فرشتے ان کے پاس جنت کے مختلف دروازوں سے آ آکر تہنیت و مبارکباد پیش کریں گے اور کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہو، دنیا میں تم نے صبر کیا تھا، آج اس کا بہترین ثمرہ تم کو مل رہا ہے۔"

یہ شاندار اور رشک آفریں مستقبل ان لوگوں کا ہوگا جو میثاق الٰہی کے پابند اور رشتہ خاندانی کو قائم و باقی رکھیں گے، لیکن اس وعدۂ رحمت و مکرمت کے ساتھ اس حسرت ناک انجام اور غم انگیز سزا کو بھی واضح کر دیا گیا ہے جو عہد شکنی وانقطاع رشتہ کے نتیجہ میں پیش آئے گی اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ " اس امر کا کھلا ہوا اعلان ہے کہ جو لوگ اللہ سے عہد باندھ کر عہد شکنی کریں گے وہ رشتے جن کو جوڑے رکھنے کا حکم دیا گیا تھا منقطع کر لیں گے اور زمین میں فتنہ و فساد کی تخم ریزی کرتے رہیں گے، ان کے لئے لعنت اور برا ٹھکانا ہوگا۔

قطع تعلق کی ممانعت اور اس کے نتائج

صلہ رحمی کی حکمت اور اس کے دنیوی اور اخروی ثمرات و نتائج بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے قطع رحم کی ممانعت اور اس امر کی وضاحت فرمائی ہے کہ انسان اس دھوکے میں نہ رہے کہ وہ رحمی اور خاندانی رشتے توڑ کر لذت حیات اور دنیوی منفعت سے ہمکنار اور خدا کی خوشنودی سے سرفراز ہو سکتا ہے، نہیں بلکہ اس کو ایسا کرنے کے نتیجہ میں ناقابل تلافی خسارہ اور سزا بھگتنی ہوگی، مندرجہ ذیل آیات اسی حقیقت کی ترجمان ہیں:۔

اَلَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ　　(سورۃ البقرۃ)

"وہ لوگ جو اللہ سے مضبوط عہد باندھ لینے کے بعد اسے توڑ ڈالتے ہیں اور اللہ نے جن رشتوں کو جوڑنے کا حکم دیا ہے ان کو قطع کر ڈالتے ہیں اور روئے زمین پر فساد پھیلاتے ہیں وہی لوگ ٹوٹے میں ہیں"

مطلب یہ ہے کہ انسان رذائل، بداطواریوں، بدکرداریوں میں مبتلا رہ کر سعادت اور کامیابی کا منتظر ہو تو یہ اس کی خام خیالی نہیں تو اور کیا ہے ـــــ اسے تو اپنے کرتوت کی پاداش میں ناکامیوں

اور نامرادیوں کا منھ دیکھنا پڑے گا۔

ان مذموم اور مہلک صفات وعادات میں سب سے پہلی چیز جو حد درجہ معیوب اور شرمناک ہے عہد شکنی ہے، عہد ہے کیا چیز؟ ہر وہ شے جس کے کرنے کا یا نہ کرنے کا حکم خدا کی بارگاہ سے ملا ہو، پس اس کی پیروی اور تعمیل وفائے عہد ہے اور خلاف ورزی شکست عہد ہے، اندریں صورت رشتوں کا تحفظ وبقا بھی، جن کو برقرار رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، عہد ہے اور ان کو منقطع کرنے کی معصیت کا ارتکاب، جو دوسرے لفظوں میں فساد فی الارض اور امن عامہ ومعاشرہ کے لئے تباہ کن اقدام ہے، بدعہدی اور نقض میثاق ہے۔

جن لوگوں کو ایسی معصیتوں میں پڑنے سے کوئی باک نہ ہو اور بے دھڑک ایسے جرائم کا ارتکاب کرتے ہوں جن کی تباہ کاریاں نہ صرف انھیں تک محدود رہتی ہوں بلکہ معاشرت اور سوسائٹی کیلئے بھی ہلاکت آفریں ہوں، وہ درحقیقت سخت اور عبرت ناک سزا کے مستحق ہیں، اس لئے کہ انھیں عقل دی گئی تھی کہ اس سے غور وفکر کا کام لیکر خیر وشر میں تمیز کر سکیں اور حیات ابدی ومسرت حقیقی کی منزل پہنچانے والی راہ تلاش کر سکیں، لیکن انھوں نے اپنی عقل سے کام نہیں لیا اور دنیا کے چند روزہ عیش اور راحت ولذت کے دلفریب سبزہ زاروں میں الجھ کر رہ گئے، انھیں ایفائے عہد اور صلہ رحمی کی تاکید کی گئی تھی لیکن اسے بھی طاق نسیاں پر رکھ دیا اور نفس سرکش نے انھیں جو راہ سجھا دی اسی پر وہ دوڑ پڑے، انھیں "لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا" کا امن پرور حکم دیا گیا تھا، لیکن خدا کی زمین ان کے شر وفساد سے چیخ اٹھی۔ پس ایسے لوگوں کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ قدرت انھیں ان کی خلاف ورزیوں کی سزا میں ہر نفع اور ہر لذت وراحت سے محروم کر دے جس طرح ایک تاجر کی دیدہ ودانستہ غلطی، نفع تو درکنار اس کی اصلی پونجی کو بھی لے ڈوبتی ہے، اسی طرح یہ لوگ ہیں جو احکام شریعت کی بجا آوری کے بجائے نفس کی پیروی کر کے نہ صرف دنیا کی بلکہ آخرت کی متاع عزیز سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔

اب اس باب کی ایک آخری آیت پر نظر ڈال لیجئے جس میں صلہ رحمی کی پابندی کی تاکید اور اس سے بے پروائی کی ممانعت نہایت مؤثر انداز اور پُرزور الفاظ میں کی گئی ہے اور تقویٰ اور خوف الٰہی کی تاکید بھی ساتھ ساتھ ہے جو دراصل حکم ماسبق کے لئے مہیمن کی حیثیت رکھتی ہو، ارشاد ہے

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا (سورہ نساء)

"لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑ پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں اور تم خدا سے ڈرتے رہو جس کے نام سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور قرابت کے معاملہ سے بھی ڈرتے رہو، یقیناً اللہ تعالیٰ کو تم سب کی اطلاع ہے"۔

اس آیت کو ذرا گہری نگاہ سے دیکھئے اس میں دو چیزوں کی تاکید کی گئی ہے پہلی چیز تو یہ ہے کہ انسان خدا سے ڈرتا رہے اپنے اوپر خوف و خشیت پورے طور پر طاری کرے، خوف و تقویٰ کا حاصل یہ ہے کہ انسان اطاعت و عبادت خالص اللہ تعالیٰ کی کرے اور اس تصور و اعتقاد سے کبھی خالی نہ ہو کہ قادر مطلق نے اپنی قدرت کاملہ سے اس کو ایک جاندار سے پیدا کیا جس سے اس کی بیوی کو پیدا کیا اور ان دونوں کے تعلق باہمی سے مرد و عورت کا پورا ایک سلسلہ جاری کر کے تمام روئے زمین کو انسانوں سے آباد کر دیا۔

اہل نظر سمجھ سکتے ہیں کہ تخلیق انسانی کی کیفیت کا یہ نقشہ کھینچکر اسی لئے ہمارے سامنے رکھا گیا ہے کہ اس میں اللہ کا خوف اور اس کی خشیت پیدا کرنے کا زبردست داعیہ موجود ہے" اَلَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ" کا یہ چھوٹا سا ٹکڑا نہایت لطیف اور مؤثر انداز میں مطالبہ کر رہا ہے کہ لوگو! خدا سے ڈرتے رہو اس لئے کہ اس نے تم کو ایک جاندار چیز سے پیدا کیا، جو ذات اتنی عظیم الشان قدرت کا مظاہرہ کر سکتی ہے کہ ایک جاندار سے اتنی بڑی دنیا آباد کر سکتی ہے تو پھر اس کے اختیار و قبضہ سے یہ مجسمۂ خاکی باہر کب ہو سکتا ہے۔

دوسری چیز جو اس آیت میں بیان کی گئی ہے وہ اسی ہیئت تخلیق کو یاد دلاتے ہوئے صلہ رحمی کی ترغیب اور قطع تعلق کی ممانعت ہے جو "وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ" کے الفاظ سے ظاہر ہے، مطلب یہ ہے کہ اس خدا سے ڈرتے رہو جس کے نام سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے رہتے ہو" اور رحمی تعلقات اور محبتوں پر خط انقطاع کھینچنے سے ڈرتے رہو اس لئے کہ ان تعلقات اور ہمدردیوں کا قطع کرنا عظیم ترین اخلاقی اور اجتماعی جرم ہے اور اس کو جوڑنا اور برقرار

رکھنا خیر وفلاح کے دروازے کھولنے کے مرادف ہے، جو اجتماعی نقطۂ نظر سے بہت بڑا کارِ ثواب ہے، نیز عمر کی درازی، روزی کی وسعت و فراوانی، برکت اور ... جیسے کے نتائج اسی کی بدولت رونما ہوتے ہیں

قرآن حکیم کا اندازِ بیان ملاحظہ ہو، رشتہ داروں میں ہمدردی، محبت اور یگانگت کا داعیہ پیدا کرنے کا، قلبی رابطہ قائم کرنے کا اور صلہ رحمی کے پابند رہنے کا مطالبہ وہ کیسے مؤثر انداز میں کرتا ہے، وہ یاد دلاتا ہے کہ پوری مخلوق انسانی کا مرکز وجود ایک باپ اور ماں ہے، اس حقیقت کی توضیح اور یاد دہانی سے اخوت و مؤدت کا جذبہ بیدار ہونے اور اس سے غفلت و بے پروائی سے محترز رہنے کا جو سبق ملتا ہے وہ کسی مزید تشریح اور وضاحت کا محتاج نہیں، پھر اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا، کہہ کر اس رشتہ کو تازہ و برقرار رکھنے کی ایسی پُر اثر تنبیہ کر دی گئی ہے کہ اگر انسان اس کو پیش نظر رکھے تو خلاف ورزی کا تصور بھی نہیں کر سکتا، آیت کریمہ کا یہ ٹکڑا بتا رہا ہے کہ دیکھو اللہ تعالیٰ تم سے اور تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے، وہ ہر اس شخص سے واقف ہے جو تقویٰ اور صلہ رحمی کا پورے طور پر پابند ہے اور وہ شخص بھی اس کے احاطۂ علم سے باہر نہیں جس سے صلہ رحمی کی پاسداری میں مجرمانہ کوتاہی سرزد ہوتی ہے، اس لئے ناگزیر ہے کہ مالک حقیقی ہر ایک کے عمل اور کردار کا بدلہ وہی دے جس کا وہ مستحق ہے۔

موجودہ حالات میں مسلمانوں کو چند مشورے

قریباً ایک سال سے ملک میں فتنہ و فساد کا جو شیطانی چکر چل رہا ہے، خاص کر پچھلے دنوں پنجاب اور دہلی میں وسیع پیمانہ پر بربریت اور درندگی کی جو نمائش اور انسانیت کی جو تباہی و بربادی ہوئی ہے اُسنے سارے ملک کے امن و امان کو خطرہ میں ڈال دیا ہے، اگرچہ ہمارے صوبۂ یو-پی کی حالت اس لحاظ سے ابھی تک بہت کچھ غنیمت ہے اور صوبہ کے اکثر و بیشتر حصے میں بالکل امن و امان ہے، پھر بھی فضا میں ایک عام بےچینی اور بے اعتمادی اور دلوں میں خوف و ہراس پیدا ہو رہا ہے خصوصاً مسلمان چونکہ یہاں اقلیت میں ہیں اور حکومت کے اقتدار اور نظم و نسق میں وہ اپنے کو دخیل اور مؤثر نہیں سمجھ رہے ہیں اسلئے یہ بےچینی اور یہ خوف و ہراس اُن ہی میں زیادہ ہے —— اسی بارہ میں دین و ملت کے ہم چند خادم اپنے دینی بھائیوں سے چند باتیں عرض کرنا چاہتے ہیں۔

(۱) ہم کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسہ رکھنا چاہیے اور کسی وقت بھی اس حقیقت سے غافل نہ ہونا چاہیے کہ وہ قادر مطلق اور حی و قیوم ہے، اور وہ اگر نہ چاہے تو ہمارا بال بھی بیکا نہیں ہو سکتا، ہاں اگر ہماری بداعمالیوں کی وجہ سے وہی ہمیں اپنی نگاہ کرم سے گرادے تو پھر کوئی طاقت اور کوئی تدبیر بھی ہمیں ذلتوں اور مصیبتوں سے نہیں بچا سکتی، پس موجودہ حالات میں بجائے خوف و ہراس کے اپنے اندر اللہ پر توکل و اعتماد اور اُسکی طرف رجوع و انابت کی کیفیات کو زیادہ سے زیادہ بڑھایا جائے اور قرآن مجید کی اس ہدایت کو خاص طور سے پیش نظر رکھا جائے۔ قُل لَّن يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ (اے رسول آپ کہہ دیجئے کہ ہمیں کوئی مصیبت اور کوئی تکلیف نہیں پہنچ سکتی بجز اُسکے جس کا اللہ ہی نے فیصلہ کر دیا ہو، وہ ہمارا مالک اور مددگار ہے، اور ایمان والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے) —— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ کا طریقہ تھا کہ سخت سے سخت خطروں میں گھر جانے کے وقت بھی وہ اللہ ہی پر نظر رکھتے تھے اور "حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ" "اللہ ہی ہم کو کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے" کا اطمینانی کلمہ اُنکے دل و زبان سے جاری ہوتا تھا بہرحال ہمیں چاہیے کہ خوف و ہراس کو بالکل دلوں میں نہ آنے دیں، اور اللہ پر توکل اور خود اعتمادی کو اپنا شعار بنائیں، اور "ہمت مرداں مدد خدا" کے نظریہ پر یقین رکھیں۔

(۲) اسی کے ساتھ ضروری ہے کہ ہم وہ احتیاطیں بھی ملحوظ رکھیں جو ایسے حالات میں ضروری ہیں مثلاً بے وقت اور بے ضرورت اِدھر اُدھر نہ گھومیں، خواہ مخواہ بھیڑ اور اژدحام کی جگہوں پر نہ جائیں، سینما اور اسی قسم کے اور کھیل تماشے مسلمانوں کیلئے اسلام نے یوں بھی حرام کئے ہیں لیکن خصوصاً موجودہ خطرناک حالات میں وہاں جانا تو گناہ کے علاوہ بہت بڑی حماقت بھی ہے۔ بعض مقامات کے متعلق ہماری اطلاع ہے کہ سینما سے نکلتے ہوئے بہت سے لوگ موت کے گھاٹ

اُتار دیئے گئے، اور عورتیں غائب کی گئیں۔ بہر حال جس طرح یہ ضروری ہے کہ ہم خوف وہراس کو دلوں میں نہ آنے دیں اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ کسی بلند مقصد کے بغیر ہم خطرات کو مول نہ لیں، اور آوارہ گردی کی عادات چھوڑ دیں۔

(۳) ہمیں خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ فتنہ وفساد اور ظلم وغارت گری اللہ کو سخت ناپسند ہے اور اسلام میں حرام ہے، لہذا ہمیں پوری ایمانداری اور دیانت داری کیساتھ طے کر لینا چاہیئے کہ کوئی فتنہ فساد برپا نہیں کرینگے اور مفسدوں، ظالموں کی کسی طرح کی ہمت افزائی نہیں کرینگے، اور جہاں تک ہوسکے گا فضا کو پُرامن رکھنے کی کوشش کرینگے۔ اگرچہ اس کیلئے ہمیں تکلیفیں اور مصیبتیں اُٹھانا پڑیں، اور جان ومال کی بازی لگا دینی پڑے۔ اگر امن وامان کی فضا قائم رکھنے اور فتنہ وفساد کو روکنے کی کوشش میں بالفرض ہماری جانیں بھی چلی جائیں تو ہمیں بحیثیت ایک مسلمان کے یقین رکھنا چاہیئے کہ انشاء اللہ ہمیں حیاتِ جاودانی نصیب ہوگی۔ ایک دن مرنا برحق ہے اور اللہ کے بندوں کو ظلم وفساد سے بچانے کی کوشش میں مرجانا بہترین موت ہے۔

(۴) عام تجربہ ہے کہ فتنہ وفساد کے اکثر ہنگامے غلط افواہوں کی بنیاد پر ہو جاتے ہیں پس خوب سمجھ لیجئے کہ غلط افواہوں کا پھیلانا اور بلا تحقیق ان پر یقین کرنا اسلام کی نگاہ میں بھی بہت بڑا جرم ہے اور اس معاملہ میں آپ کی غفلت اور غلطی سے اگر کوئی ہنگامہ برپا ہوگیا اور کچھ جانیں ضائع ہوگئیں تو عنداللہ بھی آپ اسکے ذمہ دار ہونگے۔ لہذا اصول مقرر کر لیجئے کہ اگر کوئی افواہ آپ تک پہنچے تو کامل تحقیق کے بغیر اس پر یقین نہ کریں اور آپکے محلہ میں جو زیادہ سمجھ دار اور ذمہ دار قسم کے آدمی ہوں صرف ان کو اطلاع دیدیں کہ ہم نے ایسا سنا ہے اُنکے سوا کسی سے نہ کہیں اب آگے یہ اُنکا کام ہے کہ وہ اُس کے متعلق صحیح معلومات حاصل کرکے مناسب انتظام کریں۔ ایسے حالات میں قرآن شریف نے یہی طریقہ بتلایا ہے، اور عام مسلمانوں پر فرض کیا ہے کہ جب کوئی غیر معمولی بات اُن تک پہنچے تو اس کو تحقیق کیلئے اپنے ذمہ داروں تک پہنچا دیں اور عوام میں بالکل نہ پھیلائیں۔ بہر حال یہ نہایت ضروری انتظامی تدبیر بھی ہے اور قرآن شریف کا حکم بھی ہے۔

(۵) محلہ میں جو دوچار صاحبِ اثر اور معاملہ فہم حضرات ہوں اُنکا فرض ہے کہ محلہ کے حالات سے باخبر رہیں اور عام محلہ والوں میں خوف وہراس نہ آنے دیں، اور غلط افواہوں کو پھیلنے سے روکیں، اور اگر کوئی بات امن کے ذمہ داروں تک پہنچانے کے قابل ہو تو اُس کو پہنچائیں، اور قیام امن کیلئے ہر ممکن کوشش کریں، اور عام محلہ والوں کو چاہیئے کہ اُن کے مشوروں پر اعتماد کریں اور اُن کے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہ اُٹھائیں۔ یہ اصول اور یہ طرزِ عمل عام حالات میں بھی ضروری ہے، اور نازک اور خطرناک حالات میں تو گویا یہ فرض ہے۔

(۶) نیز اُن ذمہ دار اور صاحبِ اثر حضرات کو چاہیئے کہ محلہ میں یا پاس پڑوس میں اگر کچھ غیر مسلم حضرات رہتے ہوں تو اُن کو بھی مطمئن کریں اور امن برقرار رکھنے اور رواداری کی خوشگوار فضا پیدا کرنے کیلئے صدق دل کیساتھ اُن سے اشتراکِ عمل کریں، اور اس بات کا یقین رکھیں کہ ہر قوم کے معقول آدمی ہماری ہی طرح امن اور سلامتی کے خواہشمند ہیں اور فتنہ وفساد صرف غنڈے کرتے ہیں یا وہ جن کی عقل ماری جاتی ہے۔

اُن ذمہ دار اور صاحبِ اثر حضرات کو چاہئے کہ باہم مشورہ سے کام کریں جسکی آسان اسلامی صورت جسمیں نہ تو مستقل وقت کا خرچ ہوگا اور نہ کسی کو جمع کرنا اور بلانا پڑے گا یہ ہے کہ نماز کیلئے جب محلہ کی مسجد میں جمع ہوا کریں تو وہیں مشورہ طلب باتوں کا مشورہ بھی کرلیا کریں، اور عام لوگوں کو کوئی ہدایت دینی ہو تو اس کیلئے بھی یہی آسان طریقہ ہے ہر زمانہ میں پانچوں وقت مسجد میں حاضر ہوکر جماعت کیساتھ نماز پڑھنا اسلامی حکم کی رو سے ضروری ہے، اور اس وقت کیسے جیسے حالات ہیں اُسکی اہمیت اور بھی زیادہ ہے، اللہ اور اللہ کے رسول نے مسلمانوں کے تمام اجتماعی کاموں کو مساجد کی باجماعت نمازوں ہی سے وابستہ کیا تھا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ہماری پوری قومی اور دنیوی زندگی بھی رُوحانیت اور خداپرستی کے زیرِ اثر تھی۔ ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ مسلمان اس بھولے ہوئے سبق کو پھر سے یاد کریں اور مسجدوں کو مرکز اور باجماعت نمازوں کو اصل بُنیاد بناکر اپنی دینی زندگی کی از سرِ نو تعمیر کریں، جبتک یہ نہ ہوگا ہماری قومی زندگی روحانیت اور خداپرستی سے خالی رہیگی اور ہم مسلمان کہلائے جانیکے باوجود اسلامی مقصد و نصب العین سے دُور رہینگے بلکہ اپنی بے راہ روی اور نازیبا ترسانہ حرکات سے اسلام کو بدنام کرتے رہینگے جو آج ہمارا حال ہے۔

(۸) ہمارے جو بھائی موجودہ حالات میں ہراساں اور پریشان ہیں اُنسے بالخصوص اور دوسرے تمام مسلمانوں سے بالعموم آخر میں ہم کو پھر وہی بات عرض کرنا ہے کہ اسلام اور قرآن کریم نے بطور بنیادی عقیدہ کے یہ بات ہم کو بتلائی ہے کہ اس دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اُس کا اصل فیصلہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، پس بلاؤں اور مصیبتوں سے محفوظ رہنے کی ایک اہم اسلامی تدبیر یہ ہے کہ ہم اپنے اُن گناہوں سے باز آئیں جو اللہ کو ناراض کرنیوالے اور اُسکے غیظ و غضب کی آگ کو بھڑکانے والے ہیں، اور نیکی اور خداترسی کا وہ راستہ اختیار کریں جس سے اللہ راضی ہوتا ہے، اور ہم اس کی رحمت اور مدد کے مستحق ہوجاتے ہیں، اسلامی فلسفہ کی رو سے ہماری موجودہ پستی اور کمزوری اور تباہ حالی کا واحد سبب یہی ہے کہ ہم نے اپنی عملی زندگی میں اسلام کو چھوڑ دیا ہے اور خدا اور رسول کے احکام سے منھ موڑ لیا ہے، قرآن شریف میں جابجا وضاحت اور صراحت کیساتھ ہمیں یہ سنا دیا گیا تھا کہ دین کو ماننے کے بعد اور ایمان کا اقرار کرلینے کے بعد اگر کوئی قوم اور جماعت نافرمانی کی زندگی اختیار کریگی۔ (جیسا کہ آجکل نوّے فیصدی سے زیادہ مسلمانوں کا حال ہے) تو وہ دنیا میں بھی ذلیل اور رسوا کیجائیگی، اور دی ہوئی نعمتیں اُس سے چھین لیجائینگی[۱]

——— پس اگر مسلمان چاہتے ہیں کہ موجودہ ذلت و پستی اور آئندہ آنیوالی تباہی و بربادی سے نجات حاصل کریں تو دوسری تمام تدبیروں اور کوششوں کے علاوہ سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ صحیح معنی میں مسلمان بنیں، اگر موجودہ حالات میں وہ اپنے آپ کو اصلی مسلمان سمجھتے ہیں تو وہ بڑی غلطی میں ہیں، قرآن و حدیث میں مسلمانوں کی جو صفتیں بیان کی گئی ہیں یقین سمجھئے کہ ہم میں سے دو چار فیصدی میں بھی وہ مشکل ہی سے پائی جاتی ہیں۔ بہرحال پچھلے دور میں

---

[۱] قرآن مجید کی یہ تصریحات ایک مستقل مقالہ میں جمع کردی گئی ہیں وہ مقالہ ماہ جمادی الاولیٰ کے رسالہ "الفرقان" لکھنؤ میں شائع ہوچکا ہے، اُس کا عنوان ہے "کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ مسلمان اپنے طرزِ عمل پر از سرِ نو غور کریں"۔

اس سلسلے میں جو غفلت ہم سے ہوئی ہے ضرورت ہے کہ ہم اب اسکی تلافی کریں اور صحیح اسلامی زندگی [illegible] کے اللہ کی رحمت اور مدد کے مستحق بنیں، اُسکے احکام پر چلیں اور جن باتوں سے اُسنے منع فرمایا ہے اپنی زندگی [illegible] انسے پاک کریں اور اب تک جو کچھ ہوا ہے توبہ و استغفار کے ذریعہ اس کے داغ دھبّے دھوئیں۔

(۹) اس سلسلے میں ایک خاص بے راہ روی کے متعلق مسلمانوں کو خصوصیت [illegible] متنبہ کر دینا موجودہ فضا میں ہم ضروری سمجھتے ہیں۔ بعض مقامات کے متعلق سُننے میں آیا ہے کہ فسادات میں بے قصوروں پر حتیٰ کہ بچّوں اور عورتوں پر بھی بڑے سخت اور وحشیانہ ظلم کئے گئے ہیں، یاد رکھئے کہ یہ گُناہ اتنا بُرا ہے کہ بسا اوقات اللہ تعالیٰ کیطرف سے اس کی سزا دُنیا میں بھی دیجاتی ہے۔ مسلمان صحیح اسلامی معلومات نہ ہونے کی وجہ سے شاید اس بارے میں غلط فہمی میں ہوں، اس لئے ہم بہت کُھلے لفظوں میں کہہ دینا چاہتے ہیں کہ کسی بے قصور پر ہاتھ اُٹھانا اسلام میں قطعاً حرام ہے، اور رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایسے ظلم کرنیوالوں سے بیزاری اور بے تعلقی ظاہر فرمائی ہے، لہٰذا ہمارا اسلامی فرض ہے کہ کسی ظالم کے ظلم کا بدلہ کسی دوسرے بے قصور سے لینے کا ارادہ بھی نہ کریں بلکہ اگر غلطی سے کوئی ایسی حرکت کرنا چاہے تو اُس کو روکیں۔ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی مشہور حدیث ہے، آپنے ایک روز صحابۂ کرامؓ سے فرمایا "تم اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم"۔ کسی نے عرض کیا کہ حضرتؐ "مظلوم کی مدد کرنا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن ظالم کی مدد کا کیا مطلب ہے؟" آپؐ نے فرمایا کہ "اس کی مدد یہ ہے کہ اُس کا ہاتھ پکڑ لو، اور اُس کو ظلم نہ کرنے دو"۔ پس رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اس ارشاد کو ہمیں اپنا شعار بنا لینا چاہیئے۔

---

(۱۰) آخر میں ہم یہ بھی عرض کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہمیں اچھی طرح عام اور خاص ذرائع سے معلوم ہے کہ ہمارے صوبہ کی حکومت فتنہ و فساد کو ہر قیمت، اور ہر ممکن طریقہ سے روکنے کا فیصلہ کر چکی ہے، اس لئے ہمیں اُمید ہے کہ انشاء اللہ امن کی یہ فضا باقی رہیگی، اور فسادیوں کو فساد برپا کرنے کا موقع نہیں ملے گا خصوصاً اگر ہم آپ صدق دلی کیساتھ اپنے فرائض ادا کرنے اور کسی حال میں بھی گمراہ نہ ہونے کا فیصلہ کر لیں، تو شرارتی عنصر اپنے ناپاک مقاصد میں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکے گا —— اللہ تعالیٰ ہم سب کا مددگار ہو —— والسّلام۔

(مولوی) محمد منظور نعمانی (مدیر رسالہ "الفرقان" لکھنؤ)۔ (مولوی) عبد الغفار ندوی۔

ضروری اطلاع جن مسلمانوں کو موجودہ حالات کے سلسلہ میں کوئی مشورہ ہم سے کرنا ہو یا کوئی خدمت ہمارے لائق ہو تو ہر روز عصر و مغرب کے درمیان مولوی گنج مسجد خواص میں وہ ہم سے مل سکتے ہیں۔ ہم نے طے کیا ہے کہ جبتک یہ حالات ہیں انشاء اللہ روزانہ ہم وہاں حاضر رہا کرینگے۔

(مولوی محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے نامی پریس میں چھپوا کر دفتر "الفرقان" گوئن روڈ لکھنؤ سے شائع کیا)

(رجسٹرڈ نمبر اے ۳۵۳)

مسلمانوں کے تنزل سے دنیا کو کیا نقصان پہنچا؟

(از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

اس کتاب کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں کے برسراقتدار آنے سے پوری دنیا میں کس طرح روحانیت اور ایمانداری غالب ہوگئی تھی اور تمام اقوام عالم کے اخلاق و افکار اور تہذیب و تمدن پر کتنا اچھا اثر پڑا تھا، اور پھر مسلمانوں کے زوال اور یورپین اقوام کے برسراقتدار آنے سے دنیا کی تہذیب اور اخلاق و رجحانات پر کیا اثر پڑا ہے اور انسانوں پر مادیت و حیوانیت کس قدر غالب آتی جارہی ہے اور اب مسلمانوں کی ذمہ داری کیا ہے؟ - بلاشبہ یہ تصنیف اس طرح کی کتابوں میں سے ہے جو قوموں میں بڑے بڑے انقلاب کی بنیاد بن جاتی ہیں۔ (قیمت مجلد صرف ے ر)

حضرت مولانا محمد الیاسؒ
اور اُن کی دینی دعوت

(تالیف مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

جدید اڈیشن

یہ کتاب اس دور کے مشہور مصلح اور عارف مولانا محمد [illegible] کی سوانح حیات ہے، جس میں مولانا کے ذاتی حالات اور سوانح کے علاوہ اُنکی مشہور دینی دعوت کو بھی تفصیل سے پیش کیا گیا ہے، جو بلاشبہ اس دور کی سب سے بڑی اور گہری دینی تحریک ہے۔

اس دعوت و تحریک کے پس منظر، اسکے بنیادی اصول اور اسکی ارتقائی منزلوں کو جس تحقیق و تنقیح کیساتھ بہترین علمی اور تصنیفی زبان میں اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے وہ اسکے محترم مؤلف ہی کا خداداد حصّہ ہے۔

اس اڈیشن میں تین اضافے نہایت اہم ہیں

(۱) شروع میں حضرت علامہ سید سلیمان ندوی مدظلہٗ کا مفصل اور مبسوط مقدمہ ہے جس میں کتاب و سنت کی روشنی میں انبیاء علیہم السلام کے اصولِ دعوت کی تشریح کرکے دکھلایا گیا ہے کہ اس دینی تحریک کو اسوۂ انبیاء سے کس درجہ کی مطابقت ہے۔

(۲) حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے نہایت اہم خطوط و مکاتیب کے قریباً ۷۰ - ۸۰ اقتباسات یہ خطوط کتاب کی پہلی تیاری کے وقت نہیں مل سکے تھے۔

(۳) مولانا مرحوم کے آخری سفر حجاز کی مفصل روداد، جو حرمین میں دعوت کا سلسلہ جاری کرنے کے لئے کیا گیا تھا ——— اِن اضافوں نے کتاب کی قدر و قیمت اور اس کی تاثیر و طاقت میں بہت بڑا اضافہ کردیا ہے۔ اسکے علاوہ نظر ثانی میں اور بھی ضروری ترمیمیں اور بعض غلطیوں کی تصحیح کی گئی ہے۔

اس مرتبہ کتابت و طباعت خاص اہتمام سے دہلی میں ہوئی ہے۔ ہر طرح دیدہ زیب ہے (قیمت عہ)

ملنے کا پتہ کتب خانہ الفرقان گوئن روڈ لکھنؤ

اُردو زبان میں احادیثِ نبوی کا مستند ذخیرہ

"زادِ سفر" [illegible] اخلاق و اعمال، اور تہذیب و معاشرت بلکہ زندگی کے تمام انفرادی اور اجتماعی معاملات میں مسلمانوں کی رہنمائی کیلئے یہ کتاب کافی ہے یہ درحقیقت مشہور محدث امام نووی [illegible] کی مستند [illegible] "ریاض الصالحین" کا سلیس [illegible] زبان میں ترجمہ [illegible] حسب ضرورت حواشی میں مطالب کی مزید توضیح بھی کردی گئی ہے۔ ریاض الصالحین مسلم طور پر احادیث نبویہ کا بہترین اور نہایت جامع انتخاب ہے، اور افادہ کے لحاظ سے یہ ترجمہ بالکل اصل کے قائم مقام ہے۔ اور ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ایک ذی علم دینی بہن کے قلم سے ہے، شروع میں حضرت مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہٗ کا مقدمہ ہے۔ (جلد اول) (قیمت للعہ)

(محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے نامی پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر "الفرقان" گوئن روڈ لکھنؤ سے شائع کیا)

هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ

تبلیغی و اصلاحی ماہنامہ

الفرقان لکھنؤ

مُدیر مسئول

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

یاد رکھیے!

"الفرقان" اور "کتبخانہ الفرقان" بریلی سے لکھنؤ منتقل ہو گئے ہیں

لہذا جملہ خط و کتابت اور فرمائشات وغیرہ کیلئے ذیل کا پتہ یاد رکھیے!

دفتر "الفرقان" گوئن روڈ لکھنؤ (یو-پی)

چندہ سالانہ چار روپیہ

نمونہ کا پرچہ چھ آنہ

کتب خانہ الفرقان لکھنؤ کی مطبوعات

کلمۂ طیبہ - (لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تشریح) ۵ر

نماز - (نماز کی عظمت و اہمیت اور اسکی حقیقت) ۱۲ر

حکمت ولی اللّٰہی حضرت شاہ ولی اللہ کی علمی خصوصیات پر مولانا عبید اللہ سندھی کا بلند پایہ مقالہ جو "شاہ ولی اللہ نمبر" میں بھی شائع ہو چکا تھا ۸ر

منصب تجدید کی حقیقت تجدید و احیاء دین کے موضوع پر مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کا قابل دید مقالہ جو "شاہ ولی اللہ نمبر" میں بھی شائع ہو چکا ہے ۸ر

خطبات بمبئی (جناب مدیر الفرقان کی آٹھ تقریریں) ......عہ

تدوین اصول فقہ از قاضی عبد الرحمٰن (ایم اے عثمانیہ) فن اصول فقہ کی تاریخ اور اسکے ممتاز مصنفین اور انکی تصانیف پر تبصرہ، اس کتاب کا موضوع ہے عجیب و غریب فاضلانہ تصنیف ہے۔ عہ

تحقیق مسئلہ ایصال ثواب (از مدیر الفرقان) ۶ر

حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور اُن کی دینی دعوت کا جدید اڈیشن (تیار ہو گیا) ......عہ

مسلمانوں کی اصلی طاقت اور اسکے عروج و زوال کے اسباب ۶ر

برکات رمضان المبارک (از مدیر الفرقان) ۵ر

میری زندگی کے تجربے (از مدیر الفرقان) ۶ر

بوارق الغیب (حصہ اول) کاغذ سفید چکنا ......عہ
کاغذ رف سفید ......عہ

بوارق الغیب (حصہ دوم) کاغذ سفید چکنا ......عہ
کاغذ رف سفید ۱۲ر

شارع حقیقی کاغذ چکنا ۴ر
کاغذ رف ۳ر

میلۂ خدا شناسی ۲ر

احکام النذر لاولیاء اللہ و تفسیر ما اهل به لغير الله ۳ر

تیجہ اور دسویں وغیرہ کا شرعی حکم ۳ر

حضرت مجدد الف ثانی اور

کتب خانہ الفرقان میں

مفید دینی اور اصلاحی کتابوں کے مہیا رکھنے کی خاص کوشش کیجاتی ہے

خصوصاً

"دار المصنفین" "ندوۃ المصنفین" اور "مکتبہ جماعت اسلامی" جیسے علمی و دینی اداروں کی مطبوعات

اور گذشتہ و موجودہ اکابر علماء میں سے شاہ ولی اللہؒ اور اُنکے سلسلہ کے دیگر اکابر و مشائخ کی تصنیفات اور علماء دیوبند و سہارنپور کی خاص تالیفات

حتی الوسع جمع رکھنے کا اہتمام کیا جاتا ہے

اس کے علاوہ

چونکہ لکھنؤ میں اور بھی چند بڑے بڑے کتب خانے ہیں جن سے کتابیں لیجا سکتی ہیں اسلئے آپ "کتب خانہ الفرقان" سے ہر قسم کی اچھی اور مفید کتابیں طلب فرما سکتے ہیں

فتنۂ رفض و تفضیلیت کے خلاف حضرت مجدد الف ثانی کا جہاد ۴ر

جدید تعلیم اور علمائے کرام ۳ر ۔ نماز اور خطبہ کی زبان ۳ر

اسلام اور نظام سرمایہ داری ۸ر

تعزیہ داری وغیرہ رسوم محرم سنی نقطۂ نظر سے ۴ر

روداد مناظرہ بریلی ۸ر ۔ مباحثہ سماج بریلی ۴ر

زمانۂ حال کے اہل بدعت ۴ر

خاکسار تحریک کیوں قابل قبول نہیں؟ ۳ر

علام انجیل (اصلی انجیل کے دنیا سے ناپید ہونے کا ثبوت) ۴ر

مسئلہ علم غیب پر فیصلہ کُن مناظرہ ... قسم اول ۸ر قسم دوم ۶ر

روداد مناظرہ گیا ۸ر ۔ کو الف بمبئی ۳ر

پہلے اِسی کو ملاحظہ فرمالیجئے!

از محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

برادرانِ دینی! وفقنا اللہ وایاکم لما یحب ویرضیٰ — سلام ورحمت

ہندوستان کے مسلمان اسوقت جس دورِ ابتلا سے گذر رہے ہیں اور آئندہ اس سے بھی زیادہ جن ہولناک واقعات کا خطرہ ہے، قرآن مجید کی تصریحات کے مطابق یہ سب اُنکی خدا فراموشانہ زندگی کا پھل ہے، اس عاجز نے مسلمانوں کے مجمعوں میں بھی اور الفرقان کے صفحات میں بھی ہمیشہ چیخ چیخ کے کہا ہے کہ جبتک مسلمان من حیث القوم ایمان وتقویٰ والی دینی زندگی اختیار نہ کرینگے، صورت حال کم وبیش یہی رہیگی اور وہ اسی طرح گرفتار مصائب اور ذلیل وخوار رہینگے، بلکہ مجھے تو (قرآنی آیات ہی کی روشنی میں) بالکل فلق صبح کی طرح اس کا بھی یقین ہے کہ اگر پاکستان اور دوسرے اسلامی ممالک کے مسلمان بھی (مادی حیثیت سے جنکی کمزوری ظاہر باہر ہے) اپنی حالت درست نہ کرینگے اور اللہ سے اور اُسکے دین سے اپنے کو وابستہ نہ کرینگے تو اُنکی بھی خیر نہیں ہے، اور خدانخواستہ وہ بھی جلد ہی اپنا بدانجام دیکھ لینگے۔ اللہ کا قانون اٹل اور بڑا بے لاگ ہے۔ ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلاً —

اسلئے ابتک جو کچھ ہوچکا ہے اُس پر رنج وغم سے زیادہ فکر اور بےچینی کی چیز ہر جگہ کے مسلمانوں کے مستقبل کا معاملہ ہے کیونکہ صاف نظر آرہا ہے کہ ان میں انابت اور رجوع الی اللہ کی کیفیت جو پیدا ہونی چاہئے تھی اب بھی پیدا نہیں ہوئی اور وہ اب بھی اصلاح وتبدیلی پر آمادہ نہیں ہوئے۔

اسوقت بعض اکابر اور احباب اور خود یہ عاجز بھی سخت فکرمند اور بےچین ہیں کہ کس طرح ہندوستان و پاکستان بلکہ کل عالم اسلامی کے مسلمانوں میں اس اصلاحی دعوت کو پھیلایا جائے — احساس کی کمی کی وجہ سے کام کرنے والے بندوں کی بھی بیحد کمی ہے اور تبلیغ ودعوت کے دوسرے ذرائع بھی نہ ہونے کے برابر ہیں۔

بعض مخلص احباب جن کا احساس دینی اسوقت بہت تیز ہے اُن کا اصرار ہو رہا ہے کہ کم از کم الفرقان ہی کو اسوقت بجائے ماہوار کے ہفتہ وار کر دیا جائے تاکہ جو پیغام مسلمانوں کو مہینہ میں ایک دفعہ پہنچتا ہے وہ کم سے کم ہفتہ میں ایک بار پہنچ جایا کرے اور اسکے خاص دعوتی اور اصلاحی مضامین ہر جمعہ کو مساجد میں پڑھے جاسکیں، ان مخلصین کو میری مجبوریوں کا علم واندازہ نہیں ہے — کچھ تو عملی تبلیغ کے مشاغل کے سبب اور کچھ اپنی نااہلیت اور ناکارگی کی وجہ سے میرا حال تو یہ ہے کہ میں الفرقان کو پابندی کیساتھ کبھی ماہ بماہ بھی شائع نہ کرسکا — اور آمد وصرف کے موجودہ تناسب کو دیکھتے ہوئے اسکی ہمت نہیں کی جاسکتی کہ ہفتہ وار کیلئے مضامین کی تیاری وترتیب اور دفتری کام کو سنبھالنے کیلئے اور رفیقان کار کی خدمات حاصل کی جائیں جن کی وجہ سے کافی مصارف بڑھ جائینگے۔

صورت حال یہ ہے کہ جبوقت دفتر بریلی سے لکھنؤ منتقل کیا گیا تھا اُسوقت بھی رسالہ کے مصارف اُسکی

آمدنی سے زیادہ تھے (جو کسی درجہ میں کتب خانہ کی آمدنی سے پورے ہو جاتے تھے) لیکن اسکے بعد کچھ تو فسادات کے اثر سے اور کچھ ملک کی تقسیم کے بعد رسل و رسائل کا انتظام درہم برہم ہو جانے کی وجہ سے، مشرقی پنجاب اور پورے پاکستان میں رسالہ اور کتابوں کے جانے میں مشکلات پیدا ہو گئیں اور اس پورے علاقہ سے رسالہ اور کتابوں کے آرڈر آنے بہت ہی کم ہو گئے — اب ۱۴ مہینے سے صورت یہ ہے کہ آمد سابق کے لحاظ سے نصف بھی نہیں ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ الفرقان پر صرف ان چار مہینوں میں چھ سو روپیہ کا مزید بار ہو گیا اور قریب پانچ سو کے وہ پہلے سے مقروض تھا گویا اسوقت الفرقان پر گیارہ سو کا قرض ہے، ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں اس کو ہفتہ وار کرنے کی کس طرح ہمت کیجا سکتی ہے — تاہم چونکہ اسوقت مجھے بھی اسکی ضرورت شدت سے محسوس ہو رہی ہے اسلئے غور کرنے اور حساب لگانے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور آپ حضرات کی جد و جہد سے الفرقان کے خریداروں کی تعداد دو ہزار ہو جائے (جو کوئی بڑی بات نہیں ہے) تو اس کو ہفتہ وار کیا جا سکتا ہے اور پھر وہ انشاء اللہ بہ حیثیت اعلیٰ معیار پر اور اچھے انتظام کیساتھ شائع ہو سکتا ہے، بس اس صورت میں اشاعت اور انتظام کی تمام ذمہ داریاں دوسرے صاحبان کے سپرد کر دوں گا اور اپنے ذمہ صرف مضامین لکھنا اور مرتب کرنا رکھوں گا اور مجھے اُمید ہے کہ انشاء اللہ رفیق محترم مولانا سید ابو الحسن علی عمّ فیضہم بھی (جو عنقریب حجاز سے واپس آنیوالے ہیں) مضامین کی تیاری و ترتیب کی اس ذمہ داری میں میرے مستقل شریک ہونگے۔

پس جو احباب کرام مسلمانوں میں دینی دعوت کو پھیلانے کیلئے اسکی ضرورت زیادہ محسوس فرما رہے ہیں وہ دعائیں فرمائیں، اور کچھ کر سکیں تو توسیع اشاعت کیلئے بھی سعی فرمائیں، اس سلسلہ میں میری سعی بس اتنی ہی ہے کہ میں نے صورت حال آپ حضرات کے سامنے بلا کم و کاست رکھ دی۔

لیکن یہ ملحوظ رہے کہ دین کی دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں اصلی چیز زندہ اور بولتے چالتے اور چلتے پھرتے انسانوں کی جد و جہد ہے، کوئی ماہوار رسالہ یا ہفتہ وار اخبار جب ہی مفید ہو سکتا ہے کہ آپ حضرات اسکے اصلاحی اور دعوتی مضامین کثرت سے لوگوں کو پڑھ کر سنائیں دوسرے پڑھے لکھوں کو دکھلائیں اور اس میں لکھے ہوئے پروگرام پر خود عمل پیرا ہوں اور دوسروں کو عامل بنانے کی کوشش کریں، اگر یہ نہیں تو کسی رسالہ یا اخبار کی اشاعت اگر بالفرض دس ہزار بھی ہو تو نتیجہ کچھ نہ ہوگا، رسائل و اخبارات تو تبلیغ کیلئے اسلحہ ہیں ان سے کام لینے والے اور ان کے ذریعہ دلوں کی دنیا کو فتح کرنیوالے سپاہی اگر کوشش نہ کریں تو کیا ہو سکتا ہے۔ اس لئے سب سے اہم اور اصل کام یہی ہے کہ آپ خود بھی داعی اور مبلغ بنیں، دینی دعوت کا مختصر اور ابتدائی پروگرام اسی رسالہ کے سب سے آخری مضمون میں دیکھئے اور دیوانہ وار جد و جہد میں لگ جائیے!

(محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ)

جلد (۱۴) | بابتہ ماہ ذیقعدہ و ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ | نمبر (۱۱-۱۲)

چند ضروری باتیں

(۱) اس جگہ ▭ سرخ پنسل کا نشان اور رسالہ میں منی آرڈر فارم اس بات کی نشانی ہو کہ آپ کی مدت خریداری اس پرچہ پر ختم ہو گئی لہذا آئندہ کیلئے سالانہ چندہ مبلغ چار روپے بھیجکر ممنون فرمائیے اور اسوقت چونکہ ہم کو روپیہ کی سخت اور فوری ضرورت ہو اسلئے ازراہِ عنایت آپ اپنا چندہ منی آرڈر ہی سے بھیجئے۔ وی پی کا انتظار نہ فرمائیے بلکہ اگر چند خریداروں کا چندہ اکٹھا کر کے روانہ فرما دیں تو اسوقت آپکی یہ خاص مدد ہو گی۔

(۲) مشرقی پنجاب اور دہلی نیز دوسرے فساد زدہ مقامات کے احباب خریداران الفرقان اسوقت جہاں کہیں مقیم ہوں براہِ کرم وہ اپنے حالات خیر و عافیت اور اپنے موجودہ پتہ و نمبر خریداری سے اولین فرصت میں ضرور مطلع فرمائیں ہم کو بڑی سخت فکر و تشویش ہو۔

(۳) خط و کتابت اور ترسیل زر کیوقت اپنا پورا پتہ اور نمبر خریداری ضرور لکھئے تاکہ اندراجات صحیح ہوں اور تعمیل یا جواب میں تاخیر نہ ہو۔

(۴) فسادات کے اثر سے لکھنؤ میں کچھ دنوں سے کاغذ کی بیحد کمی ہو گئی ہے اس لئے اس وقت یہ رسالہ جو دو مہینہ کا مشترک پرچہ ہے صرف ۸۰ صفحات کا شائع کیا جا رہا ہے، اور یہ اتنا کاغذ بھی بڑی مشکل سے حاصل ہو سکا ہے۔ سولہ صفحے لکھے لکھائے روک لینے پڑے ہیں۔

ناظم "الفرقان" لکھنؤ

باسمہٖ سبحانہٗ حامداً و مصلیاً

نگاہِ اوّلیں

ہماری قوم کے جن سیاسی لیڈروں کی آواز کو واقعات کی ایک خاص رفتار نے پچھلے ۸-۱۰ سال میں بہت زیادہ مقبول بنا دیا تھا اور ہندوستانی مسلمانوں کی قریباً ۹۰ فیصدی اکثریت نے واحد نمایندگی کی سند دے کر جن کو پوری قوم کی قسمت کے فیصلہ کا کامل اختیار دے دیا تھا، انھوں نے اپنی دانست میں مسلمانوں کے ساتھ چاہے کتنی ہی بھلائی کا ارادہ کیا ہو اور چاہے اب بھی ان کا خیال یہی ہو کہ جو کچھ انھوں نے کیا کرایا وہی مسلمانوں کیلئے بہتر تھا اور بہتر ہے، لیکن یہ حقیقت تو آنکھوں کے سامنے آچکی ہے کہ ان کی سیاسی پالیسی کے نتیجہ نے ہندوستان کے ۴-۵ کروڑ مسلمانوں کے دین و دنیا دونوں کو کامل تباہی و بربادی کے حوالہ کر دیا ہے —— اور اس کے بدلے میں قریباً اتنے ہی مسلمانوں کو قیام پاکستان کی وجہ سے جو سیاسی استقلال ملا ہے اور جو "خود مختار حکومت" قائم ہوئی ہے، ہمارا اندازہ ہے کہ مستقبل جلدی ہی اس کا بھی فیصلہ کر دے گا کہ یہ سودا مجموعی طور پر مسلمانوں کیلئے نفع مند ہوا یا نقصان رساں اور —— سستا پڑا یا مہنگا۔[1]

---

[1] اس بارہ میں ہمارا صاف نظریہ یہ ہے کہ اگر پاکستان میں درحقیقت "اسلامی حکومت" قائم ہوتی ہے جسکی بنیاد اللہ و رسولؐ کے احکام اور کتاب و سنت کی رہنمائی پر رکھی جاتی ہے، تو پھر جو کچھ ہوا اور ہندوستان کے مسلمانوں کو جو بیحساب بے شمار جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا، ہمارے نزدیک وہ کچھ زیادہ رنج و غم کے قابل نہیں، بلکہ اس راہ میں اگر اور بھی قربانیاں دینی پڑیں تو صبر و ثبات کیساتھ ہمیں اُنکا استقبال کرنا چاہئے، ایمان کے بازار میں یہ جنس اتنی ہی گراں بہا ہے کہ سب کچھ نثار کرنے کے بعد بھی یہی کہنے کو جی چاہتا ہے کہ ؎ "نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز"

لیکن اگر ایسا نہیں ہوتا ہے اور پاکستان میں ٹرکی وغیرہ کے طرز پر ہی غیر دینی جمہوری حکومت قائم کیجاتی ہے (بقیہ ص پر)

اس وقت تو ہم اپنے ان سیاسی قائدین کی ایک خاص غلط کاری کے متعلق جس سے براہِ راست دین کو بہت زیادہ نقصان پہنچا ہے اور پہنچ رہا ہے کچھ عرض کرنا اور اس کی تلافی کی کوشش کی طرف مسلمانوں کو توجہ دلانا چاہتے ہیں۔

اس حقیقت سے شاید کسی واقف کار کو بھی انکار کی جرأت نہ ہوگی کہ ہمارے ان لیڈروں کی ابتک جو سیاسی پالیسی رہی اور جس پروگرام پر وہ قوم کو چلاتے رہے، اس کی بنیاد "اسلامی تعلیمات" پر نہ تھی اور نہ اس راہ میں انھوں نے اسلام کے اصلی مآخذ کتاب و سنت اور اسوۂ نبوی سے کوئی رہنمائی حاصل کی تھی، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ان کی یہ سیاست یورپین اقوام سے سیکھی ہوئی تھی اور اسلئے اسلامی سیاست کے بنیادی اصول خدا پرستی، راست بازی اور قیام بالقسط (یعنی ہر حال میں حق اور عدل و انصاف پر قائم رہنے) کے بجائے ان کی سیاسی پالیسی کی بنیاد قوم پرستی اور مفاد قومی پر تھی —— مگر مسلمانوں کے ان سیاسی وکیلوں نے اپنے سیاسی مقدمہ کو اول سے آخر تک اسلام ہی کے نام پر لڑایا اور مسلمانوں کی زیادہ سے زیادہ تائید و حمایت حاصل کرنے کیلئے اسلام کے نام کا اسقدر بے پناہ پروپیگنڈا کیا کہ عام مسلمانوں نے (بہت سے اچھے خاصے علم و عقل رکھنے والوں نے بھی) یقین کر لیا کہ واقعۃً یہ جو کچھ ہو رہا ہے عین اسلام ہے اور خالص اسلام کیلئے ہے —— خیر مسلمانوں کو تو یہ باور کرانے کی ان حضرات کو ضرورت بھی تھی اور یہ اس میں قریب قریب سو فی صدی کامیاب بھی ہو گئے، لیکن ساتھ ہی ساتھ غیر مسلموں نے بھی یہی جانا اور یہی سمجھا کہ فی الواقع اسلامی سیاست یہی ہے جس کا مظاہرہ مسلمان قوم نے اپنے ان سیاسی لیڈروں کی قیادت میں کیا ہے (جس میں اختلاف رائے رکھنے والے مسلمانوں کے ساتھ بھی ظلم و جبر اور ہر طرح کی تذلیل و اہانت اور ایذا رسانی روا تھی۔ بلکہ اس کا نام جہاد تھا) پھر اسی سیاست نے عام مسلمانوں کے ذہنوں کی جو تربیت کی

(صفحہ کا بقیہ فوٹ ملاحظہ فرمایئے) جس میں بجائے احکام خداوندی کے مسٹر فلاں اور مسٹر فلاں کے بنائے ہوئے قوانین کی حکومت ہوتی ہے (اور افسوس کے ساتھ ہمیں اس کا اظہار کرنا پڑتا ہے کہ روز بروز یہ اندیشہ زیادہ قوی ہوتا جا رہا ہے کہ خدانخواستہ ایسا ہی ہوگا اور پاکستان کے موجودہ ارباب حکومت بجائے "خود مختاری" کے "خدا مختاری" کے اصول کو حکومت کی بنیاد نہیں بنائیں گے) تو پھر ہم نہایت صفائی سے عرض کرتے ہیں کہ ایک مومن کی نگاہ میں پاکستان کا یہ سودا بہت ہی گھاٹے کا ہے، اور ہندوستان کے دوسرے علاقوں سے قطع نظر صرف ایک مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کا جو جانی، مالی اور دینی نقصان ہوا ہے، پاکستان سے بڑی کوئی غیر دینی حکومت بھی ہمارے نزدیک اس کا بدل نہیں ہو سکتی۔

جس کا تجربہ غیر مسلموں نے بھی مختلف مقامات پر کیا۔ ان سب چیزوں نے بہت سے غیر مسلموں کے دلوں میں یہ بات بٹھادی کہ اسلام کا نظام سیاست بڑا ہی جابرانہ اور غیر روادارانہ قسم کا نظام سیاست ہے اور اس میں کسی غیر مسلم کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کا کوئی اطمینان نہیں ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہندوستان و پاکستان کے بعض ذمہ دار ہندو لیڈروں کی طرف سے صاف صاف یہ مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ "حکومت پاکستان" غیر مسلم اقلیت کے اطمینان کیلئے غیر مشتبہ لفظوں میں یہ اعلان کرے کہ ہماری حکومت اسلامی اصولوں پر اور اسلامی شریعت کے مطابق نہیں چلائی جائے گی بلکہ وہ ایک غیر مذہبی جمہوری ریاست رہے گی ——— ان کا کہنا ہے کہ اس کے بغیر پاکستان کے غیر مسلموں کو اپنے مستقبل کی طرف سے اطمینان نہیں ہو سکتا۔

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ اس غلط مطالبہ میں بہت کچھ دخل اُس باہمی مخاصمت و منافرت کو بھی ہے جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے اندر حد سے بڑھ گئی ہے اور جس کے اس درجہ بڑھ جانے کی ذمہ داری مسلمانوں کے علاوہ ہندوؤں پر بھی ہے ——— لیکن ہمارے نزدیک ہندو لیڈروں کے اس مطالبہ کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ پچھلے ۸ ــ ۱۰ سال میں ہمارے لیڈروں نے اور ان کی قیادت میں قوم نے اپنی قوم پرستانہ سیاسی پالیسی کے سلسلہ میں اسلام کا نام لے لے کے جو کچھ کیا ہے اور اس کے نتیجہ میں مسلمانوں میں سخت جاہلانہ قسم کی جو قومی عصبیت پیدا ہو گئی ہے اسی کے تلخ تجربوں نے ان غیر مسلموں کی رائے کو اسلام کے متعلق اس قدر غلط کر دیا ہے کہ وہ "اسلامی نظام حکومت" کے نام سے پناہ مانگتے ہیں اور مسلمانوں کی غیر مذہبی حکومت کو اُنکی مذہبی حکومت سے بہتر سمجھتے ہیں۔

آہ! اس حقیقت ناشناس اور فریب خوردہ دنیا کو کس طرح بتلایا جائے اور کیونکر باور کرایا جائے کہ بعض مقامات کے مسلمانوں کی جن ناانصافیوں، ناشائستہ حرکتوں، اور جن زیادتیوں نے پاکستان کی غیر مسلم اقلیتوں کو غیر مطمئن اور خوفزدہ کر دیا ہے وہ در اصل مسلمانوں کی غیر مذہبی سیاست ہی کا نتیجہ ہیں، اگر ان کے ذہنوں کی تربیت اسلامی اصول سیاست پر ہوئی ہوتی اور وہ احکام اسلامی کے پابند ہوتے تو ہمارا یا مشرقی پنجاب کے کسی ظلم کے بدلہ میں پاکستان کے کسی ہندو اور سکھ کا بال بھی بیکا نہ ہوتا، اور پنجاب و سرحد یا سندھ سے ایک غیر مسلم بھی ہندوستان آنے کا خواہشمند نہ ہوتا، اور اگر کوئی جذباتی مسلمان کسی غیر مسلم کے ساتھ کوئی زیادتی کرتا تو اسلامی حکومت اور عوام مسلمین کی کوئی ہمدردی اور حمایت اس کو حاصل نہ ہوتی اور حق پرست مسلمان ہی اس کے خلاف گواہی دینے والے ہوتے اور اس گواہی کو اللہ تعالیٰ کا حکم اور بہت بڑا

کار ثواب سمجھتے اور اسلامی حکومت کا عدل اس زیادتی کرنے والے مسلمان کو پوری قانونی سزا دیتا۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک اونچے خاندان کی عورت پر چوری کا جرم ثابت ہو گیا تھا، بعض لوگوں نے چاہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک نہایت مقرب اور محبوب صحابی سے سفارش کرا کے اس معاملہ کو دبوا دیا جائے تاکہ فلاں خاندان کی رسوائی نہ ہو ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جب بات پہنچی تو آپ نے نہایت غضبناک ہو کر ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ اللہ کے مقرر کئے ہوئے قانونِ عدل میں کسی رو رعایت کی ہرگز امید نہ رکھی جائے اور خبردار کوئی ایسی سعی سفارش کی جرأت نہ کرے۔ اس خطبہ کے آخری پر جلال الفاظ یہ تھے۔

وایم اللہ لو ان فاطمۃ بنت محمد سرقت لقطعت یدھا۔	خدا کی قسم اگر خود محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کا ارتکاب کرے تو میں اُس کا بھی ہاتھ کٹوا دوں گا۔ (اعاذھا اللہ منہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ایک فقرہ میں اسلامی عدل و انصاف کی روح بھری ہوئی ہے اگر مسلمانوں کی کوئی حکومت عدل و انصاف میں، اپنے اور پرائے اور مسلم اور غیر مسلم میں فرق کرنے لگے تو وہ "اسلامی حکومت" نہیں ہے۔

بس سب سے پہلے تو ہم اپنے مسلمان بھائیوں سے خاصکر پاکستان کے ارباب اقتدار سے عرض کرتے ہیں کہ خدا کیلئے آپ حضرات یا تو اسلام کو اپنا لائحہ عمل بنائیے اور اپنی حکومت کی پالیسی کو اسلامی تعلیمات کا پابند کیجئے ——— اور پھر دیکھئے کہ آپ دنیا میں بھی کتنے کامیاب ہوتے ہیں اور آپکی طاقت اور پاکستان کے استحکام میں کتنا اضافہ ہوتا ہے ——— لیکن اگر ہماری بدبختی سے آپ یہ نہیں کرنے والے ہیں تو خدارا اسلام کو اب اس سے زیادہ رسوا اور ذلیل نہ کیجئے اور صاف اعلان کر دیجئے کہ ابتک ہماری جو سیاست رہی وہ بھی غیر اسلامی سیاست تھی اور آئندہ بھی ہماری حکومت اسلامی اصول و آئین کی پابند ہو کر نہیں چلے گی، تاکہ آپ کی غلط کاریوں سے اسلام کا دامن تو داغدار نہ ہو، اور دنیا اسلام سے اظہار بیزاری پر تو مجبور نہ ہو۔

دین کو ایک مقدس امانت سمجھنے والوں کیلئے یہ معاملہ بہت اہم ہے اور انھیں سوچنا چاہئے کہ مسلمانوں کے مسلّمہ قائدوں کی طرف سے اسلام کے نام کے ساتھ غیر اسلامی طرز عمل کا یہ سلسلہ اگر آئندہ بھی اسیطرح

مدینۂ طیبہ سے

رفیق محترم مولانا سید ابو الحسن علی کے مکاتیب گرامی

مدینہ کی بہاریں ـــ مسجد نبوی کے مناظر ـــ دینی دعوت کی سرگرمیاں

الفرقان میں ابھی تک اس کا ذکر نہیں آیا ہے کہ رفیق محترم مولانا سید ابو الحسن علی ندوی امسال حج کو تشریف لے گئے ہیں، اور چونکہ حج و زیارت کے علاوہ اس سفر سے اُنکا ایک خاص مقصد یہ بھی ہے کہ احیاء دین اور اصلاح اُمت کا جو کام ایک خاص طرز پر ہندوستان میں ہو رہا ہے اور جس کی صحت و افادیت تجربہ سے بھی معلوم ہو چکی ہے اُس کو مرکز اسلام میں بھی رواج دینے کی کوشش کی جائے، بلکہ اہلِ عرب کو دعوت دیجائے کہ وہی اپنے گھر کی اس دعوت کے علمبردار بنکر اپنے آبار کرام کی طرح جد و جہد کے میدان میں آئیں اور ساری اسلامی دنیا کو پھر سے اسلام کیلئے اُٹھائیں۔ نیز حج کے بین الملی اجتماع کے موقع پر مختلف ممالک سے آنیوالے دین کے دردمند مسلمانوں تک بھی یہ پیام پہنچایا جائے۔ بہرحال چونکہ مولنا موصوف کے سامنے یہ کام و پیام بھی تھا، اسلئے وہ شعبان ہی میں چلے گئے تھے اور شروع رمضان مبارک سے وسط ذیقعدہ تک قریباً ڈھائی مہینے مدینۂ طیبہ میں قیام رہا ـــ اس عرصہ میں انھوں نے جو خطوط یہاں کے اپنے بعض احباب کو لکھے ہیں آج ہم ان کو ناظرین الفرقان کی خدمت میں بھی پیش کرتے ہیں۔ بعض فقرے جو محض نجی حیثیت رکھتے تھے حذف کر دیئے گئے ہیں ـــ م ن

(۱)

(بخدمت جناب مولوی ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب برادر معظم مولانا علی)

المدینۃ المنورہ ۱۷ رمضان ۱۳۶۶ھ

برادر صاحب مخدوم و معظم - السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

ہم لوگ ۵ رمضان مبارک کو مدینہ منورہ پہونچے، اونٹوں کے بجائے دوستوں کے مشورہ سے لاری پر آئے، دو سرے روز بخیریت پہونچ گئے اور باب النساء کے محاذی مسجد نبوی کے بالکل متصل مدرسہ کے ایک مکان میں قیام ہوا، رمضان کی وجہ سے آفاق و اطراف کے لوگوں کی آمد ہے، اس زمانہ میں مکہ مکرمہ جدہ اور طائف کے لوگ بھی آتے ہیں، سالہائے گذشتہ کے مقابلہ میں باہر کے حجاج کی بھی آمد شاید زیادہ ہے۔ جاوا، سماٹرا، ملایا، مصر کے علاوہ ——— خاص بات یہ ہے کہ ترکی سے حجاج بھی آنا شروع ہو گئے ہیں، حج کے نام سے تو اجازت نہیں ملی مگر تجارت کے نام سے آرہے ہیں۔

دوسرے ہی روز سے عربی اجتماعات و مجالس کا سلسلہ شروع ہوا۔ جمعہ کی نماز کے بعد عربوں کا ایک اجتماع ہوا جس میں بعض ممتاز علماء نجد بھی تھے جن کی ہم کو اطلاع نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے بڑی مدد فرمائی اور حیثیت و استعداد سے زیادہ کہلوایا لوگ بہت مسرور و متاثر ہوئے، اس کے بعد ایک ہندی عالم نے اپنے عرب دوستوں کے مکان پر مدعو کیا وہاں تقریر ہوئی اور کام کے موانع و امکانات پر تبصرہ و مذاکرہ رہا۔ دوسرے جمعہ کو بعد نماز پھر اجتماع ہوا جس میں وزارت تعلیم کے بعض اشخاص و علماء نجد تھے۔ تقریر کے بعد انھوں نے جوابی تقریریں کیں اور اپنی مدد کا اطمینان دلایا۔ ایک مجلس ایک طبیب الاسنان کے یہاں ہوئی جس میں بعض اعیان تھے۔ اس عرصہ میں یہاں کے علماء و شیوخ سے بھی برابر ملنا ہوتا رہا۔ سب حسن اخلاق و التفات سے پیش آئے۔ ہمارا رسالہ "الی ممثلی البلاد الاسلامیۃ"[1]

---

[1] الفرقان گذشتہ مارچ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کے دار السلطنت دہلی میں جو بین ایشیائی کانفرنس ہوئی تھی اسمیں ممالک اسلامیہ کے جو نمائندے شریک ہوئے تھے "تحریک احیاء دین و اصلاح امت" کی دعوت ان تک پہونچانے کیلئے رفیق محترم مولانا علی نے یہ چھوٹا سا رسالہ عربی زبان میں لکھا تھا - اہل علم کیلئے قابلِ دید ہے، ہم نے اس کو اردو میں منتقل کرنے کیلئے ایک دوست کے حوالہ کر دیا ہے، انشاء اللہ الفرقان کی کسی قریبی اشاعت میں ہدیۂ ناظرین کر سکیں گے۔

جو دہلی سے چھپ کر کراچی میں مل گیا تھا، یہاں بحمد اللہ علماء و ادباء میں بہت مقبول ہو رہا ہے۔ ایک بڑے مصری مدرس نے مسجد نبوی کے ایک حلقہ میں پڑھ کر سنایا اور اس کی ادبیت و عربیت اور مضامین کی صحت کی داد دی، معلوم ہوا کہ ایسے متنوع و متعدد رسائل کی ضرورت ہے لوگوں میں پڑھنے کا ذوق بڑھ رہا ہے اور صحیح دینی چیزیں بہت متاثر کرتی ہیں۔ بعض صحیح الخیال علماء نجد بہت زیادہ مانوس ہو گئے ہیں اور رسالہ کی اشاعت کر رہے ہیں خیال ہے بعض دوسری تحریریں جو ساتھ ہیں مکہ مکرمہ میں چھپوالی جائیں۔

اب عربی زبان خصوصاً زندہ اور ترقی یافتہ اور عصری زبان کی تحصیل کی قدر آرہی ہے اگر اس کا پہلے سے موقع نہ ملتا تو لوگوں کی توجہ مشکل تھی، پہلے تو لوگوں کیلئے یہی بات جاذب نظر ہوتی ہے کہ ایک ہندی، عربی زبان ان کی طرح بول رہا ہے، کاش ہمارے دار العلوم کے طلبہ و معلمین اس نکتہ کو سمجھتے اور اس مقصد کیلئے اپنے کو تیار کرتے کام اتنا زیادہ اور پھیلا ہوا ہی کہ دس بیس آدمی بھی ناکافی ہیں، نئے نئے ممالک کے وفود کی آمد ہو رہی ہے ضرورت تھی کہ متعدد اشخاص ان کو مانوس کرنے والے اور اپنے مقصد کی ترجمانی کرنے والے ہوتے۔ عالم اسلام میں اس وقت بڑی استعداد معلوم ہوتی ہے۔ ترک نوجوانوں سے گفتگو ہوئی، بڑے ہی متاثر اور اپنے یہاں کے حالات سے بیزار تھے۔ ترکی کی دعوت دیتے تھے عربوں میں سرعت فہم اور توازن دماغی اعلیٰ درجہ کا ہے۔

یہاں کا رمضان عجیب و غریب ہے الفاظ میں طاقت نہیں کہ اس کی تصویر کھینچی جائے ساری رات تقریباً سارا شہر جاگتا ہے اور مسجد نبوی میں تو تراویح کی وہ بہار ہوتی ہی کہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہی، نجدی امام (جو بیس رکعات پڑھتے ہیں) کے بعد جگہ جگہ تراویح ہوتی ہی۔ بہت سے ہاتر پڑھنے والے کوئی پانچ پارے کوئی کم و بیش پڑھتے ہیں، کثرت سے بچے جا بجا کھڑے ہوئے پڑھتے رہتے ہیں جی چاہتا ہے ساری رات چلتے پھرتے اور سنتے ہی گذار دیجائے مگر صحت ساتھ نہیں دیتی۔ مکہ معظمہ کے علاوہ روئے زمین پر ایسا رمضان کہیں نہ ہوتا ہوگا مدینہ منورہ کی رونق و برکت کا کوئی ٹھکانا نہیں، ہر چیز بڑی پر کیف اور لذیذ ہی خصوصاً پانی تو ایسا شیریں اور ٹھنڈا ہی کہ شاید کہیں ہو، افطار کے وقت ہزاروں صراحیاں بھری ہوئی صائمین کے سامنے رکھی ہوتی ہیں جس کا جی چاہے جتنی جی چاہے اٹھائے، ابھی

پانی ڈالا ابھی ٹھنڈا ہوا، پھر ہلکا اتنا کہ گرانی نہیں ہوتی افطار کی بہار ہی الگ ہے۔

اگر اہل خیر کچھ رقوم یہاں کے مستحقین اور "لایسئلون الناس الحافا" کی صفت رکھنے والے شرفا کیلئے بھیجیں تو بہترین موقع ہے۔ صمدی صاحب شہر سے بہت واقف ہیں، انکو خاندانوں، بیواؤں اور نادار شرفا کی بڑی قدر ہے ان کی معیت میں جاکر راتوں کو ان لوگوں تک پہونچانے کی توفیق ہوئی، جو لکھنؤ کے اہلِ خیر نے کچھ رقم دی تھی آپ تذکرہ فرماکر جو کچھ بھجوا سکیں ضرور بھجوادیں۔

سب اعزا کی خدمت میں سلام، ڈاک کا وقت ختم ہو چکا۔

آپ کا
"علی"

---

(۲)

(بنام محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان)

مدینہ منورہ جوار المسجد النبوی
۹ شوال ۱۳۶۶ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محب محترم و مخلص مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اُمید ہے کہ مزاج بعافیت ہوگا۔ ایک عریضہ کراچی سے، ایک کامران سے ارسال خدمت کیا تھا۔ مدینہ منورہ سے مختصر خط لکھنے پر طبیعت راضی نہ تھی اور مفصل خط حسب دلخواہ لکھنے کی فرصت و ہمت نہ ہوئی،

وسط رمضان سے میری صحت ایسی گر گئی کہ بعض دن تو مجھے اپنی زندگی خطرہ میں نظر آنے لگی، اس سے تسکین ہوتی تھی کہ بقیع میں انشاء اللہ امام حسنؓ کے پائیں جگہ ملجائیگی۔ اسہال رکتے نہ تھے عید کے بعد تک ضعف معدہ کی شکایت رہی اور اب بھی باقی ہے، کمزوری اتنی ہے کہ آج ایک مہینہ چار دن ہوگئے ابھی تک قبا اسد جو مدینہ سے متصل ہیں جانا نہیں ہوا، کل سے کچھ اندر دن شہر میں پھرا ہوں۔ رمضان مبارک میں یہاں رات، دن ہوتی ہے اور دن رات ہوتا ہے، تراویح کے بعد علماء سے ملاقات اور مجالس کا نظام بنا تھا، چند راتوں کے بعد صحت نے گویا جواب دے دیا،

پھر چائے کی وہ کثرت اور لزوم ہے کہ خدا کی پناہ دس آدمیوں سے ان کے مکان پر ملئے تو دس مرتبہ چائے پیجئے کوئی عذر ہرگز مقبول نہیں۔

یہاں جب آیا تو معلوم ہوا کہ کام تھوڑا بہت جو کچھ ہے وہ مجاورین مدینہ و مہاجرین میں ہے،[1] اہل ملک اور اہل علم نے ابھی تک سنجیدگی سے کوئی توجہ نہیں کی اور نہ اس کی وقعت ان کے دلوں میں پیدا ہوئی ہے، ہم لوگوں کی آمد پر دوستوں نے یہاں کے علماء و اعیان و علماء مکہ وغیرہ سے ملاقات کا نظام بنایا اور مجالس خصوصیہ کا انتظام کیا، تقریباً باری باری تمام موجودین علماء حرمین و علماء نجد سے ملنا ہوا، لیکن ابھی تک معاملہ اعتراف سے آگے بڑھنے نہیں پایا۔ یہاں کام میں بعض وہ مقامی مشکلات ہیں جن کا اندازہ باہر سے ہو ہی نہیں سکتا، اس لئے دعوت نے ابھی تک جڑ نہیں پکڑی اور نقش بر آب سے زیادہ نہیں، کوشش یہی ہے کہ علماء نجد و حرمین میں سے کوئی اللہ کا بندہ اس کا داعی بنجائے، لیکن ابھی تک کوئی ایسا نظر نہیں آتا، جو دو ایک زندہ نفوس ہیں اور ان میں اس کی استعداد ہے ان کو کچھ اشکالات ہیں، بہر حال اتنا ہوا کہ دعوت اور جماعت کو وقعت کی نگاہوں سے دیکھنے لگے ہیں البتہ یہاں کے مقامی حالات کے پیش نظر اجتہاد کی ضرورت ہوگی اور وہ غالباً ہر جگہ ہے، البتہ ترکوں میں نئی دینی زندگی کے بڑے اچھے آثار ہیں، میں ابھی تک متاثر ہوا ہوں تو ۲-۳ نجدی علماء سے اور تین ترک عالموں کی سلامت فکر، وقت نظر، اور وسعت مطالعہ اور صحت خیال سے، ان میں عثمان آفندی خاص طور پر قابل ذکر ہیں، عربی کے اچھے فاضل، نہایت سلجھے ہوئے دماغ کے، قرآن مجید کا درس دیتے ہیں، وہ بھی اس عاجز سے بہت مانوس ہو گئے ہیں۔ دوسرے دو ترک نوجوان عالم ہیں جو ازہر کے فاضل، اپنی زبان کے ادیب اور نہایت صحیح الفکر مسلمان ہیں، عثمان آفندی کے مکان پر مخصوص ترکوں کا اجتماع ہوا۔ اکثر لوگوں پر رقت طاری تھی، خاکسار نے عربی میں تقریر کی، جس میں اپنی عادت کے مطابق دین کی عمومی دعوت دی اور ان کی قدیم دینی تاریخ اور محاسن بیان کر کے دینی نشأۃ ثانیہ کی تحریض کی، عثمان آفندی نے بڑے سلیقے سے اس کی ترجمانی کی، دعا میں جب ترکوں کے

---

[1] الفرقان۔ دین کی اسی دعوت کے سلسلہ میں جس کا ذکر ہم نے ابتدائی نوٹ میں کیا ہے۔ چند احباب گزشتہ سال سے مدینہ طیبہ میں مقیم ہیں اور برابر کام کرتے رہے ہیں، یہ انھیں کے کام کی طرف اشارہ ہے۔

اسلامی کارنامے اور ان کے آثار باقیہ کا واسطہ دے کر اُن کی دینی نہضت کیلئے دعا کی تو عجیب منظر تھا، بہرحال عمومی و تمہیدی دعوت ہر جگہ موثر ہے اور رائگاں نہیں، البتہ اس کی وہ تشکیل جو ہندوستان میں کی گئی ہے ابھی تک ذہن سے بعید اور لوگوں کو عملاً دشوار معلوم ہوتی ہے۔ ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امراً۔

مولانا! رمضان مبارک کی کیفیت کیا لکھی جائے افطار کا منظر، تراویح اور سحور کے درمیان کے اوقات بس دیکھنے سے تعلق رکھتے تھے اور انشاء اللہ کبھی نہ کبھی آپ شریک ہوں گے، کاش صحت ہوتی اور کچھ روحانی حس تو اس کا حظ اُٹھاتے، پھر مدینہ منورہ کے دوسرے برکات کا تو ہم بے حس کیا احساس کر سکتے ہیں، البتہ سکینت ایسی ظاہر و باہر ہے کہ دنیا کے کسی حصے میں کسی زمانہ میں نہیں دیکھی، آپ جانتے ہیں میں طائرِ وحشی ہوں، تکیہ[1] پر بھی جی نہیں لگتا، لکھنؤ میں بھی کچھ کچھ وقفہ کے بعد اضطراب کا زور ہوتا ہے لیکن اس مہینہ کچھ دن میں ایک گھنٹہ کیلئے بھی وحشت و اضطراب محسوس نہیں ہوا، وساوس خود بخود کم گھیرتے ہیں البتہ اس کی حسرت ہے اور رہیگی کہ جتنا ہندوستان میں ہوتا تھا اتنا بھی اپنی پست ہمتی اور ضعف سے یہاں نہیں ہوتا، گرمی سخت پڑ رہی ہے لیکن بعض دنوں کو چھوڑ کر جنہیں ہندوستان کا برسا ہوا بادل (جس کو یہاں فارغ الہند کہتے ہیں) آجاتا ہے اور پھر دیر رات تک لو چلتی ہے، عام دنوں میں راتیں ٹھنڈی ہوتی ہیں، پانی اتنا لطیف و سرد ہے کہ ابھی تک دنیا کے کسی خطہ میں نہیں دیکھا۔ گرانی البتہ خوب ہے یہاں کے ریال کی جو روپیہ کے برابر ہے، پانچ آنے قوتِ خرید ہے، لوگوں میں لینت، لطافت، تواضع صد درجہ کی ہے، بہت سے محاسن ہیں مگر ضائع ہو رہے ہیں، فقر و افلاس حد درجہ کا ہے جس کو دیکھ کر کلیجہ منھ کو آتا ہے، پھر ولایتی مال کی افراط دیکھ کر اور زندگی کے تکلفات دیکھ کر آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ یہاں آکر میرا

---

[1] رائے بریلی شہر سے قریباً ایک ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر سئی ندی کے کنارے ایک چھوٹی سی بستی ہے جو تکیہ شاہ علم اللہؒ کے نام سے موسوم ہے۔ بڑی پرسکون جگہ ہے وہی ہمارے مولانا علی کا وطن ہے تکیہ سے یہاں وہی مراد ہے۔

یہ یقین اور بڑھ گیا کہ عالم اسلامی کی اخلاقی اصلاح اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک ملعون یورپ کے دل اور دماغ پر چوٹ نہ لگے اور اس کا طلسم باطل نہ ہو والی اللہ المشتکی بڑے بڑے ذی علم اور زکی ابھی تک اس نکتہ کو نہ سمجھے، جو خیالات ابتدائے عمر سے قائم ہیں مختلف مسلمان قوموں کے افراد سے مل کر اور اختلاط سے الحمد للہ قوی سے قوی تر ہوتے جاتے ہیں۔ یہاں ایک بات ضمناً لکھ دوں کہ میاں عتیق و میاں حفیظ میں سے کسی ایک یا دونوں کو عربی زبان میں اچھی دستگاہ پیدا کروائیے اور اس کے ادب و زبان سے زندہ تعلق پیدا کروائیے، اس کا احساس یہاں آکر بہت بڑھ گیا، اگر آپ کے یا مولانا ناظم صاحب کے توسط سے یہ پیغام دار العلوم (ندوۃ العلماء) کے طلبہ تک پہونچ سکے تو ضرور پہونچا دیجئے کہ جس رفتار و مقدار سے وہ عربی سیکھ رہے ہیں وہ ہرگز کافی نہیں، زبان کہیں سے کہیں پہونچ گئی ہے۔

والسلام

"علی"

---

(۳)

(بخدمت جناب مولنا محمد ناظم صاحب و جناب مولنا شاہ حلیم عطا صاحب استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء)

مسجد نبوی، مدینہ منورہ

۱۲ شوال ۱۳۶۶ھ

صدیق محترم مولنا محمد ناظم صاحب و مخلص مکرم شاہ حلیم عطا صاحب

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ خدا کرے آپ سب احباب بخیر و عافیت ہوں۔ الحمد للہ بعافیت ہوں اور گرتا پڑتا اس دیار مقدس میں پہونچ گیا ہوں کبھی اس کو دیکھتا ہوں کبھی اپنے کو، خدا کی قدرت و رحمت نظر آتی ہے۔ یہاں کی فضاؤں، یہاں کے ماحول، برکات و خصوصیات کو محسوس کرنے کیلئے حس اور ان کے بیان کیلئے زبان و قلم کی طاقت چاہیئے، اور دراصل زبان و قلم میں وہ طاقت ہی نہیں۔ افسوس ہے کہ اپنی کمزوری صحت پست ہمتی سے بہت وقت کھویا، ڈیڑھ مہینہ گذر گیا، ایک مہینہ دیکھتے دیکھتے گذرا چلا جاتا ہے، بس اتنا ہی ہے کہ

یہاں پڑا ہوں، رمضان مبارک میں بالخصوص مسجد نبویؐ کی کیفیات و مناظر الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتے، جی چاہتا ہے کچھ لکھوں، افطار مسجد نبویؐ میں ہوتا تھا، ہزاروں کی تعداد میں مشربے یعنی چھوٹی خوبصورت صراحیاں، ہر صف کے آگے عین زرقار کے ایسے خوشگوار سرد پانی کی بھری ہوئی رکھی ہوتی تھیں جن پر ہلکے برف کا شبہ ہو! مدینہ طیبہ کے رطب ہر روزہ دار کے آگے رکھے ہوتے اور ساری مسجد میں "دوی کدوی النحل من قرأۃ القرآن" کی صورت ہوتی، چاروں میناروں پر خوش گلو موذنین نے اذان دی اور ان کی جھنڈی کے اشارہ سے توپ چلی، افطار ہوا اور "ابتدر الناس الی السواری" کا منظر دیکھنے میں آیا، یہ سنت بھی دیکھی، امام صاحب شیخ صالح الترغیبی نجری حنبلی عالم ہیں اور اسم با مسمیٰ، کہتے ہیں ۱۵-۱۶ برس سے مسجد نبویؐ کی کوئی نماز فوت نہیں ہوئی ہے۔ عشاء کی نماز ہوئی امام صاحب نے ۲۰ رکعت تراویح پڑھائی اور ساری مسجد اور اس کے وسیع صحن میں حفاظ پھیل گئے اور جا بجا سے قرآن شروع کر دیا، عجیب منظر ہوتا ہے "روضۃ من ریاض الجنۃ" میں ایک بخاری صاحب پڑھ رہے ہیں، غالباً نے ۵ پارے پڑھتے ہیں یا ۷-۸، وہ مواجہ شریف کے قریب دوسرے بخاری مہاجر پڑھ رہے ہیں، یہ اسطوانۂ ابولبابہ کے سامنے ایک صاحب قرآن مجید ہاتھ میں لئے ہوئے پڑھتے ہیں، جب رکوع میں جانے لگتے ہیں تو دوسرے صاحب لے لیتے ہیں۔ یہ صحن کی دوسری صف میں ایک مالکی لڑکا اس روانی سے ہاتھ چھوڑے پڑھ رہا ہے جیسے باتیں کر رہا ہو۔ اسکے دائیں بائیں متعدد حفاظ مشغول ہیں۔ یہ اُس سے چھوٹا لڑکا الگ قرآن سنا رہا ہے، وہ ہاشم مغربی پانچ پارے شائد روز پڑھتے ہیں، بخاری خصوصاً ہر جگہ کھڑے پڑھ رہے ہیں، ہندی شاذ و نادر، لیجئے سحور کا وقت ہوگیا۔ تھوڑی دیر کیلئے یہ حضرات ہٹے اور دوسرے اہل توفیق آئے، تھوڑی دیر میں تہجد کی اذان ہوگئی اور سحری کی توپ چلی، مسجد نبوی اب بھی معمور ہے، مواجہ میں غلاموں کے وفود آقا کی خدمت میں عقیدت و غلامی کا نذرانہ اور صلوٰۃ و سلام کا خراج پیش کرتے رہتے ہیں "زرافات و وحدانا"، بعض لوگ ایسے مواقع کے بھی منتظر رہتے ہیں کہ سلام پیش کرنے والے دو ہی چار رہوں اور وہ ذرا یکسوئی سے سلام عرض کر سکیں۔ تلاش کرنے والوں کو ایسے مواقع بھی ملجاتے ہیں۔ صبح کی اذان ہوئی، نماز ہوئی، بہت سے لوگ بقیع گئے، بقیع کا

کہنا کیا، کوئی قسم کھا کر کہے تو حانث نہ ہو گا۔ ؎

دفن ہو گا نہ کہیں ایسا خزانہ ہرگز

اب سارے مدینہ میں گویا عشاء کے بعد کا وقت ہے، رات بھر کا جاگا شہر اب سو رہا ہے، دکانیں بند ہیں، آمد و رفت کم ہے، ظہر سے پہلے پہلے مسجد پھر آباد ہو گئی، قرآن مجید رحلوں پر جابجا کھلے ہیں، ظہر ہوئی، عصر ہوئی، اب درس کے حلقے شروع ہوئے، ایک نجدی عالم محمد اسلم حرکان نیل الاوطار پڑھا رہے ہیں، درس متین اور منصفانہ ہوتا ہے۔ سلجھی ہوئی مختصر تقریر کرتے ہیں، اکثر اہل علم شریک ہوتے ہیں، یہ عبدالرحمٰن افریقی، ریاض الصالحین پڑھا رہے ہیں، درس مصلحانہ ہوتا ہے وعظ و ارشاد کا رنگ غالب ہے، مجمع زیادہ ہے اکثر تکارنہ ہیں، سنا ہے شیخ عمار ابوداؤد کا اور شیخ عمر بری ہدایہ کا درس دیتے ہیں، مگر یہ درس آج کل رمضان کی وجہ سے موقوف ہیں، عشاء کی نماز اور تراویح کے بعد ہمارا کام شروع ہوتا ہے، مدینہ منورہ کے مختلف محلوں میں عربوں کے مختصر اجتماع ہوتے، جن میں اکثر ہم کو خطاب کرنا ہوتا، چائے اور قہوے کا دور چلتا اور زبردستی کئی کئی پیالیاں پینی پڑتیں، مکہ معظمہ کے تین بڑے عالم اور حرم کے مدرسین آئے ہوئے تھے ایک شیخ محمد العربي المغربي جو مکہ کے اکثر اساتذہ کے اُستاذ ہیں، اور تاریخ و انساب میں خاص دخل رکھتے ہیں، دوسرے شیخ محمد امین الکتبی، تیسرے شیخ حسن مشاط۔ ان حضرات سے مجلسیں رہتیں اور علمی مذاکرات، انھوں نے اپنی تالیفات اور ہم اپنا رسالہ "الی ممثلی البلاد الاسلامیہ" پیش کرتے، ہندوستان کے علماء اہل تصنیف، محدثین، خصوصاً حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے خاندان کا خوب تذکرہ رہا، ترکوں کے بھی اجتماعات رہے ان میں بھی عربی میں تقریریں ہوئیں، اور ان کا ترجمہ کیا گیا۔ رمضان کے آخری دنوں میں صحت ایسی خراب ہوئی کہ سات روزے چھوڑنے پڑے، عید کی عجیب بہار تھی، جہاں سے عید شروع ہوئی وہیں کی عید دیکھی، مواجہ شریف سے گذرتے ہوئے اور جس طرح جمعہ کے دن نیچے بزرگوں کی خدمت میں سلام عرض کرتے ہوئے عیدگاہ جاتے ہیں ہم بھی سلام ادب پیش کرتے ہوئے، پہلی صف میں یا اس کے قریب جا کر بیٹھے، امام نے خوب خطبہ دیا، عید کے بعد ملاقاتیں شروع ہوئیں، یہاں عید چار دن منائی جاتی ہے، سارا شہر چار حصوں پر تقسیم ہو جاتا ہے، ہر محلہ باری باری دوسرے محلے سے ملنے جاتا ہے، امیر غریب کا

دروازہ ہر ایک کیلئے کھلا رہتا ہے، یہاں کے رئیس القضاۃ ابن زاحم نجدی اچھے صاحب علم آدمی ہیں اور بہت بارسوخ اُن سے ملے اور لوگوں سے بھی۔

شاہ صاحب! آپ کو سُنکر خوشی ہوگی کہ زاد المعاد کا خلاصہ شروع کر دیا ہے۔ "روضہ من ریاض الجنۃ" میں بیٹھ کر لکھتے ہیں، اُحد کا غزوہ خاص اُحد میں سیدنا حمزہؓ کی قبر کے پاس لکھا، کیا عجب ہے کہ واپسی تک "خیر الزاد" کسی حد تک ہو جائے۔

سب احباب کی خدمت میں سلام۔ (باقی)

مسلمانوں کی کمزوری اور مغلوبی کا بنیادی سبب

باعزت زندگی اور بالاتری کی صرف ایک راہ

(از محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(۱)

ہندوستان کی تقسیم اور آزادی کے اعلان کے بعد انڈیا کے بعض حصوں میں مسلمانوں کو جن حالات اور واقعات سے دوچار ہونا پڑا ہے، خصوصاً اگست و ستمبر (۴۷ء) میں پہلے مشرقی پنجاب اور پھر دہلی کے مسلمانوں پر جو قیامت آئی اور فوج و پولیس نے بھی کھلم کھلا جانبداری کا جو رویہ اختیار کیا، ان باتوں نے ہندوستانی علاقوں کے مسلمانوں کو اپنے مستقبل سے سخت غیر مطمئن بلکہ بہت سوں کو بالکل مایوس کر دیا ہے ―― اچھی خاصی عقل و فہم رکھنے والے مسلمان بھی حیران ہیں اور اُنکی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا ہے کہ کیا کریں ― چار پانچ کروڑ مسلمانوں کے کسی دوسرے ملک میں جا بسنے کا بھی کوئی امکان نہیں[۱] ―― اور ہندوستان کے جن علاقوں میں وہ صدیوں سے رہ بس رہے تھے اب وہ محسوس کر رہے ہیں کہ وہاں اُنکے لئے باعزت زندگی کے امکانات ختم ہو چکے ہیں، بلکہ امن و عافیت کی زندگی کی طرف سے بھی اطمینان نہیں رہا ہے ―

"نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن" ―

---

[۱] حکومت پاکستان کے ذمہ داروں کے بیانات سے پاکستان کی تنگ دامانی معلوم ہو چکی ہے اور اگر بالفرض پاکستان یا کوئی اور اسلامی ملک سب ہندی مسلمانوں کو لینے پر آمادہ بھی ہو تو انکی ۷۰-۷۵ فیصدی تعداد جو دینی و دنیوی دونوں لحاظ سے بہت پست حالت میں ہے اور جہالت و افلاس کی وجہ سے جسمیں کوئی قومی احساس اور سیاسی شعور بھی نہیں ہے اُس سے یہ امید نہیں کہ پنجاب و دلی کے سے قتل عام سے پہلے صرف افہام و تفہیم سے اس کو "اجتماعی ہجرت" پر آمادہ کیا جا سکے گا۔ بلکہ اُنکی حالت تو اتنی گری ہوئی ہے کہ زیادہ خطرناک حالات میں (خدا نخواستہ) اگر وہ ارتداد کو "ہجرت" پر ترجیح دے

ہے آسان سمجھیں تو بعید نہیں ۔ الور وغیرہ میں اس قسم کے بہت واقعات ابھی حال ہی میں ہو چکے ہیں

الغرض زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو رہی ہے، دنیا اُن کی نظروں میں اندھیری ہے اور مستقبل کے بارہ میں اُن کے سامنے کوئی روشنی نہیں ہے۔

ہمیں اس وقت ان مشکلات و مصائب کے اسباب پر سیاسی حیثیت سے کوئی تبصرہ کرنا نہیں ہے اور نہ ہم ان سے نجات دلانے والا کوئی خاص سیاسی پروگرام آپ حضرات کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں بلکہ اس مقالہ کے ذریعہ اسی صورت حال کے متعلق مسلمان قوم کے عوام و خواص کے سامنے ہم ایک خاص قرآنی حقیقت واضح کرنا چاہتے ہیں۔ جس کے متعلق ہم کو یقین ہے بلکہ ہمارا ایمان ہے کہ جب تک قرآن پاک کی اس ہدایت کو ہم مشعل راہ نہ بنائیں گے اور اس پر عمل پیرا نہ ہونگے، ہماری کوئی تدبیر اور پالیسی میں کوئی تبدیلی اور کوئی جدوجہد ہم کو نجات نہ دلا سکے گی اور ذلت و بربادی کے جس گہرے گڑھے میں ہم گر گئے ہیں ہرگز اُس سے نہ نکل سکیں گے۔

الغرض مصیبتوں اور مشکلوں کے اس جال سے نکلنے اور عزت و وقار والی زندگی حاصل کرنے کیلئے جو تدبیریں اور براہ راست جو کوششیں مسلمان قوم کو کرنی ہیں اور کرنی چاہئیں اُنکی کامیابی بھی اسی پر موقوف اور منحصر ہے کہ قرآن مجید کی جو خاص ہدایت ہم آئندہ صفحات میں پیش کر رہے ہیں اسکو اچھی طرح سمجھ کے اور اس پر یقین کر کے اس کے تقاضے کے مطابق اپنے طرز عمل میں اور اپنی قومی پالیسی میں تبدیلی کی جائے۔

اور اس کی ضرورت ہندوستان ہی کے مسلمانوں کو نہیں ہے بلکہ دنیائے اسلام کے مسلمانوں کو ہماری دعوت یہی ہے۔ اگر پاکستان، افغانستان، مصر و شام اور عراق و حجاز وغیرہ اسلامی ممالک کے مسلمان بھی اس قرآنی ہدایت کو اپنا لیں اور اپنی عملی پالیسی کی بنیاد بنا لیں تو یقیناً وہ دنیا کے اہم اور طاقتور ملک بن سکتے ہیں، اور مادی وسائل کی کمی کی وجہ سے ان کی پوزیشن جو کمزور ہے انشاء اللہ دیکھتے دیکھتے ان کی یہ کمزوری قوت سے بدل سکتی ہے۔ یقین اور عمل شرط ہے اور ہماری پچھلی تاریخ اس کی گواہ ہے۔

ایمانوں کا جائزہ البتہ جو قرآنی حقیقت مسلمانوں کے سامنے ہم اسوقت پیش کرنا چاہتے ہیں

اس پر غور کرنے سے پہلے ہمیں اپنے ایمانوں کا جائزہ لے لینا چاہئے اور سنجیدگی سے غور کرکے دیکھ لینا چاہیے کہ آیا خدانخواستہ ہم صرف نام کے مسلمان اور قومی مسلمان ہیں، یا واقعی اور حقیقی مسلم ہیں؟ یعنے ہمیں اپنے دل ودماغ کو اچھی طرح ٹٹولنا چاہیئے کہ اللہ ورسولؐ کی تمام باتوں اور ان کے وعدوں اور وعیدوں پر ہمارا ایمان ہے یا نہیں۔ یعنی اچھے اور برے اعمال کے دنیوی یا اخروی نتائج کے متعلق قرآن وحدیث میں جو کچھ بتلایا گیا ہے، اُس پر پورا یقین ہم کو نصیب ہے یا نہیں، خصوصًا دنیا میں قوموں کی زندگی اور موت، فتح وشکست اور عزت وذلت کے جو خاص اصول واسباب قرآن وحدیث میں بیان کئے گئے ہیں، ہمارے دل ودماغ ان کو بالکل حق ماننے کیلئے تیار ہیں یا نہیں —— جن لوگوں کو خدانخواستہ اسی میں شک وشبہ ہو، اُن سے اس وقت ہم کو کچھ کہنا نہیں ہے۔ اس مقالہ میں ہمارا روئے سخن صرف انہی مسلمانوں کی طرف ہے جو درحقیقت مسلمان ہیں، یعنے جن کے دل ودماغ اللہ ورسولؐ کی تمام باتوں کو بالکل سچ مان چکے ہیں اور ماننے کا فیصلہ کر چکے ہیں اور اس بارہ میں انھیں کوئی شک اور تذبذب نہیں ہے۔

سو اگر الحمد للہ آپ بھی انھیں میں سے ہیں تو اللہ ورسولؐ کی بتلائی ہوئی جو خاص حقیقت ہم اس مقالہ کے ذریعہ پیش کرنا چاہتے ہیں، آپ بھی اس پر غور کیجئے اور اس کے مطابق خود عمل کرنے اور مسلمان قوم کو عامل بنانے کے کام میں سرگرمی سے لگ جایئے!۔

---

(۲)

ظاہری اسباب کے علاوہ مخفی اسباب کا ایک اور سلسلہ

اعمال کے دنیوی نتائج کا قرآنی نظریہ

یہ دنیا بیشک عالم اسباب ہے اور یہاں کی ہر چیز سلسلۂ اسباب سے جکڑی ہوئی ہے، لیکن اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہم کو تبلایا ہے کہ ہماری آنکھوں سے نظر آنے والے اس دنیا کے عام ظاہری اسباب کے علاوہ، اسباب کا ایک اور غیبی اور مخفی سلسلہ بھی ہے جو ہمارے حواس اور ہماری عقل وفہم سے بالاتر ہے اور جس کا زیادہ تر تعلق

انسانوں کے اچھے بُرے اعمال سے ہوتا ہے۔

مثلاً بارش جن ظاہری اسباب سے ہوتی ہے، ان کو تو ہم سب جانتے اور سمجھتے ہیں، ہم کو معلوم ہے کہ سمندر سے بخارات اُٹھتے ہیں جو بادل کی شکل اختیار کر لیتے ہیں، ہوائیں ان کو اِدھر اُدھر لئے پھرتی ہیں اور انھیں سے بارش ہوتی ہے ــــــ بس یہ تو بارش کے ظاہری اسباب کا سلسلہ ہے۔ لیکن قرآن مجید میں بتلایا گیا ہے کہ اگر کوئی قوم گناہوں سے باز آجائے اور توبہ و استغفار کر کے نیکو کاری کی زندگی اختیار کر لے تو اُسکے اس عمل کی وجہ سے بھی اللہ تعالیٰ بارش نازل کیا کرتا ہے اور اس کی کھیتوں کو سیراب کیا جاتا ہے ــــــ حضرت نوح علیہ السّلام نے اپنی قوم سے کہا تھا۔

يٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ إِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا۔	اپنے پروردگار سے گناہوں کی معافی مانگو وہ بخشدینے والا ہے۔ پھر وہ تم پر خوب بارش برسائے گا۔

اور حضرت ہود علیہ السّلام نے اپنی قوم سے کہا تھا۔

وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ٥ (ہود ۵۲)	اور اپنے پروردگار سے اپنے گناہ معاف کراؤ پھر اسکی طرف رجوع کرو، وہ تم پر خوب بارش برسادیگا اور (اپنی خاص مدد سے) تمھاری قوت وطاقت میں اضافہ کردیگا۔ اور دیکھو اس راہ سے نہ پھرو مجرم بن کر۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ کسی قوم کا گناہوں سے تائب ہو کر خدا پرستی اور نیکو کاری کی زندگی اختیار کر لینا بھی بارش کا ایک ذریعہ ہے، اور دوسری آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس طرح کی تبدیلی کی وجہ سے قوموں کی قوت وطاقت میں بھی اللہ تعالےٰ اضافہ کر دیتا ہے۔ حالانکہ ظاہری اسباب میں تو کسی قوم کی طاقت وقوت کا دارومدار بس اُس کی تعداد اور فوج واسلحہ وغیرہ مادی وسائل ہی پر سمجھا جاتا ہے۔

علیٰ ہذا کسی قوم کی خوشحالی اور زمین کی پیداوار سے اس کے مالامال ہونے کی ظاہری تدابیر اور طبعی

اسباب تو وہ ہیں جن کو ہم سب جانتے ہیں۔ یعنے زراعت کے بہترین اصولوں پر عمل کرنا، بہتر سے بہتر بیج ڈالنا اور زیادہ پیداوار کیلئے نئے نئے وہ سب ترقی یافتہ طریقے استعمال کرنا جو یورپ و امریکہ میں استعمال ہوتے ہیں۔ صنعت کو ترقی دینا، تجارت کو بڑھانا، وغیرہ وغیرہ ——— بہرحال کسی قوم کی خوشحالی کیلئے یہی عام ظاہری تدبیریں ہیں جن کو سب جانتے ہیں۔ لیکن قرآن مجید نے بتلایا ہے کہ ایمان و تقوے والی زندگی بھی اس کا ایک ذریعہ ہے۔ ایک قوم کے متعلق ارشاد ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۝	اور اگر وہ ایمان اور تقویٰ (پرہیزگاری) اختیار کرتے، تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے کھولدیتے۔

اور جس طرح قرآن مجید کی ان جیسی آیات میں کسی قوم کی نیکوکاری اور پرہیزگارانہ زندگی کو امن و عافیت عزت و شوکت اور خوشحالی و ترقی کا سبب بتلایا گیا ہے اسی طرح فسق و فجور اور معصیت و خدا فراموشی کی زندگی کو بدحالی اور ذلت و پستی اور آلام و مصائب کا سبب فرمایا گیا ہے۔ سورۂ طٰہٰ میں ہے۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ۝ (سورۂ طٰہٰ)	اور جو لوگ بے پروائی اور بیرخی برتینگے میری نصیحت سے تو انکے واسطے (اس دنیا میں) زندگی ہوگی تنگی اور بے چینی کی اور قیامت کے دن ہم اٹھائینگے انکو اندھا۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی بہت سی آیات میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات میں ہم کو اس حقیقت پر مطلع فرمایا ہے کہ قوموں کے اچھے برے حالات اور ان کے عروج و زوال کا سبب اُن کے نیک و بد اعمال بھی ہوتے ہیں ——— پس اگر ہم سچے مومن ہیں تو ہمیں چاہئے کہ اللہ و رسولؐ کی بتلائی اور جتلائی ہوئی اس حقیقت پر یقین رکھتے ہوئے اپنے موجودہ مصائب و مشکلات اور ذلت و پستی کے ظاہری و تکوینی اسباب کے علاوہ ان کے مجازاتی اسباب کو بھی قرآن و حدیث کی روشنی میں تلاش کریں اور ان کے ازالہ کی فکر کریں۔ یعنی جن معصیتوں اور بداعمالیوں کو ہماری موجودہ پستی و بدحالی میں دخل ہے، اپنی انفرادی اور قومی زندگی کو اُن سے پاک کرنے کی کوشش کریں اور جن اعمال اور اخلاق فاضلہ پر اللہ تعالیٰ نے عزت و قوت اور فتح و نصرت کا وعدہ فرمایا ہے اور

ان کے ترک کر دینے کی وجہ سے ہی ہم اللہ کی نظرِ کرم سے گر گئے ہیں اور اس کی نصرت و رحمت سے محروم ہو گئے ہیں ہم اُن کو اپنے اندر اور اپنی قوم میں پیدا کرنے کی کوشش میں بھی سرگرمی سے لگ جائیں۔ اس کے بغیر صرف ظاہری تدابیر اور مادی اسباب میں ہماری جدوجہد موجودہ مصیبتوں اور بدحالیوں سے ہم کو نجات نہیں دلا سکتی اور عزت و قوت کے بلند مقام تک نہیں پہنچا سکتی۔ ظاہری اسباب اور مادی وسائل کے اعتبار سے دوسری قوموں کے مقابلہ میں ہم اس قدر پیچھے ہیں کہ مدت دراز تک ان کی برابری کا بھی کوئی امکان نہیں —— ہاں! اسباب و وسائل کی اس کمی کی تلافی اللہ کی نصرت اور خاص غیبی مدد سے ہو سکتی ہے۔ اور مسلمان قوم اپنے دورِ اولین میں اس حقیقت کا خوب خوب تجربہ کر چکی ہے۔ آگے ہم جو کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں وہ اسی اجمال کی تفصیل ہے۔

---

(۳)

مسلمانوں کی ذلت و پستی اور کمزوری و مغلوبی کے متعلق

قرآن مجید کا ایک خاص بیان

ہم اور آپ اگر صرف نام کے نہیں بلکہ واقعتہً مسلمان ہیں تو اس قرآنی حقیقت پر تو یقیناً ہمارا ایمان ہو گا کہ اس دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اور کسی شخص یا کسی قوم پر جو اچھے بُرے حالات آتے ہیں وہ سب اللہ کے فیصلہ اور اللہ کے حکم سے آتے ہیں —— یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ کسی شخص یا کسی قوم کو اچھے حال میں رکھنا اور عزت دینا چاہے اور پھر کوئی دوسرا اس کو بدحال اور بے عزت کر سکے، یا وہ کسی کو نعمت و عزت دینا نہ چاہے اور کوئی دوسرا اس کو نعمت و عزت دے سکے۔ سورۂ یونس میں ہے۔

وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ	اور اگر اللہ تم کو کسی دکھ اور مصیبت میں مبتلا کرے تو کوئی اس کو ہٹا سکنے والا نہیں اور اگر وہ تمھارے

وَإِن يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ ۚ (سورہ یونس ۶ ع ۱۱)	بہتری کا ارادہ کرے تو کوئی اُسکے فضل و کرم کو روک سکنے والا نہیں۔

اور سورۂ فاطر میں ہے۔

مَا يَفْتَحِ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِن رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۖ وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِن بَعْدِهِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ (فاطر ع ۱)	اللہ جس رحمت کا دروازہ لوگوں کیلئے کھولے تو پھر کوئی اس کو روکنے والا نہیں اور وہ جس نعمت کو روک لے تو پھر کوئی اُس کو بھیجنے والا نہیں، اور وہ بڑے زور اور حکمت والا ہے۔

الغرض اس دنیا میں افراد و اقوام پر جو اچھے بُرے حالات آتے ہیں وہ سب اللہ ہی کے فیصلے اور اسی کے حکم سے آتے ہیں، اور جو کچھ ہوتا ہے اُسی کے ایک اشارۂ "کن" سے ہوتا ہے۔ سورۂ یٰسین کی آخری آیت ہے۔

إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَن يَقُولَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ۝ فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝ (سورۂ یٰسین ع ۵)	اس کا معاملہ تو بس یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو کرنا چاہتا ہے تو اس کو کہتا ہے کہ ہو جا بس وہ ہو جاتی ہے پس پاک ہے وہ ذات جسکے قبضہ میں ہر چیز کی بادشاہی اور فرمانروائی ہے اور تم سب (مرنیکے بعد) اسی کی طرف لوٹو گے۔

اسی لئے قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ان کے توسط سے ہم کو بھی یہ حکم دیا گیا ہے۔ کہ

قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَن تَشَاءُ وَتَنزِعُ الْمُلْكَ مِمَّن تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَن تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَن تَشَاءُ ۖ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۖ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ (آل عمران ع ۳)	کہو اے اللہ ملک و بادشاہت کے حقیقی مالک! تو جسے چاہے ملک دے اور جس سے چاہے ملک لے، جسے چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلت دے، تیرے ہی قبضہ میں ہے ہر بھلائی، تو بیشک ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

جب ان قرآنی آیات پر ہمارا ایمان ہے اور ہم واقعتہً یہ یقین رکھتے ہیں کہ اس دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ ہی کے حکم سے ہوتا ہے اور کسی کو حکومت و سلطنت دینا اور کسی سے چھین لینا اور کسی کو عزت دے کر بلند کر دینا اور کسی کو ذلت کے گڑھے میں گرا دینا، یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتا ہے،

تو ہمیں سوچنا چاہئے کہ اس وقت جن مصائب و مشکلات میں ہم مسلمان گھرے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ نے کیوں ہم کو ان میں مبتلا کیا ہے اور صدیوں سے یہ ذلت و پستی ہم پر کیوں مسلط کر دی گئی ہے اور اقوام عالم میں کیوں ہمارا پلہ اتنا کمزور ہے؟ ——— اللہ تعالیٰ خواہ مخواہ تو کسی قوم پر ظلم نہیں کرتا، اُس کی مقدس کتاب قرآن مجید نے ہمیں صاف صاف بتلایا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ النَّاسَ شَیْئًا وَّلٰکِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ ۝	اللہ تعالیٰ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا بلکہ وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ لَمْ یَکُ مُغَیِّرًا نِّعْمَۃً اَنْعَمَھَا عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ۔ (انفال ۶۶)	یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نہیں ہے بدلنے والا کسی نعمت کا جو بخشی ہو اُسنے کسی قوم کو جب تک نہ بدلیں وہ اپنے ذاتی اعمال۔

پس ہمیں یقین کرنا چاہئے کہ ہم جن حالات و آفات میں مبتلا ہیں اور جو ذلت و پستی ہم پر مسلط ہے اور نہ صرف ہم مسلمانان ہند بلکہ زمین کے کسی خطہ میں جہاں کہیں بھی مسلمان قومیں دیگر اقوام کے زیر اقتدار ہیں یا مسلمانوں کی حکومتیں دوسری حکومتوں کے مقابلے میں جو عاجز و کمزور ہیں تو یہ صورت حال اللہ تعالیٰ کی طرف سے بے وجہ اور بلا قصور نہیں ہے، اور علیٰ ہذا یہ صرف ظاہری و مادی اسباب کی کمی بیشی اور تاریخ کی ایک خاص رفتار کا نتیجہ بھی نہیں ہے، بلکہ اس میں سب سے بڑا دخل اللہ تعالیٰ کے قانون "جزاء اعمال" کا ہے، اور مادی اسباب کی کمی بیشی اور تاریخ کی جس رفتار کو ہم اس کا اصلی سبب سمجھ رہے ہیں در اصل وہ خود اللہ کے اسی قانون کا نتیجہ ہے۔

قرآن مجید میں جا بجا اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ قانون بیان فرمایا ہے کہ کتاب و پیغمبر پر ایمان لانے والی اور اللہ کے دین اور اُس کی شریعت کو قبول کر لینے والی کوئی قوم جب عبدیت اور فرمانبرداری کا راستہ چھوڑ کے نافرمانی کی زندگی اختیار کر لیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی دی ہوئی نعمتیں اس سے سلب کر لیتا ہے اور اپنی اس رحمت و نصرت سے اُس کو محروم کر دیتا ہے جو در اصل اس کی زندگی کی رُوح ہوتی ہے پھر وہ پستی ہی میں گرتی جاتی ہے، اور جب تک وہ اپنے رویہ کو نہ بدلے اور عبدیت و فرمانبرداری کا راستہ اختیار نہ کرے، اللہ تعالیٰ اُس کی حالت کو

نہیں بدلتا، قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات کا تعلق اسی "قانون مجازات" سے ہے۔

(۱) سورۂ بقرہ کے دسویں رکوع میں پہلے بنی اسرائیل کے ایک خاص گروہ کا یہ حال بیان فرمایا گیا ہے کہ — "ہم نے ان کو یہ احکام دیئے تھے اور انھوں نے ان احکام کو قبول کرلیا تھا، لیکن اس کے بعد اپنی ذاتی خواہش اور ہوائے نفسانی سے انھوں نے فلاں ایک حکم کی تو تعمیل کی، مگر اس کے سوا دوسرے تمام احکام کے خلاف عمل کیا" — بہرحال ان لوگوں کی یہ حالت بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا ہے۔

فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ (بقرہ ع ۱۰)	پس جو لوگ تم میں سے ایسا کریں اُنکی سزا، سوا اسکے اور کیا ہے کہ ذلت و خواری ہو اِس دنیا کی زندگی میں اور قیامت کے دن ڈھکیل دیے جائینگے نہایت سخت عذاب میں، اور اللہ غافل نہیں ہے تمھارے کرتب و کردار سے۔

(۲) نیز ایمانی عہد کو توڑنے والے اور اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کو پیشہ بنانے والے بنی اسرائیل ہی کے متعلق فرمایا گیا ہے۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ (سورۂ مائدہ ع ۳)	پس اُنکی عہد شکنی کی سزا میں اُن پر لعنت مسلط کی اور اپنی نظر رحمت سے ان کو دور کردیا۔

(۳) اور سورۂ رعد میں قانون عام کے طور پر فرمایا گیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ۝ (سورۃ الرعد ع ۳)	اور جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ اللہ کا عہد مضبوط کرنے کے بعد پھر اسے توڑتے ہیں اور اللہ نے جن تعلقات کے جوڑنے کا حکم دیا ہے ان کو توڑ ڈالتے ہیں اور دنیا میں خرابی پھیلاتے ہیں اُن کیلئے لعنت و پھٹکار ہے اور اُنکے واسطے بُرا ٹھکانا ہے۔

مندرجہ بالا دونوں آیتوں میں جس "نقض میثاق" یعنی عہد توڑنے کا ذکر ہے وہ یہی ہے کہ اللہ کی کتاب اور

اسکے رسولؐ پر ایمان لانے اور ان کے حکموں پر چلنے کے پختہ اقرار کے بعد پھر ڈھٹائی اور بیباکی سے اُنکی خلاف ورزی اور نافرمانی کیجائے، جیساکہ آجکل مسلمان قوم کی بہت بڑی تعداد کا حال ہے کہ اللہ و رسولؐ پر ایمان کے بلند بانگ دعوے اور اقرار کے باوجود، زندگی کے ہر شعبہ میں یا اکثر و بیشتر شعبوں میں وہ نافرمانی کا راستہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ پس از روئے قرآن یہ زندگی لعنت والی زندگی ہے، اور اس دنیا میں اسکی سزا اللہ کی مدد سے محرومی، اور ذلت و رسوائی، اور بےچینی کی زندگی ہے ـــ سورہ طٰہٰ کی یہ آیت پہلے بھی گزر چکی ہے۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ فَاِنَّ لَہٗ مَعِیْشَۃً ضَنْکًا ۔

اور جو لوگ روگردانی کریں اور بے رخی برتیں میری نصیحت سے اُنکے واسطے زندگی ہے تنگی اور بےچینی کی۔

بہرحال ہم مسلمان اسوقت جن مصائب و مشکلات میں گرفتار ہیں اور بے عزتی اور بےچینی کی جو زندگی ہم پر مسلط ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے اسی قانون "جزاء اعمال" کا ظہور ہے جس کا ذکر مندرجہ بالا آیات میں کیا گیا ہے یعنی یہ سب ہماری ہی شامتِ اعمال اور خدا فراموشی کا نتیجہ ہے ــ "از ماست کہ بر ماست"۔ ؎

ہر چہ بر تو آید از ظلمات و غم
آں ز بیباکی و گستاخی است ہم

اور در اصل یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم کو تنبیہ ہے تاکہ ہم اپنی غلط روی پر متنبہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کی بندگی و فرمانبرداری کا راستہ اختیار کریں، قرآن مجید ہی میں فرمایا گیا ہے۔

وَلَنُذِیْقَنَّھُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰی دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَکْبَرِ لَعَلَّھُمْ یَرْجِعُوْنَ ○ (السجدہ ۲۶)

اور ہم آخرت کے بڑے عذاب سے پہلے ضرور ان کو چکھائینگے اُس سے کم درجہ کا عذاب (اس دنیا ہی میں) شاید کہ وہ باز آجائیں۔

پس اگر ہم اپنی خدا فراموشی اور نافرمانی کی زندگی سے باز آجائیں اور توبہ و انابت کے بعد ایمان و اطاعت والی اصلی اسلامی زندگی اختیار کرلیں تو نہ صرف یہ کہ ہم مرنے کے بعد والے آخرت کے عذاب سے بچ جائینگے بلکہ پھر اس دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہمارے ساتھ بدل جائیگا اور اُس کا فضل و کرم اور اُسکی غیبی مدد ہم کو مصیبتوں اور ذلتوں کے اس چکر سے بھی نکال دیگی جسمیں ہم اسوقت گھرے ہوئے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ ہماری مصیبتوں کو راحتوں سے ہماری ذلت و پستی کو عزت و سرفرازی سے اور ہمارے ضعف کو قوت سے اور ناتوانی کو توانائی سے بدل دیگا یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اور قانون "جزاء اعمال" کا یہ دوسرا رُخ ہے اور

قرآن مجید میں اس کو بھی پوری تفصیل سے بیان فرمایا گیا ہے۔ سورۂ ہود کے بالکل شروع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اعلان کرایا گیا ہے۔

اِنَّنِیْ لَکُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ ۙ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَیْهِ یُمَتِّعْکُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ط (ہود ۱۶)

میں تمھیں انجام بد سے خبردار کرنیوالا ہوں اور بشارت سنانے والا ہوں، اور تمھیں میرا پیغام یہ ہو کہ اپنے گناہوں کی معافی چاہو اپنے رب سے پھر رجوع ہو جاؤ اسی کی طرف (یعنی آئندہ کیلئے اسکی کامل اطاعت و فرمانبرداری والی زندگی اختیار کرلو) وہ تم کو خوش عیشی دیگا ایک مقررہ وقت تک (یعنی تمھاری دنیوی زندگی کو بہتر بنا دیگا)۔

اور اسی سورۂ ہود کی وہ آیت پہلے نقل ہو چکی ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت ہود علیہ السّلام نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ اگر تم استغفار و توبہ کرکے اللہ کی طرف رجوع ہو جاؤ تو اللہ تعالےٰ تمھاری طاقت و قوت میں بھی بہت کچھ اضافہ کر دیگا۔ (وَیَزِدْکُمْ قُوَّةً اِلٰی قُوَّتِکُمْ۔ ہود ۵۶)

بہرحال قرآن مجید میں جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ دستور و قانون بیان فرمایا گیا ہو کہ اللہ تعالیٰ نافرمانی اور خدا فراموشی کی سزا میں قوموں کو اپنی مدد سے محروم کرکے مصیبتوں اور ذلتوں میں مبتلا کر دیتا ہے اسی طرح یہ بھی بیان فرمایا گیا ہے کہ جب کوئی قوم توبہ و استغفار کرکے اللہ کی طرف رجوع و انابت کی راہ اختیار کرلیتی ہے اور اس کے احکام کی اطاعت و پیروی کو اپنی زندگی کا اصول بنا لیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو مصائب و مشکلات سے نجات دیدیتا ہے اور اُسکی ذلت کو عزت سے اور پستی کو بلندی سے بدل دیتا ہے۔

آگے ہم قرآن مجید ہی سے اللہ تعالےٰ کے اس قانونِ مجازات (یعنی جزاء اعمال) کے اسی دوسرے رُخ کی مزید تفصیل و توضیح کرنا چاہتے ہیں۔ (باقی)
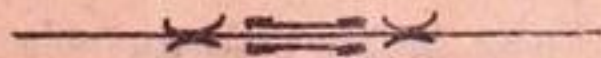
اَن دیکھی قوّت کا ایک پوشیدہ ذخیرہ

(از جناب مولانا سید مناظر احسن گیلانی مدظلہ)

اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ بجائے سوچنے کے دیکھنے اور صرف دیکھنے پر اگر بھروسہ کیا جائے تو تھوڑی دیر کے لئے عقل اس سطحی فیصلہ پر ضرور آمادہ ہو جاتی ہو جس کی عامیانہ تعبیر "بھینس اس کی جس کی لاٹھی" سے لوگ کرتے ہیں۔ "طاقت ہی حق ہے" یا (Might is right) یہ فقرہ شاید اتنا ہی پُرانا ہو جتنی پُرانی انسانی نسل ہے، یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ آدم علیہ السلام کے سعادتمند صاحبزادے ہابیل[1] کو ان ہی کے کور بخت لڑکے قابیل (یا قائن) نے "لَاَقْتُلَنَّكَ" (میں تجھے ضرور مار ڈالوں گا) کی دھمکی دیتے ہوئے جو الفاظ استعمال کئے تھے وہ کیا تھے، لیکن اس بڑے بول کی تہہ میں یقیناً یہی لاٹھی کا مغالطہ چھپا ہوا تھا کہ جسے اپنے ہاتھ میں پاکر ہر چلنے والی بھینس کو باور کرنے والوں نے اپنی بھینس باور کر لیا ہو ــــ پیغمبر اور پیغمبر کے ساتھیوں کی بے نوائی اور بے سروسامانی کو دیکھ دیکھ کر سرمایہ دار جب بڑبڑا رہے تھے کہ اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ[2] (آل عمران)

---

[1] بائبل میں اس نام کا تلفظ یہی ہے، عربوں میں ممکن ہے ہم وزنی سہولت نے قائن کو قابیل بروزن ہابیل مشہور کر دیا ہو، عرب کا سب سے بڑا معبود بُت ہُبل جو پوجا جاتا تھا کیا ہابیل سے اس کا کوئی علاقہ تھا؟ ــــ اور قائن بلکہ قائن کی پچھلی نسلوں میں تو "بل قائن" نام کا ذکر بھی بعد میں جو ذکر ہے جیسے تورات میں ہم پاتے ہیں ان امور کو پیش نظر رکھ کر مشرق سے مغربی ممالک کی طرف جانے والوں کی درمیانی سرزمین کا بلقان نام جو مشہور ہو گیا ہو کیا قائن اور قابیل کی اولاد کا اس سے کچھ سراغ مل سکتا ہے؟ تورات میں ہو کہ بین بجانے والا اور باڑھ دار ہتھیاروں کا بنانے والا قائن ہی کی اولاد میں پیدا ہوئے تھے جس کا حاصل بھی یہی ہو کہ گانے بجانے اور مردم کشی کے آلات کی ایجاد میں قائن کی نسل خصوصیت رکھتی ہے۔ یہ ساری باتیں سوچنے کی ہیں ۱۲

[2] علم خواص القرآن کے تجربہ کاروں کی اصطلاح میں یہ آیت ان پانچ آیتوں میں سے ایک ہے جنہیں "قافات قرآنیہ" کہتے ہیں۔ "قافات قرآنیہ" کی خاصیت یہ بتائی گئی ہے کہ ان کے ورد کرنے والوں کو غنیم پر غلبہ حاصل ہوتا ہو

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر ملاحظہ کیجئے)

خدا تو فقیر ہے اور ہم تونگر یعنی سرمایہ دار ہیں تو دوسرے الفاظ میں وہ اسی فیصلہ کا اعلان کرتے تھے کہ بھینس ہماری ہو کر رہے گی کیونکہ لاٹھی ہمارے ہاتھ میں ہے اور ان کے باپ دادوں نے اسی فیصلہ پر بھروسہ کرکے ان حرکات کا ارتکاب کیا تھا جن کا ذکر اسی کے بعد قرآن نے ان لفظوں میں کیا ہے یعنی

وَقَتْلَهُمُ الْاَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ — پیغمبروں کو بغیر کسی حق کے ان کا قتل کرنا۔

انھوں نے قوت ہی کا نام حق رکھ چھوڑا تھا، سمجھتے تھے کہ اس حق سے جو محروم ہو زندگی کے سارے حقوق سے بھی محروم ہے۔ بلکہ خیال کرتے تھے کہ زور والوں کا فرض ہو جاتا ہے کہ زندگی کے حقوق سے ان بے زوروں کو محروم کر دیں، اسی نشہ کے متوالوں نے لبسا اوقات جیسا کہ قرآن ہی نے نقل کیا ہے

مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً — ہم سے زور میں بڑا کون ہے

کا چیلنج ان غریبوں کو دیا ہے جو ان کے نزدیک حق کی اس دلیل سے مفلس تھے، خدا ہی جانتا ہے کہ دُھرانے والوں نے حق کی اس پرانی دلیل کو قولاً و عملاً کہاں کہاں، کس کس زمانہ میں دُھرایا ہو، چند ہی سال ہوئے جب یورپ کے بعض علاقوں سے اس کو دُھراتے اور انہی الفاظ کے ساتھ بڑبڑاتے ہوئے اُٹھانے والوں نے سر اُٹھایا، تاؤ دیتے ہوئے اپنی مونچھوں پر اور خم ٹھونکتے ہوئے تاریخ کے چبوترے پر نمودار ہوئے مگر فیصلہ کیا ہوا؟ انہی چند سالوں میں وہ اونچے بھی ہوئے اور نیچے بھی ہوئے، خدا کی مخلوق دھوکے میں بھی مبتلا ہوئی، مغالطوں کے لوگ شکار بھی ہوئے، جو کچھ وہ کہتے تھے دوسروں نے بھی وہی رٹنا شروع کیا، اس کی واقعیت پر اصرار کیا گیا جس کے وہ مدعی تھے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ماسبق) شیخ ابن عربی نے تو لکھا ہے کہ اپنے زمانہ کے قطب وقت سے ان کی جب ملاقات ہوئی تو دیکھا کہ مسلسل وہ ان آیتوں کی تلاوت میں مشغول ہیں، پہلی آیت سورہ بقر میں اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْ بَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ سے اَلظّٰلِمِيْنَ تک اور دوسری آل عمران کی یہی آیت اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ سے عَذَابَ الْحَرِيْقِ تک تیسری سورہ نساء میں اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ سے وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا تک، چوتھی سورہ مائدہ میں وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ سے الْمُتَّقِيْنَ تک، پانچویں سورہ اعراف میں قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے هُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ تک۔ کہتے ہیں کہ قاف کا حرف ان آیتوں میں پچاس دفعہ آیا ہے۔ ۱۲

لیکن صدی دو صدی تو بڑی بات ہو، نصف صدی بھی نہیں، ثلث بھی نہیں، ربع بھی نہیں ایک وہ بھی بارہ مہینوں کے چند مجموعوں کا ختم ہونے نہ پایا کہ پھر کوئی نہ تھا، نہ دعویٰ تھا، نہ دعویٰ کرنے والے تھے، اُن کو پچھتانا پڑا، جنھوں نے یقین کر لیا تھا کہ بخار کے بڑھانے میں "اس نمدہ" کے استعمال کو دخل ہو، جو مریض کے سامنے خربزہ کے چھلکوں کی طرح اتفاقاً پڑا ہوا تھا۔ اگرچہ جھوٹ سچ سے پھر بھی جدا نہ ہوا، اور جھوٹ کی جب جھوٹ سے ٹکر ہو تو فیصلہ کی صورت ہی کیا تھی تاہم اتنا تو پھر بھی ماننے والوں کو ماننا ہی پڑا کہ جس جس چیز کا نام قوت رکھا گیا تھا اور جن جن شکلوں اور قالبوں میں یقین دلایا گیا تھا کہ ان میں طاقت بند ہوئی ہے، اُترنے والے سب ہی کو لیکر میدان میں اُترے تھے، اپنی پشت پر وہ قوت کے جن ذخیروں کو لادے ہوئے آئے تھے، ان میں سائنس کی قوت بھی تھی، کیمیا کی بھی، میکانکی آلات کی بھی، اور برقی و بخاری اوزاروں کی بھی، جن قوتوں سے سمندر کی گہرائیوں میں اُترا جاتا ہو اور ہوا کی بلندیوں پر جن کے بل بوتے پر لوگ چڑھتے ہیں، اُڑتے ہیں، لانے والے سب ہی کو لیکر آئے تھے، باہر بھی ان کا بھرا ہوا تھا، اور اندر کی تعمیر بھی ان کی استوار تھی، ضبط بھی تھا اور نظم بھی، اتفاق بھی تھا اور اتحاد بھی، کیسا اتفاق، کیسا اتحاد، سارا ملک ایک شخصی حکمران کے وجود میں گم ہو گیا تھا، جو مقابلہ میں تھے ان کی قوم تو حکمرانوں کی جماعت میں فانی ہو کر بقا کی ضمانت کو حاصل کئے ہوئے تھی لیکن پھر بھی کثرت ہی میں کثرت کا یہ انجذاب تھا مگر انھوں نے تو اپنی قومی کثرت کو شخصی وحدت میں جذب اور محو کر دیا تھا، ایک اور بالکلیہ ایک ہو کر وہ رہے تھے، پھر ثابت ہوا کہ باوجود سب کچھ لانے کے وہ کچھ نہ لائے تھے۔ ایسا ہوا کہ اپنی جانوں کو بھی واپس لیجانے کا موقع ان میں اکثر کو نہیں ملا، مغرب میں یہی تماشہ دکھایا گیا اور مغرب کی جو نقل مشرق میں اُتاری گئی تھی اس کا بھی آخری انجام یہی ہوا۔

لیکن باوجود سب کچھ دیکھنے کے تماشا کچھ اس طریقہ سے کھیلا گیا کہ بھینس اور لاٹھی" والے نظریہ، کی غلطی پھر بھی جیسا کہ چاہیئے واضح نہ ہوئی۔

مگر آج پھر غلطی واضح نہ ہوئی، تو کیا ہوا؟ یہی دنیا تو تھی، یہی آسمان تھا، یہی زمین تھی، بڑی موٹی لاٹھی ان لوگوں کے ہاتھوں میں آگئی تھی، جو روم میں رہتے تھے، رومۃ الکبریٰ

کے جسے "ایمپائر" یا شہنشاہیت کبرٰے کے قائم کرنے میں وہ کامیاب ہوئے تھے۔ سمجھا جاتا تھا کہ یہ اسی لاٹھی کی کرامت ہے۔

لیکن اسی رومی حکومت کے وسیع و عریض مقبوضات کے ایک ایشیائی مشرقی گوشہ میں جب یہ دکھایا گیا تھا کہ جو صرف اپنی ماں کا اکلوتا لڑکا تھا، قدرت نے کسی باپ کا بیٹا بنا کر جسے نہیں پیدا کیا تھا، وہی ننھا گلیلی جھیل کے کنارے مچھلی پھنسانے والوں کو جھیل کے کنارے کھڑا پکار رہا تھا۔

میرے پیچھے چلے آؤ تو میں تمھیں آدمی کا پکڑنے والا بناؤں گا (متی باب۴ درس ۱۹)

اور سوت سے بنے ہوئے جال کو پھینک کر جب مچھلی پھنسانے والے اس کے پیچھے آدمی کے پکڑنے اور پھنسانے کے فن کو سیکھنے کے لئے روانہ ہوئے اور سیکھ کر انسانوں کے شکار کرنے کی مہم میں وہ مشغول ہوئے تو مشرق ہی نہیں بلکہ دانایان مغرب کی عقل بھی ان کے جال سے بچ نہ سکی، بلاشبہ یہ دیکھا گیا، اس وقت تک دیکھا جا رہا ہے کہ مچھلی پکڑنے والوں کے ساتھ جو وعدہ کیا گیا تھا وہ پورا ہوا، جب وہ مچھلیاں پکڑتے تھے اس وقت تو سوت یا رسّی کے بُنے ہوئے چند جال بھی ان کے پاس تھے، لیکن آدمی پھنسانے کی مہم پر جب وہ روانہ ہوئے تو ان کے پاس اس وقت وہ جال بھی نہ تھے، سکرس آف گارڈ جو ڈین آف کنٹربری، اور ڈاکٹر فیرر ڈی۔ ڈی کی لکھی ہوئی مشہور کتاب ہے اس میں ان ماہی گیر مردم شکاروں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جس وقت بت پرست رومیوں کے پایہ تخت "رومۃ الکبریٰ" میں پطرس حواری پہنچے تھے تو وطنی اور قومی تعلق کی بنیاد پر رومہ کے اس محلہ میں قیام اختیار کیا جس میں غریب یہودی رہا کرتے تھے، لکھا ہے کہ:۔

"شہر کا یہ وہ حصہ تھا، جسے عالم کا "بدرو" کہنا زیادہ موزوں ہو سکتا ہے یہودی لوگ اس جگہ پرانے دھرانے کپڑے، کانچ کے ٹکڑے اور دوسری ادنیٰ و نکمی چیزوں کا بیوپار کیا کرتے تھے، رمل و نجوم یا بھیک مانگ کر بسر اوقات کرتے تھے ان ہی تاریک اور غلیظ کوچوں میں ایک کوچہ تھا، جہاں روم شہر کی ذلیل آبادی کا مسکن تھا، مرقس اور پطرس (حواری) اسی کوچہ میں رہتے تھے، جب انھوں نے شہر روم کی مختصر و محدود کلیسا کی

بنیاد رکھی" ۔ ص ۱۵۰

یہ بھی لکھا ہے کہ سینٹ پال جسے موجودہ زمانہ کے عیسائی پولس رسول بھی کہتے ہیں جب رومہ کی اسی شہر میں بایں ہیئت کذائی داخل ہوا تھا، اسی کتاب میں ہے کہ :۔

اس کی کمر ٹیڑھی اور بدن نحیف ہو گیا تھا، چہرے پر جھریاں پڑی ہوئی تھیں ۔

....

وہ پابہ زنجیر تھا اور ایک پہرہ دار ہر وقت اس کے ساتھ رہتا تھا"

لیکن باہر سے جو اتنا بے زور نظر آرہا تھا، لکھا ہے کہ :۔

" اس کی تلقین اور وعظ کا اثر محلوں اور جھونپڑیوں، شہروں اور دیہاتوں ہر جگہ پھیلتا چلا گیا، بہت سے لوگوں کو اس کے نمونہ سے بہت بڑی تحریک ہوئی"

سکرس آف گارڈ ص ۱۵۱ (ترجمہ)

کچھ بھی ہو سننے سے زیادہ دیکھنے سے ان آثار و نتائج کا اندازہ زیادہ آسانی کے ساتھ ہو سکتا ہی جو آدمی پھنسانے والے غریب، بے نوا ماہی گیروں کی کوشش کی بدولت ظاہر ہوئے۔ کرۂ زمین کا مغربی حصہ ان ہی پھنسنے والوں سے بھرا ہوا ہی، اور رومیہ کے اسی محلہ میں جس میں پطرس اور مرقس کے زمانہ میں بقول ڈین آف کنٹربری :۔

" ہر قوم اور ہر ملک اور ہر نسل کے کمینے، سفلے آدمی رہتے تھے" ۔

آج دنیا کا سب سے بڑا چرچ کھڑا ہوا ہے، لاٹھی والے غائب ہو گئے، اس طرح غائب ہو گئے جیسے گدھے کے سر سے سینگ، اور بھینس پران لوگوں کا قبضہ ہو گیا جن کے قبضہ میں تلوار تو تلوار سوت والا جال بھی باقی نہ رہا تھا۔ اور گلیلی جھیل کے ساحل کا یہ قصہ تو بہت پرانا ہے اس وقت کا ہی جب آسمانی بادشاہت کا زمانہ ابھی آیا نہیں تھا، بلکہ جو "مبشر" بنا کر بھیجا گیا تھا، صرف اس بشارت کی منادی کر رہا تھا کہ :۔

" توبہ کرو کیونکہ آسمانی بادشاہت نزدیک آگئی ہے" ۔ متی ۴ ؍ ۱۷

پھر دنیا کی سب سے بڑی دونوں بادشاہتوں (قیصریت و کسرویت) سے ٹکرا کر جب زمین پر بجائے زمین کے آسمان کی بادشاہت قائم کر دی گئی اور "الدین للہ" کا پھریرا

مشرق و مغرب میں اُڑا دیا گیا ـــــ تو خواہ لوگوں کو معلوم ہو یا نہ معلوم ہو مگر یہ واقعہ ہو کہ ہندوستان کے جنوبی حصہ کے ساحلی علاقوں میں اس وقت جس وقت مسلمان اپنی بادشاہت کے ساتھ ان علاقوں میں پہونچے بھی نہ تھے، آسمانی بادشاہت کا پیغام پہنچ چکا تھا، اس پیغام کے پہنچانے والے جیسا کہ مختلف سیاحوں کا بیان ہے۔ نہ تلواروں کے ساتھ اُترے تھے اور نہ توپوں اور بندوقوں کے ساتھ الغرض جو قوتیں دیکھی جاتی ہیں، ان میں سے کسی قسم کی کوئی قوت ان کے ساتھ میں نہ تھی، لیکن سلیمان تاجر کی کتاب پڑھیے، اپنی عینی چشم دید شہادت بیان کرتا ہو۔ میں اپنے الفاظ میں اس کا خلاصہ درج کر دیتا ہوں۔ اس کا بیان ہے کہ:۔

"اپنی ان دیکھی قوتوں کے زور کا ان لوگوں نے جو مظاہرہ کیا تھا اُسی کا نتیجہ یہ تھا کہ انھوں نے ملک کے باشندوں میں برتری حاصل کی (اور کیسی برتری کہ اس ملک کا سب سے بلند اور اونچا طبقہ ایک طرف اگر برہمن کے نام سے موسوم تھا تو ان پیغام لانیوالوں کے قائد اور زعیم کو (جسے مقامی غیر اسلامی حکومت مقرر کرتی تھی) ہنرمن (ہنر دان برہمن) کا خطاب دیا گیا تھا"

سلیمان ہی نے لکھا ہو کہ "ان ساحلی شہروں میں سے جس شہر میں بھی پہنچا، یہی دیکھا کہ نو وارد مسلمانوں کو ہنرمن پر جمع کر دیا گیا ہے، ان کے مقدمات حکومت کی عام عدالتوں میں پیش نہیں ہوتے تھے بلکہ ہنرمن کے اجلاس پر ان کے مقدمات دائر ہوتے تھے، حکومت ان مسلمانوں کو جو کچھ کہنا چاہتی تھی، یا ان سے سننا چاہتی تھی، سب میں واسطہ بھی ہنرمن تھا، جہاں کہیں وہ سکونت پذیر تھے، ان کی مسجدیں قائم تھیں، جمعہ اور جماعات کا انتظام اسی ہنرمن کے ساتھ متعلق تھا، گویا دیکھی جانے والی قوتوں کے بغیر حکومت کے اندر حکومت" ان کی ان دیکھی طاقت کی بدولت ہر جگہ قائم تھی، اور صرف مسلمانوں ہی پر قائم نہ تھی، بلکہ جن دلوں میں ابھی اسلام نہیں اُترا تھا ان کے اندر بھی یہی مسلمان کچھ اس طرح اُتر گئے تھے کہ گواہی کی ضرورت جب کسی کو ہوتی تو عموماً غیر مسلم کے مقابلہ میں مسلمان ہی کو وہ ترجیح دیتا تھا، جو خود مسلمان[1] نہیں ہوتا تھا۔

---

[1] دیکھئے میری کتاب "انگوں کی معاشی سرگذشت" حصہ اول، جو افسوس ہے کہ پریس میں پڑی ہوئی ہے خدا ہی جانتا ہو کہ اسکی اشاعت کب تک مقدر ہے۔

اور ہندوستان ہی کیا، کون نہیں جانتا کہ پہلی دفعہ پناہ دینے کے صلہ میں حبشہ (ابی سینا) کی عیسائی حکومت مسلمانوں کے سیاسی زد سے اب تک محفوظ چلی آرہی ہے۔ اس ملک میں مسلمان اپنی اس غیر محسوس طاقت کے ساتھ پہلے بھی داخل ہوئے تھے اور اس وقت بھی اس ملک میں وہ اسی خصوصیت کے ساتھ آباد ہیں، لیکن روہل نامی ایک عیسائی سیاح جب اس ملک میں داخل ہوا تو واپسی کے بعد اپنے سفرنامہ میں یہ رپورٹ اس نے درج کی۔

"حبش کے اس سفر میں اکثر یہ بات میں نے دیکھی کہ جب کوئی منصب ایسا خالی ہوا کہ جس کے لئے متعدد متدین شخص کے انتخاب کی ضرورت ہوئی تو ہمیشہ مسلمان منتخب ہو کر مقرر ہوئے"۔

روہل ہی لکھتا ہے:۔

"عیسائیوں کے مقابلہ میں مسلمان زیادہ چست اور محنتی تھے"

مسلمانوں کی سب سے بڑی خصوصیت اس ملک کے باشندوں کے مقابلہ میں روہل کو یہ نظر آئی کہ

"ہر ایک مسلمان اپنے بیٹوں کو پڑھنا لکھنا سکھاتا ہے لیکن عیسائیوں کے بچے اُس وقت تعلیم پاتے تھے جب کہ ان کو قسیسین بنانے کی خواہش ہوتی تھی"[1]

ان ممالک میں جہاں آسمان کی بادشاہت کا پیغام مسلمانوں کی بادشاہت کے بغیر پہنچا ہے چین بھی ہے، لیکن اس ملک میں کس مقام کے یہ مالک ہوئے واسلیف کے حوالہ سے آرنلڈ نے نقل کیا ہے:۔

"مسلمان رعایا کو (وہاں کی غیر اسلامی حکومت) نے وہی حقوق عطا کئے ہیں جو اور رعایا کو حاصل ہیں، سلطنت کے کسی عہدے سے وہ محروم نہیں ہیں۔ صوبوں کے گورنر ہوتے ہیں۔ سپاہ میں جرنیل مقرر ہوتے ہیں، اور حکومت و وزارت کے عہدوں پر مامور ہو کر حاکم و محکوم دونوں کی نظروں میں معزز اور معتمد ثابت ہوتے ہیں"۔

واسلیف ہی کا بیان ہے کہ:۔

چین کی تاریخوں میں مسلمانوں کے نام مشہور حکام سلطنت ہی کی فہرستوں میں نہیں ملتا بلکہ صنعت و

---

[1] روہل ج ۱ ص ۳۲۸ ۱۲

حرفت علوم و فنون خاص کر ریاضی و ہیئت کے علموں میں انھوں نے بہت نام پیدا کیا ہے“۔ آرنلڈ ص ۳۲۵

لکھا ہو کہ بعض تنگ دل چینی حکام نے بادشاہ وقت کے پاس صوبہ شانسی کے مسلمانوں کے طرز عمل کی شکایت کی بادشاہ کی طرف سے حالات کی تحقیق کے بعد جو فرمان شائع ہوا اس کا ترجمہ یہ ہے:۔

”ہماری سلطنت کے ہر صوبہ میں صدہا سال سے مسلمان آباد ہیں، جو ہماری رعایا کے ایک حصہ ہیں اور جس طرح اور ہماری رعایا مثل ہماری اولاد کے ہے اسیطرح یہ مسلمان بھی ہماری اولاد ہیں، میں مسلمانوں میں اور ان لوگوں میں جو مسلمان نہیں ہیں کوئی فرق نہیں سمجھتا بعض حاکموں نے مسلمانوں کی خفیہ شکایتیں ہم سے کی ہیں جس کی بنا صرف یہ ہو کہ مسلمانوں کا مذہب چینیوں کے مذہب سے مختلف ہو۔ مسلمان وہ زبان نہیں بولتے جو اور چینی بولتے ہیں اور لباس بھی اور چینیوں سے ان کا مختلف ہو“۔

بادشاہ نے اس تمہید کے بعد لکھا تھا:۔

”ان مسلمانوں پر نافرمانی، سرکشی اور باغیانہ خیالات کے رکھنے کا الزام لگایا گیا، اور ہم سے درخواست کی گئی ہو کہ مسلمانوں کے خلاف سخت طرز عمل اختیار کروں، لیکن تحقیق و تفتیش کے بعد معلوم ہوا کہ ان شکایتوں اور الزاموں کی کوئی بنیاد نہیں ہو ـــــــ مسلمان جس مذہب کے پابند ہیں وہ فی الحقیقت ان کے بزرگوں کا مذہب ہے ـــــــ یہ سچ ہو کہ انکی زبان وہ نہیں ہو جو اور چینیوں کی ہو لیکن چین میں مختلف قوموں کی زبانیں بولی جاتی ہیں، ان کی مسجدوں کی نسبت اور ان کے لباس اور طرز تحریر کے بارے میں چینیوں کی وضع قطع سے مختلف ہیں جس قدر شکایتیں کی گئی ہیں وہ ہرگز لحاظ کے قابل نہیں ہیں، یہ سب رواج اور دستور کی باتیں ہیں، مسلمانوں کا چال چلن ایسا ہی اچھا ہو جیسے اور ہماری رعایا کا چال چلن ہو، اور کسی بات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ بغاوت کا خیال پکاتے رہتے ہیں“ ـــــــ

آخر میں شاہ چین نے لکھا تھا ـــــــ ”بس ہماری یہ خواہش ہو کہ مسلمان اپنے مذہب کی پیروی میں آزاد ہیں جس کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو نیکی سے زندگی بسر کرنی سکھائی جائے اور جو انسانی اور ملکی فرائض انسان پر عائد ہوتے ہیں ان کو ادا کیا جائے ـــــــ ہماری حکومت کے اصولوں کو مسلمانوں کا مذہب تسلیم کرتا ہو اس سے زیادہ ہمیں کیا چاہیے، بس مسلمان اپنے تئیں نیک اور خیر خواہ رعایا اگر ثابت کرتے رہیں گے تو ان پر ہمارا لطف و کرم ایسا ہی جاری رہے گا، جیسے ہماری اور اولاد پر ہے مسلمانوں میں لوگ، مالی اور فوجی حاکم ہوئے ہیں جو اپنے عہدوں پر اونچے سے اونچے درجے تک پہونچے ہیں“۔

(دساتیران قوم، ص ۱۵۶ ترجمہ از کتاب دعوت اسلام ص ۳۳)

(باقی آئندہ)

مسلمانوں کی انصاف پسندی

(از جناب مولوی شبیر الحق بحری آبادی)

آج کل کی سیاست بھی عجیب قسم کی ہو، آج حق و انصاف اور عدل و رواداری بے معنی الفاظ ہوکر رہ گئے ہیں۔

موجودہ سیاست، کا محور صرف قوم پرستی ہے۔ ہم اور ہمارے ہم قوم آرام سے رہیں اور بس۔۔! خواہ تمام دنیا ایک قوم کی بقا کے لئے موت کے گھاٹ اُتر جائے، اس کا نام و نشان مٹ جائے، یہی قوم پرستی آج کل کی سیاست کی روح ہے اور اسی چیز نے لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بٹھادی ہو کہ اگر ہم میں ظالم سے بدلہ لینے کی طاقت نہ ہو تو ہم ظالم کے اُن بھائیوں سے بدلہ لیں جن پر ہمارا قابو چل جائے۔۔۔ یہ ایسا غلط اصول ہو کہ کوئی بھی عقل سلیم رکھنے والا اسے صحیح نہیں سمجھ سکتا، یہ چیز انسانیت کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ ہے۔

اسلام نے تو اس چیز کو قطعاً حرام قرار دیا ہو، اسکی تو کھلی تعلیم اور مسلمانوں کو انتہائی تاکید یہ ہے کہ کُونُوا قَوّامِینَ بِالْقِسْطِ تم سختی سے انصاف اور سچائی پر قائم رہو وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا اور کسی قوم کی عداوت و بدخواہی تمھیں بے انصافی پر آمادہ نہ کر دے۔

مسلمانوں کی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہو کہ اگر کسی ملک میں مسلمانوں پر ظلم کیا گیا تو انھوں نے دوسرے ممالک میں ظالم قوم کے افراد سے اس کا بدلہ کبھی نہیں لیا، ہاں اگر مسلمانوں نے اپنے میں ہمت پائی تو ان ہی ظالموں کی سرکوبی کے لئے اسی ملک پر حملہ کیا لیکن بے قصوروں سے اس کا بدلہ کبھی نہیں لیا۔۔۔ مسلمانوں کا ابتدائی دور تو ایک مثالی دور ہے۔ اس زمانہ میں مسلمانوں نے جس حیرت انگیز عدل و انصاف اور اصول پرستی کا ثبوت دیا وہ تو آج کل کی فضا میں عقل و قیاس سے بھی بالاتر ہے۔ لیکن بعد کے دور میں بھی اسکی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔

پندرھویں صدی عیسوی میں محمد فاتح عثمانی حکومت کا بہت ہی مشہور تاجدار گزرا ہے اس کے عدل و انصاف کی گواہی مسلمان مؤرخین کے علاوہ عیسائی مؤرخین بھی دیتے ہیں محمد فاتح کا ایک ہمعصر بادشاہ ولاد چہارم (WELAD IV) ولاچیا میں حکومت کرتا تھا، وہ شخص اتنا ظالم تھا کہ ظلم کرنے میں اُسے مزا ملتا تھا، جتنی بُری طرح سے وہ کسی کو قتل کرا سکتا تھا اس سے دریغ نہ کرتا، ہزاروں مسلمانوں کو اُس نے قتل کرا دیا، قتل کا سب سے پسندیدہ طریقہ اس ظالم کے نزدیک یہ تھا کہ زندہ آدمی کے بدن میں میخیں ٹھونکوا دیتا اور اُن کے تڑپنے کو دیکھ کر خوش ہوتا، ولاچیا میں بہت سے مسلمان عثمانی تاجر آباد تھے اُس نے ان سب کو قتل کرا دیا، یہ خبریں جب قسطنطنیہ پہونچیں تو وہاں کے مسلمان اس ظلم سے چیخ اُٹھے لیکن اس کا بدلہ انھوں نے وہاں کی عیسائی رعایا سے نہیں لیا بلکہ سلطان نے خود ولاچیا پر حملہ کیا اور ولاد شکست کھا کر بھاگ گیا ـــــ اگر سلطان محمد فاتح ولاد کے مظالم کا بدلہ اپنی عیسائی رعایا سے لینا چاہتا تو اُسے کون روک سکتا تھا، لیکن وہ اسلامی احکام و تعلیمات کی روشنی میں ان کے حقوق کو سمجھتا تھا اور جانتا تھا کہ یہ بے قصور ہیں، اگرچہ اُس کے دور حکومت میں بہت سے عیسائی ممالک میں مسلمانوں پر ظلم ہو رہے تھے لیکن خود اس کی عیسائی رعایا آرام سے زندگی بسر کر رہی تھی، اُس نے انھیں ہر قسم کی آزادی دے رکھی تھی، وہ خود عیسائیوں کے گرجا کا سرپرست تھا، پادری اور گرجا کے دوسرے عہدے دار تمام ٹیکسوں سے بری تھے، اس بات کی عام اجازت تھی کہ وہ اپنے قومی معاملات اپنی عدالتوں میں لیجائیں، اُن کے نکاح اور وراثت کا قانون جوں کا توں باقی رکھا گیا تھا، لارڈ ایورسلے کا بیان ہے کہ محمد فاتح نے عیسائی رعایا کو جتنے حقوق دے رکھے تھے وہ اور کسی یورپین حکومت نے نہیں دئے، انھیں کبھی مسلمان ہونے کے لئے مجبور نہیں کیا گیا۔

سولھویں صدی عیسوی میں قسطنطنیہ میں سلیمان اعظم قانونی (۱۵۲۰ء تا ۱۵۶۶ء) حکومت کر رہا تھا، اُسوقت یورپ میں ہر جگہ سے مسلمانوں کا نام و نشان مٹایا جا رہا تھا اسپین میں اسوقت آخری مسلمان بادشاہ ابو عبد اللہ تھا، آپس کے اختلافات کی وجہ سے اسپین کی حکومت بہت کمزور ہو چکی تھی، عیسائیوں کے حملہ کی تاب مسلمان نہ لاسکے اور بہت جلد اسپین پر عیسائیوں کا قبضہ ہو گیا، اُنھوں نے وہاں پہنچکر جیسے ظلم مسلمانوں پر کئے ہیں وہ تاریخ میں محفوظ ہیں، انھوں نے

مسلمانوں کو زبردستی عیسائی بنایا، جنھوں نے عیسائی ہونے سے انکار کیا انھیں زندہ جلا دیا گیا، مسلمانوں کا نام و نشان مٹانے کی انھوں نے ٹھانی تو اُن کے مدرسے اور کتب خانے برباد کروئے گئے اور شاہی عمارتیں، قبریں اور مسجدیں تک زمین کے برابر کردی گئیں۔

افریقہ کے ساحلی شہر ٹونس پر عیسائی فوجیں چارلس کی سرکردگی میں حملہ آور ہوئیں، مسلمانوں نے شکست کھائی، چارلس شہر میں فاتحانہ داخل ہوا، اُس وقت فتح کی بدمستی میں وہ یہ بھی بھول گیا کہ یہ جاندار ہیں، اُس نے آنکھیں بند کر کے تیس ہزار باشندوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

اس وقت کی بحری تجارت عربوں کے ہاتھ میں تھی، عرب تاجر جہازوں کے ذریعہ مصر سے یورپ کا سامان ہندوستان لاتے اور یہاں سے مال لیجاتے، لیکن اُسی زمانہ میں عیسائی ملاح واسکوڈی گاما نے ہندوستان کا نیا راستہ دریافت کرلیا۔ تو انھوں نے عربوں کے ہاتھ سے تجارت چھین لینے کی ہر ممکن کوشش کی، اور ذلیل سے ذلیل حرکتوں سے نہ چوکے ــــ اس کے لئے انھوں نے عرب جہازوں پر حملے کرنا شروع کئے، عرب، حبش، ہندوستان اور فارس کے ساحلی مقامات پر حملے کئے اور غیر مسلموں کو مجبور کیا کہ وہ مسلمانوں اور عربوں کے ہاتھ اپنا اسباب نہ فروخت کریں، ملیبار کے موپلہ تاجروں پر بڑی زیادتیاں کیں، یمن اور حجاز کے ساحلی شہروں پر قبضہ جمایا، اور ہندوستان میں سندھ سے لے کر مدراس و گجرات اور بمبئی تک کے بندرگاہوں پر دھاوے کئے، ساحلوں اور جزیروں میں مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا تھا، مسجدیں توڑ توڑ کر کلیسا بنائی جارہی تھیں، کالی کٹ کے راجہ کو اس پر مجبور کیا گیا کہ وہ مسلمانوں کو عرب آنے جانے سے روک دے، کوچین اور ساحل ہند پر قبضہ کر کے مسلمانوں کو قتل کیا اور مسجد کو کلیسا بنایا اور پھر رفتہ رفتہ عرب کے سواحل پر عدن، ہرمز، پریم وغیرہ کو اور ہندوستان کے سواحل میں سے گوا، جیول، وابل، دیپ، دمن، مہائم وغیرہ کو تاخت و تاراج کیا، کالی کٹ پر حملہ کر کے شہر کو لوٹ لیا اور وہاں کی جامع مسجد کو جلا کر خاک سیاہ کردیا، یہی حال انھوں نے عرب کے ساحلی مقامات کا کیا، حج کے بحری مسافران قزاقوں کے ہاتھوں سے بمشکل جان بچا سکتے تھے، گوا کا مشہور بندرگاہ سلطنت بیجاپور سے چھین لیا اور سلطان گجرات کے تمام بندرگاہوں پر غارتگری شروع کردی، جدہ اور عدن پر کئی حملے کئے[1] ــــ لیکن اسی زمانہ میں عثمانی حکومت

[1] خلافت عثمانیہ (جستہ جستہ)

میں عیسائی جہاں کہیں بھی تھے خوش تھے اور آرام سے تھے، نہ تو اُن کی کہیں تجارت بند کی جارہی تھی اور نہ کوئی گرجا توڑ کر مسجد بنائی جارہی تھی، اس وقت کے عثمانی سلطان "سلیمان اعظم قانونی" کی حکومت میں مسلم اور غیر مسلم ہر رعایا کے حقوق یکساں محفوظ تھے، عیسائیوں اور یونانیوں پر کبھی زیادہ محصول نہیں لگایا گیا، اس کی عیسائی رعایا اتنے آرام سے رہتی تھی کہ وہ آرام انھیں عیسائی حکومتوں میں بھی نصیب نہ تھا، کریسی کا بیان ہے کہ سلطنت عثمانیہ سے متصل جو عیسائی ممالک تھے وہاں کی عیسائی رعایا بھاگ بھاگ کر سلطنت عثمانیہ میں چلی آتی تھی، سلیمان اعظم کے زمانہ کے ایک مصنف کا بیان ہے کہ "میں نے گروہ در گروہ ہنگروی دہقانوں کو اپنے جھونپڑوں میں آگ لگا کر اور اپنے بیوی بچے، مویشی اور سامان کاشت کو لیکر ترکی علاقے میں بھاگ جاتے ہوئے دیکھا ہے جہاں وہ جانتے تھے کہ عشر کے علاوہ ان پر اور کسی قسم کا محصول یا تکلیف دہ بار عائد نہ کیا جائے گا۔"[1]

غیر ملکی تاجروں کو ہر قسم کی سہولتیں ترکی میں حاصل تھیں، ان کے جان و مال، اور مذہب کی محافظ حکومت تھی، ان پر بھاری بھاری محصول نہیں لگتے تھے۔

سوچنے کی بات ہے کیا سلیمان اعظم اپنے اُن مسلمان بھائیوں کا بدلہ جو اسپین، پرتگال، گوا، عدن، کالی کٹ وغیرہ میں برباد کیے جارہے تھے اپنے ملک کی عیسائی اور یونانی رعایا سے نہیں لے سکتا تھا؟ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ اُس نے یہ بزدلانہ انتقام نہیں لیا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ یہ چیز اسلام اور قانون انسانیت کے خلاف ہے، ان بے قصوروں کے قتل کرنے سے ظالموں کو کوئی نقصان نہ پہونچے گا۔

یہ عدل و انصاف، یہ حقوق کا خیال، مظلوموں کی یہ اعانت اور محکوم اقلیت کی ذمہ داری کا یہ احساس کچھ خاص اُسی زمانہ میں نہ تھا، بلکہ ہمیشہ ہی مسلمانوں نے ظلم کا بدلہ رحم سے دیا ہے۔ بے قصوروں پر کبھی بھی ہاتھ نہ اُٹھایا، خصوصاً بچوں، عورتوں، مریضوں اور بڈھوں کی حفاظت کو ہمیشہ اپنا فرض جانا۔

۱۰۹۹ء میں سب سے پہلے بیت المقدس پر عیسائیوں کا قبضہ ہوا، کئی ہفتہ تک وہ

---

[1] کریسی بحوالہ دولت عثمانیہ ج ۱

اس مقدس شہر میں قتل عام کرتے رہے، صرف مسجد اقصیٰ میں ستّر ہزار مسلمان قتل کئے گئے، عیسائی مسلمانوں کو آگ میں زندہ جلاتے تھے، گھروں سے نکال کر میدانوں میں جانوروں کی طرح گھسیٹتے تھے، مقتول مسلمانوں کی لاشوں پر لیجا کر مسلمانوں کو قتل کرتے تھے، بچوں، بوڑھوں اور جوانوں میں کوئی امتیاز باقی نہ تھا، جلد مارنے کے لئے کئی کئی آدمیوں کو ایک ہی رسی میں لٹکا دیتے تھے، بیت المقدس کے راستے میں ہر جگہ سروں، ہاتھوں اور پاؤں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ ہیکل سلیمانی میں اس قدر خون بہا تھا کہ اس کے صحن میں لاشیں تیرتی پھرتی تھیں، عیسائی سپاہی جب حضرت سلیمان کی عبادت گاہ میں داخل ہوئے تو اُن کے گھوڑوں کے گھٹنوں تک مسلمانوں کا خون تھا، آٹھ روز تک قتل عام کا یہ بازار گرم رہا۔ عورتیں، بچے، بڈھے سب مارے گئے۔[لہ]

لیکن اس ظلم کا بدلہ کسی دوسرے ملک کے کمزور اور زیر قابو عیسائیوں سے نہیں لیا گیا، بیشک اُس وقت مسلمانوں میں اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ بیت المقدس کو عیسائیوں سے چھین لیتے لیکن اپنے ملک میں تو بدلہ لے سکتے تھے مگر انھوں نے اپنی پیشانی کو اس بدنما داغ سے صاف رکھا بلکہ ان تمام واقعات کو جاننے کے بعد بھی وہ اپنی عیسائی رعایا کو آرام سے رکھتے تھے۔ اس وقت ترکی کا بادشاہ سلیمان ثانی (۱۰۹۹ء تا ۱۱۰۳ء) تھا، اس کے وزیر مصطفےٰ کو پریلی کو اس کا بہت خیال تھا کہ اس کی غیر مسلم رعایا پر کسی قسم کا ظلم نہ کیا جائے، اُس نے انھیں پوری مذہبی آزادی دیدی تھی، جزیہ کے علاوہ اُن پر کوئی محصول نہ تھا، اس سے پہلے انھیں اسلامی حدود میں نئے گرجے تعمیر کرنے کی اجازت نہ تھی لیکن اس نے انھیں نئے گرجے بنانے کی بھی اجازت دی اور انھوں نے اس نرمی سے فائدہ بھی اُٹھایا ــــ اگر اُسے معلوم ہو جاتا کہ کسی نے عیسائی رعایا پر ظلم کیا ہے تو وہ اُسے سخت سزا دیتا۔[لہ]

پانچویں صدی ہجری میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے زمانہ میں عیسائی بہت بڑھ رہے تھے، وہ جہاں بھی مسلمانوں کو کمزور پاتے انھیں بُری طرح ستاتے، سوداگروں کو لوٹ لیتے۔ عیسائیوں کا مشہور سردار ریجی نالڈ تو اپنے ظلم میں آج تک مشہور ہے۔ عیسائی مؤرخ لین پول اُسے مکار اور قزاق کہتا ہے، اس کا بیان ہے کہ ریجی نالڈ عہد و پیمان کا قطعی خیال نہ کرتا تھا، اس کے

لہ تاریخ اسلام حصہ ۳ دار المصنفین   لہ دولت عثمانیہ ج ا

وعدے ــ دشتی ہوتے تھے، امن پسند مسلمانوں کو ستانے میں اُسے خاص مسرت ہوتی تھی، تاجروں حاجیوں کے قافلے وہ اکثر لوٹ لیا کرتا تھا، اس کی چیرہ دستی یہاں تک بڑھ گئی تھی کہ اس نے مکہ میں خانہ کعبہ اور مدینہ میں مزارِ نبوی کو مسمار کرنے کا ارادہ کیا اور اس خیال سے ایک فوج بھی لیکر چلا تھا لیکن راستے ہی میں مسلمانوں نے اُسے شکست دی اور وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا، صلح کے زمانہ میں بھی وہ مسلمانوں کو ستانے سے نہ چوکتا، ایک مرتبہ اُس نے دورانِ صلح میں مسلمان تاجروں کے ایک قافلے کو گرفتار کر لیا، اور آزادی مانگنے پر اس نے جواب دیا کہ تم تو محمدؐ کو مانتے ہو انھیں سے کہو تمھیں آکر چھڑا لیں"۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ مسلمان شہر عکا میں گھر گئے۔ عیسائیوں کا محاصرہ اتنا سخت تھا کہ سلطان صلاح الدین باہر سے مسلمانوں کو کوئی مدد نہیں پہنچا سکتا تھا، کچھ دنوں تک تو مسلمان ڈٹے رہے لیکن تا کجے! رسد ختم ہو جانے پر شہر کو حسب ذیل شرائط پر عیسائیوں کے حوالہ کر دیا۔

(۱) مسلمان اپنے مال و متاع کو لیکر نکل جائیں گے۔

(۲) مسلمان دو لاکھ اشرفیاں صلیبیوں کو اور چودہ ہزار اشرفیاں صور کے حاکم کو دیں گے۔

(۳) صلیب اعظم عیسائیوں کو واپس کر دیں گے۔

(۴) پانچ سو ممتاز صلیبی قیدیوں کو رہا کر دیں گے۔

صلح نامہ مکمل ہو گیا تو مسلمانوں نے شہر کا دروازہ کھول دیا، عیسائیوں نے شہر میں داخل ہوتے ہی بد عہدی کی، انھوں نے کہا جب تک آخری تین شرطیں مسلمان پوری نہ کر دیں گے۔ ہم مسلمانوں کو شہر سے باہر نہ نکلنے دیں گے، سلطان صلاح الدین نے بہت کوشش کی کہ صلیبی اپنے وعدوں کا پاس کریں لیکن انھوں نے اپنے عہد نامہ کا کوئی خیال نہیں کیا اور جتنے مسلمان روپیہ دے سکتے تھے انھیں جانے دیا اور باقیوں کو انھوں نے قتل کر دیا۔

اس وقت کے عیسائیوں نے مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ کیا تھا یہ اس کا بہت مختصر اور مجمل تذکرہ ہے اور اس کی حیثیت "مشتے نمونہ از خروارے" سے زیادہ نہیں ہے لیکن اسی کے مقابلہ میں سلطان صلاح الدین کی رواداری ملاحظہ ہو، وہ اگر چاہتا تو اپنے یہاں کی عیسائی رعایا سے ان مظالم کا پورا پورا بدلہ لے سکتا تھا، لیکن تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ اس کا دامن اس آلائش سے

ہمیشہ پاک رہا۔

عکا میں عیسائیوں کے داخلہ کی داستان ابھی آپ نے پڑھی اور حضرت مسیح کے ماننے والوں نے شرائط کی جس طرح پابندی کی اسے آپ نے دیکھ لیا، لیکن اس کے مقابلہ میں سلطان صلاح الدین نے اسلامی تعلیم کا جو نمونہ اپنے عمل سے پیش کیا وہ یہ تھا کہ سلطان نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا، کچھ دنوں تک تو عیسائیوں نے مقابلہ کیا لیکن جب اپنے میں ہمت نہ پائی تو ہتھیار ڈال دئے، اور مسلمانوں سے اس شرط پر معاہدہ ہوا کہ عیسائی ہر مرد کی طرف سے دس دینار، ہر عورت کی طرف سے پانچ دینار اور ہر بچہ کی طرف سے دو دینار دے کر شہر سے چلے جائیں گے۔ چالیس دن کے اندر جو لوگ نہ جائیں گے وہ غلام بنائے جائیں گے۔ اس شرط کے بعد بیت المقدس کے دروازے مسلمانوں کے لئے کھول دئے گئے، اس وقت اگر مسلمان چاہتے تو عکا کے اپنے بھائیوں کا بدلہ لے سکتے تھے، کوئی طاقت ایسی نہ تھی جو انھیں اس سے روک سکتی، لیکن وہ مسلمان تھے، اسلامی احکام کے پیرو تھے، اور وعدہ کی اہمیت کو جانتے تھے، اس وجہ سے خود سلطان نے اپنے اہتمام سے اور اپنی نگرانی میں تمام عیسائیوں کو شہر سے نکالا۔ ہر طرف گلی کوچوں میں اُس کے سپاہی پھیلے ہوئے تھے کہ کوئی شخص کسی پر ظلم نہ کرنے پائے۔ بہت سے عیسائی چالیس دنوں میں شہر چھوڑ کر چلے گئے، لیکن ایسے بھی بہت تھے جو اتنی حقیر رقم کا انتظام بھی نہیں کر سکتے تھے، سلطان اور اس کے دوسرے امراء نے ایسے بہت سے لوگوں کو خود خرید کر آزاد کر دیا، بہتوں کو مسلمانوں نے اپنی جیب سے یہ رقم دی، تاکہ وہ اسے بطور فدیہ دے کر آزاد ہو جائیں۔ وہی ریجی نالڈ جو ہمیشہ مسلمانوں کا دشمن رہا، اور برابر سلطان کو زک پہنچانے کی کوشش کرتا رہا، اس کی بیوہ جب سامنے آئی تو سلطان اُس کے شوہر کی تمام بدعنوانیوں کو بھول گیا اور اس کے ساتھ بہت اچھی طرح پیش آیا، ریجی نالڈ کا لڑکا دمشق میں قید تھا اس کے متعلق سلطان نے وعدہ کیا کہ وہ اسے رہا کر دیگا۔

سلطان کی اس رحم دلی، سچائی اور پابندی عہد کا خود عیسائی مورخین کو بھی اقرار ہے۔ لین پول مسیح بیت المقدس کے تمام واقعات لکھنے کے بعد لکھتا ہے کہ:۔

"جب ہم سلطان کے ان احسانات پر غور کرتے ہیں تو ہمیں اپنی وہ وحشیانہ حرکتیں

یاد آجاتی ہیں جو ہم نے فتح بیت المقدس کے وقت کی تھیں، اس وقت فاتح عیسائیوں نے مسلمانوں کو بھیڑ بکری سے بھی زیادہ حقیر سمجھا تھا، انھیں یروشلم کے بازاروں میں زندہ گھسیٹتے تھے، زندہ ہی آگ میں جلا دیتے تھے، چھتوں سے ڈھکیل دیتے تھے، غرض کہ اس قتل عام نے مسیحی دنیا کی عزت کو بٹہ لگایا، اور عیسائیوں نے اس شہر کو ظلم و بدنامی کے رنگ میں رنگا، جہاں پر مسیح نے رحم و محبت کا وعظ کہا تھا، یہ اُن بے رحم عیسائیوں کی خوش قسمتی تھی کہ سلطان صلاح الدین کے ہاتھوں اس پر رحم ہو رہا تھا۔[ل]

غرض کہ مسلمانوں کا ہمیشہ یہی دستور رہا ہے کہ ظلم کا بدلہ ظالم ہی سے لیتے تھے، کبھی بھی انھوں نے ایسا نہیں کیا کہ اپنے ملک میں بسنے والے غیر مسلموں کو اس لئے قتل کیا ہو کہ دوسرے ملک کے غیر مسلموں نے وہاں کے مسلمانوں کو قتل کر دیا ہے۔ انھوں نے اپنے ملک کا گرجا کبھی بھی اس لئے نہیں توڑا کہ کسی دوسرے ملک میں مسجد شہید کر دی گئی ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ انھوں نے ایسا کبھی نہیں کیا، اور عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ سراسر غیر اسلامی حرکت ہے اور اسلام نے اس کو سنگین جرم قرار دیا ہے۔ غیر مسلم اگر ایسی حرکتیں کریں تو اس کے ذمہ دار اور جواب دہ وہ ہیں، اگر کسی جگہ کے مسلمان ایسا کرتے ہیں تو وہ اسلام کی نظر میں سخت درجہ کے مجرم ہیں، اور مسلمانوں کی پاک و صاف تاریخ کو گندہ کرنے والے ہیں۔

ل ملخصاً خلافت عباسیہ ج ۲

بقیہ مضمون ——— آداب طعام ——— صفحہ ۷۶

ما اسمع فمن قضیت لہ من حق	بولنے والا اور زیادہ ثبوت پیش کرنے والا
اخیہ بشیء فلا یاخذہ فانما	ہو اور میں اس کی بات سن کر اس کے حق
اقطع لہ قطعۃ من النار	میں فیصلہ دیدوں تو جس کے لئے میں اسکے

فریق مقابل کے حق میں سے فیصلہ کردوں اُسے چاہیئے کہ وہ اس کو نہ لے۔ میرے فیصلہ کے باوجود وہ اس کے لئے جہنم کا ٹکڑا ہے۔

مجدد الف ثانیؒ کا ایک خاص تجدیدی کام

مسئلۂ توحید اور مقام رسالت کی تشریح

(از جناب مولانا سید ابو الحسن علی صاحب ندوی اُستاذ تفسیر دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

(۱) توحید

تمہید انسان سراپا احتیاج، مجسم صورت سوال، اور ہمہ تن کاسۂ گدائی ہے، اس کی ضرورتیں بے پایاں اور گویا غیر محدود، اس کے جسمانی اور روحانی مطالبے اور تقاضے حد سے بڑھے ہوئے، اس کی فطرت حریص اور غیر قانع ہے، اس لئے وہ کسی ایسی ہستی کے سہارے نہیں جی سکتا جس کی طاقت و اختیار جس کی بخشش و رزاقی، جس کی اطلاع و واقفیت خواہ کتنی ہی وسیع ہو، لیکن محدود ہے، انسان اپنی فطرت میں شیشہ سے زیادہ نازک اور حباب سے زیادہ کمزور ہے، وہ اپنے وجود و بقا کے لیے صدہا چیزوں کا محتاج ہے، اور اس عالم میں ہزاروں موجودات اس کی زندگی کے دشمن ہیں، اس کی حفاظت وہی کرسکتا ہے جو کائنات پر فرمانروائی کرتا ہو، عناصر پر جس کا قبضہ ہو، اشیاء کے خواص و اثرات اس کی مٹھی میں ہوں، وہ ان کا پیدا کرنے والا بھی ہو، ان کو نظم و ضبط میں رکھنے والا بھی ہو، اور ان کو سلب کر لینے، تبدیل کر دینے کی قدرت بھی رکھتا ہو، اس کے دست قدرت میں کبھی رعشہ، اور اس کے پائے حکومت میں کبھی لغزش و اضطراب نہ ہو کہ ایک خفیف ارتعاش، اور ایک ادنیٰ لغزش و اضطراب آفاق و انفس کی اس کارگہ شیشہ گری کو برباد اور اضداد و متناقضات کے اس کارخانہ کو ٹکرا کر درہم برہم کرسکتا ہے، اس کا علم حاضر و محیط ہو، وہ ہمہ وقت ہشیار و بیدار ہو، سہو و نسیان، غفلت و نیند کا خمار بھی کبھی اس کے پاس نہ آسکے کہ مخلوقات بیشمار اور ان کی ضرورتیں بے حد و حساب اور ایسی مخفی ہیں کہ ان کو خود خبر نہیں، وہ طفل شیرخوار سے زیادہ پرورش و نگرانی کا محتاج اور محبت و شفقت کا مستحق ہے، اس کو ایسی ہی ہستی کی ضرورت ہے جو ماں باپ سے زیادہ شفیق ہو، لیکن اس کی شفقت میں رحمت و حکمت دونوں ہوں کہ اگر

تربیت کے لئے دونوں ناگزیر ہیں۔

اگرچہ اس عالم خارجی و داخلی (آفاق و انفس) میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی ہستی سوائے اللہ کے کوئی نہیں اور آفاق و انفس کی بکثرت نشانیاں اور دلائل اس حقیقت کی طرف رہبری کرتے ہیں، جیسا کہ خود فرمایا:۔

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۗ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ٥ (حٰمٓ سجدہ ع ۶)	ہم ان کو اپنے نمونے دکھلائیں گے دنیا میں اور خود ان کی جانوں میں یہاں تک کہ ان پر یہ حقیقت کھل جائے کہ وہ حق ہے کیا تمہارا رب ہر چیز پر گواہ ہونے کے لئے کافی نہیں۔

اس لئے عبادت و بندگی کی مستحق تنہا اسی کی ذات ہے۔

لیکن اس عالم میں موہوم نفع و ضرر کا چشمۂ سراب اس طرح تموج ہے کہ انسان کی نظر بار بار دھوکا کھاتی ہے اور وہ اپنی جیسی صدہا مجبور و بے اختیار ہستیوں کو نافع و ضار اور قادر و مختار سمجھ کر اپنا الٰہ و معبود بنا لیتا ہے اور یہ طلسم بعض اوقات زندگی بھر نہیں ٹوٹتا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا، ان کو اپنی ذات و صفات کا سب سے بڑا اور یقینی علم بخشا اور اس عالم کی حقیقت ان پر اس طرح منکشف کی کہ ان کو اس کے متعلق کبھی دھوکہ نہیں ہو سکتا۔

وَكَذَٰلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ ٥ (الانعام ع ۹)	اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمان و زمین کی بادشاہی کا جلوہ دکھاتے ہیں اور تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔

ان انبیاء علیہم السلام کو ہمیشہ ایک ہی پیغام دے کر بھیجا گیا۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ٥ (الانبیاء ع ۲)	اور ہم نے نہیں بھیجا آپ سے پہلے کوئی رسول مگر اس کو بھی یہی پیغام بھیجا کہ بات یوں ہے کہ کسی کی بندگی نہیں سوائے میرے سو میری بندگی کرو

انبیاء علیہم السلام نے اس طلسم نظر کو توڑنے کے لئے (جس میں ہر زمانہ کے کوتاہ نظر گرفتار ہو جاتے ہیں) دو طریقے اختیار کئے۔

(۱) اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفات کو نہایت وضاحت کے ساتھ بار بار بیان کیا کہ شرک و جہل کے زہر کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی تریاق نہیں، شرک و جہل، خدا سے بے گانگی اور غیر اللہ کی گرفتاری و شغولی کا اصل سبب خدا ناشناسی اس کی صفات و افعال سے بے خبری یا غفلت ہے اسی لئے فرمایا۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌۢ بِیَمِیْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝ (الزمر ع ۷)

اور وہ نہیں سمجھے اللہ کو جتنا کچھ وہ ہے اور زمین ساری ایک مٹھی ہے اس کی قیامت کے دن اور آسمان لپٹے ہوئے ہوں گے اس کے داہنے ہاتھ میں وہ پاک ہے اور بہت بلند ہے اس سے کہ اس کا شریک بتلاتے ہیں۔

(۲) اللہ کے سوا تمام ہستیوں اور مخلوقات کی اصلی حقیقت اور ان کی صحیح حیثیت بیان کر دی تاکہ نگاہ سے پردہ ہٹ جائے اور روشنی میں دیکھ لیا جائے کہ وہ دراصل کیا ہیں اور کسی کے لئے، اور خود اپنے لئے کس حد تک مفید و کارآمد ہو سکتے ہیں اور ان کے ساتھ عبودیت اور بندگی کا معاملہ، اُن سے نفع و ضرر و کاربرآری کی توقع، ان کی حمایت و سرپرستی پر بھروسہ، ان کے علم و آگاہی پر اعتماد اور ان کے سہارے جینا کہاں تک درست اور قرین عقل ہے

اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفات کے سلسلہ میں ان حضرات نے بڑی اصولی اور انقلاب انگیز باتیں کہیں، جن سے زندگی کا رخ اور ذہن و قلب کی سمت بدل جاتی ہے مثلاً وہ "صمد" ہے یعنی تمام کائنات اور عالم کا ہر ذرہ اپنے وجود و متعلقات وجود میں اس کا محتاج ہے اور وہ قطعاً کسی چیز میں کسی کا محتاج نہیں، خلق و پیدائش کے سوا دنیا کا یہ پورا کارخانہ ہی وہی تنہا چلا رہا ہے اور آسمان سے لیکر زمین تک اسی کی حکومت اور اسی کا انتظام ہے "اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ" (الاعراف ع) (سن لو اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور اسی کا کام ہے حکم فرمانا) "یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ" (الم سجدہ ع ۱) (کام کا انتظام کرتا ہے آسمان سے زمین تک) اور اس سلطنت میں اس کا کوئی معاون و شریک نہیں "وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا ۝ (الاسراء ع ۱۲) (کہو سب تعریفیں اللہ کو جو نہیں رکھتا اولاد

اور نہ اس کا کوئی ساجھی ہے سلطنت میں اور نہ کوئی مددگار ذلت کے وقت پر اور اس کی بڑائی کرو بڑا جان کر) وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُمْ مِنْ ظَهِيرٍ (السبا ع ۳) (اور نہ مشرکین کے معبودوں کا) آسمانوں اور زمین میں کچھ ساجھا ہے اور نہ ان میں سے (اللہ کا) کوئی مددگار ہے) صرف اسی کی سلطنت لامحدود قدرت غیر متناہی، دریائے کرم بے پایاں اور خزانے غیر مختتم ہیں، وَلِلَّهِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ (المنافقون ع ۱) (اور اللہ کے ہیں خزانے آسمانوں کے اور زمین کے) يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ (المائدہ ع) اس کے دست کرم دراز ہیں خرچ کرتا ہو جیسے چاہتا ہے) يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (جس کو چاہتا ہے بے حساب دیتا ہے) اس لئے حریص انسان کی جھولی وہی بھر سکتا ہے اور اس کی تشفی وہی فرما سکتا ہے صرف اسی کو ظاہر و پوشیدہ اور راز دلی کا علم ہے اور صرف اسی کی ذات ہمہ داں اور ہمہ بیں ہے۔ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ (پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ (وہ آنکھوں کی چوری اور سینوں کی چھپی ہوئی چیزوں کو جانتا ہے) اس لئے صرف اسی کے علم و آگاہی پر اعتماد کیا جا سکتا ہے اور دل کی مخفی خواہشوں اور زندگی کی غیر محسوس ضرورتوں کو وہی جان سکتا ہے اور وہی پورا کر سکتا ہے، وہی انسان کی حفاظت فرماتا ہے ....

..... اور اس کے پہرہ دار انسان کی حفاظت کے لئے مقرر ہیں، لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ (الرعد ع ۲) (اسکے پہرے وار ہیں بندے کے آگے اور پیچھے اس کی نگہبانی کرتے ہیں اللہ کے حکم سے) پھر وہ نزدیکوں سے زیادہ نزدیک اور یگانوں سے زیادہ یگانہ ہے، وہ انسان سے اس کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہے اور مرنے والوں سے اسکے تیمارداروں سے زیادہ نزدیک ہے۔ نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ (ق ع ۲) وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَا تُبْصِرُونَ ۝ (الواقعہ ع ۳) وہ ہر شخص کی دعا اور التجا کو ہر وقت اور ہر جگہ سنتا ہے، اس کے اور بندے کے درمیان کوئی دیوار اور آڑ نہیں نہ اس کے یہاں اظہار مدعا کے لئے کسی ذریعہ اور سفارش کی ضرورت۔ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ۝ (البقرہ ع ۲۳) (اور جب تجھ سے پوچھیں میرے بندے مجھ کو سو میں تو قریب ہوں، قبول کرتا ہوں دعا مانگنے والے کی

دعا جب مجھ سے دعا مانگے تو چاہیئے کہ وہ حکم مانیں میرا اور یقین لاویں مجھ پر تاکہ نیک راہ پر آویں)
پھر اس کی محبت اور شفقت حد سے بڑھی ہوئی، ماں باپ کی محبت محض اس کی ربوبیت و رحمت کا
ایک کرشمہ اور ایک ادنیٰ نمونہ ہے۔

پھر وہ ہمیشہ زندہ اور بیدار ہے کیونکہ وہ زمین و آسمان کو سنبھالے ہوئے ہے اور ان کے زمام
انتظام و ضبط و نظام کو ہاتھ میں لئے ہوئے ہے اس لئے کسی وقت اس کے یہاں غفلت و نسیان
نہیں، اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ۔

اس کے مقابلہ میں اُنھوں نے اللہ کی تمام مخلوقات کے وہ تمام اوصاف ثابت کئے جو
ان صفات الٰہیہ کے مقابل و ضد واقع ہوئے ہیں اور جن کا مجموعہ بندگی و بیچارگی اور ضعف و عجز
ہے۔ لَہٗ دَعْوَۃُ الْحَقِّ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ لَا یَسْتَجِیْبُوْنَ لَھُمْ بِشَیْءٍ اِلَّا کَبَاسِطِ کَفَّیْہِ
اِلَی الْمَآءِ لِیَبْلُغَ فَاہُ وَمَا ھُوَ بِبَالِغِہٖ وَمَا دُعَآءُ الْکٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ۝ (الرعد ع ۲) اسکا پکارنا
سچ ہے اور جن لوگوں کو کہ پکارتے ہیں اس کے سوا وہ نہیں کام آتے ان کے کچھ بھی مگر جیسے کسی نے پھیلائے
دونوں ہاتھ پانی کی طرف کہ آپہنچے اس کے منھ تک اور وہ کبھی نہ پہنچے گا، اس تک اور جتنی پکار ہے
کافروں کی سب گمراہی ہے یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ، اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ
مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَہٗ، وَاِنْ یَّسْلُبْھُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا لَّا یَسْتَنْقِذُوْہُ
مِنْہُ ۝ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝ مَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝
(الحج ع ۱۰) اے لوگو ایک مثل کہی گئی ہے سو اس پر کان رکھو جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا
ہرگز نہ بنا سکیں گے ایک مکھی، اگرچہ سارے جمع ہو جائیں اور اگر کچھ چھین لے ان سے مکھی چھڑا
نہیں سکتے وہ اس سے بودا ہے چاہنے والا اور جن کو چاہتا ہے اللہ کی قدر نہیں سمجھے جیسی اسکی
قدر ہے بیشک اللہ زور آور ہے اور زبردست، مَثَلُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ
اَوْلِیَآءَ کَمَثَلِ الْعَنْکَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَیْتًا وَاِنَّ اَوْھَنَ الْبُیُوْتِ لَبَیْتُ الْعَنْکَبُوْتِ لَوْ
کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ۝ (العنکبوت ع ۴) مثال ان لوگوں کی جنھوں نے پکڑے اللہ کو چھوڑ کر اور
حمایتی جیسے مکڑی کی مثال بنا لیا اس نے ایک گھر اور سب گھروں میں بودا سو مکڑی کا گھر
اگر ان کو سمجھ ہوتی۔ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ لَہُ الْمُلْکُ وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ

مَا یَمْلِکُوْنَ مِنْ قِطْمِیْرٍ ۝ اِنْ تَدْعُوْھُمْ لَا یَسْمَعُوْا دُعَاءَکُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَکُمْ وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یَکْفُرُوْنَ بِشِرْکِکُمْ وَلَا یُنَبِّئُکَ مِثْلُ خَبِیْرٍ ۝ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ وَاللّٰہُ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ۝ (فاطر ع ۲-۳) یہ اللہ ہے تمہارا رب اُسی کے لئے بادشاہی ہے اور جن کو تم اس کے سوا پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے ایک چھلکے کے بھی مالک نہیں، اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار نہ سنیں اور اگر سنیں تو تمہارے کام کو نہ پہونچ سکیں اور قیامت کے دن تمہارے شریک ٹھہرانے سے منکر ہوں گے، اے لوگو تم ہو محتاج اللہ کی طرف اور اللہ بے پرواہ ہے سب تعریفوں والا ۔ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖ اٰلِھَۃً لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّھُمْ یُخْلَقُوْنَ وَلَا یَمْلِکُوْنَ لِاَنْفُسِھِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا یَمْلِکُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوۃً وَّلَا نُشُوْرًا ۝ (الفرقان ع ۱)

مشرکین نے اللہ کے سوا ایسے معبود ٹھہرائے ہیں جو کچھ پیدا نہیں کر سکتے اور خود مخلوق ہیں، اور جو اپنے ہی لئے کسی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتے، اور جن کو موت اور زندگی اور دوبارہ زندہ ہونے پر بھی کوئی قدرت نہیں، قرآن مجید اس مضمون کی آیات سے لبریز ہے اس کے برخلاف کہیں ان بندگان خدا کی قدرت وطاقت ان کے اختیارات وتصرفات، ان کی طاقت یا نفع وضر کا ذکر نہیں جس سے قرآن مجید کا رجحان صاف سمجھ میں آتا ہے۔

جہاں تک اللہ کے آسمان وزمین اور بڑی بڑی اشیاء کے خالق ومالک وپروردگار ہونے بڑے بڑے واقعات کا ظہور میں لانے عالم کے فرمانروا مطلق اور بادشاہ حقیقی ہونے کا تعلق ہے مشرکین کو اس سے قطعاً انکار اور اس بارے میں کبھی کوئی شبہ نہ تھا، جیسا کہ قرآن مجید نے بار بار تصریح کی ہے، مشرکین عرب کو اللہ کی بہت سی صفات وافعال خلق وصنعت، قدرت واختیار، علم وارادہ، غلبہ وتسخیر، عظمت وکبریائی، طاقت وجبروت اور رحمت ورأفت کا اعتراف واعتقاد تھا قرآن مجید میں جا بجا اس کی شہادتیں موجود ہیں، اس موقع پر سورۂ مومنون کی مندرجہ ذیل آیات کافی ہوں گی۔

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِیْھَا اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰہِ قُلْ اَفَلَا	کہو کس کی ہے زمین اور جو اس میں ہے بتاؤ اگر تم جانتے ہو کہیں گے سب کچھ اللہ کا

تَذَكَّرُونَ ○ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ
السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ○
سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۚ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ○
قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ
هُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ
تَعْلَمُوْنَ ○ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۚ قُلْ فَاَنّٰى
تُسْحَرُوْنَ ○ (المومنون ع ۵)

ہے، کہو پھر تم سوچتے نہیں، کہو کون ہے
مالک ساتوں آسمانوں کا اور مالک اس
بڑے تخت کا، بتائیں گے اللہ کو، کہو پھر تم
ڈرتے نہیں، کہو کس کے ہاتھ میں ہے حکومت
ہر چیز کی اور وہ بچالیتا ہے اور اس سے کوئی
بچا نہیں سکتا، بتائیں گے اللہ کو، کہو پھر کہاں
سے تم پر جادو آپڑتا ہے

یہ مشرکین نہ صرف نظری اور علمی طور پر اللہ کی ان صفات کے قائل تھے بلکہ عملاً اپنے اس ایمان کا ثبوت بھی دیتے تھے، مصیبت کے وقت اللہ ہی کو پکارتے تھے اور دعا کرتے تھے، قرآن مجید نے ان کی دعا و تضرع کا کئی جگہ ذکر کیا ہے لیکن اس سب کے باوجود وہ مستند اور معیاری مشرک تھے ان سے جہاد کیا گیا اور کہا گیا وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ۔

اس شرک کی حقیقت کیا تھی، اس کا آغاز کس طرح ہوا، اور اس کی انتہا کیا ہے؟ اس کی تفصیل حضرت شاہ ولی اللہ کی زبان سے سنئے، الفوز الکبیر میں فرماتے ہیں:۔

عقیدہ اثبات خدائے تعالیٰ و آنکہ خدا
خالق آسمان و زمین است و مدبر حوادث
عظام است و قادر بر ارسال رسل مجازی
عباد بر اعمال ایشاں و مقدر حوادث عظام
است و قادر قبل از وقوع آں و آنکہ فرشتگان
بندگان مقرب خدا اند و مستحق التعظیم اند
نیز در میاں ایشاں ثابت بود و اشعار
ایشاں دلالت میکند، اما جمہور مشرکین
دریں عقائد شبہات بسیار ناشی از استبعاد آں
امور و عدم الفت بادراک آں بہم رسانیدہ بودند

خدائے تعالیٰ کے اثبات کا عقیدہ اور یہ کہ
خدا آسمان و زمین کا پیدا کرنیوالا ہے، بڑے بڑے حوادث کا
منتظم و مدبر ہے، پیغمبروں کے بھیجنے پر قادر اور بندوں کو
ان کے اعمال پر جزا و سزا دینے والا، بڑے
بڑے واقعات و حوادث کا اندازہ داں،
اور ان کا مقرر کرنے والا اور ان کے وقوع سے
پہلے بھی قدرت رکھنے والا اور یہ کہ فرشتے خدا
کے مقرب بندے ہیں اور تعظیم کے مستحق ہیں
یہ سب ان کے یہاں (مشرکین عرب کے یہاں)
ثابت و مسلم تھا اور ان کے اشعار اس پر دلالت

دگراہی ایشاں شرک بود و
تشبیہ و تحریف و انکار
معاد و استبعاد رسالت آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم و فاشس بودن
اعمال قبیحہ و مظالم در میان یکدیگر و
ابتدائے رسوم فاسدہ و مندرس
ساختن عبادات۔

شرک آنست کہ غیر خدا را صفات
مختصہ خدا اثبات نماید مثل تصرف در
عالم بارادہ کہ تعبیر ازاں بکن فیکون میشود
یا علم ذاتی از غیر اکتساب بحواس و دلیل
عقلی و منام و الہام و مانند آں یا ایجاد
شفائے مریض یا لعنت کردن بر شخصے
و ناخوش بودن از وتا بسبب آں
کراہت تنگ دست یا بیمار و شقی
گردد، و رحمت فرستادن بر شخصے
تا بسبب آں رحمت فراخ معیشت و
صحیح بدن و سعید باشد و ایں
مشرکان در خلق جواہر و تدبیر امور
عظام ہیچ یک را شریک نمی دانستند
و چوں خدائے تعالیٰ بر کارے
ابرام فرماید، ہیچ یک را
قدرت ممانعت اثبات نمی کردند

کرتے ہیں، لیکن جمہور مشرکین کے ان عقائد میں کثرت
سے شبہات پیدا ہو گئے تھے جو ان کو مستبعد سمجھنے
اور ان کے مفہوم سے بیگانہ ہو جانے کے سبب سے تھے
ان کی گمراہی شرک تھی اور تشبیہ و تحریف اور قیامت کا
انکار اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو
مستبعد سمجھنا اعمال بد اور مظالم کا آپس میں رواج
اور بُری رسوم و عادات کی ایجاد اور عبادات کی تخریب۔

شرک یہ ہے کہ غیر اللہ کے لئے ان صفات کو
ثابت کیا جائے جو خدا کے ساتھ مخصوص ہیں مثلاً
عالم میں اپنے ارادہ سے تصرف کرنا جس کو کُن
فیکون سے ادا کیا جاتا ہے یا علم ذاتی جس میں
حواس کے ذریعہ سے یا دلیل عقلی اور خواب و الہام
وغیرہ کے ذریعہ حصول علم کو دخل نہیں یا کسی بیمار
کی شفا کو وجود میں لے آنا یا کسی شخص پر اس طرح
لعنت کرنا اور اس سے ناخوش ہونا کہ اس
نفرت و ناراضی کی وجہ سے وہ تنگ دست یا
بیمار بدنصیب ہو جائے اور کسی شخص پر اس طرح
رحمت بھیجنا کہ اس رحمت کے سبب سے وہ
خوشحال، تندرست اور خوش قسمت ہو جائے
اور یہ مشرکین جواہر و اجسام کی خلقت میں اور
بڑے بڑے امور کی تدبیر و انتظام میں اللہ کے
ساتھ کسی کو شریک نہیں جانتے تھے اور سمجھتے
تھے کہ جب خدا کسی کام کا فیصلہ فرما لیتا ہے تو

بلکہ اشتراک ایشاں در امور خاصہ
بہ بعضے بندگان بود گمان می کردند
کہ مانند آنکہ بادشاہ عظیم القدر بندگان
خاص خود را باطراف ممالک می فرستد
و ایشاں را در امور جزئیہ تا وقتیکہ
حکم صریح بادشاہ صادر نشدہ است
مختار و متصرف می دارد و خود تدبیر
امور جزئیہ بندگان بر وارد و
حوالہ سائر بندگان بقہرمان میکند
و شفاعت قہرماں در باب
خادماں و متوسلان ایشاں قبول
می نماید ہمچنیں ملک علی الاطلاق
جد مجدہ بعضے بندگان خود را
خلعت الوہیت دادہ است
و رضا و سخط ایشاں در سائر
بندگان اثر میکند پس واجب
می دانستند تقرب باآں بندگان
خاص تا شائستگی قبول ملک مطلق
حاصل نمود و شفاعت برائے
ایشاں در مجازئی امور درجہ پذیرائی
یابد و بلاحظہ ایں امور سجدہ بسوے ایشاں
و ذبح برائے ایشاں و حلف بنام
ایشاں و استعانت امور ضروریہ

کسی کو رد کرنے اور منع کرنے کی قدرت نہیں،
ان کا شرک جو کچھ تھا وہ بعض بندوں کے
خصوصی معاملات میں تھا ان کا گمان تھا کہ جس
طرح ایک بڑا شان و شوکت کا بادشاہ اپنے
مخصوص غلاموں اور تابعداروں کو مختلف اطراف
ممالک میں بھیجتا ہے اور ان کے جزئی معاملات
میں جب تک کہ بادشاہ کا فرمان صریح صادر
نہ ہو مختار اور تصرف کا مجاز قرار دیتا ہے اپنے
غلاموں کے چھوٹے چھوٹے معاملات کا انتظام
و انصرام خود نہیں کرتا بلکہ اپنے تمام غلاموں کو
اس مختار کے حوالہ کر دیتا ہے اور اس مختار کی
سفارش ان کے خادموں اور متوسلین کے بارہ میں
قبول کرتا ہے اسی طرح بادشاہ جل مجدہٗ نے
اپنے بعض بندوں کو خلعت الوہیت سے
سرفراز فرمایا ہے، ان کی رضامندی و ناراضی
باقی بندگان خدا کے حق میں اثر کرتی ہے پس
انھوں نے اس بنا پر ضروری سمجھا کہ اول ان
بندگان خاص سے قرب حاصل کیا جائے تاکہ
بادشاہ مطلق کی قبولیت کی لیاقت پیدا ہو اور
ان کی سفارش ان معمولی بندوں کے کاروبار
میں درجہ قبولیت حاصل کرے، ان باتوں کا لحاظ
کر کے انھوں نے ان بندگان خاص کے سامنے
سجدہ کرنا، ان کے لئے جانوروں کا ذبح کرنا،

بقدرت کن فیکون ایشاں تجویزمی نمودند وصورتہا از سنگ و صفر ومثل آں تراشیدہ قبلہ توجہ باگ ارواح ساختہ شدند و جاہلان رفتہ رفتہ آں سنگہا را بذات خود معبود انگاشتند وخلط عظیم دریافت۔

ان کے نام کی قسم کھانے اور ضروری کاموں میں ان کی قدرت کن فیکون سے مدد چاہنا جائز قرار دیا، اور پتھر، پیتل اور لوہے کی مورتیں تراش کر ان کو ان ارواح کی طرف کا قبلہ بنایا، جاہلوں نے رفتہ رفتہ ان بتوں کو بذات خود معبود سمجھ لیا اور بڑی گڑبڑ پیدا ہوگئی۔

انبیاء علیہم السلام اور ان کے جانشینوں کا اصل کام یہ ہے کہ وہ اللہ سے بندوں کا قوی ترین اور قریب ترین تعلق اور وابستگی پیدا کریں۔

وما امروا الا لیعبدو اللہ مخلصین لہ الدین حنفاء

ان کو حکم یہی ہوا کہ وہ بندگی کریں اللہ کی خالص کرکے اس کے واسطے بندگی سب سے کٹ کر اور یکسو ہو کر ابراہیم حنیف کی راہ پر

اللہ اور اللہ کے بندوں کے درمیان کوئی حجاب اور روک نہ رہے، الفت، انس، محبت و عشق، محویت و شغل، قصد و عمل، سعی، وجد و جہد، رجوع و انابت، اطاعت و عبادت، التجا و تضرع، سرگوشی و مناجات، خوف و طمع، غرض قلب و قالب سب کا قبلہ اسی کی ذات ہو، انبیاء علیہم السلام اور ان کے نائبین برحق کی تمام مساعی کا مرکز اور سب سے بڑا مقصد یہی ہوتا ہے اسی کے لئے ان کا جہاد ہے، ان کی ہجرت ہے، ان کی تبلیغ ہے، اور اسی راہ میں ان کی زندگی اور موت ہے۔

قل ان صلاتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العالمین لا شریک لہ وبذالک امرت وانا اول المسلمین ٥ (انعام ع ۲۰)

بیشک میری نماز اور حج و قربانی اور میری زندگی و موت سب اللہ کے لئے ہے جو سارے عالموں کا پروردگار ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور اسی کا مجھ کو حکم ہے اور میں سب سے پہلے حکم بردار ہوں۔

اور اس مقصد میں باذن اللہ تعالیٰ وہ اپنے حلقہ اور متبعین کی جماعت میں پورے طور پر کامیاب ہوتے ہیں، وہ دلوں اور دماغوں کو غیر اللہ کی مشغولیت اور گرفتاری سے اور جسموں کو غیر اللہ کی حکومت و قانون سے آزاد کردیتے ہیں لیکن جاہلی اثرات وقتاً فوقتاً اس کے خلاف بغاوت کرتے رہتے ہیں اور شرک انسانوں میں

دب دب کر ابھرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ خود ان کے نام لینے والوں اور ان کی امت و متبعین کہلانے والوں کا حال وہ ہو جاتا ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے:۔

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ (یوسف ع ۱۲)

بہت لوگ اللہ پر ایمان نہیں لائے مگر یہ کہ ساتھ ہی ساتھ شرک بھی کئے جاتے ہیں۔

رفتہ رفتہ اللہ سے بے تعلق اور غیر اللہ سے تعلق اتنا بڑھ جاتا ہے کہ عملاً کیفیت وہ ہو جاتی ہے جو قرآن نے بیان کی ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللهِ (البقرہ ع ۲۰)

اور بعضے لوگ وہ ہیں جو بناتے ہیں اللہ کے برابر اوروں کو ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسے اللہ سے۔

غیر اللہ سے دلچسپی اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ:۔

وَإِذَا ذُكِرَ اللهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ (الزمر)

جب نام لیجئے خاص اللہ کا رک جاتے ہیں ان کے دل جو آخرت کا یقین نہیں رکھتے اور جب نام لیجئے اس کے سوا اوروں کا تو وہ کھل جاتے ہیں اور بہت مسرور ہوتے ہیں۔

پھر اس عقیدہ کے ماتحت غیر اللہ کے نام پر وہ تمام اعمال کئے جاتے ہیں جو اللہ کے ساتھ مخصوص ہیں، مثلاً ذبح، نذر، سجود، دعا وغیرہ اور رفتہ رفتہ زندگی کا رشتہ اللہ سے ٹوٹ کر غیر اللہ سے بندھ جاتا ہے، قلب کی جہت بدل جاتی ہے، انبیاء کی بعثت کا مقصد فوت ہو جاتا ہے اور اسلام پر جاہلیت غالب آجاتی ہے۔

ہر زمانہ کے مجددین و مصلحین اور علماء حق نے اس صورت حال کے خلاف جہاد کیا، ہندوستان میں جہاں اسلام کی بنیاد مختلف تاریخی اسباب کی بنا پر ہمیشہ سے کمزور رہی ہے اور جو دنیا کے چند بڑے مشرکانہ مذاہب و اقوام کا مرکز و وطن ہے اسلام کا چشمۂ صافی زیادہ مکدر ہونے لگا تھا، اور اندیشہ تھا کہ یہ چشمۂ حیواں اس بر ظلمات میں اس طرح گم ہو جائے کہ کسی خضر طریق کو بھی اس کا نشان نہ ملے، الف ثانی کے مجدد نے جب اپنا سفر تجدید شروع کیا تو انبیاء کے کار نبوت کی عین

ترتیب کے مطابق پہلا قدم یہیں سے اٹھایا، جہانگیر کے سامنے سجدہ کرنے سے انکار آپ کی تاریخ تجدید کا روشن عنوان ہے، اپنے مکاتیب میں نہایت واضح اور جامع چجے تلے الفاظ میں توحید کی تشریح فرمائی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اس کے تنہا مستحق عبادت ہونے کے دلائل بیان کئے جو آپ کے رسوخ فی العلم کا نمونہ ہیں، شرک کے مراسم و مظاہر کی تردید فرمائی، رسوم جاہلیت، اعمال شرکانہ، تقلید کفار سے اپنے متبعین و معتقدین کو سختی سے منع فرمایا کہ تجدید کا کام اس کے بغیر شروع ہی نہیں ہو سکتا، چہ جائیکہ مکمل ہو۔

اس سلسلے کے چند مکاتیب کے اقتباسات ملاحظہ ہوں!

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یعنی نیست ہیچ احدے کہ استحقاق الوہیت و معبودیت داشتہ باشد مگر خدائے بے ہمتائے جل شانہ کہ واجب الوجود است و از سمات نقص حدوث نقص و حدوث منزہ و مبرا است از یرا کہ مستحق عبادت کہ عبارت از کمال تذلل و خضوع و انکسار است (۱) کسے است کہ جمیع کمالات

سب تعریف اللہ کی ہے اور سلام ہے اس کے ان بندوں پر جن کو اس نے پسند کیا، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معنی یہ ہیں کہ کوئی ایسا نہیں ہے جو الوہیت و معبودیت کا استحقاق رکھتا ہو سوائے خدا جل شانہ کے جو بے مثل ہے کیونکہ وہ واجب الوجود ہے نقص و حدوث کے عیوب سے پاک اور بری ہے اس لئے عبادت جو نام ہے کمال فروتنی پستی اور شکستگی اور تواضع کا اس کا مستحق وہی ہو سکتا ہے

(۱) حضرت مجدد صاحب فرماتے ہیں عبادۃ کہ عبارت از کمال تذلل و خضوع و انکسار است، ائمہ لغت و تفسیر کے اقوال سے اس کی تائید ہوتی ہے، امام راغب اصفہانی (قرآن مجید کے مشہور لغوی اور صاحب ذوق ادیب) مفردات غریب القرآن میں لکھتے ہیں،

العبودیۃ اظہار التذلل والعبادۃ ابلغ منھا لانھا غایۃ التذلل ولا یستحقھا الا من لہ غایۃ الافضال وھو اللہ تعالیٰ

عبودیت (بندگی) پستی و فروتنی کے اظہار کا نام ہے اور عبادت اس سے بھی بڑھی ہوئی ہے اس لئے کہ وہ کمال تذلل (انتہائی پستی اور فروتنی کا نام ہے اس کا مستحق وہی ہو سکتا ہے جو غایت درجہ کا محسن ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

عربی زبان کے سب سے بڑے اور مستند لغت لسان العرب میں ہے۔

(بقیہ صفحہ اشی پر ملاحظہ ہو)

اورا ثابت است و جمیع نقائص از وے

جس کے لئے تمام کمالات ثابت ہیں اور تمام نقائص

(بقیہ حاشیہ صفحہ ما قبل) العبادۃ فی اللغۃ الطاعۃ مع الخضوع ومنہ طریق معبد اذا کان مذللا من کثرۃ الوطأ وقال (ای الزجاج) فی قولہ تعالی ایاک نعبد ای نطیع الطاعۃ التی یخضع معھا وقال ابن الانباری فلان العابد وھو الخاضع المستسلم المنقاد لامرہ۔

عربی زبان میں عبادت کے معنی پستی اور فروتنی کیساتھ طاعت کرنے کے ہیں، اسی لفظ سے طریق معبد (پٹا ہوا اور پامال کیا ہوا راستہ) کہا جاتا ہے جب کہ وہ بار بار روندنے اور پاؤں رکھنے سے بالکل نرم اور ہموار ہوگیا ہو، مشہور لغوی زجاج نے ایاک نعبد کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ہم پستی کے ساتھ اطاعت کرتے ہیں (دوسرے لغوی) ابن الانباری کا قول ہے کہ فلاں عابد ہے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ سرنگوں بے اختیار اپنے کو حوالہ کر دینے والا اور تابعدار ہے

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے اس کی تشریح میں کچھ اور اضافہ کیا وہ (کتاب العبودیہ) میں لکھتے ہیں۔

والعبادۃ اصل معناھا الذل ایضا یقال طریق معبد اذا کان مذللا قد وطئۃ الاقدام لکن العبادۃ المامور بھا تتضمن معنی الذل ومعنی الحب فھی تتضمن غایۃ الذل للہ بغایۃ المحبۃ لہ فان اٰخر مراتب الحب ھو التتیم یقال تیم اللہ ای عبد اللہ فالمتیم المعبد لمحبوبہ ومن خضع لانسان مع بغضہ لہ لا یکون عابدا لہ ولو احب شیئا ولم یخضع لہ لم یکن عابدا لہ کما قد یحب ولدہ وصدیقہ

عبادت کے اصل معنی ذلت کے ہیں کہا جاتا ہے طریق معبد (نرم اور ہموار راستہ) جب کہ وہ بالکل پامال اور پاؤں سے روندا ہوا ہو لیکن عبادت جس کا اللہ کے دین میں حکم ہے وہ پستی اور محبت دونوں کے مفہوم پر مشتمل ہے اس میں اللہ کے سامنے کمال پستی کے ساتھ اللہ کے ساتھ انتہائی محبت بھی شامل ہے اس لئے کہ محبت کا آخری درجہ یہ ہے کہ محب اپنے محبوب کا بندہ اور اسیر محبت ہو جائے کہا جاتا ہے یتم اللہ یعنی عبد اللہ، پس عربی معنی میں تیم اسے کہتے ہیں جو اپنے محبوب کا بندہ عشق اور گرفتار محبت ہو، جو شخص کسی انسان کے سامنے نفرت کے باوجود جھک جائے تو وہ اس کا عابد نہیں کہلائیگا

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر ملاحظہ ہو)

مسلوب است (۱) وہمہ اشیاء بوئے در وجود ✻ اس سے منفی ہیں اور تمام اشیاء اپنے وجود اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ماقبل) ولهذا لا یکفی احدهما فی عبادة الله تعالیٰ بل یجب ان یکون الله احب الی العبد من کل شئ وان یکون الله اعظم عنده من کل شئ بل لا یستحق المحبة والذل التام الا الله وکل ما احب لغیر الله فمحبته فاسدة و ما عظم بغیر امر الله کان تعظیمه باطلا

اور اگر کسی کو کسی سے محبت ہے لیکن وہ اس کے سامنے جھکتا نہیں تو وہ بھی اس کا عابد نہیں کہا جائے گا جیسے کہ آدمی کو اپنے لڑکے اور دولت کو محبت ہوتی ہے پستی اور محبت میں سے کوئی ایک اللہ کی عبادت کے لئے کافی نہیں بلکہ ضروری ہو کہ اللہ بندہ کو سب سے زیادہ محبوب اور ہر چیز سے زیادہ معظم ہو حقیقت یہ ہے کہ انسان کی محبت اور مکمل پستی کا مستحق اللہ کے سوا کوئی نہیں، اللہ کے علاوہ کسی اور چیز کے لئے جس سے محبت کی جائے گی اس کی محبت فاسد اور اللہ کے حکم کے بغیر جس کی تعظیم کیجائیگی اس کی تعظیم باطل ہے

قرآن مجید کی آیات سے اس کو مدلل کرنے کے بعد آپ نے یہ ثابت کیا ہے کہ تکوینی وطبعی طور پر خدا کے سامنے سرنگوں ہونا، اس کو اپنا خالق، رازق، مالک، زندہ کرنے والا، مارنے والا اور پرورش کرنے والا سمجھنا کافی نہیں اور اس پر عبادت کا اطلاق کرنا صحیح نہیں، اس لئے کہ اس معنی میں تو کافر و مومن سب اس کے عبد ہیں، بلکہ نباتات، جمادات، حیوانات بھی (محشی) سب کا وہ رب اور مالک ہے سب اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں، کوئی اس کی مشیت اور اختیار سے باہر نہیں اور رب، اس کے قوانین (تکوینی) یکساں جاری اور نافذ ہیں اور وہ چار و ناچار ان کے سامنے سرنگوں و بے اختیار ہیں (وله اسلم من فی السموٰت والارض طوعا وکرها والیه یرجعون) (وله من فی السموٰت والارض کل له قانتون) اور ان کو اس بات کا اقرار بھی ہے ولئن سالتهم من خلق السموٰت والارض لیقولن الله) (قل لمن الارض ومن فیها ان کنتم تعلمون ۰ سیقولون لله قل افلا تذکرون) الی قوله تعالیٰ (قل فانی تسحرون) اس عبودیت تکوینی کے ساتھ عبادت تشریعی کا اضافہ ضروری ہے اور عبد کے ساتھ عابد بننے کی بھی ضرورت ہے اس کے قوانین و شرائع اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات و احکام کو قبول کرنے اور ان کی تعمیل کرنے اس کے دوستوں سے دوستی اور اس کے دشمنوں سے دشمنی کرنے کی ضرورت ہے، یہ وہ عبادت ہے جس کا تعلق اللہ کی الوہیت سے ہے اس لئے عنوان توحید لا الٰہ الا اللہ قرار دیا گیا جو اللہ کی ربوبیت کا اقرار کرے لیکن اس کی بندگی نہ کرے یا بندگی کسی اور الٰہ کی کرے، اس نے اس عنوان کو تسلیم نہیں کیا، اس لئے کہ الٰہ وہ ہے جس سے انتہائی محبت و تعظیم، کمال احترام و توقیر، خوف و رجا وغیرہ کے ساتھ دل اٹکا

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر ملاحظہ ہو)

(۱) یہ حاشیہ اگلے صفحہ کی سطر مین سے شروع ہے ۱۲ م ✻ اسکے آگے اصل متن و ترجمہ ایک صفحہ کے بعد ملاحظہ ہو ۱۲ م

(بقیہ حاشیہ صفحہ ما قبل) رہے یہی وہ عبادت ہے جو اللہ کو پسند ہے اور مقبول ہے اور اس نے اپنے منتخب بندوں کی تعریف یہی کی ہے کہ ان کی عبادت کامل ہے، اور اپنے پیغمبروں کو اسی کے ساتھ مبعوث فرمایا۔

(۱) حاشیہ متن صفحہ ما قبل) انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے (جو اللہ کے سب سے بڑے عارف اور اس کے ترجمان ہیں) اللہ کی اسی طرح تعریف کی ہے کہ وہ تمام کمالات و صفات کمالیہ سے متصف اور تمام نقائص و عیوب سے منزہ اور پاک ہے اور حقیقت میں اللہ و معبود معظم و مطاع، مقصود و مطلوب و محبوب و محمود وہی ذات ہو سکتی ہے جو تمام صفات کمالیہ سے متصف ہو، یہ تمام اوصاف و کمالات اس کے ذاتی ہوں نہ کسی کے بخشے ہوئے نہ کسی سے مستعار لئے ہوئے، ہر خیر اور تمام حسن و جمال کا سرچشمہ اور مبداء، اس کی ذات والاصفات ہو تب ہی سر اور گردنیں اس کے سامنے خمیدہ، عقل و حکمت اس کی بارگاہ عالی میں سرنگوں، دل اس کی محبت میں گرفتار و اسیر، زبانیں اس کی حمد و شکر میں زمزمہ سنج ہوں گی، فلاسفہ اور حکماء نے اپنے سلسلۂ استدلال میں مجبور ہو کر ایک ایسی آخری ہستی کو تسلیم کیا جو علت العلل ہو اور جس پر جا کر ان کے استدلال اور علل کا سلسلہ ختم ہو، لیکن انھوں نے اپنے موہوم و مفروض مشکلات سے بچنے کے لئے اس سے تمام صفات و افعال کی نفی کی اور اس کو بالکل معطل و بے اختیار ہستی ثابت کیا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کا ایسی ذات سے کوئی قلبی اور ذہنی تعلق اور لگاؤ نہیں، نہ ان کے یہاں اس کی عبادت ہے نہ تعظیم و اطاعت، نہ ان کی زندگی میں اس کا قصد و طلب ہے نہ اس سے خوف و رجا، نہ دل میں اس کی محبت اور نہ زبان پر اس کی حمد، ان کی زندگی ان لوگوں سے بالکل مختلف نہیں جو خدا کے صاف صاف منکر ہیں۔

مشرکین اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیم سے بے خبر یا اس کا انکار کرنے والے عام لوگوں نے بعض اوقات اللہ کی طرف ان چیزوں کی نسبت کی جو اس کی شان کے نامناسب اور اس کے لئے نقص و عیب ہیں، مثلاً بیوی، اولاد کی نسبت، یا ظلم و بخل و مجبوری اور بعض دوسری صفات ذمیمہ کی نسبت، یا جسم اور کسی دوسری مخلوق سے مشابہت کی نسبت، اور بعض اوقات اس کی مخلوقات اور بندوں میں سے کسی کے لئے وہ صفات ثابت کیں، جو اللہ کے ساتھ مخصوص ہیں اور جن سے بندہ کی الوہیت و کمال لیکن اللہ کا نقص لازم آتا ہے، مثلاً کائنات میں تصرف مطلق (کُنْ فَیَکُوْنُ) زندہ کرنے اور مارنے کی طاقت، رزق کی قدرت، علم ذاتی وغیرہ۔

انبیاء علیہم السلام نے اللہ کو تمام صفات کمالیہ کا مستحق و موصوف قرار دیا اور تمام نقائص و عیوب کی اس سے نفی کی۔ قرآن مجید میں ہے۔

اور اللہ کے اچھے اچھے نام ہیں اس کو انھیں	وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوْا

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر ملاحظہ ہو)

وتوابع وجود محتاج نه واز ہیچ چیز در ہیچ امر محتاج نہ(۱) و نافع و ضار اوست و بس	اور متعلقات وجود میں اس کی محتاج ہیں اور وہ کسی چیز کا کسی بات میں محتاج نہیں (وہی نفع پہنچانیوالا اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ما قبل) الذین یلحدون فی اسمائہ وللہ المثل الاعلیٰ — ناموں سے پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں کجراہی کرتے ہیں اور اللہ کی علی صفت اور سب سے اونچی شان ہے

وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ — اللہ ہی کی سب سے اونچی شان ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔

سبحٰن اللہ میں تنزیہ اور ہر قسم کے نقائص کی نفی اور الحمد للہ میں تمام صفات کمال کا اثبات اور مکمل حمد ہے۔

اور چونکہ اللہ کی ذات و صفات کی یہ جامع اور کامل اور صحیح معرفت انبیاء کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی اس لئے مشرکین و جہلا کے ان مزعومات کی تردید فرماتے ہوئے اور اپنی تنزیہ کرتے ہوئے فرمایا۔

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝	تمہارے رب کی ذات پاک ہے وہ پروردگار عزت والا ان باتوں سے پاک ہے جو بیان کرتے ہیں اور رسولوں پر سلام اور سب خوبی اللہ کو ہے جو سارے جہاں کا رب ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ کا وجود و متعلقات وجود میں کسی کا محتاج نہ ہونا اور سب کا ان سب چیزوں میں اس کا محتاج ہونا ایک طرف اللہ کی الوہیت، استحقاق عبودیت اور اس کی وحدانیت کی اور دوسری طرف تمام مخلوقات و کائنات کی پستی و بندگی و احتیاج کی سب سے بڑی دلیل ہے اور اس سے عقلاً لازم آتا ہے کہ تمام اشیاء کی عبادت و رجوع طلب و سوال کا مرکز اسی کی ذات ہو اس لئے کہ جس کو جو کچھ ملتا ہے اور جو کچھ مل سکتا ہے اسی کے خوان کرم اور خزانہ عامرہ سے، اور پھر وہ تمام عالم مستغنی اور عالم کا کوئی ذرہ بھی اس سے مستغنی نہیں اس لئے اس کے سوا الٰہ کون ہو سکتا ہے، قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات میں اسی مضمون کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَاۗءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ (فاطر ع ۳) وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاۗءُ (محمد ع ۴)	اے لوگو تمہیں اللہ کے محتاج ہو اور اللہ بے پرواہ ہے اور ہر طرح کی تعریف کا مستحق ہے اور اللہ غنی اور تم محتاج ہو۔

صحیح تفسیر کے مطابق یہی معنی "صمد" کے ہیں اللہ الصمد کی تفسیر میں حضرت ابوہریرہ کا قول ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر ملاحظہ ہو)

بے اذن او ہیچ یکے ضرر و نفع نمی تواند رسانید(۱) ایں چنیں کس باایں صفات کاملہ

اور وہی نقصان پہنچانیوالا اور کوئی اس کے حکم کے بغیر کسی کو نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتا ایسی ذات ان

(بقیہ حاشیہ صفحۂ ماقبل) ھو المستغنی عن کل احد المحتاج الیہ کل احد

جو سب سے مستغنی ہو اور سب اس کے محتاج ہوں۔

ابن ابی حاتم اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس سے سنداً روایت کرتے ہیں۔

عن عکرمۃ عن ابن عباس فی قولہ الصمد قال الصمد الذی یصمد الیہ الناس فی الاشیاء اذا نزل بھم کربۃ او بلاء

عکرمہ (شاگرد ابن عباس) ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ صمد وہ ہے جس کی طرف لوگ تکلیف و مصیبت میں رجوع کریں اور اسکا سہارا لیں

مشہور امام لغت ابوبکر بن الانباری کہتے ہیں کہ اہل لغت میں اس بارہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ "الصمد" اس سردار کو کہتے ہیں جس کے اوپر کوئی نہ ہو اور جس کی طرف لوگ اپنی ضرورتوں اور اپنے کاموں میں رجوع کریں۔

مشہور عالم و شارح حدیث خطابی کی تحقیق بھی یہی ہے اصح الوجوہ انہ السید الذی یصمد الیہ فی الحوائج (صحیح ترین تفسیر یہی ہے کہ اس سے مراد وہ سردار ہے جس کی طرف ضرورتوں میں رُخ کیا جائے)

(۱) غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ عبادت کی بنیاد اور اس کا اصل محرک و سبب یہ اعتقاد ہے کہ وہ ہستی نفع و نقصان پہنچانے کی قدرت رکھتی ہے اس عقیدہ سے طمع اور خوف پیدا ہوتا ہے اور یہی طمع اور خوف طبعی طور پر اس ہستی کے سامنے فروتنی و پستی، تذلل و تضرع، سوال و طلب، رجوع و التجا تک پہونچا دیتا ہے، اگر کسی ہستی کے متعلق یہ معلوم ہوجائے کہ اس کو سرے سے نفع و نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں اور وہ خود مجبور و بے بس اور ایک دوسری ہستی کی محتاج ہے تو اس سے طمع و خوف کا رشتہ ٹوٹ جائے گا اور بندگی و عبودیت کا تعلق ختم ہوجائے گا، درحقیقت عبادت کی مستحق صرف وہ ذات ہے جو نافع و ضار ہے اسی لئے قرآن مجید نے جابجا اللہ تعالیٰ کے تنہا نافع و ضار ہونے اور دوسری ہستی کے غیر نافع و ضار ہونے کی تصریح کی ہے اور ایسی ہستیوں کی عبادت پر اظہار تعجب کیا ہے جو نفع و ضرر کی مالک نہیں، ان تصریحات سے قرآن مجید لبریز ہے

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَنْفَعُکَ وَلَا یَضُرُّکَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّکَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝

اللہ کے سوا کسی ایسے کو مت پکارو جو نہ تم کو پہنچا سکے نفع نہ نقصان، اگر تم نے اس کو پکارا تو تم اس وقت ظلم کرنے والوں میں ہوگے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر ملاحظہ ہو)

غیر او تعالیٰ نیست ونشاید کہ باشد چہ اگر غیر با ایں صفات کاملہ بے زیادتی نقصان متحقق شود غیر نخواہد بود لان الغیرین متمائزان ولا تمائز ثمہ، و اگر اثبات غیریت باثبات تمائز نمائیم لازم می آید نقص او کہ منافی الوہیت ومعبودیت است زیرا کہ اگر جمیع کمالات اورا اثبات نکنیم تا تمائز پیدا کنند لازم می آید نقص او، وہمچنیں اگر جمیع نقائص از وے سلوب نمائیم نیز نقص لازم است، واگر اشیاء بوے محتاج باشند برائے چہ مستحق عبادت ایشاں بود، واگر او بشے از اشیاء، در امرے از امور محتاج

صفات کاملہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سوا نہیں اور نہ ہونی چاہیے، کیونکہ اگر اس کے سوا کوئی اور ان صفات کاملہ کے ساتھ بغیر کسی زیادتی اور کمی کے ثابت ہو جائے تو وہ غیر نہ ہوگا، اس لئے کہ دو ہستیاں جو ایک دوسرے سے غیر ہوں، وہ ایک دوسرے کو الگ اور باہم ممتاز ہوتی ہیں اور یہاں کوئی امتیاز نہیں اور اگر ہم امتیاز کے ساتھ غیریت کو ثابت کریں تو اس سے نقص لازم آتا ہے جو ربوبیت معبودیت کے منافی ہے اس لئے کہ اگر ہم اس غیر کے لئے تمام کمالات ثابت نہ کریں تا کہ دونوں ایک دوسرے سے ممتاز ہو جائیں تو اس سے غیر کا نقص لازم آتا ہے اسی طرح اگر تمام نقائص کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ماقبل) ظلم کے اصلی معنی عربی زبان میں بے محل کام کرنے کے ہیں، اس سے زیادہ بے محل و بے موقع فعل کیا ہو سکتا ہو کہ قادر مختار اور نافع وضار ہستی کو چھوڑ کر اپنی ضرورت و مصیبت میں ایسی ہستی کی طرف رجوع کیا جائے جو خود خدا کی امداد کی محتاج اس کی رحمت کی منتظر اور اس کے عذاب و غضب سے لرزاں و ترساں ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ

(بنی اسرائیل ع ۲)

وہ لوگ جن کو یہ پکارتے ہیں وہ خود ڈھونڈتے ہیں اپنے رب تک وسیلہ کہ کون بندہ بہت نزدیک ہے اور امید رکھتے ہیں اس کی مہربانی کی اور ڈرتے ہیں اس کے عذاب سے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے "شرک" کو ظلم عظیم کہا ہے اس سے بڑھ کر کیا ظلم عظیم ہو سکتا ہے کہ اپنے سب سے بڑے تعلق اور سب سے اعلیٰ عمل (بندگی و عبودیت کو) بے محل صرف کرے، حضرت لقمان اپنے بیٹے سے فرماتے ہیں،

يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ۝ (لقمان ع ۲)

اے بیٹے اللہ کا کوئی شریک نہ ٹھہرانا، بیشک اللہ کا کسی کو شریک بنانا بڑی بھاری بے انصافی ہے

اس سے زیادہ بیجا بات اور ظلم کیا ہو سکتا ہے کہ بندہ کو خدا کا اور محتاج کو حاجت روا کا رتبہ دے دیا جائے۔

بود ناقص باشد، و ہمچنیں اگر نافع و
ضار نہ باشد اشیار را باو چہ احتیاج
بود، و چرا مستحق عبادت ایشاں
باشد واگر احدے بے اذن او
باشیار ضرر و نفع تواند رسید او بیکار
می افتد و مستحق عبادت
نمی ماند، لا یکون الجامع
لھذہ الصفات الکاملۃ
الا واحد الا شریک
لہ ولا یستحق العبادۃ
الا ھو الواحد
القہار،

(سوال) اگر چہ تمائز باایں صفات
برنہج مبیں گفتہ است مستلزم
نقص است کہ منافی الوہیت و
معبودیت است اما تواند بود کہ
آں غیر صفات دیگر داشتہ باشد کہ باعث
امتیاز گردد و ہیچ نقص لازم نبود ہر چند ما
آں صفات را ندانیم کہ چیست

(جواب) آں صفات نیز خالی
نیست از صفات کاملہ است یا از
صفات ناقصہ بہر تقدیر محذور مذکور
لازم است ہر چند ما آں صفات را بخصوص

اس سے نفی نہ کریں تو اس سے بھی نقص لازم آتا
ہے اور اگر اشیاء اس کی محتاج نہ ہوں تو وہ کس لئے
ان کی عبادت کا مستحق ہو، اور اگر وہ کسی شے کا کسی
امر میں خود محتاج ہو تو وہ ناقص ہوگا، اسی طرح
اگر نافع وضار نہ ہو تو اشیاء کو اس کی کیا حاجت ہے
اور کیوں وہ ان کی عبادت کا مستحق ہوگا، اور اگر
کوئی اس کی اجازت کے بغیر اشیاء کو نفع ونقصان
پہنچا سکے تو وہ بے کار ہوگا اور عبادت کا مستحق
نہیں رہے گا، بہر حال ان صفات کاملہ کا جامع
صرف ایک ہی ہو سکتا ہے جس کا کوئی شریک
نہیں اور عبادت کا مستحق وہی ایک اکیلا طاقت
اور غلبہ والا ہو سکتا ہے

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر چہ ان
صفات کے ساتھ باہم امتیاز جس طریقہ پر
بیان کیا گیا ہے اس سے نقص لازم آتا ہے
لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ غیر دوسری صفات رکھتا
ہو جو دونوں کے امتیاز کا باعث ہوں اور کوئی
نقص اس سے لازم نہ آئے، اگر چہ ہم ان صفات کو
نہ جانیں کہ وہ کون سی ہیں!

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صفات دو باتوں
سے خالی نہیں، یا وہ صفات کاملہ ہوں گی یا صفات
ناقصہ، دونوں حال میں ہم جس سے بچنا چاہتے
ہیں وہ لازم آئے گا، اگر چہ ہم خصوصیت کے ساتھ

ندانیم کہ چیست' ایں قدر معلوم است
کہ از دائرہ کمال ونقصان خارج نیست
وبہر تقدیر نقص دامنگیر است
چنانچہ گزشت

دو دلیل دیگر بر عدم استحقاق معبودیت
غیر حق سبحانہ وتعالیٰ آنست کہ او
تعالیٰ ہرگاہ در جمیع ضروریات وجودی
وتوابع وجودی اشیاء کافی باشد ونفع و
ضرر اشیاء باو سبحانہ مربوط بود دیگرے
بے کار وبے ماحصل محض بود وہیچ احتیاج
اشیاء را باو نباشد استحقاق عبادت
اورا از کدام راہ پیدا شود واشیا
چرا بذلت وخشوع وانکسار باو پیش
آیند، کفار بدکردار غیر حق سبحانہ را
عبادت کنند واصنام تراشیدہ رامعبود خود
سازند بزعم فاسد آنکہ ایناں نزد حق
سبحانہ وتعالیٰ شفعاء ما خواہند بود(۱)

ان صفات کو نہ جانیں کہ وہ کون سی ہیں، اتنا
ضرور معلوم ہے کہ وہ کمال نقص کے دائرہ سے خارج
نہیں، اور دونوں حالتوں میں نقص دامنگیر ہے۔
جیسا کہ اوپر گزرا۔

غیر حق سبحانہ وتعالیٰ کے معبودیت کے
مستحق نہ ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ وہ
ذات عالی چونکہ اشیاء کے وجود اور متعلقات
وجود کی تمام ضروریات میں کافی ہے اور اشیا کا
نفع وضرر اس سے وابستہ ہے' اس لئے دوسرا
بیکار محض وبے ضرورت ٹھہرتا ہے اور اشیاء کو
اسکی کوئی احتیاج نہیں ہوتی، پس عبادت کا
استحقاق اس کو کس طرح حاصل ہو سکتا ہے اور
اشیاء کیوں ذلت وپستی اور فروتنی کے ساتھ اس
سے پیش آئیں، کفار بدکردار غیر سبحانہ کی عبادت
کرتے ہیں اور تراشے ہوئے بتوں کو اپنا معبود
بناتے ہیں' اس غلط گمان پر کہ حق سبحانہ تعالیٰ
کے یہاں ہمارے سفارشی ہوں گے اور ان کے

(۱) وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ
وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ
شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا
لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سُبْحٰنَهٗ
وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ (یونس ع ۲)
اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ۝ قُلْ

اور اللہ کے سوا پرستش کرتے ہیں اس کی جو نہ ان کو
نقصان پہنچا سکے نہ نفع اور کہتے ہیں کہ یہ تو ہمارے
سفارشی ہیں اللہ کے پاس، کہو کیا تم اللہ کو بتلاتے ہو
جو اس کو معلوم نہیں آسمانوں میں اور زمین میں، وہ
پاک ہے اور برتر ہے اس سے جس کو شریک کرتے ہیں
کیا انھوں نے اللہ کے سوا کوئی سفارش والے

(بقیہ صفحہ آئندہ پر ملاحظہ ہو)

وبتوسل اینہا بحضرت حق سبحانہ وتعالے
تقرب خواہند نمود(۱)، زہے بے خرداں
از کجا دانستہ اند کہ اینہاں مرتبہ شفاعت
خواہد بود وحضرت حق سبحانہ وتعالی اینہارا
اذن شفاعت خواہد فرمود بمجرد توہم
احدے در عبادت شریک ساختن جل علا
نہایت خذلان خسارت است، عبادت امر
آسان نیست کہ بہر سنگ وجماد کردہ آید
وہر عاجزے را بلکہ عاجز ترے از خود را
مستحق عبادت تصور کردہ شود وبے معنی
الوہیت استحقاق عبادت متصور نیست۔ ہرکہ
صلاحیت الوہیت دارد مستحق عبادت است و
ہرکرا ایں صلاحیت نیست ایں استحقاق نیست
وصلاحیت الوہیت مربوط بوجوب وجود است
آنکہ وجوب وجود ندارد والوہیت را نشاید و

وسیلے سے حق سبحانہ وتعالی کی درگاہ میں قرب
حاصل کریں گے، حیف ہے ان بے عقلوں پر
کہاں سے انھوں نے جانا کہ ان کو سفارش کا مرتبہ
حاصل ہوگا، اور حضرت حق سبحانہ وتعالی ان کو
سفارش کی اجازت دے گا، محض وہم کی بنا پر
کسی کو اللہ جل شانہ کے ساتھ عبادت میں شریک
کرنا بڑی بدبختی وتباہی ہے، عبادت معمولی بات
نہیں ہے کہ ہر پتھر اور جماد کی کی جانے لگے اور
ہر عاجز کو بلکہ اپنے سے زیادہ عاجز کو عبادت کا
مستحق تصور کرلیا جائے، الوہیت کی صفت
کے بغیر عبادت کا استحقاق تصور میں نہیں آسکتا
جو الوہیت کی اہلیت رکھتا ہے وہی عبادت کا
مستحق ہے اور جس میں یہ اہلیت نہیں اس کا
یہ استحقاق نہیں، اور الوہیت کی اہلیت وجوب
وجود کے ساتھ وابستہ ہے جو واجب الوجود نہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ماقبل) اَوَلَوْ کَانُوْا لَا یَمْلِکُوْنَ شَیْئًا
وَّلَا یَعْقِلُوْنَ ۝ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِیْعًا ؕ
لَهٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ثُمَّ اِلَیْهِ
تُرْجَعُوْنَ ۝ (زمر ع ۵)

(۱) وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ ۘ
مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَی اللّٰهِ زُلْفٰی ؕ اِنَّ
اللّٰهَ یَحْکُمُ بَیْنَهُمْ فِیْ مَا هُمْ فِیْهِ
یَخْتَلِفُوْنَ ۝ (زمر ع ۱)

بنائے ہیں، کہو اگرچہ ان کو اختیار نہ ہو کسی چیز کا
اور نہ سمجھ، کہو اللہ کے اختیار میں ہے ساری سفارش
اسی کی حکومت ہے آسمانوں میں اور زمین میں،
پھر اسی کی طرف پھیرے جاؤ گے۔

جنھوں نے اللہ کے سوا دوسرے حمایتی بنا رکھے ہیں کہ ہم
تو ان کو اسی لئے پوجتے ہیں کہ ہم کو اللہ کی طرف قریب کے درجہ
میں پہنچادیں، بیشک اللہ فیصلہ کردیگا ان میں جس
چیز میں وہ جھگڑ رہے ہیں۔

مستحق عبادت نہ بود، بے عقلانند کہ حق
سبحانہ را در وجوب وجود شریک ندانند
و در عبادت با او تعالیٰ شرکا اثبات
نمایند، ندانستہ اند کہ وجوب وجود
شرط استحقاق عبادت است و
چوں در وجوب وجود شریک نبود، در
استحقاق عبادت ہم شریک
نباشد، در استحقاق عبادت
شریک ساختن مستلزم شریک ساختن
است در وجوب وجود نیز

پس بتکرار ایں کلمۂ طیبہ ہم نفی
شریک وجوب وجود باید ساخت
و ہم نفی شریک استحقاق عبادت،
بلکہ اہم و احوج و انفع دریں راہ نفی
شریک استحقاق عبادۃ است
کہ مخصوص بدعوت انبیاء است
علیہم الصلوات و التحیات و التسلیمات
مخالفان کہ ملتزم ملۃ انبیاء نیستند علیہم
الصلوات و التسلیمات نیز بدلائل عقلیہ
نفی شریک وجوب وجود می نمایند
و واجب الوجود جز یکے را نمی دانند
جل شانہ، اما از معاملہ استحقاق
عبادت غافلند و از نفی شریک استحقاق

وہ الوہیت کے شایان شان اور عبادت کا
مستحق نہیں، بے عقل ہیں وہ جو حضرت حق
سبحانہ کا واجب الوجود ہونے میں کسی کو شریک
نہیں سمجھتے اور عبادت میں اللہ تعالیٰ کے بہت سے
شریک جانتے ہیں، ان کو معلوم نہیں کہ واجب
الوجود ہونا عبادت کے استحقاق کے لئے شرط
ہے، جب وجوب وجود میں شریک نہیں تو عبادت
کے استحقاق میں بھی شریک نہیں، عبادت کے
استحقاق میں شریک بنانے سے لازم آتا ہے
کہ وجوب وجود میں بھی شریک ہے۔

پس اس کلمۂ طیبہ کے بار بار دہرانے سے
وجوب وجود میں بھی شریک ہونے کی نفی کرنی
چاہیے اور استحقاق عبادت میں بھی شریک
ہونے کی، بلکہ زیادہ اہم اور زیادہ ضروری اور
مفید تر اس راہ میں استحقاق عبادت میں
شریک ہونے کی نفی ہے، جو انبیاء (علیہم الصلوٰۃ
والتحیات والتسلیمات) کی دعوت کے ساتھ
مخصوص ہے، مخالفین جو حضرات انبیاء کے
دین کے پابند نہیں عقلی دلائل کے ذریعہ وجوب
وجود میں شریک ہونے کی نفی کرتے ہیں اور
واجب الوجود ایک کے سوا کسی کو نہیں جانتے
لیکن عبادت کے استحقاق کے معاملے سے غافل
ہیں اور استحقاق عبادت میں کسی کے شریک

عبادت فارغ از عبادت غیر تحاشی ننمایند(۱) و از عمارت دیر تکاسل نورزند، انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کہ ہدم دیر می نمایند و رفع استحقاق عبادت غیر می فرمایند، مشرک بلسان ایں بزرگواراں آنکس است کہ بعبادت غیر حق سبحانہ گرفتار است اگرچہ بنفی شریک وجوب وجود قائل باشد چہ اہتمام اینہا بنفی عبادت ماسوی حق است سبحانہ کہ بعمل و معاملہ

ہونے کی نفی کرنے سے سبکدوش ہیں غیر اللہ کی عبادت سے ان کو پرہیز نہیں اور (مسجد کے مقابلہ میں) دیر کی تعمیر میں سستی سے کام نہیں لیتے، انبیاء (علیہم الصلوات والتحیات) ہی ہیں جو دیر (معبد غیر) کو منہدم کرتے ہیں اور غیر اللہ کی عبادت کے استحقاق کو دور فرماتے ہیں، ان حضرات کی زبان میں مشرک وہ ہے جو غیر اللہ کی عبادت میں مبتلا ہے اگرچہ وجوب وجود کے شریک کی نفی کا قائل ہے اس لئے کہ ان حضرات کو ماسوا اللہ کی عبادت کی نفی کا اہتمام ہوتا ہے جس کا تعلق عمل و معاملہ سے ہے

(۱) حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ حجۃ اللہ البالغہ (باب التوحید) میں لکھتے ہیں :-

واعلم ان للتوحید اربع مراتب احدٰھا حصر وجوب الوجود فیہ تعالیٰ فلا یکون غیرہ واجبا والثانیۃ حصر خلق العرش والسمٰوٰت والارض وسائر الجواہر فیہ تعالیٰ وھاتان المرتبتان لم تبحث الکتب الالٰہیۃ عنھما ولم یخالف فیھما مشرکو العرب ولا الیہود ولا النصاریٰ بل القرآن العظیم ناص علی انھما من المقدمات المسلمۃ عندھم والثالثۃ حصر تدبیر السمٰوٰت والارض وما بینھما فیہ تعالیٰ والرابعۃ انہ لا یستحق غیرہ العبادۃ وھما متشابکتان متلازمتان لربط طبیعی بینھما۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ توحید کے چار درجے ہیں ایک وجوب وجود کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں محصور ماننا یعنی یہ کہ اس کے سوا کوئی واجب الوجود نہیں، دوسرا درجہ عرش آسمانوں زمین اور تمام جواہر کے خلق کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص اور محصور ماننا، ان دونوں درجوں سے کتب سماوی نے بحث نہیں کی اور اس بارہ میں مشرکین عرب اور یہودیوں اور عیسائیوں نے بھی اختلاف نہیں کیا بلکہ قرآن عظیم اس بات کی تصریح کرتا ہے کہ یہ دونوں درجے ان کے یہاں مسلم مقدمات میں سے ہیں تیسرا درجہ یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس سب کا انتظام اللہ کے ساتھ مخصوص ہے، چوتھا درجہ یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی بندگی کا مستحق نہیں، یہ دونوں آخری درجے ایک دوسرے سے پیوستہ اور باہمی طبعی ربط کی وجہ سے ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہیں۔

تعلق دارد و مستلزم نفی شریک
وجوب وجود است، پس تا زمانیکہ
کسے شرائع ایں بزرگواراں
علیہم الصلوات والتسلیمات کہ منبئی از نفی استحقاق
عبادت ماسوی است متحقق نہ شود، از
شرک نرہد و از شعبہ ہائے شرک عبادت
آلہہ آفاقی و انفسی نجات نیابد
کہ شرائع انبیاء علیہم الصلوات
والتحیات متکفل ایں معنی است
بلکہ مقصود از بعثت شان
تحصیل ایں دولت است، و در غیر
شرائع ایں بزرگواراں نجات
ازیں شرک میسر نیست و
توحید بے التزام ملت ایناں
علیہم الصلوات والتحیات ممکن نہ (مکتوب ۲۶۶ بنام میر محب اللہ بہاری)

اور جس سے وجوب وجود کے شریک کی نفی لازم
آتی ہے پس جب تک کوئی شخص ان حضرات
انبیاء (علیہم الصلوات والتسلیمات) کی
شریعتوں سے متصف نہ ہو جو ماسوی اللہ کے
استحقاق عبادت کی نفی کی خبر دیتی ہیں وہ شرک
سے آزاد نہیں ہو سکتا، اور آفاقی و انفسی آلہہ
(باطنی اور خارجی بتوں) کی عبادت کے شرک کے
شعبوں سے نجات نہیں پا سکتا، کیونکہ انبیاء
(علیہم الصلوات والتحیات) کی شریعتیں ہی
اس مقصد کی ضامن اور کفیل ہیں بلکہ ان حضرات
کی بعثت کا مقصود ہی اس دولت کا حصول ہے
ان حضرات کی شریعتوں کے علاوہ کسی اور طریقے
اس شرک سے نجات میسر نہیں آ سکتی اور ان حضرات
(علیہم الصلوات والتحیات) کی ملت کی
پابندی کے بغیر توحید ممکن نہیں۔ (باقی آئندہ)

آداب طعام

(از جناب مولانا محمد ایوب صاحب اصلاحی جامعہ الٰہیات چمن گنج کانپور)

(قسط نمبر ۹)

سیرت و اخلاق پر غذا کا اثر اخلاق اسلامی کی تعلیمات اور اس کے اہم ترین مسائل میں سیرت کی تعمیر اور اخلاق کی اصلاح و تربیت ایک مہتم بالشان مسئلہ ہے اور یہ معاملہ بچپن ہی سے قابل توجہ ہے در اصل طفولیت اور بچپن کا زمانہ ہی وہ زمانہ ہوتا ہے جب کہ آدمی محاسن اخلاق اور انسانی کمالات کا خوگر بنایا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ یہی وقت ہے جب اس کی فطرت بالکل سادی اور ہر نقش و رنگ سے خالی ہوتی ہے اور اس کی صلاحیت اور قوت عمل کا پورا خزانہ محفوظ ہوتا ہے۔ اُس وقت تم اسکی اٹھان کو جدھر چاہو لگا دو۔ پھر جب یہ حقیقت ہے تو ہر صاحب اولاد کا فرض ہے کہ وہ اس نقطۂ نظر سے اولاد کی خاص نگہداشت رکھے تاکہ بچے کے اندر خراب عادتیں پیدا نہ ہو سکیں۔ جن بچوں کی تربیت اس طرح کی جائے گی وہ جماعت کے لئے کامیاب اور سعادت مند افراد بنیں گے اور ان کی یہ سعادت مندی اور فلاح و کامرانی ان کے والدین، اُستاد اور مربی کے لئے فخر و نیک نامی اور اجر و ثواب کی موجب ہو گی، لیکن خدانخواستہ اگر ان کو آزاد اور حیوانوں کی طرح بے لگام چھوڑ دیا گیا تو اس کا نتیجہ نہایت افسوس ناک اور ایک پاکیزہ معاشرۃ کے لئے مہلک ہو گا، جس کی ذمہ داری والدین اور دیگر ذمہ داروں پر ہو گی، اسی لئے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا ۝ کے ذریعہ عام اعلان کر دیا گیا ہے کہ "اے ایمان والو اپنے آپ کو اور اپنے متعلقین کو آگ کی زد سے بچاؤ" حقیقت میں تباہی سے بچنے اور بچانے کا حقیقی مفہوم و مدعا یہی ہے کہ گھر کے ذمہ دار اور اولاد والے اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کے ایسے ذرائع اختیار کریں جو ان کی زندگی کو کامیاب بنا سکیں، اور تمام تباہ کاریوں سے اور سب سے بڑھ کر آخرت کی بازپرس اور وہاں کے عذاب سے بچا لیں۔

تربیت اور تعمیر سیرت کے معاملہ میں چونکہ غذا کو بنیادی حیثیت حاصل ہو اور غذا ہی کی بے احتیاطی

(خواہ یہ بے احتیاطی زیادہ کھانے میں ہو یا حلال وحرام کی تفریق سے لاپروائی کی بنا پر ہو) ہر کجروی اور بیہودہ عادت کا سرچشمہ ہے، اس لئے ناگزیر ہے کہ بچوں کو کھانے کے ایسے اصولوں کا خوگر بنایا جائے جو حُسن تربیت اور اخلاقی تعمیر کے لئے ضروری ہیں اور جن سے اخلاقی محاسن پیدا ہوں، مثلاً زیادہ کھانے سے روکا جائے، زیادہ کھانے کی خرابی بیان کی جائے، زیادہ کھانے والوں کی مذمت کی جائے اور اس کی مضرتیں بیان کی جائیں اور کم کھانے اور سادہ غذا کی طرف توجہ دلائی جائے اور ایسی غذا کی ترغیب دیجائے جو پاک کمائی سے حاصل ہو اور ناجائز اور ناپاک ذرائع سے حاصل نہ کی گئی ہو۔ نیز عام طور سے دوسروں کے گھر کھانے سے بھی ان کو روکا جائے۔

تربیت اطفال کا یہ وہ طریقہ ہے جس کو اگر اختیار کیا جائے اور عملی طور پر ان سے کھانے کے وقت اور دسترخوان پر کھانے کے ان تمام اصولوں کی پابندی کرائی جائے تو یقین کے ساتھ امید کی جاسکتی ہے کہ ان کی ذہنی اور اخلاقی اور عملی اصلاح ہوتی چلی جائے گی اور اس طرح وہ اُمت مسلمہ کے سعادت مند افراد بن ہوں گے۔

قرآن کریم نے کھانے پینے کے مذکورہ اصول کی تمام صورتیں ایک ایک کر کے بیان کر دی ہیں اور ہر ایک اصول کی پابندی کے فائدے اور خلاف ورزی کے مضر اثرات اور خراب نتائج کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے، چنانچہ سب سے پہلے یہ بتایا ہے کہ غذا میں اسراف ایک مہلک بے احتیاطی ہے جس سے بچنے کی تاکید کی:-

وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ۝ (اعراف)	اور کھاؤ اور پیو اور حد سے آگے نہ نکل جاؤ، اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

آیت کی گہرائیوں میں اتر کر دیکھئے تو حکمت و معرفت کے بیشمار فوائد اور حفظانِ صحت کے بھی بے نظیر اصول آپ کو نظر آئیں گے جن پر اطمینانِ قلب، فارغ البالی، تندرستی اور جسمانی قوت کی بنیاد قائم ہے اس لئے کہ زیادہ مقدار میں کھانے سے معدہ کی خرابی پیدا ہوتی ہے، حرارت غریزی میں کمی آجاتی ہے۔ جسم کمزور ہو جاتا ہے اور رنگ زرد، دماغی سستی اور بے حسی، قوت فکر میں تعطل پیدا ہوتا ہے، قوت ادراک انحطاط پذیر ہو جاتی ہے حالانکہ جسم کی مشین کو ٹھیک رکھنے کے لئے ان خرابیوں سے بچنا اور اس کو چلانے کے لئے قلب و دماغ کی قوت کو برقرار رکھنا ضروری ہے جو کم کھانے ہی سے

ممکن ہو اور پھر عبادت، تفکر، معرفت و بصیرت اور حق شناسی اور اس طرح کے بہت سے اور بلند مقاصد کم خوری ہی سے حاصل ہو سکتے ہیں لقمان علیہ السلام کی یہ حکیمانہ نصیحت اس کا واضح ثبوت ہے جو اپنے بیٹے کو کی ہے وہ یہ ہے کہ "جان پدر! انسان جب خوب شکم سیر ہو کر کھا لیتا ہو تو اس کی قوت فکر پر سستی اور نیند کا غلبہ ہو جاتا ہے حکمت و معرفت کا دروازہ اس پر بند ہو جاتا ہو اور اس کے اعضائے جسم فرائض و عبادت بجالانے سے قاصر ہو جاتے ہیں۔

علاوہ ازیں زیادہ مقدار میں کھانے اور شکم پُری کے بہت سے تمدنی نقصانات بھی ہیں، باطنی فسادات یعنی نفس پرستی اور شہوت رانی کے ہیجانات کا سرچشمہ یہی شکم پُری تو ہے جس کی بدولت اخلاقی جرائم کے طوفان آتے رہتے ہیں۔ پس انسان جتنا زیادہ شکم پرور ہوگا اتنا ہی زیادہ جرائم کا عادی اور فلاح و بہبود کے کاموں سے بیگانہ ہوگا

قرآن کریم نے ان ہی مضرتوں کے پیش نظر کھانے پینے میں احتیاط اور ایک خاص مقدار کی تاکید کی اور اسراف سے نفرت دلائی۔ اسراف ہے کیا؟ نوع بنوع کھانوں کی اشتہا اور جو جی چاہے حریصانہ طور پر اس کو پیٹ میں پہنچانا، حدیث نبوی میں اس کی تعریف یوں کی گئی ہے:۔

ان من السرف ان تاکل کل ما اشتھیت۔　　اسراف یہ ہے کہ تم ہر وہ چیز کھاؤ جس کی تم کو خواہش ہوا کرے۔

حدیث نے جس طرح اسراف کی حد بیان کر دی ہو اسی طرح وہ مقدار بھی واضح کر دی ہو جو صحت زندگی کی حفاظت و بقا کے لئے ضروری ہے:۔

ما ملاٗ ابن ادم وعاءً شرا من بطنہ حسب ابن ادم لقیمات یقمن صلبہ فان کان فاعلاً لا محالۃ فثلث لطعامہ وثلث لشرابہ وثلث لنفسہ

سب سے خراب برتن جس کو آدمی بھرتا ہو اسکا پیٹ ہو حالانکہ اس کے لئے چند لقمے کافی ہیں جو اسکی کمر سیدھی رکھ سکیں، اگر اس سے زیادہ کھانا ناگزیر ہو تو اس کو چاہیے کہ اپنے معدہ کے دو حصے کھانے اور پینے سے بھرے اور ایک حصہ خالی رکھے۔

کھانے پینے کی اس ضروری مقدار کی تعیین اور اسراف کی تشریح اور ان کی بجا آوری کی تاکید کے بعد اس سے بھی آگاہ کر دیا گیا کہ ان امور کی خلاف ورزی اور خورد و نوش کی مقدار واجبی سے

تجاوز کرنے کا نتیجہ جسمانی صحت کی خرابی اور دماغی فتور کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی ناخوشی اور عتاب میں مزید ہوگا۔ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ۝

شارع نے کھانے کے اس بنیادی مسئلہ کی تشریح اور اس کی اصولی حیثیت بتانے کے بعد کھانے کی حلال وحرام اشیاء کی ضروری تفریق کی ہو تاکہ انسان اپنی غذا میں وہی چیز استعمال کرے جو پاکیزہ ہو اور جو اخلاق اور جسم کو تمام مہلک اثرات سے محفوظ رکھے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ وَاشْکُرُوْا لِلّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ ۝ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْہِ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (بقرۃ)

اے ایمان والو! ان پاک چیزوں میں سے کھاؤ جو ہمنے تم کو دی ہیں اور اللہ کی شکر گزاری کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو، اللہ تعالیٰ نے تم پر مردار، خون سور کا گوشت اور وہ جس کو غیر اللہ کے نام پر نامزد کر دیا گیا ہو حرام کیا ہو۔ پھر بھی جو کوئی بیتاب ہو جائے بشرطیکہ طالب لذت اور حد سے بڑھنے والا نہ ہو تو اس پر (ان چیزوں کے کھا لینے میں) کوئی الزام نہیں، اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان ہو کہ اس نے انسان کو گوناگوں نعمتوں سے نواز کر اس امر کی ہدایت فرمائی کہ ان میں سے وہی چیزیں کھاؤ جو حلال اور پاکیزہ ہوں اور یہ بھی اس کی نوازش ہو کہ حلال وحرام میں خط امتیاز کھینچ دیا ہے، جس کی کچھ تفصیل مذکورہ بالا آیت میں پیش کی گئی ہے، ان کی مضرتوں کا اندازہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ ان کی حرمت کس قدر ناگزیر ہے۔

ہر وہ مُردار حرام ہے جو بغیر ذبح کے طبعی موت، گلا گھونٹنے سے یا ضرب شدید سے، اونچائی سے گر کر یا سینگ مارنے سے مر گیا ہو، یا درندوں کا کھایا ہوا ہو یا دم مسفوح، خنزیر کا گوشت ہو، غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ ہو۔

اب ان حکمتوں اور مصلحتوں پر ایک سرسری نگاہ ڈال لیجئے جن کے پیش نظر یہ چیزیں حرام ہیں۔

مردار کی مذکورہ چار قسموں کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خون ان کے جسم میں رُک کر متغیر ہو جاتا ہو اور اعضائے جسم میں ایک طرح کا زہریلا مادہ پیدا کر دیتا ہے، خون کے زہریلے ہونے کی ظاہری

علامت یہ ہو کہ وہ سیاہ ہو جاتا ہے ان میں اور جو کھانے کے لئے مباح ہیں ان میں فرق کرنے کا طریقہ شریعت نے ذبح کرنا رائج کیا، اس طریقہ کے اعتبار سے ہر وہ مُردار حرام ہے جو اوپر سے گر کر، یا جو کسی جانور کے سینگ مار دینے سے، یا بغیر دھار کے آلہ، لاٹھی اور پتھر وغیرہ کے صدمہ سے ہلاک ہو گیا ہو، یا جس کو درندے کھا کر چھوڑ دیں، یہ سب کے سب ناپاک اور طبی حیثیت سے مہلک ہیں اسی لئے ان کا کھانا حرام ہے۔

خون بھی سمیت اور ضرر ہی کی بنا پر حرام ہے، حکماء بتلاتے ہیں کہ اس کے اندر زہریلے جراثیم ہوتے ہیں مگر اس سے دو چیزیں مستثنیٰ ہیں:-

احلت لنا میتتان و دمان اما المیتتان فالحوت والجراد واما الدمان فالکبد والطحال۔

ہمارے لئے دو مری ہوئی چیزیں اور دو قسم کے خون کھانے کیلئے مباح ہیں، مردہ اشیاء میں مچھلی اور ٹڈی اور خون میں کلیجی اور تلی۔

مچھلی اور ٹڈی میں دم مسفوح ہوتا ہی نہیں، اسی لئے ان کو ذبح کئے بغیر کھانا جائز ہے، اسی طرح کلیجی اور تلی حقیقت کے لحاظ سے خون نہیں بلکہ درحقیقت وہ بھی دوسرے اعضاء کی سی حیثیت رکھتے ہیں البتہ خون سے ان کو صورتاً مناسبت ہے جس کی بنا پر ان کو خون کہا گیا ہے۔

اور سور کے گوشت میں مضر اثرات اور مہلک جراثیم اس کثرت سے پائے جاتے ہیں کہ ذبح کرنے کرنے سے بھی ان کی مضرت دور نہیں ہو سکتی، مشاہدات سے ثابت ہوا ہے کہ خنزیر کے اعضاء جسم میں ایک قسم کے کیڑے ہوتے ہیں جو پکانے کے بعد بھی نہیں مرتے۔ ان کیڑوں سے قطع نظر کر کے نفس گوشت سے بہت سے نقصانات اور امراض پیدا ہو جاتے ہیں، پیٹ کے اندر ایک خاص قسم کے کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے غذا بے اثر ہو جاتی ہے کیونکہ وہی ان کی خوراک ہوتی ہے، چنانچہ معدہ اگر خالی ہو تو اس کے اندر وہ اس قدر پیچ کھاتے ہیں کہ انسان ناقابل برداشت درد معدہ اور تکلیف میں مبتلا ہو کر مرنے لگتا ہے۔

اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنے کے حرام ہونے کی حکمتیں چند در چند ہیں، ایک تو یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا کے نام پر ذبح کرنا اس کو خدائی میں شریک بنانا ہے، اسی لئے غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا اور غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ کھانا حرام ہے تاکہ شرک جیسے گناہ عظیم کا ارتکاب نہ ہو۔

دوسری حکمت یہ بھی ہو کہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ ان حیوانات کو، جو زندگی کے اعتبار سے ہمارے ہی جیسے ہیں، ہمارے لئے مباح کیا ہے اور ہم کو ان پر دسترس عطا کی ہے، اس لئے ان کو ذبح کرتے وقت اس قادر مطلق کو فراموش نہ کرنا چاہیئے جس نے ہم کو اس فضیلت اور نعمت سے نوازا ہے۔

اور تیسری حکمت یہ ہے کہ اصنام وطواغیت کے لئے ذبح کرنا بجائے خود بدترین فعل ہے جس کے قبیح کا اثر لامحالہ ذبیحہ پر پڑے گا، اسی لئے ایسے ذبیحہ کا کھانا حرام ہے۔

لیکن ان چار چیزوں کے کھانے کی ممانعت اور ان کے حرام ہونے کی حکیمانہ وضاحت کے بعد یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ بشرط ضرورت یہ چیزیں مباح ہو جاتی ہیں جبکہ ہلاکت اور تلف جان کا اندیشہ ہو، اور ان چاروں چیزوں کے ماسوا کوئی ایسی پاکیزہ چیز دستیاب نہ ہوتی ہو جس سے جان بچائی جا سکے تو ایسی صورت میں انسان کے لئے بقدر ضرورت ان کے کھا لینے میں کوئی گناہ نہیں ہے فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ؀ یعنی جس شخص کو ضرورت سخت اور ناگزیر ضرورت ان مذکورہ حرام اشیاء کے کھانے پر مجبور کر دے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ خواہش نفس اور لذت اندوزی کا مطالبہ اس حرام کے کھانے کا باعث نہ ہو، مگر ایسے موقع پر کھانا بھی صرف اسیقدر ضروری ہے جتنا ضرورت اور جان بچا لینے کے لئے کافی ہو ورنہ شکم سیر ہونیکی صورت میں حد توڑنے کی فرد جرم (عادی) لگ جائے گی، اللہ تعالیٰ کی یہ مہربانی اور غایت درجہ کرم ہی کہ اس نے اضطراری اور جان لیوا مواقع پر حرام اشیاء کے کھانے کو مباح کر دیا ہی۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ؀

اور انھیں چیزوں میں سے جن کا کھانا حرام اور جن کا لینا اور حاصل کرنا قابل حذر ہی ہر وہ مال ہے جو سود اور ساہوکاری کا نتیجہ ہو چنانچہ اس کے متعلق قرآن کہتا ہے:-

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ	جو لوگ سود کھاتے ہیں قیامت میں اس طرح اٹھیں گے جس طرح وہ شخص اٹھتا ہو جس کے حواس شیطان نے لپٹ کر کھو دئے ہوں ان کی یہ حالت اسوجہ سے ہوگی کہ انھوں نے کہا کہ تجارت تو ایسی ہی ہو جیسے سود، حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا، پھر جس کو اس کے رب کی نصیحت پہنچی اور وہ باز آگیا تو اسکے

مَا سَلَفَ وَ اَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ۝ (بقرہ)

واسطے ہو چکا جو کچھ پہلے (لینا) ہو چکا اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالہ ہو اور جو شخص پھر عود کرے تو وہی لوگ دوزخ والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے اللہ سود کو مٹاتا ہو اور صدقات کو بڑھاتا ہے' اللہ کو ناشکرے گنہگار پسند نہیں۔

آیت مذکورہ بالا سود اور ساہوکاری کی سخت ممانعت کر رہی ہو اور سود کھانے' دینے اور کسی نوعیت سے بھی اس سے تعلق رکھنے والے کی مذمت کر رہی ہے اور سود خواروں کی جو کیفیت قیامت میں قبروں سے اُٹھنے کی ہوگی اس کا نقشہ کھینچکر سود اور ساہوکاری کی شناعت کو اور بھی واضح کر دیا ہو کہ سود خوار قیامت کے دن قبروں سے اس طرح اُٹھیں گے جس طرح آسیب و سحر زدہ اور مجنوں بے قابو اور بدحال اُٹھتے ہیں۔ ان کی یہ کیفیت اس بنا پر ہوگی کہ انھوں نے حلال و حرام کی تفریق نہیں کی، دونوں کی حیثیت یکساں کر دی اور تجارت اور سود دونوں کو یہ کہہ کر حلال کر لیا کہ دونوں میں اصل مقصود تو جلب منفعت ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے دونوں میں بڑا فرق رکھا ہے اور اسی فرق کے لحاظ سے تجارت کو حلال اور سود کو حرام کیا ہے۔

سود حقیقت میں غصب اور شاطرانہ لوٹ ہو محنت نہ مشقت' ایک کے دو' اور دو کے چار کر لئے۔ اسی وجہ سے اس کمائی میں برکت نہیں' واقعات شاہد ہیں کہ سود خواروں اور ساہوکاروں کے مال میں برکت نہیں رہ جاتی' وہ کتنا ہی زیادہ بڑھ جائے' لاکھوں اور کروروں سے بھی انکی تعداد متجاوز ہو جائے لیکن ایک نہ ایک دن وہ بلکہ اصل مال تک ضائع اور برباد ہو کر رہتا ہے حتیٰ کہ خانہ بربادی اور اندوہناک افلاس کی نوبت آجاتی ہے۔

سود کو اس سختی کے ساتھ حرام کرنے میں حکمت الٰہی یہ ہو کہ اسی سود اور ساہوکاری کی بدولت غریب اور قرضدار احتیاج اور اضطراب کی مسلسل اور نہ ختم ہونے والی مصیبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور قرض ادا کرنے کی متعین مدت تک اس قابل ہونے ہی نہیں پاتے کہ قرض کے بارگراں سے سبکدوش ہو سکیں' اس طرح سود کی رقم ان پر روز افزوں بڑھتی رہتی ہے اور اس سے اپنا گھر بار بیچ کر بھی نجات پانے کے قابل نہیں ہوتے اور سرمایہ داروں کے شکنجہ میں دب کر افلاس و غربت کی اندوہناک مصیبت سے دوچار

ہوجاتے ہیں، اسی لئے شریعت نے سود کو حرام کردیا تاکہ اسکی تباہ کاری کا پورے طور پر سدباب ہوجائے۔
دوسری حکمت یہ بھی ہو کہ مال حاصل کرنے اور اس کو ترقی دینے کا یہ طریقہ تجارت، زراعت اور صنعت و حرفت سے بیگانہ اور لاپرواہ کردیگا جو حقیقت میں کسب معیشت اور حصول مال کا فطری اور پاکیزہ ذریعہ ہو۔ پس سود کا پیشہ کرنا اور اس کو معاملہ کی حیثیت دینا درحقیقت حصول مال کے شرعی ذریعہ کو مسدود کرنا ہی جس کی تمدنی تباہیاں محتاج بیان نہیں ۔۔۔۔ ایک اور مضر اور رابطۂ انسانی پر کاری ضرب لگانیوالا پہلو یہ ہو کہ سود کا معاملہ منبع اختلاف باہمی کا ایک غیر مشتبہ سبب ہوجاتی کہ اس سے پیدا شدہ اختلافات کبھی کبھی جنگ و جدل کی صورت اختیار کرلیتے ہیں اور سیکڑوں جانیں ضائع جاتی ہیں کتنے ہی گھر تباہ و برباد ہوجاتے ہیں علاوہ ازیں سودی کاروبار غایت درجہ ذلیل اور ناپاک پیشہ ہو جسکی بدولت انسان میں بےمروتی، بےحیائی، ذلت انگیزی کی مذموم خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور احسان و سلوک اور ہمدردی کرنے کا دروازہ بند ہوجاتا ہو ۔۔۔۔ آگے آیۂ قرآن نے حصول مال کے ذرائع کو پاک رکھنے کا ایک مکمل اصول بتادیا ہو اور ہر ناجائز اور باطل طریقہ کو ممنوع قرار دیدیا ہو ۔۔۔۔ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (بقرہ) ترجمہ:۔ اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر مت کھاؤ اور ان کو حاکموں تک مت پہنچاؤ تاکہ لوگوں کے مالوں کا ایک حصہ بطریق ظلم کھاجاؤ اور حرام کو اپنے ناحق ہونیکا علم بھی ہو ۔۔۔۔ آیت مذکورہ بالا میں نہایت بلاغت اور حکمت کے ساتھ ناجائز کمائی کے تمام تر ذرائع کی طرف صاف و صریح اشارہ کردیا گیا ہو اور تھوڑے سے غور و فکر کے بعد معلوم ہوجاتا ہو کہ چوری، خیانت، دغابازی، رشوت، زبردستی، سود، شراب فروشی، قماربازی اور تمام دوسری ناجائز تجارتوں کے ذریعہ سے مال کمانا حرام اور ناجائز ہے، اور رشوت کے ذریعہ کسی حاکم کو اپنا موافق بناکر کسی کا مال کھالینا، یا جھوٹی گواہی دے کر، یا جھوٹی قسم کھاکر، غلط دعویٰ کرکے، اپنی لفاظی، غلط بیانی اور بیجا دلائل کا دباؤ ڈال کر۔ اپنے ناحق پر یقین ہونے کا علم یقین رکھتے ہوئے کسی کا مال کھالینا بھی حرام اور سخت جرم ہے۔ لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ الخ کی غیر محدود وسعتوں میں مذکورہ تمام صورتیں نظر آرہی ہیں۔
آیت سے اس بات پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ حاکم کے جائز کردینے اور فیصلہ کردینے سے کوئی کوئی حلال حرام ہوسکتا ہے نہ حرام حلال۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

انکم تختصمون الی ولعل بعضکم الحن	تم میرے پاس اپنے مقدمات لیکر آتے ہو اور
بحجتہ من بعض فاقضی لہ علی نحو	شاید ایک فریق دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ

(بقیہ مضمون صفحہ ۴۴ پر ملاحظہ ہو)

مُسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے؟

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی — نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

ملک کی تقسیم کے بعد سے "ہندوستان" کے مختلف مقامات پر مسلمانوں پر جو آفتیں اور مصیبتیں آئیں اور جن تباہیوں اور بربادیوں سے انھیں دوچار ہونا پڑا، افسوس ہے کہ ان حالات سے جو سبق ہمیں لینا چاہئے تھا، ہمارے بہت سے بھائیوں نے ابھی تک نہیں لیا اور ہماری جن بداعمالیوں اور غلط کاریوں نے ہمیں یہ بُرا وقت دکھایا، اب تک بھی نہ تو ہم نے ان کو سمجھنے کی کوشش کی ہے اور نہ ان سے بچنے کی فکر ہم میں پیدا ہوئی ہے —— اگر خدانخواستہ ہماری غفلت کا یہی حال رہا تو شاید اس ملک سے اسی طرح ہمارا نام و نشان تک مٹ جائیگا جس طرح کہ اسپین اور سسلی میں سیکڑوں برس حکومت کرنے کے بعد وہاں سے مسلمان قوم کا قطعی خاتمہ ہو گیا اور اب وہاں اُنکی قبروں کا بھی کوئی نام و نشان باقی نہیں ہے۔

برادرانِ ملت! ہماری اس ذلت و پستی اور تباہی و بربادی کے دو سبب ہیں۔ ایک اصلی[۱] اور حقیقی سبب تو وہ ہے جو اگرچہ صرف ظاہری آنکھیں رکھنے والوں کو نظر نہیں آتا لیکن اللہ و رسولؐ نے بتلایا ہے اور اللہ نے اپنے جن بندوں کو خاص بصیرت اور معرفت دی ہے وہ بھی اس کو جانتے اور سمجھتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ موجودہ مسلمان قوم کی غالب اکثریت ایمان کے دعوے اور اسلام کے اقرار کے باوجود اللہ سے اور اُسکے دین سے بے تعلق ہے اور عملاً اُسکے احکام سے باغی ہے۔ قرآن مجید میں جا بجا بتلایا گیا ہے کہ اللہ و رسولؐ کو اور اُنکے دین کو ماننے کے بعد جب کوئی قوم نافرمانی کی زندگی اختیار کر لیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اُس قوم کو اپنی مدد سے محروم کر دیتا ہے، پھر اُس پر ذلتیں اور مصیبتیں آتی ہیں، مگر اللہ تعالیٰ اُسکی کوئی مدد نہیں کرتا، پس ہماری موجودہ ذلت و بربادی کا اصلی اور بُنیادی سبب تو مسلمان کہلانے کے باوجود ہماری قوم کی یہ غیر اسلامی زندگی ہے کہ ہم اللہ کے مقرر کئے ہوئے فرائض ادا نہیں کرتے اور جن باتوں کو اُس نے حرام کیا ہے اُن سے پوری طرح پرہیز نہیں کرتے —— آج حالت یہ ہے کہ مسلمان قوم میں پابندی سے نمازیں پڑھنے والے اور حساب سے زکوٰۃ ادا کرنیوالے، خدا سے ڈرنے والے اور اُسکے حکموں پر چلنے والے بہت کم ہیں اور نمازیں نہ پڑھنے والے، زکوٰۃ نہ دینے والے، جھوٹ بولنے والے، لین دین میں دھوکہ فریب کرنیوالے، رشوتیں کھانے والے، حرام طریقوں سے نفسانی شہوتیں پوری کرنیوالے، سینما دیکھنے والے اور اسی طرح کے دوسرے حرام کام کرنیوالے بہت زیادہ ہیں۔ جب قوم کی حالت یہ ہے تو ظاہر ہے کہ وہ اللہ کی رحمت اور مدد کے بجائے لعنت اور غضب کی مستحق ہو چکی ہے اور یہ جو کچھ ہو رہا ہے اسی کا ظہور ہے —— "از ماست کہ بر ماست"۔

دوسرا[۲] ظاہری سبب ان ذلتوں اور مصیبتوں کا یہ ہے کہ اپنی بداعمالی اور بے دینی کی وجہ سے اللہ کی غیبی مدد

---

[۱] مسلمانوں کی ذلت و پستی اور تباہی و بربادی کے اس سبب کو ہم پوری تفصیل سے اور آیات و احادیث کے حوالوں کے ساتھ اپنے ایک دوسرے مستقل مضمون میں واضح کر چکے ہیں جس کا عنوان ہے "مسلمانوں کی کمزوری کے بنیادی اسباب"۔ ۱۲م

اور ایمانی وروحانی طاقت وقوت سے تو ہم محروم ہو ہی چکے تھے اسکے علاوہ اس ملک میں ہماری تعداد بھی دوسروں کے مقابلے میں بہت کم تھی اور یہ بھی صاف نظر آرہا تھا کہ انگریزی حکومت اس ملک سے ختم ہوکے رہیگی اور اس کی جگہ اپنے ملک کی جمہوری حکومت قائم ہوگی اور اس میں قدرتی طور پر اختیار واقتدار اکثریت والے فرقہ ہی کا ہوگا۔ اسکے باوجود عام مسلمانوں نے پچھلے چند سالوں کی اپنی سیاسی جدوجہد میں ہوش سے زیادہ جوش سے کام لیا اور سنجیدگی اور رواداری کے اسلامی اصولوں کو بالائے طاق رکھ کے برادران وطن کیساتھ دلآزاری اور اشتعال انگیزی کا نہایت غلط رویہ اختیار کیا^ل (بلکہ خود مسلمانوں میں سے جو لوگ اہل وطن کے ساتھ سیاسی اشتراک عمل اور باہمی اتحاد ورواداری کے حامی تھے اُنکی بھی انتہائی تذلیل وتوہین کیگئی^۲) اس کا نتیجہ یہی ہونا تھا اور یہی ہوا کہ باہمی تعلقات حد درجہ خراب ہوگئے اور نفرت وعداوت کے جذبات شرافت وانسانیت پر غالب آگئے اور ظلم وستم اور قتل وغارت کی وہ گرم بازاری ہوئی کہ اللہ کی پناہ! ـــــ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ یہ جو کچھ فتنہ وفساد ہوا اسکی ساری ذمہ داری مسلمانوں ہی کی اس غلط کاری پر ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جہانتک ہندوستانی مسلمانوں کا تعلق ہے ان پر تو دوسروں ہی کی طرف سے مظالم ہوئے ہیں اور اسلئے اس ملک کے خون خرابہ میں ظالم اور مجرم مسلمان نہیں بلکہ دوسرے ہی ہیں لیکن از روئے انصاف ہمیں یہ اقرار کرنا چاہئے کہ اسکی ذمہ داری میں اتنا حصہ بہت سے مسلمانوں کی اس بے دانشی کا بھی ہے کہ جس قوم کیساتھ انکا رہنا سہنا تھا اور تعداد میں سات گنی ہونے کی وجہ سے آج کل کے جمہوری اصولوں کی بنا پر جس کے ہاتھ میں حکومت کا اختیار واقتدار آنا بالکل یقینی تھا، اس کے ساتھ انھوں نے اپنے تعلقات نہایت خراب کرلئے اور ہمدردی اور مروت کے وہ سارے رشتے کاٹ ڈالے جو صدیوں سے قائم تھے۔ بہرحال ابتک جو کچھ ہوا وہ ہوچکا اور گزرے ہوئے زمانہ کو واپس نہیں لایا جاسکتا لہٰذا اب ہمیں آئندہ کیلئے سوچنا چاہئے کہ ہمارے لئے صحیح لائحہ عمل اور راہ نجات کیا ہے؟۔

آئندہ کیلئے لائحہ عمل اور راہ نجات

موجودہ ہندوستان میں چار کروڑ سے زیادہ مسلمان ہیں جو لوگ دنیا کے حالات سے کچھ واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ اتنی بڑی تعداد کسی ایک ملک سے دوسرے ملک میں نہیں جاسکتی اور نہ اتنے آدمیوں کو کوئی ملک اپنے یہاں بسانے کا انتظام کرسکتا ہے اسی وجہ سے پاکستانی حکومت کے ذمہ داروں نے بار بار اعلان کیا ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کو ہندوستان ہی میں رہنا چاہئے بلکہ جو لاکھوں آدمی اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر آجاچکے ہیں ان کی واپسی پر بھی غور ہو رہا ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے تو ہمیں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ہمیں یہیں رہنا ہے اور مسلمان رہ کر جینا اور مرنا ہے اور آنے والے حالات کا ایک مومن کی طرح مقابلہ کرنا ہے۔

دوسری بات ہمیں یہ سمجھ لینی چاہئے کہ یہاں ہماری تعداد، کل آبادی کا قریباً آٹھواں حصہ ہے یعنی تقریباً بارہ[۱۲] تیرہ[۱۳] فیصدی، ایسی صورت میں باہمی تعلقات جس قدر خراب رہینگے اسی قدر مشکلات زیادہ ہوں گی اور باہمی رواداری اور تعلقات میں خوشگواری جتنی زیادہ ہوگی اسی قدر سکون اور عافیت کے امکانات زیادہ ہوں گے۔ لیکن یاد رہے کہ

ل اب سے ڈیڑھ دو سال پہلے جبکہ میرا قیام بریلی میں تھا میں نے خود دیکھا کہ مسلمانوں کی ذہنیت اسقدر خراب کردیگئی تھی کہ مسلمان بچے گلی کوچوں میں نہایت دلآزار نعرے لگاتے تھے اور دیواروں پر بڑے سے بڑے ہندو لیڈروں کے نام نہایت گندی گالیاں لکھتے تھے، اور انکے بڑے انکو ان حرکتوں سے نہیں روکتے تھے۔ ۲ اوروں کا کیا ذکر مولانا آزاد اور مولانا مدنی جیسی شخصیتوں کیساتھ مسلمانوں نے جو کچھ کیا تھا وہ بہت پرانی بات نہیں ہے۔ ۱۲

رواداری کا مطلب وہ غلامانہ خوشامد اور خود فروشی نہیں ہے جس کا نمونہ بعض بے اصولے لوگ پیش کر رہے ہیں کہ اسلامی شعائر و احکام کو پامال کر کے اور مسلمانوں کے مخصوص مذہبی حقوق سے دستبرداری میں سب سے آگے بڑھ کے برادران وطن کو خوش کرنا چاہتے ہیں، یہ رواداری نہیں ہے بلکہ نہایت مضر قسم کی حماقت یا ذلیل قسم کی خود غرضی ہے ــــ ہمارے نزدیک رواداری کا مطلب صرف یہ ہے کہ بنی نوع انسان اور برادران وطن ہونے کی حیثیت سے ہم اُنکے حقوق اور جذبات کا لحاظ کریں اور ہمارا رویہ بھلے آدمیوں اور شریف انسانوں کا سا ہو، نیز ہمارا یہ طرز عمل خود غرضی اور سودے بازی کے طور پر بھی نہ ہو بلکہ ہم اس کو اسلام کی تعلیم اور انسانیت و شرافت کا طریقہ سمجھ کر اختیار کریں خواہ دوسروں کا رویہ ہمارے ساتھ کیسا ہی ہو۔

اسکے علاوہ مستقبل میں مسلمانوں کی باعزت زندگی کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ انکے عام اخلاق نہایت بلند اور سیرت پاکیزہ ہو ــ مسلمان اگر اخلاق و سیرت میں دوسروں کے مقابلہ میں ممتاز ہو جائیں اور دنیا کچھ دنوں کے تجربے اور برتاوے کے بعد یہ جان لے کہ مسلمان دوکاندار ایماندار اور سچا ہوتا ہے، مسلمان درزی کپڑا نہیں بچاتا اور وعدہ کا پکا ہوتا ہے، اور مسلمان کاریگر کارخانہ میں زیادہ محنت اور زیادہ ایمانداری سے کام کرتا ہے، اور مسلمان حاکم رشوت نہیں لیتا اور وہ ہمیشہ حق و انصاف ہی کے فیصلے کرتا ہے اور مسلمان اہل کار اپنے فرائض دیانت داری ہی سے انجام دیتا ہے تو ظاہر ہے کہ تجارت، ملازمت اور محنت و مزدوری کسی چیز میں بھی مسلمان پیچھے نہیں رہیگا، دنیا خود اُسکی طالب اور خریدار ہوگی اور وہ جہاں بھی ہوگا عزت و اعتبار کی نگاہ سے دیکھا جائیگا۔ اچھائی اور سچائی کی ہر جگہ قدر ہوتی ہے اور وہ اپنے لئے خود عزت کا مقام پیدا کر لیتی ہے۔

ہندوستانی مسلمانوں کو باعزت زندگی حاصل کرنے کیلئے یہاں تک ہم نے جو دو تین مشورے دئیے یہ تو ایک طرح کی عمومی ظاہری تدبیریں ہیں اور جو قوم بھی ایسے حالات میں ان تدبیروں کو اختیار کرے وہ دنیا میں عزت و اطمینان کی زندگی حاصل کرنے میں انشاء اللہ کامیاب ہو سکتی ہے ــــ لیکن مسلمان قوم کیساتھ اللہ تعالیٰ کا ایک خاص معاملہ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر وہ اپنی بداعمالیوں سے توبہ کر کے اصلی اسلامی زندگی اختیار کر لے یعنی اللہ و رسولؐ کے احکام پر چلنے لگے، فرائض ادا کرنے لگے، اور محرمات و معصیات سے بچنے لگے، بیحیائی، بدمعاملگی، اور بداخلاقی کے تمام کاموں سے پرہیز کرنے لگے اور دنیا کے مقابلہ میں اس کا تعلق اور اُسکی دلچسپی دین اور آخرت سے زیادہ ہو جائے، اور وہ خدا ناشناس قوموں کی طرح دنیوی مفادات اور حقوق پر لڑنے مرنے کے بجائے اللہ کی مخلوق کیلئے صرف اللہ کے دین کی داعی اور پیامی بنجائے، الغرض اُس کی زندگی صاحب ایمان اور صاحب دعوت قوم کی زندگی بنجائے تو اللہ تعالیٰ کا محکم وعدہ ہے کہ وہ اس کو دنیا میں بھی ہر طرح سرفراز کریگا اور اُسکے دشمن یا تو خود اُسکے قدردان اور عقیدت مند بنجائینگے اور اگر دشمنی اور بدخواہی سے باز نہ آئینگے تو اللہ تعالیٰ اُنکی قوت و طاقت توڑدے گا اور یہ ایمان والی قوم تعداد کی کمی اور اسباب و وسائل کی کمزوری کے باوجود اللہ تعالیٰ کی خاص غیبی مدد سے عزت و اقتدار کا مقام حاصل کر لیگی، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے اس قانون کو جا بجا اور تفصیل سے بیان فرمایا گیا ہے اور اسلام کے ابتدائی دور میں اپنی تعداد کی بیحد کمی اور انتہائی بے سروسامانی کے باوجود جو عروج حاصل ہوا تھا وہ

---

[۱] مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام جیلخانہ سے نکال کے جو مصر کے بڑے صاحب اختیار حاکم بنائے گئے اور ملک حبشہ میں صحابۂ کرامؓ کا جو اعزاز و اکرام ہوا وہ اس کی تاریخی نظیریں ہیں۔

اسی راستہ سے حاصل ہوا تھا ——— موجودہ حالات میں مسلمانوں کو اسلام و قرآن کی ہدایت یہی ہے ——— اس راہ پر چلنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیوی مشکلات بھی ختم ہونگی اور آخرت میں اللہ کی رضا اور وہ جنت حاصل ہوگی جو دراصل حاصل کرنیکی چیز ہے۔

ہم اسی راہ کو اپنے لئے اور تمام عالم اسلامی کے مسلمانوں کیلئے بلکہ ساری انسانی دنیا کیلئے راہ نجات سمجھتے ہیں، خود اسی پر چلنا چاہتے ہیں اور خلوص و یقین کیساتھ ہم سب کو اسکی دعوت دیتے ہیں ——— اگر آپکے دل کو بھی یہ بات لگے تو بسم اللہ راستہ کھلا ہے چل پڑیئے۔ مختصر ابتدائی پروگرام یہ ہے۔

ابتک دین کے بارہ میں جو کوتاہیاں ہوتی رہیں سچے دل سے اُنسے توبہ و استغفار کر کے آئندہ کیواسطے دینی زندگی اختیار کرنیکا فیصلہ کر لیجئے۔

(۱) کلمۂ طیبہ کا مطلب اور اُسکے مطالبہ کو سمجھ کر اور اُس کا دھیان رکھتے ہوئے کثرت سے اسکو پڑھا کیجئے اور اسکے ذریعہ ایمانی عہد کو تازہ کرتے رہا کیجئے۔

(۲) نماز پابندی کیساتھ ادا کیا کیجئے اور ہمیشہ اس کو صحیح طور پر اور اللہ و رسولؐ کے حکم کے مطابق پورے خشوع و خضوع کیساتھ ادا کرنے کی کوشش کرتے رہئے، ایمان کے بعد نماز ہی دینی زندگی کی اصل و اساس ہے۔

(۳) نیز نماز کے علاوہ دوسرے فرائض ادا کرنے اور محرمات و معصیات اور بداخلاقی اور بد معاملگی سے بچنے کا خاص اہتمام کیجئے!

(۴) بقدر ضرورت دینی معلومات اگر آپ کو حاصل نہیں ہیں تو انکا حاصل کرنا بھی ضروری سمجھئے۔ (جس کا زیادہ مؤثر اور بابرکت ذریعہ دینداروں اور دین کے جاننے والوں کی صحبت ہے اس ذریعہ سے علم کیساتھ عمل بھی نصیب ہو جاتا ہے)۔

(۵) اللہ تعالیٰ سے تعلق و محبت بڑھانے اور اپنے دل کی اصلاح کیلئے کچھ ذکر مسنون کا بھی معمول رکھئے! جیسے کلمۂ سوم سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر، اور درود شریف، استغفار۔

(۶) یہ دینی زندگی اختیار کرنے کی دوسروں کو بھی دعوت دیجئے اور اپنے دوسرے مشغلوں کے مقابلہ میں اس دعوت و تبلیغ کو اہم اور اصل سمجھئے۔ اس کیلئے لوگوں سے زبانی باتیں کیجئے، اس سلسلہ کے مضامین اور مقالات پڑھ کر سنایئے اور پڑھے لکھوں کو پڑھنے کیلئے دیجئے، اور یہ سارے کام محض خالصاً لوجہ اللہ اور ثواب اخروی کی نیت سے کیجئے۔ (اس تبلیغ و دعوت کے سلسلہ میں مسلمانوں کے مختلف افراد اور طبقات سے آپ کا واسطہ پڑیگا آپ حسب مراتب سب کے ساتھ اکرام و احترام اور محبت و شفقت سے پیش آئیں اور اپنے آپ کو سب کا خادم سمجھیں)۔

(۷) حسب گنجائش ہفتہ میں ایک دو دن یا مہینہ میں کچھ دن ایسے نکالئے جن میں اپنے دوسرے کاموں سے بالکل فارغ و یکسو ہو کر اس پروگرام پر عمل کرنے والے اپنے دوسرے رفیقوں کیساتھ اپنا پورا وقت آپ اصحاب صفہ کی طرح دین کی تبلیغ و دعوت اور اس راہ کی محنت و مشقت میں اور دینی تعلیم و تربیت اور ذکر و عبادت اور اسی طرح کے دوسرے دینی مشاغل میں صرف کریں تاکہ دین سے آپ کا تعلق بڑھے اور دینی رنگ آپ کی زندگی پر غالب ہو اور دین کی دعوت کا خاص سلیقہ آئے۔ (یہ آخری نمبر ہماری اس دینی دعوت کے پروگرام کا خاص جز ہے بلکہ اس کی ریڑھ کی ہڈی ہے)۔ اس کام اور پروگرام کے متعلق پوری معلومات حاصل کرنے کا اصلی ذریعہ چند روز ساتھ کام کرنا ہے۔ پس جو حضرات شرکت عمل اور مشاہدہ سے اس کام کو سمجھنا چاہیں وہ اس عاجز سے پہلے خط کتابت کر کے لکھنؤ آ کر بھی اس کو دیکھ سکتے ہیں۔ والسلام

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ مدیر "الفرقان"
دفتر الفرقان گوئن روڈ لکھنؤ

مطبوعہ نامی پریس لکھنؤ

(رجسٹرڈ نمبر اے ۳۵۳)

مسلمانوں کے تنزل سے دنیا کو کیا نقصان پہنچا؟

(از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

اس کتاب کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں کے برسر اقتدار آنے سے پوری دنیا میں کس طرح روحانیت اور ایمانداری غالب ہوگئی تھی اور تمام اقوام عالم کے اخلاق و افکار اور تہذیب و تمدن پر کتنا اچھا اثر پڑا تھا، اور پھر مسلمانوں کے زوال اور یورپین اقوام کے برسر اقتدار آنے سے دنیا کی تہذیب اور اخلاق و رجحانات پر کیا اثر پڑا ہے اور انسانوں پر مادیت و حیوانیت کس قدر غالب آتی جا رہی ہے اور اب مسلمانوں کی ذمہ داری کیا ہے؟ - بلاشبہ یہ تصنیف اس طرح کی کتابوں میں سے ہے جو قوموں میں بڑے بڑے انقلاب کی بنیاد بن جاتی ہیں۔ (قیمت مجلد صرف ۳؍)

حضرت مولانا محمد الیاس رح اور اُن کی دینی دعوت

(تالیف مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

جدید اڈیشن

یہ کتاب اس دور کے مشہور مصلح اور عارف مولانا محمد الیاس رح کی سوانح حیات ہے، جس میں مولانا کے ذاتی حالات اور سوانح کے علاوہ اُنکی مشہور دینی دعوت کو بھی تفصیل سے پیش کیا گیا ہے، جو بلاشبہ اس دور کی سب سے بڑی اور گہری دینی تحریک ہے۔

اس دعوت و تحریک کے پس منظر، اسکے بنیادی اصول اور اسکی ارتقائی منزلوں کو جس تحقیق و تنقیح کیساتھ بہترین علمی اور تصنیفی زبان میں اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے وہ اسکے محترم مؤلف ہی کا خداداد حصہ ہے۔

اس اڈیشن میں تین اضافے نہایت اہم ہیں

(۱) شروع میں حضرت علامہ سید سلیمان ندوی مدظلہ کا مفصل اور مبسوط مقدمہ ہے جس میں کتاب و سنت کی روشنی میں انبیاء علیہم السلام کے اصولِ دعوت کی تشریح کرکے دکھلایا گیا ہے کہ اس دینی تحریک کو اسوۂ انبیاء سے کس درجہ کی مطابقت ہے۔

(۲) حضرت مولانا محمد الیاس رح کے نہایت اہم خطوط و مکاتیب کے قریباً ۷۰-۸۰ اقتباسات یہ خطوط کتاب کی پہلی تیاری کے وقت نہیں مل سکے تھے۔

(۳) مولانا مرحوم کے آخری سفر حجاز کی مفصل روداد، جو حرمین میں دعوت کا سلسلہ جاری کرنے کے لئے کیا گیا تھا — ان اضافوں نے کتاب کی قدر و قیمت اور اس کی تاثیر و طاقت میں بہت بڑا اضافہ کر دیا ہے۔ اسکے علاوہ نظر ثانی میں اور بھی ضروری ترمیمیں اور بعض غلطیوں کی تصحیح کی گئی ہے۔

اس مرتبہ کتابت و طباعت خاص اہتمام سے دہلی میں ہوئی ہے۔ ہر طرح دیدہ زیب ہے (قیمت ۲؍)

ملنے کا پتہ: کتب خانہ الفرقان گوئن روڈ لکھنؤ

اردو زبان میں احادیث نبوی کا مستند ذخیرہ

"زادِ سفر":- اخلاق و اعمال، اور تہذیب و معاشرت بلکہ زندگی کے تمام انفرادی اور اجتماعی معاملات میں مسلمانوں کی رہنمائی کیلئے یہ کتاب کافی ہے یہ درحقیقت مشہور محدث امام نووی متوفی ۶۷۶ھ کی مستند کتاب "ریاض الصالحین" کا سلیس اردو زبان میں ترجمہ ہے۔ حسب ضرورت حواشی میں مطالب کی مزید توضیح بھی کردی گئی ہے۔ ریاض الصالحین مسلم طور پر احادیث نبویہ کا بہترین اور نہایت جامع انتخاب ہے، اور افادہ کے لحاظ سے یہ ترجمہ بالکل اصل کے قائم مقام ہے۔ اور ایک خصوصیت یہ بھی اہم کہ ایک ذی علم دینی بہن کے قلم سے ہے، شروع میں حضرت مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ کا مقدمہ ہے (جلد اول قیمت للعہ)

(محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے نامی پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر "الفرقان" گوئن روڈ لکھنؤ سے شائع کیا)